مقدمہ طبع اول

(مصنف)

مسلمانوں کی سیاسی ، دینی ، ثقافتی اور معاشرتی تاریخ کی دوسری جلد پیش کی جاتی ہے ۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی تھی جس میں زمانۂ جاہلیت ، عہد رسالت ، دور خلفائے راشدین اور عہد خلفائے بنی امیہ کی سیاسی ، دینی ، ثقافتی اور معاشرتی تاریخ بیان کی گئی ہے ۔

دوسری جلد عباسیوں کے دور اول (۱۳۲ھ - ۲۳۲ھ) کی تاریخ ہے ، جسے بعض مؤرخین نے مسلمانوں کے سنہری دور سے تعبیر کیا ہے ۔ اس تاریخ کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلے باب میں ان مختلف فرقوں کی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے ، جو امویوں کے آخری دور میں پیدا ہو گئے تھے اور ان اثرات و عوامل سے بحث کی گئی ہے جن کا عباسیوں کی حکومت کے قیام میں بہت بڑا دخل تھا ۔ دوسرے باب میں عباسیوں کے دور اول کے خلفاء کے حالات اور ہر خلیفہ کے عہد کے اہم تاریخی واقعات کا تذکرہ ہے ۔ تیسرے باب میں اس دور کی سیاسی اور دینی تحریکوں پر نظر ڈالی گئی ہے ، اس زمانہ کی سیاسی اور معاشرتی زندگی پر ان تحریکوں کا جو اثر پڑا تھا ، اس پر بھی بحث کی گئی ہے ۔ چوتھے باب کا موضوع ہے خلافت عباسیہ کے خارجی تعلقات ۔ اس باب میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ بلاد مغرب سے (جن سے دولت عباسیہ کی ہمیشہ جنگ رہتی تھی) بلاد اندلس سے ، فرنگی ملکوں سے ، بازنطینی سلطنت سے اور ہندوستان سے خلافت عباسیہ کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی ۔ پانچویں باب میں سیاسی ، انتظامی ، مالی ، جنگی اور عدالتی نظام سے بحث کی گئی ہے اور اس کا جائزہ اس انداز سے لیا گیا ہے کہ نظام حکومت

کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت ہو جائے - چھٹا باب اس دور کی اقتصادی حالت اور مسلمانوں کی ان ترقیوں سے متعلق ہے جو انہوں نے زراعت، صنعت اور تجارت میں کی تھیں - ساتویں باب میں ثقافت اور فنون لطیفہ کی تفصیل ہے- اس باب میں مختلف علوم نقلیہ مثلاً تجوید و قرأت، تفسیر، حدیث و فقہ، علم کلام، علم نحو اور شعر و ادب پر نظر ڈالی گئی ہے اور علوم عقلیہ کی مختلف قسموں پر بحث کی گئی ہے - اس باب میں اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اراکین سلطنت نے غیر زبانوں کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے کی جو حوصلہ افزائی کی تھی، اس کا مجموعی اثر کیا ہوا تھا - اس باب میں ثقافت اور درس و تدریس کے مرکزوں کا تذکرہ بھی ہے اور اس پر بھی نظر ڈالی گئی ہے کہ تاریخ و جغرافیہ، علم نجوم، ریاضیات علم کیمیا اور علم طب میں مسلمانوں نے کتنی دلچسپی لی اور ان علوم کو کس قدر بام عروج پر پہنچایا - اس باب میں فنون لطیفہ کے ارتقاء خصوصاً فن تعمیر کے ارتقاء کی تاریخ پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے - شائد یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ فن تعمیر کی ترقی اور عروج کو ہر زمانے میں قوموں کی تمدنی ترقی اور عروج کا پیمانہ سمجھا گیا ہے - آٹھویں باب میں اس دور کی معاشرتی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے اور عباسی معاشرے کے مختلف طبقوں پر بھی بحث کی گئی ہے - اس ضمن میں غناء و طرب کی مجلسوں، خلفاء، وزراء اور امراء کی محفلوں کا بھی ذکر آ گیا ہے - لباس اور کھانوں کی مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں اور عیدین، موسمی تقریبات، جشن کی محفلوں اور تفریحات کی مجلسوں کا ذکر بھی ہے - اس کے علاوہ صراحت سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس معاشرے میں عورت کی حیثیت کیا تھی -

میں نے اس تاریخ میں ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے اور دوسرے مؤرخین کی طرح محض تاریخی واقعات بیان نہیں کر دئے بلکہ تاریخی واقعات اور حوادث کے ساتھ ساتھ اس عہد کی سیاسی،

دینی ، ثقافتی اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ھے تاکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے اس دور کی تاریخ کے مختلف گوشے آجائیں - جو لوگ کسی چیز کا مطالعہ وسیع پیمانے پر کرنا چاھیں ، ان کی آسانی کے لئے آخر میں اصل مآخذوں کی فہرست بھی دے دی گئی ھے، اس طرح امید ھے کہ کتاب کی افادی حیثیت میں اضافہ ھو جائے گا -

حسن ابراھیم حسن

٦ - فروری ، ١٩٣٥ء

مقدمہ طبع ثانی

(مصنف)

فروری ۱۹۳۵ء میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپنے کے بعد میں تیسری جلد کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہوگیا، جو عباسیوں کے دور ثانی (۲۳۲ھ تا ۳۳۴ھ) کی تاریخ ہے - اس جلد میں وہ تمام اہم امور شامل کر دئے گئے، جن کا تذکرہ دور اول کی تاریخ میں نہیں ہو سکا تھا، خصوصاً بلاد مغرب اور اندلس کی تاریخ کے ان سب گوشوں کو اجاگر کر دیا گیا جو دور اول کی تاریخ میں دھندلے رہ گئے تھے -

جب میں نے دوسری جلد کو دوسری بار چھپوانے کا ارادہ کیا تو مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ تیسری جلد کی یہ سب معلومات ان کی اصل جگہ یعنی دوسری جلد میں منتقل کر دوں، اس کے علاوہ میں نے بہت سی نئی معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے - اس اضافے کے لئے نئے ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے - ان اضافوں کی وجہ سے یہ دوسرا ایڈیشن ترتیب اور سواد کے اعتبار سے پہلے ایڈیشن سے زیادہ مکمل ہے - تیسری جلد کے دوسرے ایڈیشن کی ترتیب و تدوین کے وقت تیسری جلد سے ان چیزوں کو خارج کر دیا جائے گا جو دوسری جلد میں منتقل کر دی گئی ہیں -

آخر میں مصطفیٰ السقاء (پروفیسر فؤاد اول یونیورسٹی) اور ڈاکٹر محمد جمال الدین سرور (لیکچرار فؤاد اول یونیورسٹی) کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری مخلصانہ مدد کی ہے - پروفیسر حافظ احمد حمدی کا بھی دل سے سپاس گزار ہوں، جنہوں نے اس کتاب کے

لئے اسلامی سلطنت کا مکمل نقشہ تیار کیا - ان کے علاوہ حسن محمود آفندی بھی میرے شکریہ کے مستحق ھیں ، جنھوں نے مختلف طریقوں سے میری مدد کی ھے -

یکم مئی ، ۱۹۳۸ء

حسن ابراھیم حسن

فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

نظام حکومت

باب ششم

اقتصادی حالت

باب ہفتم

ثقافت اور فنون لطیفہ

باب هشتم

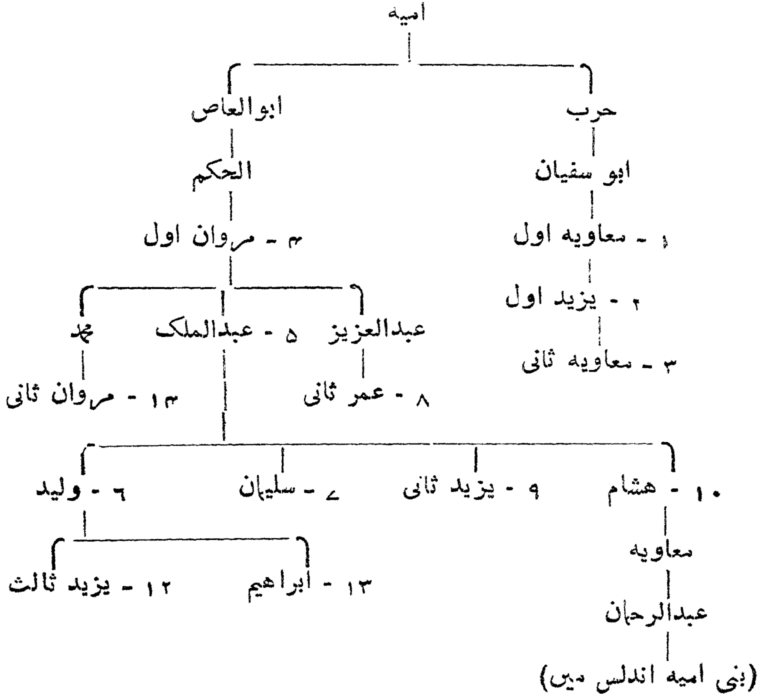
خلفائے بنی اُمیہ

(۴۱ - ۱۳۲ ہجری = ۶۶۱ - ۷۵۰ عیسوی)

	خلفاء کے نام	ہجری	عیسوی
۱	معاویہؓ	۴۱	۶۶۱
۲	یزید الاول	۶۰	۶۸۰
۳	معاویہ ثانی	۶۴	۶۸۳
۴	مروان	۶۴	۶۸۳
۵	عبدالملک	۶۵	۶۸۵
۶	ولید	۸۶	۷۰۵
۷	سلیمان	۹۶	۷۱۵
۸	عمرؒ بن عبدالعزیز	۹۹	۷۱۷
۹	یزید ثانی	۱۰۱	۷۲۰
۱۰	ہشام	۱۰۵	۷۲۴
۱۱	ولید ثانی	۱۲۵	۷۴۳
۱۲	یزید ثالث	۱۲۶	۷۴۴
۱۳	ابراہیم	۱۲۶	۷۴۴
۱۴	مروان ثانی	۱۲۷	۷۴۴
	خلافت بنی عباسیہ (السفاح)	۱۳۲	۷۵۰

(۹۰ سال)

خلفائے بنی امیہ کا شجرۂ نسب



باب دوم

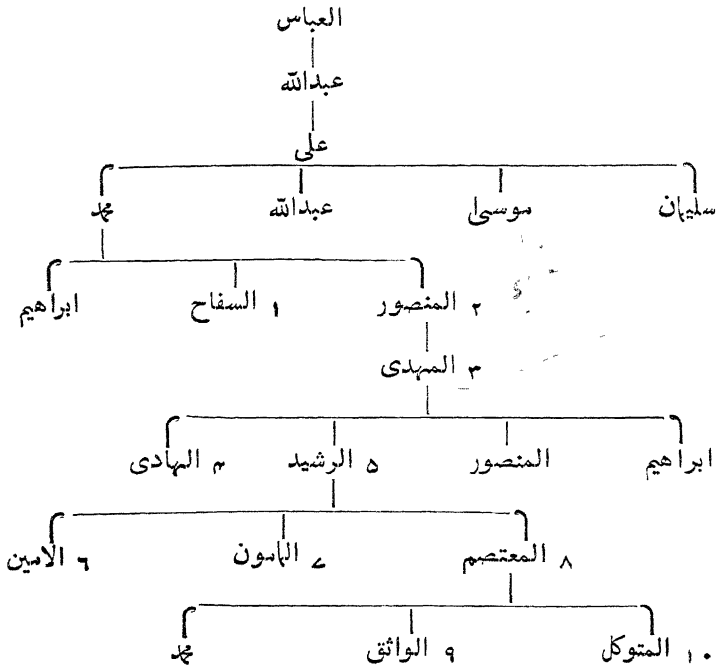
عباسیوں کے دور اول کے خلفاء

حالات اور اہم واقعات

عباسیوں کے دور اول کے خلفاء

السفاح	۱	...	...	...	۱۳۲ھ	۷۵۰ء
المنصور	۲	...	...	...	۱۳۶ھ	۷۵۴ء
المہدی	۳	...	...	...	۱۵۸ھ	۷۷۵ء
الہادی	۴	...	...	..	۱۶۹ھ	۷۸۵ء
الرشید	۵	...	...	...	۱۷۰ھ	۷۸۶ء
الامین	۶	...	...	...	۱۹۳ھ	۸۰۹ء
المامون	۷	...	...	...	۱۹۸ھ	۸۱۳ء
المعتصم	۸	...	...	...	۲۱۸ھ	۸۳۳ء
الواثق	۹	...	...	...	۲۲۷ھ	۸۴۲ء
	۱۰	..	...	...	۲۳۲ھ	۸۴۷ء

(۵۲۵ ل)


العباس
عبدالله
على
سليمان
موسى
عبدالله
محمد
٢ المنصور
١ السفاح
ابراهيم
٣ المهدى
ابراهيم
المنصور
٥ الرشيد
٤ الهادى
٨ المعتصم
٧ المامون
٦ الامين
١٠ المتوكل
٩ الواثق
محمد

عباسیوں کے دور اول کے خلفاء

(۱۳۲ تا ۲۳۲ھ)

اس باب میں عباسیوں کے دور اول (۱۳۲ تا ۲۳۲ھ) کے خلفاء کا تذکرہ ہے اور ان خلفاء کے حالات اور ان کے دور خلافت کے اہم واقعات پر بحث کی گئی ہے ۔

عباسیوں نے کوئی سوا پانچ سو برس حکومت کی ہے ۔ ۱۳۲ھ میں سب سے پہلا عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح تخت پر جلوہ فرما ہوا اور ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں تاتاریوں نے بغداد میں عباسیوں کا تخت حکومت الٹ دیا ۔ عباسیوں[1] کی سلطنت دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں میں سے تھی ۔ ان کی فرمارو‌ائی میں سیاست اور مذہب دونوں کا امتزاج تھا نیک طینت اور صالح افراد دینداری اور مذہب نوازی کی وجہ سے ان کی اطاعت کرتے تھے ۔ باقی ماندہ لوگ ان کے جاہ و جلال یا اپنی توقعات کی وجہ سے ان کے سامنے سرنگوں تھے ۔ یہ خلافت و سلطنت اس خاندان میں کچھ اوپر پانچ سو برس قائم رہی ۔

دولت[2] عباسیہ بہ کثرت خوبیوں اور مکارم کی حامل تھی ۔

---

۱ ۔ الفخری : الاداب السلطانیہ صفحہ ۱۲۵ ۔
۲ ۔ الفخری صفحہ ۱۳۲ ۔

اس دور میں علم و ادب کے بازار گرم تھے ۔ فنون و کمالات کی قدر و منزلت تھی مذہبی امور کا احترام تھا خیرات و صدقات عام تھے ۔ عوام خوش حال اور مطمئن تھے ، معاشرہ ، سماجی خرابیوں سے محفوظ تھا ۔ مملکت کی سرحدیں مستحکم اور مامون تھیں ۔ لیکن عباسیوں کے آخری دور میں سلطنت میں جبر و استبداد پھیل گیا تھا ۔ اور حکومت کے نظم و نسق کا شیرازہ منتشر ہوگیا تھا اسی جبر و استبداد اور نظم و نسق کے انتشار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن ان کے اقبال کا آفتاب ڈوب گیا ۔

ابو العباس سفاح

(۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ — ۷۵۰ء تا ۷۵۴ء)

عباسیوں کے تخت حکومت پر سب سے پہلے ابو العباس عبداللہ بن محمد[۱] سفاح جلوہ فرما ہوا ۔ ابو العباس کا باپ محمد خانوادۂ عباسیہ کا ایک ممتاز فرد تھا اس نے بنی امیہ کے آخری دور میں دعوت عباسیہ کا دائرہ وسیع کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اور اپنی وفات (۱۲۵ھ) تک اس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے برابر جد و جہد کرتا رہا تھا ۔ محمد نے آخری وقت اپنے بیٹے ابراهیم کے لئے وصیت کی تھی کہ اسے اس کی جگہ امام بنایا جائے ۔

امام ابراهیم کے دور میں امویوں اور عباسیوں میں باهمی

---

۱ ۔ بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن هاشم ۔

کشمکش ایک نئے دور میں داخل ہوئی، جسے عملی دور سے تعبیر کیا جاتا ہے - (۱۲۷ھ) حران میں امام ابراہیمؑ کی نظر بندی اور قتل کے بعد ان کے خاندان کے افراد کوفے چلے گئے (صفر ۱۳۲ھ) اور چند ہفتے روپوش رہے پھر انہیں عباسیوں کے مدد گاروں نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور وہ گھروں سے باہر نکلے اس کے بعد ابو العباس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی اور اس معاملے میں اس کے بڑے بھائی ابو جعفر منصور پر اسے ترجیح دی گئی، ترجیح دینے کی وجہ یہ تھی کہ ابو جعفر منصور کی ماں کنیز تھی اور ابو العباس کی ماں عربی النسل تھی - یہ ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے -

بیعت خلافت کے بعد جمعہ کے دن سفاح نے ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا - بنی امیہ کا معمول تھا کہ وہ ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے - کھڑے ہو کر خطبہ دینے پر لوگوں نے سفاح کو تہنیت پیش کی اور کہا یہ بڑی تعریف کی بات ہے کہ آپ نے اپنے ابن عم (آنحضرتؐ) کے طریقہ کو زندہ کیا -

ابو العباس نے اپنے خطبہ میں - آل محمد کی بہت تعریف کی اور امویوں کی شدید مذمت کی - ابو العباس نے اپنے خطبے میں کہا کہ امویوں نے خلافت کو زبر دستی حاصل کیا تھا - اور اہل بیت پر جو شدید مظالم اور جور و ستم توڑے تھے - انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا - شام کی فوج کی خدمات کو سراہا اور اہل کوفہ کی بہت مدح و ستائش کی اور خاندان عباسیہ کے ساتھ ان کے خلوص اور وفا شعاری کی وجہ سے ان کے وظائف میں اضافہ کا اعلان کیا - اہل خراسان کی بڑی طعریف کی، جنہوں نے دولت

تعریف

عباسیہ کے قیام میں بہت مدد کی تھی ۔ اور ان الفاظ پر اپنے خطبہ کو ختم کیا ۔ میں سفاح ہوں بہت بڑا فیاض بھی اور شدید خونریز بھی ۔ سفاح کا مقصد یہ تھا کہ فطری طور پر جتنا میں فیاض اور نرم دل ہوں اتنا ہی سنگدل بھی ہوں اس لئے میں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ جو شخص میرے راستے میں حائل ہوگا اسے میں موت کے گھاٹ اتار دوں گا ۔

خطبہ کے بعد ابوالعباس ممبر سے اترا اور قصر خلافت کا رخ کیا اس وقت داؤد بن علی اس کے آگے آگے تھا ۔ ابوالعباس نے جاتے وقت ابوجعفر کو مسجد میں لوگوں سے بیعت لینے کے لئے مامور کر دیا تھا ۔ ابوجعفر لوگوں سے عصر کی نماز تک ابوالعباس کی بیعت لیتا رہا ۔ عصر کی نمار لوگوں کے ساتھ ادا کرنے کے بعد پھر بیعت لینا شروع کی اور مغرب کی نماز تک بیعت لیتا رہا پھر مغرب کی نماز عام لوگوں کے ساتھ ادا کرنے کے بعد قصر خلافت چلا گیا ۔

بیعت خلافت کی تکمیل کے بعد ابوالعباس سفاح انبار گیا ، جو بغداد سے دس فرلانگ دور دریائے فرات کے مغربی ساحل پر واقع ہے ۔ اس شہر کی اساس ساسانی فرماں روا سابق بن ہرمز نے رکھی تھی ابوالعباس نے اس شہر کی از سر نو تعمیر کی اور وہاں سہتمم باالشان محلات بنوائے ۔ اس کے بعد منصور نے اس شہر کے قریب ایک عالیشان محل تعمیر کرایا ۔ اور شہر کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا اور اس کا نام اپنے جد اعلیٰ کے نام پر ، مدینہ ہاشمیہ رکھا ۔

ابو العباس کے دور خلافت کا زیادہ حصہ بنی امیہ کے مدد گار عرب جرنیلوں کی سرکوبی اور اموی خاندان کے استیصال میں صرف ہوا - ابو العباس کے خونین انتقام سے عبدالرحمان الداخل کے سوا کوئی ممتاز اموی فرد نہ بچ سکا عبدالرحمان الداخل کسی نہ کسی طرح بچ کر اندلس پہنچ گیا جہاں اس نے دولت بنی امیہ کی تجدید کی - دولت عباسیہ کے قیام میں جو شخصیتیں ستون کی حیثیت رکھتی تھیں ، ابو العباس نے جب دیکھا کہ وہ اس کے راستے میں حائل ہیں یا حائل ہو سکتی ہیں تو اس نے انہیں بھی موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا - چنانچہ ابو سلمہ خلال کو قتل کرادیا - اور ابو مسلم خراسانی کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا - لیکن سفاح کی موت اس کے راستے میں حائل ہوگئی - اور اس کا ارادہ پورا نہ ہو سکا - سفاح نے آخری اموی فرمان روا مروان بن محمد کے ممتاز جنرل ابن ہبیرہ کو بھی قتل کرادیا با وجودیکہ وہ اسے جان کی امان دے چکا تھا -

سفاح کے اخلاق و اوصاف :

ابو العباس[1] سفاح مردانہ حسن کا حامل اور متناسب الاعضاء شخص تھا - وہ شریف[2] متحمل مزاج ، باوقار ، انتہائی دانشمند ، حد درجہ غیرت مند ، اور اچھے اخلاق کا مجسمہ تھا - سفاح[3] اپنے زمانے کا سب سے سخی انسان تھا -

---

۱ - مسعودی : مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ -
۲ - الفخری : صفحہ ۱۳۴ -
۳ - سیوطی تاریخ الخلفاء : صفحہ ۱۷۱ -

ایک بار اگر کسی چیز کے دینے کا وعدہ کر لیتا تو اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا ۔ اس کا معمول تھا کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے اپنے وعدے پورے کر دیتا ۔ ایک بار ابوالحسن علوی نے سفاح سے کہا ، میں نے دس لاکھ درہم کا نام تو سنا ہے لیکن بد قسمتی سے دیکھے نہیں، سفاح نے دس لاکھ درہم منگوا کر اس کے سامنے رکھوا دئے ۔ اس کے بعد یہ درہم اس کے گھر بھجوا دئے ۔ سفاح کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی ۔ ”خدا ہی اعتماد کا مرکز ہے اس کا ناچیز بندہ ہوں اس کی ذات پر میرا ایمان ہے“ ۔ سفاح کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ کمینہ وہ شخص ہے جو بخل کو پختہ کاری خیال کرے ۔ اور کمزور ترین وہ انسان ہے جو حلم کو ذلت سے تعبیر کرے وہ کہتا تھا کہ جب حلم و برد باری اپنی ذات اور اپنے مفاد کے لئے وجہ ضرر ہو اس وقت عفو و تحمل کا مظاہرہ ایک معجزہ سے کم نہیں ہے ۔ اس کا مقولہ تھا کہ صبر و ضبط بڑی اچھی بات ہے ۔ لیکن اس وقت تک جب تک دین و ملت اور دبدبہ و اقتدار کو اس سے کوئی ٹھیس نہ پہنچے ۔ شرافت اس وقت تک اچھی ہے جب تک اس سے نا جائز فائدہ اٹھانے کا اندیشہ پیدا نہ ہو ۔

سفاح [1] کے بال گھونگر یالے تھے ۔ طویل قد اور سرخ سفید چہرہ تھا ۔ ناک ذرا چپٹی تھی ۔ ڈاڑھی خوبصورت اور چہرہ مردانہ حسن کا مظہر تھا ۔ اہل[2] علم و فضل کی صحبت کا گرویدہ تھا ۔ اس امر میں خلفائے عباسیہ میں سفاح کا کوئی ہمسر نہیں گذرا

---

۱ ۔ طبری : جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ ۔
۲ ۔ مسعودی : جلد ۹ صفحہ ۱۵۴ ۔

ہے ۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ایسے طریقوں سے گریز کرتے ہیں ، جن سے علم و فضل بڑھے، اور ایسے مشغلے اختیار کر لیتے ہیں ، جن سے جہل و نادانی میں اضافہ ہوتا ہے ۔ ابو بکر ہذلی نے دریافت کیا ، امیر المومنین کے اس مقولہ کا کیا مطلب ہے ؟ سفاح نے جواب دیا ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آپ اور آپ جیسے فاضلوں کی صحبت سے فائدہ نہ اٹھائے اور اس کی بجائے عورتوں اور باندیوں میں نشست و برخاست رکھے ، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خرافات اور غیر سنجیدہ باتیں سنتا ہے اور معاشرہ میں بھی انہیں پھیلا تا ہے ۔ ابو بکر ہذلی نے جواب دیا ، انہی باتوں کی وجہ سے خدا نے آپ کے خاندان کو دنیا میں ممتاز کیا ہے اور اسی خاندان سے نبی آخر الزمان کا ظہور ہوا ہے ۔ سفاح ادب ، لٹریچر اور موسیقی کے فن کی بہت حوصلہ افزائی کرتا تھا ۔ اور شعراء اور موسیقی کے ماہرین کو بڑے بڑے انعامات دیتا تھا ۔ سفاح پردے کے پیچھے سے موسیقی سنتا تھا ۔ اور ان الفاظ میں مغنیوں کو داد دیتا تھا ۔ "بہت خوب" ۔ "اسی کو ایک بار پھر دھراؤ" ۔ سفاح کے پاس سے کوئی ندیم اور مطرب کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا ۔ بلکہ مال و زر یا خلعت لے کر واپس جاتا تھا ۔ سفاح کہا کرتا تھا ۔ یہ بڑی نا مناسب بات ہے کہ فرحت و انبساط تو ہم اس وقت حاصل کریں اور اس کا معاوضہ دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھیں ۔ سفاح کا معمول تھا کہ وہ ندیموں کے ساتھ صرف چند منٹ بیٹھتا تھا پھر اٹھ کر چلا جاتا تھا ۔ سفاح کے سامنے جب کھانا آتا تھا تو اس کے چہرے پر بشاشت رقص کرنے لگتی تھی ۔

ابراهیم بن مخرمہ کندی کا معمول تھا کہ جب سفاح سے اسے اپنی کوئی غرض پوری کرانا ہوتی تھی تو وہ اسے کھانا آنے تک ٹالے رکھتا تھا ۔ جب کھانا سامنے آجاتا تھا اس وقت اپنی غرض بیان کرتا تھا ۔ ایک دن سفاح نے ابراہیم سے کہا آخر یہ کھانے کے وقت تم اپنی ضرورتیں لے کر کیوں بیٹھ جاتے ہو ۔ ابراہیم نے جواب دیا ، امیر المومنین! تاکہ جو کچھ آپ سے مانگوں وہ مجھے ضرور مل جائے ۔ ابو العباس نے جواب دیا ۔ اس ذہانت کی وجہ سے تم سیادت کے قابل ہو[1] ۔

ابو العباس سفاح کی بیوی کا نام ام سلمہ تھا مسند خلافت پر متمکن ہونے سے قبل ام سلمہ سے سفاح کا نکاح ہوا تھا ۔ ام سلمہ کے پہلے شوہر کا نام عبداللہ بن ولید بن مغیرہ مخزومی تھا ۔ عبداللہ بن ولید کی موت کے بعد عبدالعزیز بن ولید بن عبدالملک اموی سے ام سلمہ کا نکاح ہوا تھا ۔ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ام سلمہ نے سفاح سے نکاح کیا تھا ۔ اس نکاح کی تفصیل مؤرخوں[2] نے یوں بیان کی ہے ” ایک دن سفاح ام سلمہ کے پاس سے گذرا ، سفاح بہت حسین و جمیل اور مردانہ حسن کا حامل انسان تھا ۔ ام سلمہ اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور ابو العباس سفاح کے پاس اپنی خادمہ کے ذریعہ نکاح کا پیغام بھیجا اور سات سو دینار بھی تحفے کے طور پر خادمہ کے ہاتھ روانہ کئے ۔ ام سلمہ ایک متمول خاتون تھی اس کے پاس مال و دولت تھا ، جاہ و حشم اور جواہرات کی کوئی کمی نہ تھی ۔ خادمہ سفاح کے پاس پہونچی

---

۱ ۔ مسعودی : جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ ۔
۲ ۔ مسعودی : جلد ۲ صفحہ ۲۱۵—۲۱۴ ۔

اور ام سلمہ کا پیغام پہونچایا ، سفاح نے جواب دیا میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس مال و دولت نہیں ، میں اتنی ، متمول خاتون سے نکاح کیسے کر سکتا ہوں ۔ اس پر خادمہ نے ام سلمہ کی طرف سے سات سو دینار پیش کئے اس کے بعد سفاح نے ام سلمہ کے بھائی سے درخواست کی کہ وہ ام سلمہ سے اس کا نکاح کر دے اس نے منظور کیا اور سفاح سے نکاح کر دیا ۔ سفاح نے پانچ سو دینار مہر میں دیدئے ۔ اور دو سو دینار شادی کے دوسرے اخراجات پر صرف کئے ۔ ام سلمہ نہایت بیش قیمت لباس زیب تن کئے اور جواھرات سے لدی ہوئی سفاح کے گھر پہونچی ۔ دونوں میں بڑی شدید محبت تھی سفاح اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا ۔ حتیٰ کہ مسند خلافت پر جلوا افروز ہوا ، تخت خلافت پر جلوہ فرما ہونے کے بعد بھی یہ باھمی محبت برابر قائم رہی ام سلمہ سے سفاح کو اتنی شدید محبت تھی کہ ایک مؤرخ کے [1] الفاظ ھیں ۔ " اگر ام سلمہ بیمار پڑ جاتی تو وہ بھی بیمار پڑ جاتا ۔ اگر وہ نظروں سے اوجھل ھو جاتی تو سفاح کھو سا جاتا اور اپنے آپ کو غیر حاضر محسوس کرتا ۔ ام سلمہ کے سوا سفاح نے نہ کبھی کسی باندی کی طرف توجہ کی اور نہ کوئی دوسری شادی کی ۔ بعض ندیموں نے سفاح کو باندیوں وغیرہ کی طرف راغب کرنے کی بہت کوشش کی مگر سفاح کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ھو سکی ۔

ابو العباس سفاح چار سال نو ماہ تخت خلافت پر جلوہ فرما رھا ۔ مدینۂ انبار میں جدوی کے مقام پر اس نے وفات پائی مدینۂ انبار کو سفاح نے اپنا دارالخلافت بنایا تھا ۔ سفاح کی

---

۱ ۔ مسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحات ۲۱۰—۲۱۷ ۔

وفات هفته کے روز ۱۳ ذی‌الحجه ۱۳۶ھ کو هوئی وفات کے وقت اس کی عمر ۳۳ سال کی تھی - بعض مؤرخوں کی تحقیق هے که ۲۹ سال کی عمر میں اس نے وفات پائی -

ابو جعفر منصور

(۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ — ۷۵۴ء تا ۷۷۵ء)

ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی عباسی - ۱۰۱ھ میں حمیمه میں پیدا هوا جو سرزمین شرات میں عقبه سے قریب واقع تھا - یه حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا آخری زمانه تھا - منصور کی والده بربری[1] نسل سے تعلق رکھتی تھی - ابو جعفر منصور نے بنی هاشم کی ممتاز شخصیتوں کے سایۂ عاطفت میں نشو و نما پائی - اور اپنے والد اور دادا کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی - ادب اور فصاحت و بلاغت میں کمال بہم پہنچایا اور سلاطین اور امراء کے حالات و واقعات پر پورا عبور حاصل کیا[2] -

ابو العباس سفاح نے ابو سلمه خلال کو قتل کرانے میں منصور سے مدد لی ، ابو سلمه خلافت عباسیه کے لئے بڑا خطره بن گیا تھا اور خلافت کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کرنا

---

۱ - تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحه ۳۸۶ - ایک قول یه هے که سلامه بنت بشیر نام تھا اور بصره کی پیدائش تھی - (المسعودی: التنبیه و الاشراف جلد ۱ صفحه ۳۴۰) -

۲ - المسعودی : مروج‌الذهب جلد ۲ صفحه ۱۸۱ -

چاھتا تھا - اس غرض سے سفاح نے منصور کو خراسان بھیجا تاکہ وہ اس کے قتل کے بارے میں ابو مسلم خراسانی کی رائے معلوم کرے - منصور نے ابو مسلم کو اپنے اعتماد میں لینے کے بعد ابو سلمہ خلال کا کام تمام کرادیا - اس کے بعد سفاح نے منصور کو خراسان بھیجا تاکہ وھاں وہ لوگوں سے سفاح کی خلافت اور اپنی ولی عہدی کی بیعت لے لیکن انہیں دنوں ابو مسلم خراسانی نے ایک ممتاز شخصیت سلیمان بن کثیر کو قتل کر دیا اور اس بارے میں منصور سے کوئی مشورہ نہیں لیا حالانکہ ان دنوں وہ خراسان ھی میں موجود تھا ، منصور کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور اسے ابو مسلم سے بغض اور نفرت پیدا ھوگئی - منصور نے اس کی مطلق العنانی کو خلافت عباسیہ کے لئے زبردست خطرہ محسوس کیا اور اس نے سفاح کو مشورہ دیا کہ ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کر دیا جائے - لیکن سفاح نے اس اندیشہ سے اس مشورہ کو قبول نہ کیا کہ مبادا ابو مسلم کے قتل سے خراسانی مشتعل ھوجائیں - اور اس کے انتقام کے لئے اٹھ کھڑے ھوں - اور عباسیوں کے لئے اپنی حکومت کا سنبھالنا مشکل ھوجائے -

ابو العباس سفاح نے ابو جعفر منصور کو یزید بن عمر بن ھبیرہ سے مقابلہ کے لئے مامور کیا تھا جو آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی فوج کا ممتاز جرنیل اور اس زمانے میں عربوں کا سردار اور پیشوا تھا - منصور نے اپنی حکمت عملی سے اس شرط پر اسے صلح پر آمادہ کر لیا تھا کہ سفاح اسے جان کی امان دے گا - سفاح نے ابن ھبیرہ کو جان کی امان دیدی - لیکن ابھی اس امان کی سیاھی خشک بھی نہ ھوئی تھی کہ ابو العباس نے اسے قتل کرا دیا - کہا جاتا ھے کہ ابو مسلم خراسانی

نے سفاح کو ایک خط لکھا تھا جس میں ابن ھبیرہ کو قتل کرا دینے کا مشورہ دیا تھا - ابو مسلم خراسانی نے اپنے اس خط کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا - ''اگر سڑک پر سنگ گراں پڑا ہو تو آمد و رفت رک جائے گی - خدا کی قسم ایسے کام کا انجام بہ خیر نہ ہوگا، جس میں ابن ھبیرہ کا دخل ہوگا'' - لیکن ابو جعفر منصور کی رائے نہ تھی کہ ابن ھبیرہ کو قتل کیا جائے - ۱۳۲ھ میں سفاح نے منصور کو الجزیرہ، آزر بائیجان اور ارمینیہ کا گورنر مقرر کیا[1] - ۱۳۶ھ میں امارت حج کا منصب سونپا - ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں سفاح کا انتقال ہوگیا - مرنے سے قبل سفاح نے اپنے بعد منصور کو، اور منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا - اور ایک وصیت نامہ کی صورت میں یہ سب باتیں لکھدیں اور اس پر اپنی مہر ثبت کر دی اور اپنے خاندان کے افراد کی اس پر شہادت لکھوائی پھر یہ تحریر عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد عباسی کے حوالے کردی[2] -

عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کو سفاح کی وفات کی اطلاع دی اور لوگوں سے اس کی بیعت لینی شروع کی جب قاصد منصور کے پاس پہنچا اس وقت وہ ''زکیہ'' کے مقام پر تھا، اس اطلاع کے بعد منصور نے لوگوں سے اپنی بیعت لی - ابو مسلم خراسانی نے بھی منصور سے بیعت کی - کہا جاتا ہے کہ منصور نے پوچھا تھا کہ جس مقام پر اس وقت ہم موجود ہیں اس کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اسے زکیہ کہتے ہیں منصور نے کہا بڑا اچھا

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۱ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۵۴ -

شگون ہے انشاء اللہ دولت عباسیہ کی ساری مشکلات دور ہو جائیں گی[1] -

منصور کے دور خلافت میں بہت اہم واقعات پیش آئے - ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ، عربوں اور عجمیوں کی بغاوت تھا جو منصور کی خلافت سے نا خوش تھے - باغی عربوں کا سرغنہ منصور کا چچا عبداللہ بن علی تھا اور ناخوش عجمیوں کی قیادت ابو مسلم خراسانی کر رہا تھا جو در حقیقت دولت عباسیہ کا بانی تھا - اس شدید کشمکش کی وجہ سے سلطنت عباسیہ کا مرکز متزلزل ہو گیا تھا - لیکن منصور نے اپنی پختہ کاری اور حکمت عملی سے عربوں کی شورش کا استیصال کر دیا - ان کے لیڈر عبداللہ بن علی کو گرفتار کرلیا اور قتل کرا دیا - منصور نے عجمیوں پر بھی قابو پالیا اور ان کے قائد ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کر دیا - اسی طرح منصور نے علویوں کی باغیانہ سرگرمیوں کو سختی سے کچل دیا - اور محمد (النفس الزکیہ) بن عبداللہ بن حسن کو حجاز میں ختم کرا دیا اور ان کے بھائی ابراہیم کو عراق میں قتل کرا دیا -

(الف) عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی سے معزولی اور مہدی کی بیعت :

عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد عباسی کی ولی عہدی سے معزولی اور اس کی جگہ مہدی کے لئے بیعت ، یہ منصور کے عہد کے بہت بڑے واقعات میں سے ہے - معزولی کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا گیا ؟ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے - بعض کا قول[2] ہے کہ

---

١ - طبری : جلد ۹ صفحہ ١٥٥ -
١ - فخری : صفحات ١٥٥—١٥٦ -

منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے ولی عہدی سے دست برداری کے لئے درخواست کی تھی منصور، عیسیٰ کا بہت لحاظ کرتا تھا اور اسے اپنے دائیں طرف اور مہدی کو اپنے بائیں طرف بٹھاتا تھا۔ منصور نے جب عیسیٰ سے معزولی کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا۔ امیرالمومنین! میں ان ذمہ داریوں سے مجبور ہوں جو ملت نے مجھے سونپی ہیں اور میں نے انہیں اپنے شانوں پر لیا ہے۔ کیونکہ ان ذمہ داریوں کو سونپتے وقت اور انہیں قبول کرتے وقت بڑے شدید حلف اٹھائے گئے ہیں۔ ان باتوں کی وجہ سے امتثال امر سے میں مجبور ہوں۔ اس گفتگو کے بعد عیسیٰ کے ساتھ منصور کا رویہ بدل گیا اور دونوں کے درمیان بعد کی ایک خلیج حائل ہو گئی۔ اس روز سے منصور، مہدی کو دربار میں باریابی کی اجازت عیسیٰ سے پہلے دیتا تھا۔ اور مہدی کو اپنے قریب اور عیسیٰ کو دور بٹھاتا تھا۔ اس کے علاوہ اور طرح طرح سے اسے روحانی اذیت پہنچاتا رہتا تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ دربار میں باریابی کے انتظار میں پہروں بیٹھا بیٹھا دیوار کو کریدتا رہتا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا رہتا جب روحانی اذیت نا قابل برداشت ہو جاتی اور تسکین قلب کے لئے نفلیں پڑھنے کا ارادہ کرتا، اس وقت اپنے بیٹوں سے کہتا مجھ سے دور بیٹھو کہیں تمہارے اعلیٰ کپڑے خاک آلود نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد نفلیں پڑھنے لگتا اور خاک اس کے سر سے جھڑتی رہتی۔ بہت دیر کے بعد منصور، عیسیٰ کو باریابی کی اجازت دیتا اور وہ اس حالت میں داخل ہوتا کہ خاک اس سے جھڑتی ہوتی تھی۔ منصور اسے دیکھ کر کہتا، میرے دربار میں تمہارے سوا کوئی ایسا شخص نہیں داخل ہوتا، جس کے سر اور کپڑوں سے خاک جھڑتی ہو، کیا یہ سب خاک راستے کی

خاک ہے ؟ عیسیٰ جواب دیتا ، ہو سکتا ہے امیرالمومنین ! اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہتا ۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور کے اشارے سے عیسیٰ کو کوئی مہلک چیز پلا دی گئی تھی ، جس کی وجہ سے ایک مدت تک وہ صاحب فراش رہا لیکن اس حملہ سے بچ گیا ۔ اس کے بعد بار بار اسی مہلک چیز سے اس کا خاتمہ کردینے کی کوشش کی گئی آخر کار تنگ آ کر وہ ولی عہدی سے دست بردار ہوگیا اور مہدی کی بیعت کرلی ۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ منصور نے ایک گروہ کو عیسیٰ کے پیچھے لگا دیا تھا ، جہاں کہیں وہ عیسیٰ کو دیکھتا تھا اس پر آوازے کستا تھا ۔ جب عیسیٰ نے منصور سے اس بات کی شکایت کی تو اس نے جواب دیا ۔ ”میرے عزیز بھتیجے “ مجھے لوگوں سے تمہاری اور اپنی دونوں کی جان کا اندیشہ ہے اگر تم نے ولی عہدی میں مہدی کو اپنے سے مقدم نہ کیا ۔ کیونکہ لوگوں کے دلوں میں مہدی کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یہ سن کر عیسیٰ بادل ناخواستہ اس بات پر رضامند ہوگیا کہ اس کی جگہ مہدی کو ولی عہد مقرر کردیا جائے اور اسے مہدی کے بعد ، اس گفتگو کے بعد عیسیٰ نے مہدی کی بیعت کرلی ۔ اس واقعہ کے بعد ، بعض کوفیوں نے عیسیٰ کو دیکھ کر یہ فقرہ کہا تھا ”یہ پہلے فردا تھے اب پس فردا ہوگئے ۔“ (پہلے منصور کے بعد یہ خلیفہ ہوتے اب مہدی کے بعد ان کا نمبر ہے) ۔

بعض مؤرخین کی تحقیق ہے کہ منصور نے عیسیٰ کو گیارہ ملین درھم دئے تھے۔ اس رقم کے بدلے وہ ولی عہدی سے دستبردار ہوا تھا ۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور نے خالد بن برمک کو عیسیٰ کے پاس بھیجا ۔ اس کے ساتھ منصور کے تیس آدمیوں کا ایک گروہ بھی تھا خالد نے عیسیٰ پر زور دیا کہ وہ ولی عہدی سے دست بردار ہوجائے لیکن جب عیسیٰ نے انکار کردیا ، تو خالد نے اس گروہ سے کہا کہ یہ تحریر لکھو ۔ "ہم شہادت دیتے ہیں کہ عیسیٰ نے اپنے آپکو ہمارے سامنے ولی عہدی سے دست بردار ہونا منظور کیا اور ہم اس کا خون حلال سمجھتے ہوئے بھی قتل کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ ہمارا مقصد اس فتنے کو ہوا دینا نہیں ہے ۔ اس تحریر پر اس گروہ نے اپنی شہادت ثبت کی یہ تحریر عیسیٰ کی دست برداری کا ثبوت بن گئی عیسیٰ نے بہتیرا انکار کیا کہ میں دست بردار نہیں ہوا ہوں لیکن اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی اس طرح اس کی دست برداری کی تکمیل ہوئی اور مہدی کی بیعت کی گئی ۔

مہدی کی بیعت کی تکمیل کے بعد منصور نے اسے فرمانروائی کے بارے میں چند ہدایات کیں ۔ یہ ہدایات اس سیاسی پالیسی کی وضاحت کرتی ہیں ، جو منصور اپنے بیٹے کیلئے تشکیل کرنا چاہتا تھا ۔ منصور کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا رعایا پر حکومت کرنے کے سلسلے میں ان ہدایات کو مشعل راہ بنائے اور مسلم اور غیر مسلم رعایا میں کوئی امتیاز نہ برتے ۔ منصور نے اپنے بیٹے کو رعایا کے ساتھ نرمی کے برتاؤ اور ہر وقت رعایا کے راحت اور آرام کا خیال رکھنے کی تلقین کی اور عدل و انصاف کے قیام پر زور دیا کردار کی بلندی اور سیرت کی پاکیزگی کی نصیحت کی ۔ ارباب علم اور مذہبی رہنماؤں کا اعزاز اور قدر و منزلت کرنے کی ہدایت کی اسے سمجھایا کہ خراج کم کر دینے سے

ترقی ہوتی ہے - اور اسلام کی نشر و اشاعت اور خدا کا کلمہ بلند کرنے کیلئے جہاد سے کبھی گریز نہ کرنا - ایک دن[۱] عمرو بن عبید منصور کے پاس آئے - یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مہدی کی بیعت ہوچکی تھی - منصور نے ان سے مہدی کا تعارف کراتے ہوئے کہا : ''ابو عثمان! یہ امیر المومنین کا بیٹا اور ولی عہد خلافت ہے عمرو نے جواب دیا - ''میں جانتا ہوں کہ آپ نے امور سلطنت'' انہیں سونپ دئیے ہیں - لیکن یہ یاد رکھئیے کہ اس کیلئے آپ ہی خدا کے سامنے جواب دہ ہونگے'' یہ سن کر منصور بہت متاثر ہوا پھر درخواست کی آپ مجھے کچھ نصیحت کیجئیے - عمرو نے کہا : امیر المومنین خدا نے آپکو دنیا کی بہت بڑی سلطنت دی ہے آپ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے کچھ نیکی کے کام کر لیجئیے اس وقت یہ آپ کی قدرت میں ہے - سلطنت آنی جانی چیز ہے - آنی جانی نہ ہوتی تو آپ تک نہ پہنچتی - اپنی زندگی کی اس رات سے خوف کیجئیے ، جس کی صبح آپ کے لئے طلوع نہیں ہوگی -

۲ - منصور کے اخلاق و اوصاف

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ خلفأ عباسیہ میں منصور قوت اور شدت ، بیدار مغزی ، پختہ کاری ، صلاح کاری ، رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے جد و جہد کرنے اور اپنے گرد و پیش سنجیدگی کے ماحول کا خیال رکھنے میں سب سے ممتاز عباسی خلیفہ تھا۔ اسے دولت عباسیہ کا مؤسس ثانی کہا جاتا ہے جسطرح عبدالملک بن مروان کودولت بنی امیہ کے مؤسس ثانی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے

۱ - المسعودی مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۲۴۳ -

اور یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں شخصیتوں نے اپنی پختہ کاری اور عزم مصمم کی وجہ سے سلطنت کے تخریبی عناصر اور خوارج کے خطرے کا استیصال کردیا تھا اور اپنی مملکت کا نظم و نسق مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کیا تھا ۔

منصور[۱] ، گندمی رنگ ، طویل قامت مگر نحیف جثے کا انسان تھا ۔ رخسار پچکے ہوئے تھے ۔ انتظامی قابلیت گویا اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی وہ اپنی قلمرو کے لئے ایسا نظم و نسق قائم کرنا چاہتا تھا جو ملک کے مختلف صوبوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو ۔ اس کا معمول تھا کہ دوپہر کا وقت سلطنت کے امور اور رعایا کی فلاح بہبودی کے معاملات میں صرف کرتا ۔ عصر کی نماز کے بعد اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ وقت گذارتا ۔ عشاء کی نماز کے بعد ان خطوط کے جواب میں منہمک رہتا جو مختلف صوبوں اور سرحدوں سے آتے تھے اس سلسلے میں اپنے وزیر اور سلطنت کے بڑے بڑے ارکان سے بھی مشورہ لیتا تھا ۔ جب تہائی رات گذر جاتی تو اپنے بستر پر لیٹ جاتا اور رات کی دوسری تہائی تک آرام کرتا ۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا تو اپنے بستر سے اٹھتا وضو کرتا اور نماز پڑھنا شروع کردیتا ۔ طلوع سحر کے بعد مسجد میں جاتا اور فجر کی نماز کی امامت کرتا نماز فجر کے بعد ایوان میں بیٹھتا تھا ۔ روزانہ یہی اس کا معمول تھا ۔

منصور اپنے گرد و پیش سنجیدیگی اور وقار کے ماحول کا بہت خیال رکھتا تھا ۔ لہو و لعب کی طرف اس کا بالکل رجحان

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۹۹ -

نه تھا - منصور کے خادم حماد ترکی کا بیان ہے کہ منصور نے ایک دن اپنے قصر میں کچھ شور سنا - مجھ سے کہا ، حماد جاؤ دیکھ کر آؤ کیا بات ہے ؟ میں فوراً گیا ، دیکھتا کیا ہوں کہ امیرالمومنین منصور کا ایک خادم کنیزوں کے ایک جھرمٹ میں کھڑا طنبورہ بجا رہا ہے اور وہ قہقہے لگا رہی ہیں خادم آہستہ آہستہ ان کی طرف جاتا جب قریب پہنچتا تو وہ ہنس پڑتیں اور ادھر ادھر منتشر ہو جاتیں - میں نے یہ ماجرا منصور کو سنایا منصور نے مجھ سے کہا کہ وہی طنبورہ اس خادم کے سر پر دے مارو اور اس وقت تک مارتے رہو جب تک طنبورہ ٹوٹ نہ جائے - میں نے اس حکم پر عمل کیا - اس کے بعد منصور نے اس خادم کو محل سے نکال باہر کیا -

ایک دن منصور[1] اپنے دربار خلافت میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک تیر آ کر گرا جس سے منصور بہت پریشان ہوا - پھر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس تیر کے ایک جانب لکھا ہوا تھا - " ہمدان میں ایک مظلوم انسان آپ کے جیل خانہ میں بند ہے " منصور نے اسی وقت اپنے چند خاص آدمیوں کو ہمدان کے جیل خانے میں تفتیش کے لئے روانہ کیا ان آدمیوں نے ہمدان کے جیل خانہ میں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا - اور قبلہ رو کھڑا بار بار یہ آیت پڑھ رہا تھا - "عنقریب[2] جان لیں گے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا کہ کس طرح وہ پٹخنی کھاتے ہیں" اس سے پوچھا گیا کہ تم کہاں کے رہنے

۱- مسعودی مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۹۲ء تا ۹۳ء طبری جلد ۹ صفحه ۲۸۴ء -

۲ - و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ط

والے ہو ؟ جواب دیا ''ہمدان کے''۔ یہ سن کر اسے منصور کے پاس لائے منصور نے اس سے اس کی سرگزشت پوچھی اس نے بتایا ''میں شہر ہمدان کا ایک باشندہ ہوں اور وہاں کے اہل ثروت لوگوں میں میرا شمار تھا ۔ ہمدان کے گورنر نے میری دس لاکھ درہم کی مالیت کی زمین مجھ سے مانگی میں نے انکار کردیا ۔ اس پر اس نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوا کر جیل بھجوا دیا ۔ اور خلافت وقت کے خلاف بغاوت کا الزام لگایا ۔ اس کے بعد جو کچھ مجھ پر بیتی اسی گورنر کی مہربانیوں کا نتیجہ تھا ۔ مجھے اس قید و بند کی حالت میں چار سال بیت چکے ہیں'' اس کی روداد سن کر منصور نے حکم دیا ۔ کہ اس کی بیڑیاں فوراً کاٹ دی جائیں ۔ اور قید سے آزاد کر دیا جائے ۔ اس کی زمین اسی وقت اسے واپس کردی جائے ۔ اس کے بعد اسے ہمدان کی گورنری کا منصب پیش کیا ۔ لیکن اس نے بہت ادب سے انکار کرتے ہوئے کہا: ''امیر المومنین ! اپنی زمین تو میں نے قبول کرلی لیکن گورنری کے منصب کے لئے میں اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا ہوں آپ کے گورنر کا قصور میں نے معاف کردیا۔ اس کے بعد یہ شخص بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ہمدان واپس گیا منصور نے ہمدان کے گورنر کو معزول کر دیا اور اس کی اس مذموم حرکت پر اسے عبرت انگیز سزا دی۔

منصور ، ناحق خونریزی کو ناپسند کرتا تھا۔ ایک بار اسے معلوم ہوا کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے نصر بن سیار (آخری اموی فرمان روا مروان بن محمد کا ممتاز گورنر) کی اولاد سے ایک شخص کو قتل کردیا جو کوفہ میں روپوش تھا ۔ منصور کو عیسیٰ کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری اور اس کے قتل کا ارادہ کیا لیکن جب تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں عیسیٰ کی بد نیتی یا اس شخص

سے کسی ذاتی عداوت کا دخل نہیں تھا اس وقت اپنے ارادہ کو بدلا ۔ اس موقع پر منصور نے عیسیٰ کو ایک خط میں اس حرکت پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا " کسی شخص کو محض شک و شبہ کی بنا پر سزا نہ دی جائے ، جب تک پورا ثبوت نہ مل جائے اور اس کے جرم پر پیہم دلائل موجود نہ ہوں[۱] " شدائد اور مصیبتوں کے وقت ثبات قدمی اور استقلال میں منصور بہت مشہور تھا ۔ سچ پوچھئے تو یہی اس کا امتیازی وصف اس کی کامیابیوں کا ضامن تھا۔ منصور کا دور خلافت شدائد اور مصائب سے معمور تھا لیکن اس کے پائے استقلال کو کٹھن سے کٹھن منزل اور سخت ترین امتحان کے موقع پر بھی کوئی جنبش نہ ہوتی تھی اپنے خاندان کے ممتاز افراد کی بغاوت اور علویوں کی شورش کا مقابلہ بڑے دل گردے کا کام تھا لیکن منصور نے اپنی جوانمردی اور استقلال کی وجہ سے انہیں ایسا کچل کر رکھ دیا کہ پھر کسی کو سر اٹھانے کی جسارت نہ ہوئی ۔ ان شورشوں کے استیصال سے دراصل منصور نے سلطنت عباسیہ کی متزلزل بنیادیں تھام لی تھیں جن کے یکبارگی بیٹھ جانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا ۔ منصور اخراجات میں میانہ روی کا خوگر تھا ۔ اور داد و دھش کے وقت وہ اعتدال پسند تھا ۔ ایک بار ایک شاعر مہدی کے پاس حاضر ہوا ۔ اس وقت وہ ولی عہد تھا ۔ مہدی نے اسے ایک مدحیہ قصیدہ کے عوض بیس ہزار درہم دئے۔ پرچہ نویس نے اس کی اطلاع منصور کو دی جو اس وقت مدینۃاسلام میں تھا منصور نے مہدی کو ایک خط میں زجر و تنبیہ کرتے ہوئے لکھا اگر ایک شاعر تمہارے دروازے پر ایک سال تک رہے اس وقت وہ چار ہزار

---

۱ ۔ تفصیل دیکھئے طبری جلد ۹ صفحہ ۱۹۴ ۔

درھم کا مستحق ہے"۔ اس کے بعد یہ شاعر منصور کے حکم سے دربار میں حاضر کیا گیا منصور نے اس سے کہا ذرا وہ اشعار مجھے بھی سناؤ جس کے بدلے مہدی نے تمہیں بیس ہزار درھم دئے ہیں۔ شاعر نے اشعار سنائے۔ اشعار سننے کے بعد منصور نے کہا اشعار اچھے ہیں لیکن ان کی قیمت بیس ہزار درھم بہت زیادہ ہے۔ پھر پوچھا وہ درھم کہاں ہیں؟ شاعر نے جواب دیا۔ میرے پاس ہیں منصور نے اپنے وزیر ربیع سے کہا اسمیں سے اسے چار ہزار درھم دے دئے جائیں اور باقی واپس لے لئے جائیں منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا اس زمانے میں ابن ثوبان عدالت عظمیٰ کا قاضی تھا جو عدالت کا اجلاس رصافہ میں منعقد کرتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ جب اس کی چادر مظلوموں کی درخواستوں سے بھر جاتی تھی تو وہ انہیں مہدی کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ اس شاعر کا بیان ہے کہ ایک دن ایک پرچہ میں لکھ کر میں نے اپنا پورا واقعہ ابن ثوبان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ابن ثوبان حسب معمول سب درخواستیں مہدی کے پاس لے کر پہنچا اور مہدی حسب عادت جلدی جلدی درخواستیں پڑھنے لگا جب میرا پرچہ پڑھا تو وہ مسکرا دیا۔ ابن ثوبان نے دریافت کیا امیرالمومنین! آپ ان درخواستوں میں سے کسی درخواست پر نہیں مسکرائے صرف اس درخواست پرتبسم فرمایا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اسکی کیا وجہ ہے؟ مہدی نے جواب دیا اس پرچے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے میں ذاتی طور پر واقف ہوں اس کے بعد حکم دیا کہ مجھے بیس ہزار درھم لوٹا دئے جائیں حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور مجھے درھم واپس کر دئے گئے

اور میں انہیں لے کر اپنے گھر آ گیا ۱ ۔

منصور کے ایک دوست وصببن بن عنطاء کا بیان ہے ''منصور نے مجھے ملاقات کے لئے مدعو کیا ، منصور کے ساتھ میرے مراسم اس وقت سے تھے جب وہ تخت خلافت پر جلوہ فرما نہیں ہوا تھا ۔ میں اس سے ملنے کے لئے مدینۃ السلام پہنچا ۔ ایک دن صرف میں اور وہ بیٹھے تھے اثنائے گفتگو میں منصور نے پوچھا ، ابو عبداللہ تمہارے پاس کتنی دولت ہے ؟ میں نے جواب دیا ۔ اس سے تو شائد امیر المومنین باخبر ہونگے'' اس کے بعد پوچھا کنبہ کتنا ہے ؟ میں نے جواب دیا ، تین لڑکیاں ، ایک بیوی اور ایک خادم '' ۔ منضور نے حیرت سے کہا تمہارے گھر میں چار افراد ہیں ! میں نے جواب دیا ''جی ہاں'' منصور نے یہ فقرہ تعجب سے بار بار دھرایا ''تمہارے گھر میں چار افراد ہیں ! مجھے توقع پیدا ہوگئی کہ منصور مجھے اتنی دولت دے گا کہ میں ایک متمول انسان بن جاؤنگا ۔ چند لمحے بعد منصور نے بڑے اطمینان سے سر اونچا کیا اور کہنے لگا تم تو عربوں میں بہت متمول فرد ہو تمہارے گھر میں گھریلو دستکاری سے دولت پیدا کرنے والے چار افراد موجود ہیں ۔''

یہ صیحح ہے کہ غیر ضروری مصارف کے وقت منصور نہایت بخیل تھا ۔ لیکن ضروری مصارف کے وقت بخل سے کام نہ لیتا تھا بلکہ دریا دلی کا مظاہرہ کرتا تھا ۔ یہ واقعہ۱ اس پر روشنی ڈالتا ہے ۔ فضل بن ربیع کا بیان ہے کہ جب مدینۃ الاسلام

---

۱ ۔ طبری جلد ۸ صفحہ ۲۰۱-۲۰۵ ۔

میں قصر منصور کی تعمیر مکمل ہو گئی تو منصور اسے دیکھنے کے لئے گیا اور مختلف جگہ دیکھنے کے بعد بہت مسرور ہوا اور کمال فن اور نفاست کی بڑی تعریف کی۔ در اصل وہ فن تعمیر کے کمال اور نفاست سے بے حد خوش ہوا۔ اس کے بعد کہنے لگا، لیکن اس قصر کی تعمیر پر اخراجات زیادہ ہوئے ہیں۔ پھر قصر میں ایک جگہ کو دیکھا جو فن تعمیر کے کمال کا بے مثال نمونہ تھا۔ اس جگہ کی حد درجہ تعریف کرنے کے بعد مجھ سے کہا کہ مسیب سے جا کر کہو کہ وہ ابھی معماروں کے سردار کو میری خدمت میں پیش کرے۔ میں گیا اور مسیب کو یہ حکم پہنچا دیا۔ مسیب نے معماروں کے سردار کو منصور کی خدمت میں حاضر کیا۔ منصور نے پوچھا اس قصر کی تعمیر میں فی ہزار کچی اور پکی اینٹوں کے بدلے، تمہیں کیا اجرت دی گئی ہے۔ معماروں کا سردار اس کا کوئی جواب نہ دے سکا اور خاموش رہا۔ مسیب اس سوال اور جواب سے سہم گیا۔ منصور نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد پوچھا کیا بات ہے تم بولتے کیوں نہیں ہو؟ معماروں کے سردار نے جواب دیا۔ امیرالمومنین درحقیقت مجھے معلوم نہیں۔ منصور نے اطمینان دلاتے ہوا کہا ''تم ڈرو مت۔ ٹھیک ٹھیک بتا دو''۔ سردار نے جواب دیا خدا کی قسم میں اس بات سے واقف نہیں ہوں۔ اس پر منصور نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے جا کر ایک کمرہ دکھایا جس کی اس نے بہت تعریف کی تھی۔ منصور نے اسے کمرہ دکھانے کے بعد کہا اس جگہ ایک محراب بناؤ جو اس کمرہ کی محراب کی طرح ہو لیکن اس میں لکڑی کا کوئی کام نہ ہو۔ معماروں کے سردار نے جواب دیا۔ ''بہت بہتر امیرالمومنین'' اس وقت سارے معمار

فن تعمیر میں منصور کی سوجھ بوجھ اور انجینیرنگ میں اس کے کمال پر ششدر تھے - معماروں کے سردار نے منصور سے کہا ہم اپنی پوری کوشش کرینگے لیکن امیر المومنین کے ذہن میں جتنا اچھا خاکہ ہے ، ممکن ہے ہم اسے عملی جامہ نہ پہنا سکیں - منصور نے کہا میں اس میں تمہاری مدد کرونگا اس کے بعد اینٹوں اور گچ وغیرہ لانے کا حکم دیا اور تعمیر شروع ہو گئی - منصور ان سب اینٹوں کا شمار کرتا رہا ، جو اس محراب کی تعمیر میں صرف ہوئیں - یہ کام اس روز اور دوسرے روز کے کچھ حصے میں مکمل ہوگیا - اس کے بعد منصور نے مسیب کو بلا کر کہا جتنا ان لوگوں نے کام کیا ہے اس کا حساب لگا کر انہیں اجرت ادا کر دو - اس نے حساب لگا کر پانچ درہم دینا تجویز کیا - منصور نے پانچ درہم زیادہ خیال کئے اور چار درہم کردئے - اس کے بعد اس محراب کی پیمائش کی گئی - پھر پورے کمرہ کے طول و عرض کو ناپا گیا اسی طرح پورے قصر کی پیمائش کی گئی - پھر وکیلوں اور مسیب کو منصور نے حکم دیا اسی حساب سے پورے قصر کے حساب کو پھیلاؤ اس کام میں مدد اور نگرانی کے لئے مسیب کے ساتھ معماروں اور انجینیروں کے نمائندوں کو بھی مامور کیا اس کے بعد منصور نے اس کمیٹی کے اندازے پر غور کیا اور ذرا ذرا سی بات پر جرح کی پھر اسی حساب سے معماروں کو اجرت دی جس حساب سے اس محراب کی تعمیر کی مزدوری دی گئی تھی - پورے قصر کی تعمیر کے اخراجات کے اندازے کے بعد تقریباً چھ ہزار درہم مسیب پر نکلتے تھے - منصور نے وہ اس سے وصول کئے - اور محل سے اس وقت تک نہیں گیا

جب تک مصیب نے یہ درھم لا کر نہیں دے دئے۔

منصور دولت جمع کرنے کا بہت دلدادہ تھا لیکن ضروری مصارف کے موقعوں پر دریا دلی سے بھی کام لیتا تھا مگر بخل یا کفایت شعاری کا جذبہ اس پر غالب تھا۔ اسے ابو الدوانیق (ایک ایک پیسے کا حساب کرنے والا) کہا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ مزدوروں اور کاریگروں کے محاسبہ میں بہت سخت تھا۔ اور کوڑی کوڑی کا حساب کرتا تھا۔ جب شہر بغداد کی تعمیر ہو رہی تھی اس وقت منصور تعمیر کے کام کی بہ نفس نفیس نگرانی کرتا تھا۔ اوز کاریگروں اور مزدوروں کا حساب کتاب بھی خود کرتا تھا۔ مزدوری ادا کرتے وقت کسی سے کہتا۔ کہ تم دوپہر کو سو گئے تھے۔ تم نے پورے دن کام نہیں کیا۔ کسی سے کہتا تم جلدی چلے گئے تھے تم نے پورا وقت نہیں لگایا۔ پھر اسی حساب سے دام کاٹ کر مزدوری ادا کرتا تھا۔ شاید ھی کسی کو منصور کے ھاتھ سے پورے دن کی مزدوری ملی ھو۔

منصور عباسی خلفاء میں پختہ کاری اصابت رائے اور سیاسی تدبر میں بہت ممتاز تھا۔ اس کی کفائت شعاری کی صفت تمام دوسری صفات پر غالب تھی ، جہاں خرچ کرنا دانشمندی پر مبنی ھوتا وھاں اسے بے دریغ خرچ کرنے میں بھی تامل نہ ھوتا اور جہاں خرچ کرنا دانشمندی کے خلاف ھوتا وھاں ایک کوڑی تک خرچ کرنا اسے گوارا نہ تھا۔ عرب کے ایک شاعر زیاد کا قول ھے۔ ”اگر میرے پاس ایک ھزار اونٹ ھوں اور ایک خارش زدہ اونٹ بھی ھو تو میں یہ گوارا نہ کروں گا کہ اسے کسی کو دیدوں ، بلکہ یہ سمجھوں گا

کہ بس یہی خارش زدہ اونٹ میرے پاس ہے'' ۔ بے محل اخراجات کے وقت منصور کا نقطۂ نظر بھی یہی ہوتا تھا ۔ منصور نے اپنے مرنے کے بعد ساٹھ کروڑ درہم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار چھوڑے ۔ اس مال و دولت کے باوجود وہ اپنی زندگی میں بہت بخل سے کام لیتا تھا اور اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتا جن کی پرواہ عام لوگ بھی نہیں کرتے مثلاً اس نے اپنے باورچی خانے کے ناظم سے یہ معاملہ طے کر لیا تھا کہ جانوروں کے سری پائے ناظم کے ہیں لیکن ان کے بدلے میں اسے ایندھن اور مصالحے کا انتظام کرنا ہوگا[1] ۔

منصور[2] دنیا کے سلاطین میں بہت ممتاز ، نہایت پختہ کار ، حد درجہ دانش مند ، زبردست فاضل ، انتہائی صائب الرائے ، غیر معمولی مدبر ، انتہائی باوقار اور نجی زندگی میں نہائت خوش مزاج انسان تھا ۔ فضولیات اور سنجیدگی کے خلاف باتوں سے اسے بیر تھا ۔ ایسے موقعوں پر وہ انتہائی باوقار اور بے پناہ سخت مزاج نظر آتا تھا جب وہ دربار خلافت کا لباس پہنتا اور دربار عام کے لئے نکلتا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں ۔ اور اس کے تمام اوصاف گویا یک لخت بدل جاتے ۔ ایک دن منصور نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بیٹو ! جب تم مجھے دیکھو کہ میں نے دربار کا لباس پہن لیا ہے اور دربار کی طرف چل دیا ہوں اس وقت تم میں سے کوئی میرے قریب نہ آئے ، ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی ضرر پہنچ جائے ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور معمولی کپڑے کا لباس پہنتا تھا اور

---

۱ ۔ المسعودی مروج الذہب ۔ جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۶ ۔

۲ ۔ الفخری صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۲ ۔

بعض وقت اس کے کرتے میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ کسی نے یہ حال امام جعفر بن محمد صادق سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا نے اسے اپنی سلطنت ہی میں فقر و افلاس میں مبتلا کر رکھا ہے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور کے محل میں لہو و لعب تو بڑی بات ہے ایسی باتوں کا بھی گزر نہ ہوتا تھا۔ جن پر لہو و لعب کا شبہ کیا جا سکے۔ منصور نے ایک عربی النسل امیر کو حضر موت کا گورنر مقرر کیا تھا۔ خفیہ پولیس کے افسر نے اسے اطلاع دی کہ یہ گورنر شکار میں مشغول رہتا ہے اور اس مقصد کے لئے اس نے بہت سے باز اور کتے پال رکھے ہیں۔ منصور نے اس گورنر کو معزول کر دیا اور اسے ایک خط میں لکھا بد بخت! یہ باز اور کتے تو نے وحشی جانوروں کے شکار کے لئے جمع کر رکھے ہیں۔ ہم نے تجھے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کی ذمہ داریاں سونپی تھیں وحشی جانوروں کے امور تو تجھے نہیں سونپے تھے۔ گورنری کا منصب فلاں ابن فلاں کے حوالے کردے اور اپنے گھر کی راہ لے۔

منصور فصاحت و بلاغت اور اپنے مافی الضمیر کو خوبی سے ادا کرنے میں بہت مشہور تھا۔ طبری [۱] نے ۱۵۰ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ منصور نے بغداد میں عرفات کے دن ایک خطبہ دیا اس میں کہا "اے لوگو! میں خدا کی طرف سے اس کی زمین پہ حکمران ہوں۔ اس کی توفیق اور ہدایت سے تم پر حکومت کرتا ہوں۔ میں اس کی دولت کا خزانچی ہوں۔ اس کی

---

۱ طبری: جلد ۹ صفحات ۲۷۰ تا ۲۷۱۔

مشیت سے کام کرتا ہوں ۔ خدا نے اپنے خزانے کا مجھے قفل بنایا ہے ۔ جب وہ تمہارے وظائف کے لئے مجھے کھولتا ہے تو میں کھل جاتا ہوں اور جب بند کرنا چاہتا ہے تو بند ہو جاتا ہوں ۔ اس لئے تم خدا کی طرف رجوع کرو اور آج کے دن اسی سے مانگو یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے تمہارے اوپر بہت بڑا فضل و کرم کیا اس نے اپنی مقدس کتاب میں ان الفاظ میں اپنے اس فضل و کرم کا ذکر کیا ہے ۔ ”آج کے دن (عرفات کے دن) ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا“ ۔ اس دن تم خدا سے یہ سوال کرو کہ تمہیں ثواب اور نیکی کی توفیق دے ۔ سیدھے راستہ پر چلائے میرے دل میں تمہارے ساتھ نرمی اور احسان کرنے کا جذبہ پیدا کرے ۔ اور تمہارے وظیفوں کے لئے مجھے کھول دے ۔ تمہاری روزیوں کو منصفانہ طور پر مجھ سے تقسیم کرائے ۔ ”بیشک خدا (ہماری باتیں) سننے والا اور (ہم سے) قریب ہے“ ۔

منصور نے ابومسلم خراسانی کے قتل کے بعد لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا ۔ اس میں کہا ”لوگو ! اطاعت سے بغاوت کی طرف قدم مت نکالو ۔ اور اپنے رہنماؤں کی بد باطنی کو مت چھپاؤ کیونکہ جو شخص اپنے رہناؤں کی بد باطنی کو چھپانے کی کوشش کرے گا ۔ وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوگا خدا ایک نہ ایک دن ان کی بد باطنی کا راز اضطراری طور پر تمہارے عمل اور تمہاری زبان سے فاش کر دے گا ۔ اور اپنے امام (منصور) پر تمہارے سارے بھید کھول دے گا ۔ جو خدا کے دین کے اعزاز اور سر بلندی کے لئے برابر کوشاں ہے ۔ ہم نے تمہارے ان حقوق اور

ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کوتاھی نہیں کی جو ھمارے اوپر لازم تھیں ۔ اس لئے ھم ان حقوق و فرائض کی ادائیگی میں ، جو تمہارے اوپر عائد ھوتے ھیں کسی قسم کی سہل انگاری سے درگزر نہیں کریں گے ۔ جو شخص خلافت کے لئے ھم سے مقابلہ کرے گا ، اسے ھم اس تلوار سے اپنے راستہ سے ھٹا دینگے ۔ ابومسلم خراسانی نے ھم سے بیعت کی اور ھمارے لئے بیعت لی اور اس شرط پر بیعت لی کہ جو شخص ھماری بیعت کو توڑے گا اس کا خون ھمارے لئے حلال ھو گا پھر خود اس نے ھماری بیعت توڑی ۔ پس ھم نے اس کے اوپر وھی حکم جاری کیا جو اس نے ان لوگوں پر جاری کیا تھا جنہوں نے ھماری بیعت توڑی تھی ۔ اور حق و انصاف پر چلنے میں ھمارے راستہ میں کسی قسم کا لحاظ حائل نہ ھو سکا ۔

مؤرخین کا بیان ھے کہ منصور خونریزی کی طرف مائل تھا ، اگرچہ وہ اس حد تک مائل نہ تھا جس حد تک اس کا بھائی ابوالعباس سفاح تھا ایک اور چیز تاریخ کی نظر میں منصور کا درجہ کم کر دیتی ھے ۔ وہ یہ ھے کہ اس نے ان لوگوں کے ساتھ بد عہدی کی جنہیں اس نے امان دے دی تھی منصور نے تین بار اپنے عہد کے خلاف کیا تھا ۔ ایک ابن ھبیرہ کے ساتھ بد عہدی کی جسے اس نے جان کی امان دے دی تھی ۔ حالانکہ اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ھوئی تھی جو منصور کو عہد توڑنے پر مجبور کرتی ۔ منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو بھی قتل کرا دیا تھا حالانکہ اس نے اسے امان دے دی تھی ۔ منصور نے ابومسلم خراسانی کے ساتھ بھی بد عہدی کا سلوک کیا در آں حالیکہ اسے جان کی طرف سے اطمینان دلا دیا تھا ۔

ایک اور واقعہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ منصور کی نگاہوں میں عہد و پیما ن کا کوئی پاس نہ تھا۔ اس واقعہ کا تعلق اس کی نجی زندگی سے ہے، منصور نے اپنی بیوی سے عہد کیا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا اور اس عہد پر گواہوں کی شہادت ثبت کی گئی تھی۔ لیکن جب وہ خلیفہ ہوا تو اس نے عالم اسلامی کے فقہاء اور قاضیوں سے اس عہد سے رستگاری کے لئے فتویٰ حاصل کرلیا۔ یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ اس مقصد کے لئے فقہاء کو اپنے ضمیر کے خلاف شرعی حیلہ جوئی اور اپنی منصبی ذمہ داریوں کے خلاف کرنے کے لئے کن کن موشگافیوں سے کام لینا پڑا ہو گا۔

۳ ــــ منصور کی وفات

۱۵۸ھ میں منصور اپنے بیٹے مہدی کو رخصت کرنے کے لئے دارالخلافت سے باہر نکلا جب رقہ کے مقام پر پہنچا تو منصور کی دونوں بھوؤں کے درمیان اچانک درد شروع ہوا یہ درد موت کا پیغام ثابت ہوا اور اسی دن اس نے دنیا کو خیرباد کہا طبری[۱] نے موت کا یہ سبب بیان کرنے کے بعد لکھا ہے "منصور کھانے پینے کا بہت دلدادہ تھا۔ اطباء اسے کثرت طعام سے بہت منع کرتے تھے۔ لیکن وہ کوئی توجہ نہ دیتا تھا اس کثرت طعام سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے رہے اور شدت اختیار کرتے گئے۔ اور ایک دن اس کی زندگی کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کثرت طعام سے منصور کی قوت ذائقہ بے حس ہو گئی تھی اس کی شکایت اس نے

۱۔ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۲۔

طبیبوں سے کی اور قوت ذائقہ کو معمول پر لانے کے لئے ان سے کوئی جوارش بنانے کے لئے کہا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اطباء اس کے لئے جوارش وغیرہ کا استعمال مضر خیال کرتے تھے اور اسے کم کھانے کی نصیحت کرتے تھے ۔ اطباء ہمیشہ سمجھاتے تھے کہ جوارشیں اگرچہ کھانے کو فوراً ھضم کر دیتی ھیں ، لیکن ان کی وجہ سے جو امراض پیدا ھو جاتے ھیں وہ بہت خطرناک ھوتے ھیں ۔ ایک بار ھند کا ایک طبیب منصور کے دربار میں باریاب ھوا ۔ منصور نے اس سے بھی کسی جوارش کے تیار کرنے کے لئے کہا ، اس طبیب نے منصور کے لئے ایک باریک سفوف تیار کیا جو گرم ادویہ سے مرکب تھا ۔ منصور جوں ھی یہ سفوف کھاتا تھا ، فوراً کھانا ھضم ھو جاتا تھا۔ عراق کے اطباء کہا کرتے تھے کہ منصور جب مرے گا پیٹ کی بیماری سے مرے گا ۔ پوچھا گیا کیوں ؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ جوارشیں کھاتا رھتا ھے ، جن سے اگرچہ کھانا فوراً ھضم ھو جاتا ھے لیکن اس کی وجہ سے معدے میں کسی نہ کسی مرض کے جراثیم پیدا ھوتے رھتے ھیں ایک دن یہ جراثیم اس کی موت کا پیغام ثابت ھوں گے ۔ اس کی ایک مثال بیان کرتے ھوئے انہوں نے کہا اگر ایک مٹکا اونچی جگہ پر رکھ دیا جائے اور اس کے نیچے ایک پکی اینٹ رکھ دی جائے اور اس مٹکے کے پانی سے مسلسل قطرے اس اینٹ پر ٹپکتے رھیں تو ایک مدت کے بعد یہ قطرے اس اینٹ میں سوراخ پیدا کر دیں گے ۔ اطباء کا یہ خیال صحیح ثابت ھوا اور پیٹ ھی کی بیماری میں منصور کا انتقال ھوا ۔

مؤرخین کا بیان ھے کہ جس مرض میں منصور کا انتقال ھوا تھا اس کی ابتدا اس طرح ھوئی تھی کہ ایک دن دوپہر کے وقت

منصور گھوڑے پر سوار تھا اس حالت میں اسے لو لگ گئی ، منصور فطرتاً گرم مزاج تھا اور اس پر صفرے کا غلبہ رہتا تھا ، اس لو کا اثر معدے میں سرایت کر گیا ، اسی تکلیف کی حالت میں وہ ''بستان ابن عامر'' پہنچا ، وہاں تکلیف بہت بڑھ گئی، اسی تکلیف میں ''بستان ابن عامر'' سے روانہ ہوا اور مکہ کے قریب ''چاہ ابن مرتفع'' پر اترا، وہاں ایک دن اور ایک رات قیام کرنے کے بعد پھر ''چاہ میمون'' پر پہنچا، جہاں سے مکہ چھ میل کے فاصلے پر ہے - منصور کی آرزو یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح حرم پہنچ جائے لیکن جب حالت زیادہ خراب ہو گئی اور زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے ربیع کو ایک وصیعت نامہ لکھ کر دیا اور طلوع فجر کے وقت داعئی اجل کو لبیک کہا - یہ واقعہ ٦ ذی‌الحجہ بروز ہفتہ ۱۵۸ ہجری کا ہے - مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ وفات کے وقت منصور کی عمر کیا تھی بعض کا قول ہے کہ اس کی عمر ٦٣ سال تھی اور بعض کی تحقیق ہے کہ اس کی عمر ٦٤ سال تھی - بعض کا بیان ہے کہ اسکی عمر ٦٥ سال تھی- بعض مؤرخین کی تحقیق ہے کہ اس نے ٦٨ سال کی عمر میں انتقال کیا -

کہا جاتا ہے کہ جب منصور مکہ کے قریب پہنچ گیا تو اس نے ایک جگہ دیوار پر یہ شعر لکھے ہوئے دیکھے -

ابا جعفر حانت وفا تک وانقضت
سنوک و امر اللہ لابد واقع

ابوجعفر! تیری وفات کی گھڑی آ پہنچی اور تیری عمر کے سال ختم ہو گئے اور خدا کا حکم پورا ہو کر ہی رہے گا -

ابا جعفر هل کاهن او منجم
لک الیوم من ریب المنیة رافع [1]

اے ابو جعفر! کیا آج تیرے لئے کوئی ایسا کاهن یا منجم ھے جو تیرے دل سے موت کے خیال کو نکال دے ۔

منصور نے جب یه شعر پڑھے تو اسے اپنی موت کا یقین ھو گیا اور اس واقعه کے تین روز بعد اس کا انتقال ھو گیا ۔ منصور کی وفات کے وقت اس کے پاس چند اس کے خادم اور اس کا خاص غلام ربیع بن یونس موجود تھا۔ ربیع نے منصور کی موت کی خبر کو چھپایا اور عورتوں وغیرہ کو گریه و ماتم سے منع کر دیا ۔ جب صبح ھوئی اور منصور کی وفات کی خبر پھیل گئی ، اس وقت منصور کے خاندان کے لوگ آئے اور آپس میں ایک میٹنگ کی ۔ علوی خاندان کے بعض افراد اور دوسرے خاندانوں کے اشخاص بھی آ گئے اور ان لوگوں سے وہ خیمه بھر گیا، جو منصور کے قیام کے لئے اس کی زندگی میں نصب کیا گیا تھا ۔ اس کے بعد ربیع ان لوگوں کے پاس آیا، اس وقت اس کے ھاتھ میں ایک تحریر تھی ، ربیع نے ان کے سامنے اس کی مہر کو توڑا ، اس میں یه لکھا ھوا تھا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یه تحریر خدا کے ایک بندے منصور ، امیرالمومنین نے بنی ھاشم اور ان کے مددگار اھل خراسان اور عام مسلمانوں کے لئے لکھی ھے صرف اتنا حصه پڑھا تھا که ربیع کے ھاتھ تھرتھرائے اور تحریر اس کے ھاتھ سے گر پڑی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔ باقی لوگ بھی زار زار رونے لگے۔ اس کے بعد

---

۱ ۔ مختصر تاریخ الخلفاء صفحه ۳۰ ب یه آٹھویں صدی ھجری کے اواخر کی تصنیف ھے لیکن اب تک اس کا مصنف محقق نہیں ھو سکا ھے۔

اس نے پھر تحریر اٹھائی اور کہا یہ صحیح ہے کہ اس وقت گریہ و ماتم سے ہم سب کے دل معمور ہیں ، لیکن یہ امیرالمومنین کا وصیت نامہ ہے جو آخری وقت انہوں نے مجھے سونپا ہے میرا فرض ہے کہ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں ، اس لئے صبر و ضبط سے کام لو اور خاموشی سے سنو۔ لوگ خاموش ہو گئے پھر ربیع نے اس وصیت نامہ کو سنانا شروع کیا۔ ''خدا کی حمد اور رسول کی منقبت کے بعد جان لو کہ میں یہ تحریر تمہیں اس وقت لکھ رہا ہوں جب اس دنیا میں میری زندگی کا آخری دن ہے اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن ہے میں تمہیں خدا حافظ کہتا ہوں اور خدا سے التجا کرتا ہوں کہ اے بنی ہاشم اور اے اہل خراسان ، میرے بعد تمہیں آزمائشوں میں نہ ڈالے اور تمہیں ٹولیوں میں تقسیم نہ کر دے۔ اور تم آپس میں ایک دوسرے کی اذیت کے درپے نہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد مہدی کی خلافت کے لئے منصور نے وصیت کی اور انہیں یاد دلایا کہ وہ مہدی کی خلافت کے لئے بیعت کر چکے ہیں آخر میں سلطنت کے کاموں میں مہدی کی مدد اور اس کے ساتھ وفاداری کی تاکید کی[1] اس کے بعد ربیع نے ممتاز لوگوں اور خاندان کے بڑے بوڑھوں اور عام لوگوں کو بیعت کی اجازت دی۔ اور امیرالمومنین مہدی بن منصور کی بیعت خلافت اور مہدی کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت لینا شروع کی۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد ربیع نے فوج کے جرنیلوں کو بلایا اور انہوں نے بیعت کی اس کے بعد موسیٰ ابن مہدی مجلس عام کی طرف روانہ ہوا اور اس نے باقی ماندہ فوجی جرنیلوں اور ممتاز لوگوں سے بیعت لی۔ پھر عباس بن محمد اور محمد بن سلیمان مکہ گئے اور وہاں انہوں نے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان

۱۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۴۔

عام مسلمانوں سے مہدی کے لئے بیعت لی، یہ حج کا زمانہ تھا اس لئے اہل مکہ اور اہل مدینہ کی بہت بڑی تعداد مکہ میں موجود تھی۔

غرض، مہدی کی بیعت خاص مکہ میں ہوئی، اس کے بعد اس کی بیعت عام بغداد میں ہوئی، جہاں خاندان عباسی کے باقی ماندہ افراد اور فوج کے جرنیلوں اور سلطنت کے ممتاز لوگوں نے مہدی کی بیعت کی۔ یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کا ہے۔

مہدی

(۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ = ۷۷۵ء تا ۷۸۵ء)

محمد بن عبداللہ المنصور ۱۲۶ھ میں حمیمہ کے مقام پر پیدا ہوا - اس کی ماں اروی بنت منصور بن عبداللہ حمیری تھی - حمیر خاندان ایک طویل مدت تک یمن پر فرمانروائی کرتا رہا تھا - مہدی کی نشو و نما قصر خلافت میں ہوئی، منصور نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی - اور مفضل ضبی کو اس کا اتالیق مقرر، کیا جس نے اسے عربی کی تعلیم دی - اس کے لئے عربوں کی امثال اور عربی زبان کے منتخب اشعار جمع کئے اس طریق تعلیم سے مہدی کو علم و ادب کا ذوق اور اس سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس نے قدیم عرب کے حوادثات و واقعات ان کے امتیازی اخلاق اور ان کی شاعری اور ادب کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ نے نہ صرف مہدی کے قلب و دماغ کو جلا دی بلکہ اس میں صحیح ادبی ذوق بھی پیدا کر دیا - وہ شعر بھی کہتا تھا اور بہت اچھے کہتا تھا - عربی کے ہزاروں منتخب اشعار اور بے شمار امثال عرب اسے زبانی یاد تھیں[1] -

مہدی، بیدار مغز بیحد ذھین اور شرافت کا مجسمہ تھا ملحدوں اور زندیقوں کے حق میں نہایت سخت تھا - ان کا استیصال کرنے

---

۱ - الخطیب البغدادی تاریخ بغداد جلد ۵ صفحہ ۲۹۱ المسعودی: مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ -

میں وہ کسی بات کی پرواہ نہ کرتا تھا ۔ مہدی کا دور خلافت بھی منصور کے عہد خلافت کی طرح حوادث اور شورشوں سے معمور تھا ۔ مہدی نا انصافیوں اور جبر و استبدار کے خلاف داد رسی کے لئے ہر وقت مستعد رہتا تھا ۔ وہ بے انتہا تیز فہم ، فصیح و بلیغ ، بلند ہمت ، پختہ رائے اور نہایت دور اندیش خلیفہ تھا ۔ تقریر و تحریر دونوں پر اسے پوری قدرت تھی ۔ سیاست کی گونا گوں نیرنگیوں اور اس کے نشیب و فراز کو خوب سمجھتا تھا ۔ انہیں خوبیوں نے اسے اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ وسیع اسلامی سلطنت کا نظم و نسق حسن و خوبی کے ساتھ چلا سکے ۔ منصور اپنے بیٹے کی ان خوبیوں سے واقف تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ جب مہدی، منصور کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو وہ محبت اور فخر سے بار بار اسے دیکھتا رہتا تھا اور کچھ نہ کچھ نصیحت ضرور کرتا تھا [۱] ۔

مہدی دس برس کا تھا جب منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا ۔ جب مہدی پندرہ برس کا تھا اس وقت منصور نے اسے ایک بہت بڑے لشکر کی کمان سونپی اور گورنر خراسان عبدالرحمان بن عبدالجبار ازدی کی شورش کی سرکوبی کے لئے مامور کیا ۔ مہدی نے اپنے ہر اول دستہ کا سپہ سالار ایک بہت پرانے تجربہ کار جرنیل خازم بن خزیمہ کو مقرر کیا ۔ اس بغاوت کے خاتمے کے بعد مہدی نے خازم بن خزیمہ کو خراسانیوں کے ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر طبرستان بھیجا ، جہاں کے گورنر اصبہند نے مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی تھی ۔

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ٦١ ۔

خازم نے اس بغاوت کو فرو کیا اور اصبہند کی بیٹی کو گرفتار کر لیا - اسی طرح منصور نے اپنے بیٹے مہدی کی مدد سے استاذسیس کے فتنہ کا استیصال کیا تھا جس نے خراسان میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا - مہدی کی قیادت میں خازم بن خزیمہ نے بیس ہزار سپاهیوں کے ساتھ استاذسیس اور اس کے مدد گاروں کو گھیر لیا تھا ، اس محاصرہ میں خازم نے استاذسیس کو گرفتار کر لیا تھا اور اس کے مدد گاروں میں سے ستر ہزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا [۱] -

۱۵۳ھ میں منصور نے امارت حج کا منصب مہدی کو سونپا تھا [۲] - منصور کی وفات کے بعد عام لوگوں نے مہدی کی بیعت شروع کی اور پہلے اس کے باپ منصور کی موت پر تعزیت کی اور اس کے بعد مہدی کو خلافت پر مبارکباد پیش کی - اس وقت سب سے پہلا شخص، مشہور شاعر ابو دلامہ تھا جس نے ایک بلند پایہ قصیدہ میں مہدی کو خلافت پانے پر مبارکباد پیش کی - اور اس کے باپ منصور کی وفات پر تعزیت کی - ابو دلامہ کا ایک فقرہ یہ تھا - سچ پوچھئے تو ایک خلیفہ کی موت دوسرے خلیفہ کی زندگی ھے [۳] - مقصد یہ تھا کہ خلیفہ کی موت اگرچہ بہت بڑا سانحہ ھے لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ھے کہ خلیفہ کی موت کے بعد ھی ولی عہد کی خلافت شروع ھوتی ھے - اس لئے یہ حادثہ غم اور خوشی دونوں کا حامل ھے -

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۷۶ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۴ -
۳ - تاریخ بغداد : جلد ۵ صفحہ ۲۹۲ -

جب عام لوگوں کی بیعت ختم ہوئی ، اس وقت نماز کا وقت ہوگیا تھا ۔ نماز کے بعد مہدی نے ایک خطبہ دیا ، اس میں کہا ۔ میرے باپ منصور کی موت نے میرے شانوں پر بہت بڑی ذمہ‌داریاں ڈال دی ہیں ۔ پھر ان الفاظ میں اپنے باپ کا ماتم کیا "امیرالمومنین کو خدا نے بلایا تو انہوں نے فوراً لبیک کہا ۔ اس فقرے پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں ، پھر کہا آنحضرت ؐ تک دوستوں سے جدائی پر روتے تھے میرا رونا بے محل نہیں ہے ، میں نے بہت بڑی نعمت کھو دی اور بہت بڑی ذمہ‌داری میرے گلے میں ڈالی گئی ، جس کے بارے میں خدا کے سامنے ، امیرالمومنین کو حساب دینا ہوگا ۔ خدا سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کی خلافت کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں میری مدد کرے ۔ اس کے بعد اس کی آواز بھرا گئی اور خطبہ کو جاری نہ رکھ سکا ۔ دراصل وہ اپنے باپ کی وفات پر حد درجہ محزون تھا ۔

(الف) مہدی کی اصلاحات

مہدی تقریباً دس برس تک تخت خلافت پر جلوہ فرما رہا ۔ اس کا دور خلافت انتہا پسندی اور اعتدال کا عبوری دور تھا ۔ مہدی سے پہلے خلفاء کی پالیسی ، سخت گیری اور انتہا پسندی کی اساس پر قائم تھی ، لیکن مہدی کے دور سے عباسی خلفاء کی پالیسی اعتدال اور نرمی کی بنیاد پر قائم ہوئی ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ مہدی نے ان سب لوگوں کا مال و دولت واپس کر دیا جن کا مال و متاع اس کے باپ منصور نے ضبط کر لیا تھا اور ان سب علوی خاندان کے افراد کو رہا کر دیا جنہیں منصور

نے جیل میں ڈال دیا تھا - مہدی نے ان سب کے نہ صرف قصور معاف کر دئے بلکہ ان کی گزر اوقات کے لئے وظائف بھی مقرر کر دئے -

مہدی نے اپنا دور خلافت مختلف اصلاحات سے شروع کیا اور اس مقصد کے لئے بیت المال کی اس بے شمار دولت سے کام لیا ، جسے اس کا باپ منصور چھوڑ گیا تھا - یہ اتنی کثیر دولت تھی کہ دس سال کے لئے کافی ہوئی - مہدی ایک سچا مسلمان تھا اس نے زندیقیوں کا خاتمہ اور اسلام اور خلافت وقت کے دوسرے دشمنوں کا استیصال کیا - مہدی کے کارناموں میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے انتہائی شر پسند افراد کے سوا ، سب قیدیوں کو رہا کر دیا - مکہ معظمہ کے راستے میں مکانات تعمیر کرائے اور سلطنت کے مختلف حصوں میں مسافروں کے آرام کے لئے منصور نے جو سرائیں بنوائی تھیں ان میں اور اضافہ کیا - اسی طرح سلطنت کے مختلف حصوں میں قافلوں کے لئے پانی کے حوض تعمیر کرائے جو ہر وقت پانی سے بھرے رہتے تھے - بے بس قیدیوں اور کوڑھیوں کے وظائف مقرر کردئے تاکہ وہ مانگنے سے باز رہیں اور کوڑھی اپنا متعددی مرض ملک کے دوسرے حصوں میں نہ پھیلائیں - مہدی نے مسجد حرام میں بھی توسیع کرائی لیکن دیوار حرم سے ولید بن عبدالملک کا نام مٹا دیا اور اس کی بجائے اپنا نام کندہ کرایا - سیل و فرسنگ از سر نو لگوائے - مکہ ، مدینہ ، اور یمن کے درمیان ڈاک کا انتظام کیا اور اس میں بہت سی اصلاحات کیں - مختلف صوبوں میں امینوں کو مقرر کیا تاکہ وہ گورنروں کی نا انصافیوں سے اسے با خبر رکھیں - ان اصلاحات کا اثر یہ ہوا کہ

سلطنت میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا اور ساری قلمرو میں عام خوشحالی پیدا ہو گئی ۔

مہدی نے شہروں کے اردگرد فصیلیں بنوائیں اور ان کی قلعہ بندی کی ۔ مدینۂ رصافہ کی قلعہ بندی خاص طور پر کی گئی ۔ مہدی کے عہد میں بغداد ساری دنیا کی تجارت کا مرکز تھا ۔ علم و حکمت شعر و ادب اور موسیقی کی ترقی اس دور کی امتیازی خصوصیات ہیں ۔ مہدی نے سب سے پہلے یہ رواج ڈالا تھا کہ ہر سال کعبہ پر ایک نیا غلاف چڑھایا جائے اور پرانا خلاف اتار دیا جائے ۔ اس سے پہلے یہ دستور تھا کہ غلاف پر غلاف چڑھا دیا جاتا تھا ۔ مہدی کے بعد سارے عباسی خلفاء نے اس دستور کو قائم رکھا اور وہ ہر سال خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھاتے تھے ۔ مہدی ، آنحضرتؐ کی سنت اور آپ کے طریقوں پر چلنے کا بہت شیفتہ تھا اس نے نماز باجماعت اور وقت خلفاء کے لئے ایک خاص محفوظ جگہ کے رواج کو ختم کردیا اور خطبہ کے لئے اپنا منبر بھی اتنا نیچا بنایا جتنا نیچا انحضرتؐ کامنبر تھا ۔

(ب) شورشیں اور بغاوتیں ۔

مہدی کے دور خلافت میں عبداللہ بن مروان بن محمد اموی نے بلاد شام میں سر اٹھایا ، یہ ۱۶۱ھ کا واقعہ ہے۔ عبداللہ بن مروان کو شکست ہوئی اور اسے جیل میں ڈال دیا گیا ۔ مہدی نے کچھ عرصہ کے بعد اسے معاف کر دیا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا ۔ ۱۶۲ھ میں عبدالسلام بن ہشام یشکری نے الجزیرہ میں بغاوت کر دی جہاں اس کا زور بہت بڑھ گیا اور اس کے بہت سے مددگار پیدا ہوگئے اور اس نے الجزیرہ میں فتنہ و فساد برپا

کر دیا - لیکن اسے شکست دے دی گئی اور قنسرین میں قتل کر دیا گیا [۱] - اسی طرح موصل میں بنی تمیم کے ایک ممتاز فرد یسن نامی نے شورش برپا کی تھی اور ربیعہ اور مضر کے بہت سے علاقوں پر تسلط قائم کر لیا تھا ، مگر مہدی نے اس کی شورش کا بھی خاتمہ کر دیا تھا - ۱۵۸ھ میں مصر میں اہل حوف نے بغاوت کر دی تھی اور مہدی کے گورنر کو قتل کر دیا تھا - مہدی نے ان کی سرکوبی کے لئے فضل بن صالح بن علی عباسی کو روانہ کیا تھا ، لیکن وہ مہدی کی وفات کے بعد مصر پہنچا تھا فضل بن صالح نے بڑی خوبی سے اپنا فرض پورا کیا تھا اور ان مصریوں کی سرکشی کا استیصال کر دیا تھا -

مہدی کے دور خلافت میں سب سے شدید اور سب سے خطرناک وہ شورشیں تھیں ، جو زندیقیوں نے مشتعل کی تھیں ، جن کی تعلیمات اور معتقدات اسلامی تعلیمات سے متضاد تھے - وہ ایک غلط اور مضر قسم کی جمہوریت کے علمبر دار تھے، جس میں سوسائٹی کے آداب و قوانین اور شادیِ بیاہ کی مروجہ پابندیاں بے معنی چیزیں سمجھی جاتی تھیں - اس زمانے میں مذہبی معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لئے یہ زندیق بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے -

(ج) مہدی کے اخلاق و اوصاف

مہدی عوام و خواص دونوں طبقوں میں بڑی محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا وجہ یہ تھی - کہ وہ نا انصافیوں کی داد رسی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا اور عام لوگ بڑی

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۴۱ -

آسانی سے مہدی تک پہنچ سکتے تھے ۔ قتل و خون ریزی سے وہ احتراز کرتا تھا ۔ مظلوم سے انصاف کرتا تھا ۔ اور داد و دھش میں اس کا ھاتھ بہت کشادہ تھا ۔ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے مہدی نے نہ صرف منصور کے چھوڑے ہوئے ساٹھ کروڑ درھم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار خرچ کر دئے تھے [1] بلکہ اپنے دور خلافت کی آمدنی کی بھی بہت بڑی مقدار صرف کی تھی ۔

مہدی کے اوصاف میں حیاوغیرت، عفوودرگزر، جود وسخا، حلم و بردباری امتیازی اوصاف تھے وہ نبیذ بالکل نہیں پیتا تھا لیکن اس کے ندیموں کو اس کے پینے کی اجازت تھی ۔ قرآن کی تلاوت سے بہت متاثر ھوتا تھا ۔ انتہائی عادل تھا ۔ نا انصافیوں اور زیادتیوں کے خلاف اپیلیں خود سنتا تھا اس وقت اس کے آس پاس قاضی بیٹھے ھوتے تھے ۔ مہدی کو عدل و انصاف کا کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ھے کہ وہ انصاف کرنے کے لئے اجلاس کرتا تھا تو حکم دیتا تھا کہ عدالت میں میرے پاس قضاۃ بیٹھیں تاکہ اگر میں کبھی کسی کے ساتھ رعائت کرنا چاھوں، جب بھی ان قاضیوں کی موجودگی کی وجہ سے نہ کر سکوں ۔

یہ واقعہ بھی مہدی کے عدل و انصاف پر روشنی ڈالتا ھے جو مسعود بن مساور نے بیان کیا ھے ۔ " میرے ساتھ مہدی کے وکیل نے ظلم کیا تھا اور میری زمین اس نے غصب کر لی تھی میں مہدی کے اجلاس میں پہنچا اور میں نے اس کے پیشکار کو ایک رقعہ دیا کہ وہ اسے مہدی تک پہنچا دے ۔ رقعہ پہنچنے پر مہدی نے مجھے بلایا، مہدی کے پاس اس وقت قاضی بھی بیٹھا تھا ۔

---

۱ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ تا ۲۴۹ ۔

مہدی نے مجھ سے پوچھا کہ تم پر کیا ظلم ہوا ہے - میں نے پورا واقعہ بیان کیا اور پھر مہدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی سے کہا کہ انہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور میری زمین مجھ سے چھین لی ہے - قاضی نے مہدی سے کہا - امیرالمومنین آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے ؟ مہدی نے جواب دیا - میری زمین میرے قبضہ میں ہے - میں نے قاضی سے کہا کہ آپ امیرالمومنین سے یہ پوچھئے کہ ان کے قبضے میں یہ زمین کب سے ہے ؟ منصب خلافت پر پہونچنے سے قبل، یا بعد سے ؟ مہدی نے جواب دیا ، خلافت کے بعد میرے قبضے میں آئی ہے - اس جواب پر قاضی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا اور مہدی نے قاضی کے اس فیصلہ کے سامنے گردن جھکا دی [1] -

(د) مہدی کی وفات

مؤرخین کا بیان[2] ہے کہ ایک دن مہدی شکار کھیلنے گیا تھا کسی جھاڑی سے ایک ہرن نکلا مہدی نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈال دیا - ہرن ایک کھنڈر میں گھس گیا، مہدی کا گھوڑا بھی اس کے دروازے میں گھس گیا اس وقت مہدی دروازے سے ٹکرا گیا اور اس کی کمر ٹوٹ گئی اور اسی وقت دم توڑ دیا - بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ مہدی کی ایک کنیز نے کسی دوسری کنیز کی جلن میں مہدی کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا ، مہدی نے لا علمی میں وہ کھانا کھا لیا تھا - اس زہر نے اپنا اثر کیا اور مہدی کی موت کا باعث ہوا - یہ ۱۶۹ ھ کا واقعہ ہے -

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۳۲ -

۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۲ تا ۱۴ -

ہادی

(۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ = ۷۸۵ء تا ۷۸۶ء)

موسیٰ ہادی ہارون الرشید کا بڑا بھائی تھا ۔ مہدی نے اپنے بعد اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا اور ہادی کے بعد ہارون کو اس کا جانشین بنایا تھا ۔ اس کے بعد مہدی نے ارادہ کیا تھا کہ ہارون الرشید کو اپنا ولی عہد بنا دے اور اس کے بعد ہادی کو اس کا جانشین مقرر کرے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ، مہدی، ہادی سے زیادہ ہارون سے محبت کرتا تھا ۔ اس کی ماں خیرزان کو بھی باپ کی طرح ہادی سے زیادہ ہارون سے محبت تھی ۔ لیکن مہدی کی ناگہانی موت نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں دیا ۔ ہارون اس واقعہ کو جانتا تھا ۔ لیکن جب اس نے اپنے باپ کی وفات کی خبر سنی تو اپنے بھائی ہادی کی بیعت کرنے میں کوئی تامل نہ کیا تخت خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے، ہادی کی عمر کا زیادہ حصہ بلاد مشرق میں گذرا تھا ۔ جس وقت اس کی خلافت کی بیعت لی گئی اس وقت وہ طبرستان اور جرجان میں عباسی مملکت کے دشمنوں سے برسر پیکار تھا ۔

ہادی سنگدل، کرخت مزاج، دشوار پسند ، ادب کا دلدادہ، غیر معمولی بہادر اور نہایت سخی خلیفہ تھا ۔ اس کی نشوونما اور تربیت عربی ماحول میں ہوئی تھی ۔ اور اس کی عمر کا زیادہ حصہ میدان جنگ

میں گزرا تھا ۔ ان باتوں کا اس کے مزاج اور اخلاق پر گہرا اثر پڑا تھا ۔ علویوں کا اس نے بڑی سختی سے استیصال کیا تھا ۔ اسویوں، خارجیوں اور زندیقیوں کو بڑی لرزہ خیز سزائیں دی تھیں، ان سزاؤں کے جواز کے لئے محض شک کافی ہوتا تھا ۔ ہادی نے اپنے بھائی ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔ ہادی داد و دھش میں بڑی فضول خرچی سے کام لیتا تھا ۔

(الف) خوارج اور زندیقیوں کا استیصال :

زندیقیوں سے انتہائی نفرت اور ان کے استیصال کا بیخودانہ جذبہ ہادی کو اپنے باپ مہدی سے ورثہ میں ملا تھا ۔ مہدی نے اسے وصیت کی تھی کہ زندیقیوں کا قلع قمع کرنے اور ملک کو ان کی نجاست سے پاک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔ ہادی نے اپنے باپ کی وصیت پوری کی اور زندیقیوں کے استیصال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ ان زندیقیوں اور خارجیوں نے بلاد الجزیرہ میں شورشیں اٹھا رکھی تھیں ۔ ہادی نے ان میں سے جن پر بھی قابو پایا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ یہ واقعہ ہادی کی بیدار مغزی اور دلی نفرت پر پر روشنی ڈالتا ہے ۔

ہادی ایک دن اپنے باغ میں ایک خچر پر سوار تھا اتنے میں اسے معلوم ہوا کہ اس کے آدمیوں نے ایک خارجی کو پکڑ رکھا ہے، اس نے حکم دیا کہ خارجی کو حاضر کیا جائے، جب وہ خارجی ہادی کے قریب آیا تو اس نے ہادی کے باڈی گارڈ سے تلوار

چھین لی اور ھادی کی طرف جھپٹ پڑا ۔ اس وقت ھادی کے سب باڈی گارڈز دھشت کی وجہ سے الگ ھٹ گئے، لیکن ھادی بڑے اطمینان سے کھڑا تھا اور اسکے دل میں ذرہ برابر کسی قسم کا خوف و ھراس پیدا نہ ھوا، جب خارجی، ھادی کے بہت قریب پہنچ گیا تو ھادی نے بلند آواز سے کہا شاباش ! اس بد بخت خارجی کی گردن اڑا دو ۔ اس وقت خارجی کے پیچھے کوئی آدمی نہ تھا ، لیکن ھادی نے اپنی بیدار مغزی سے خارجی کے دل میں یہ وھم پیدا کر دیا کہ اس کے پیچھے سے کوئی لپکا ھے، خارجی نے اضطراری طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا ، اتنے میں ھادی اس پر جھپٹ پڑا اور اسے زمین پر پٹخ دیا اور اس کے ھاتھ سے تلوار چھین کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اس واقعہ کے بعد ھادی نہ کسی خچر پر سوار ھوا اور نہ کبھی تلوار اپنی میان سے جدا کی[1] ۔

ھادی کو امویوں سے بھی ، زندیقیوں اور خارجیوں سے کچھ کم نفرت نہ تھی ۔ اس کا خیال تھا کہ عباسی خاندان نے امویوں سے ایسا انتقام نہیں لیا ھے جس سے عباسیوں کے دلوں میں سکون پیدا ھو اور ان کے سینوں میں ٹھنڈک پڑے[2] ۔

(ب) ھادی کا اپنے بھائی ھارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا ارادہ

ھادی کے دادا ، منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے معزول کردیا تھا ، ھادی بھی اس کے نقش قدم پر چلا اور اپنے بھائی ھارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے اور اپنے بیٹے

---

۱ ۔ المسعودی: مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ ۔
۲ ۔ المسعودی: مروج الذھب جلد ۲ صفحات ۲۰۰ تا ۲۰۶ ۔

جعفر کو ولی عہد مقرر کرنے کا ارادہ کیا ، خلافت کے ممتاز افراد اس معاملے میں اس کے ہمنوا تھے - لیکن یحییٰ بن خالد بن برمک نے جعفر کی کم سنی کی وجہ سے اسے نصیحت کی کہ وہ ایسا کرنے سے باز رہے اور اپنے باپ کے اس عہد کا احترام کرے جو ولی عہد بناتے وقت اس سے لیا تھا - یحییٰ نے یہ بھی کہا کہ اگر کم سنی ہی میں جعفر خلیفہ بن گیا تو ممکن ہے خاندان خلافت کے افراد جعفر سے خلافت چھین لیں - یحییٰ نے ہادی کو مشورہ دیا کہ وہ صبر سے کام لے ، یہاں تک کہ جعفر جوان ہو جائے اور پھر ہارون سے اس کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہونے کے لئے کہے - یحییٰ نے ہادی کو سمجھاتے ہوئے کہا ''امیر المومنین ! اگر آپ ایسا کریں گے تو لوگوں کو عہد و پیمان توڑنے پو آمادہ کریں گے اور انہیں جرأت دلائینگے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کی حرکتیں کریں اگر آپ ہارون کو ولی عہد رہنے دینگے اور اس کے بعد جعفر کو ولی عہد مقرر کر دیں گے تو یہ بیعت مستحکم ہوگی - اس نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ ہادی کچھ مدت کے لئے اپنے ارادہ سے باز رہا ، لیکن کچھ عرصہ بعد بیٹے کی محبت نے پھر جوش مارا اور یحییٰ کو بلا کر ہارون کی معزولی کے بارے میں گفت و شنید کی - یحییٰ نے کہا ، امیر المومنین ! اگر آپ اس حالت میں وفات پا جائیں کہ آپ نے ہارون کو ولی عہدی سے معزول کردیا ہو اور اپنے بیٹے جعفر کی ولی عہدی کی بیعت لے لی ہو اور آپ کی وفات کے وقت تک جعفر بالغ نہ ہوا ہو تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی خلافت مستحکم ہوگی اور بنی ہاشم کے بڑے بوڑھے اس پر رضا مند ہو جائیں گے اور اس کی خلافت تسلیم

کر لیں گے ؟ ھادی نے جواب دیا نہیں ۔ یحیٰی نے کہا تو اس خیال کو چھوڑ دیجئیے بلکہ میں تو یہاں تک کہونگا کہ اگر مہدی نے ھارون کی ولی عہدی کی بیعت نہ لی ھوتی تو آپکا فرض تھا کہ آپ اپنے بعد ھارون کی ولی عہدی کی بیعت لیتے تاکہ خلافت آپ کے خاندان سے نہ نکلے[1] ۔ لیکن ھادی نے یحیٰی کی نصیحت کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور بر افروختہ ھوکر اسے جیل میں ڈال دیا اور اسے قتل کر دینے کا بھی ارادہ کیا ۔

ھارون، ولی عہدی سے دستبردار ھونے پر آمادہ ھوگیا تھا جب اسے بہت تنگ کیا گیا اور طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا کردیا گیا اور ھادی کے اشارہ سے خلافت کے ممتاز افراد نے اس کے ساتھ گستاخانہ طرز عمل اختیار کیا ۔ ان حالات میں یحیٰی بن خالد نے ھارون کو مشورہ دیا کہ وہ بھائی سے اجازت لے کر بغداد سے باھر چلا جائے ۔ ھارون نے اس پر عمل کیا اور بغداد سے چلا گیا اور ایک عرصہ تک بغداد کا رخ نہیں کیا ۔ جب ایک زمانہ تک بغداد واپس نہیں آیا تو ھادی نے واپس آنے کے لئے بار بار لکھا ، ادھر بغداد میں ھارون کے خلاف پروپیگنڈے میں ھادی نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ لیکن جب تک ھادی زندہ رھا اس وقت تک ھارون طرح طرح کے بہانوں سے ٹالتا رھا اور بغداد واپس نہیں آیا ۔ جب اسے ھادی کی موت کی خبر ملی اور بیعت کے لئے اسے دعوت دی گئی ، اس وقت وہ دارلخلافت لوٹا ۔ بعض مؤرخین کا خیال ھے

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۱۹۰ ۔

کہ ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کے ارادہ میں ہادی کی ناکامی کی وجہ اس کی ماں خیزران تھی، اس نے ہادی کو موت کی آغوش میں جلد سے جلد سلا دینے کی کوشش کی تھی - لیکن مجھے مؤرخین کے اس بیان کے تسلیم کرنے میں تامل ہے -

اس سے انکار نہیں کہ ہادی اور اسکی ماں خیزران میں بڑی شدید عداوت تھی اور یہ عداوت آخری وقت تک قائم رہی ، یہاں تک کہ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ خیزران نے اپنی ایک باندی کے ذریعے ہادی کے قتل کی سازش کی تھی -

مہدی کے دور خلافت میں خیزران کا بڑا اثر و اقتدار تھا در اصل مہدی کے پردے میں وہی حکومت کرتی تھی ، لوگوں کے وفد اس کی قیام گاہ پر آتے تھے اور اپنی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے اس سے التجا کرتے تھے - لیکن ہادی عورتوں کے معاملے میں بہت تنگ نظر تھا جب وہ تخت خلافت پر بیٹھا تھا تو اس نے اپنی ماں کی ان سرگرمیوں کو ناپسند کیا اور اسے منع کردیا[1]- یوں ہادی اپنی ماں کا بڑا فرمانبردار تھا ، جن حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ کہتی تھی ، انہیں فوراً پورا کردیتا تھا - ایک دن اسکی ماں نے کسی حاجتمند کی کوئی حاجت پوری کرنے کے لئے ہادی سے کہا جس کا پورا کرنا ہادی کے لئے ممکن نہ تھا ماں نے اصرار کیا لیکن ہادی پورا نہ کرسکا - اس پر اس کی ماں غصہ میں اٹھ کھڑی ہوئی ، اس وقت

---

۱ -الفخری : صفحہ ۱۲۳ -

هادی کو بھی غصہ آ گیا اور اسنے اپنی ماں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا ''اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ کے آستانے پر میرا کوئی فوجی جرنل یا خاص رکن سلطنت یا کوئی خاص خادم گیا ہے تو میں اسکی گردن اڑا دوں گا ۔ اور اسکا مال و اسباب ضبط کرلوں گا ، جو شخص اپنی جان اور اپنے مال و دولت کا دشمن ہے وہ خوشی سے آپ کے آستانے پر جا سکتا ہے ۔ آپ نے یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے کہ جلوس صبح شام آپ کے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں ؟ کیا گھر کے کام کاج آپ کو مصروف نہیں رکھ سکتے ؟ قران کی تلاوت میں آپ منہمک نہیں رہ سکتیں ؟ محل کا کوئی ایسا کونہ نہیں ہے، جہاں آپ تخلیہ میں رہ سکیں ؟ میں اسے نابسند کرونگا کہ آپ کسی مسلمان یا ذمی حاجت مند کے بارے میں اپنی زبان سے کچھ کہیں[۱]''۔ اس کے بعد اپنے ارباب دولت سے پوچھا عزت و ناموس کے لحاظ سے عباسی قلمرو میں میں اور میری ماں ممتاز ہیں یا تم اور تمہاری مائیں؟ انہوں نے جواب دیا امیر المومنین! آپ اور آپ کی ماں ۔ ہادی نے کہا کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ تمہاری ماؤں کے بارے میں لوگ ایسی باتیں کریں کہ فلاں کی ماں نے میرے ساتھ یہ بھلائی کی ارباب دولت نے جواب دیا یہ ہم کبھی گوارا نہیں کرینگے ۔ ہادی نے کہا پھر تم میری ماں کے پاس اپنی حاجت روائی کے لئے کیوں جاتے ہو؟ اور کیوں اس کے بارے میں یہ باتیں کرتے پھرتے ہو؟ اس واقعہ کے بعد ارکان خلافت نے ہادی کی ماں کی خدمت مین حاضر

---

۱ ۔ المسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۸ ۔

ہونا چھوڑ دیا[1] ۔

یہ قدرتی بات تھی کہ ہادی کے ان الفاظ سے خیزران کی خود داری کو ٹھیس پہنچی اور اسے نہ صرف اپنے بیٹے ہادی سے نفرت پیدا ہوگئی بلکہ اس کی طرف سے اسکے دل میں ایک گرہ سی پڑ گئی ۔ خیزران کی اس توہین سے بہت سے نتائج پیدا ہوئے، لوگوں نے خیزران سے سوال کرنا اور اسکے آستانے پر آنا جانا چھوڑ دیا تھا ۔ بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ہادی نے زہر ملا ہوا کھانا اپنی ماں کے پاس بھیجا تھا لیکن اسنے احتیاطاً اسے نہیں کھایا تھا اور ایک بلی کے آگے ڈال دیا تھا ، جو کھاتے ہی مر گئی تھی ۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو ہم ان مؤرخین کے بیان کو تسلیم کرسکتے ہیں ، جنہوں نے کہا ہے کہ ہادی کی موت میں اسکی ماں کی سازش کا دخل تھا ۔ لیکن اس سے پہلے بھی میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے ان کے اس بیان میں شبہ ہے ۔

میری رائے میں ہادی نے جو کچھ کہا تھا نیک نیتی سے کہا تھا اسکا مقصد اپنی ماں کے ناموس و احترام کا تحفظ تھا ، یہ مقصد ہادی کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ، جو اسنے بستر مرگ پر اپنی ماں سے کہے تھے ”میں نے آپ سے کچھ باتوں کو نہ کرنے اور کچھ باتوں کو کرنے کیلئے کہا تھا ، یہ محض ملک کے سیاسی تقاضوں کی بنا پر کہا تھا ، شرعی احکام سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا ، میں آپ کا نہ صرف فرماں بردار بیٹا ہوں بلکہ آپ کے ناموس و احترام کے تحفظ میں بھی میں نے کوئی

---

۱ ۔ الفخری صفحہ ۱۷۳ ۔

دقیقه اٹھا نہیں رکھا[1] "۔

۳ ۔ ھادی کے اخلاق و اوصاف

ھادی داد و دھش میں بڑی دریا دلی سے کام لیتا تھا ایک روز ھارون ، ھادی سے اس خواب کا تذکرہ کر رھا تھا جو ان کے باپ مہدی نے دیکھا تھا[2] ھادی نے بات کاٹ کر کہا کہ تم محض خواب کی باتوں میں مگن رھو لیکن یہ یاد رکھو کہ جس سلطنت کا خواب تم دیکھ رھے ھو وہ شرمندۂ تعبیر نہ ھو گا ۔

ھارون نے جواب دیا ، امیرالمومنین! یہ قدرت کا اصول ھے کہ جو غرور کرتا ھے ، وہ نیچا دیکھتا ھے ۔ جو انکساری اور تواضع سے کام لیتا ھے وہ سر بلند ھوتا ھے جو ظلم کرتا ھے ، وہ ذلیل و خوار ھوتا ھے۔ اگر قسمت سے مجھے خلافت مل گئی تو میں ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا ، جن سے آپ نے قطع رحمی کی اور ان لوگوں سے بھلائی کروں گا جو آپ کے احسانات سے محروم رھے ۔ آپ کی اولاد کو اپنی اولاد سے زیادہ سر بلند کروں گا

---

۱ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ ۔

۲ ۔ مہدی نے یہ خواب دیکھا تھا کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں ھادی اور ھارون کو ایک ایک ٹہنی دی ھے ھادی کی ٹہنی کا صرف بالائی حصہ سرسبز ھوا اور ھارون کی ٹہنی سرسبز پتوں سے لد گئی اس کی تعبیر یہ دی گئی کہ دونوں بیٹے خلیفہ ھونگے مگر ھادی کی خلافت کی مدت بہت کم ھوگی اور ھارون ایک مدت تک تخت خلافت پر متمکن رھے گا اور اس کا دور خلافت دنیا کا خوش حال ترین دور ھوگا ۔

اور ان سے اپنی بیٹیوں کی شادی کروں گا۔ اس طرح اپنے باپ مہدی کے حقوق اور احسانات سے عہدہ بر آ ہونے کی کوشش کروں گا۔ اس شیریں کلامی سے ہادی کے دل پر بہت اثر ہوا غیظ و غضب کا جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا اور چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور کہا ابو جعفر مجھے تم سے یہی توقع ہے۔ میرے قریب آؤ، ہارون اٹھ کر قریب گیا تو ہادی نے جوش محبت سے اس کا ہاتھ چوم لیا اس کے بعد ہارون اپنی جگہ پر بیٹھنے کے لئے جانے لگا تو ہادی نے کہا نہیں تم میرے ساتھ صدر مجلس میں بیٹھو گے۔ اس کے بعد بیت المال کے خزانچی کو حکم دیا کہ ہارون کے پاس دس لاکھ دینار ابھی پہنچا دو۔ اور پانچ لاکھ دینار اس وقت پہنچا دینا جب خراج کی آمدنی آئے۔ جب ہارون رخصت ہو کر نکلا تو اس کے اعزاز کے طور پر دربار خلافت کے فرش کے قریب ہارون کی سواری لائی گئی اور وہاں سے وہ سوار ہو کر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا [1]۔

ہادی کی فضول خرچی پر یہ واقعہ بھی روشنی ڈالتا ہے کہ ایک دن ہادی نے عمرو بن معدی کرب کی تلوار صمصامہ منگوائی اور اسے اپنے سامنے رکھ لیا اور درہم و دینار سے بھری ہوئی ایک زنبیل منگوائی، پھر اپنے حاجب کو حکم دیا کہ شعراء کو باریاب ہونے کی اجازت دی جائے۔ جب شعراء آ گئے تو ان سے کہا، اس تلوار کی تعریف میں اشعار کہو۔ سب سے پہلے ابن یامین بصری نے تلوار کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا۔ قصیدہ سن کر ہادی نے کہا یہ تلوار اور زنبیل دونوں تمہارے

---

۱ - المسعودی: مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۲۶۱ تا ۲۶۲ -

ھیں - ابن یامین نے دونوں چیزیں لے لیں - زنبیل کے درھم و دینار تو اس نے وھیں شعراء میں تقسیم کر دئے اور چند روز بعد تلوار ھادی کے پاس بھیج دی ، جس نے اسے پچاس ھزار دینار میں خرید لیا -

۴ - ھادی کی وفات

ھادی کا دور خلافت زیادہ طویل نہ ھوا اور ۱۸ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں بغداد میں اس کا انتقال ھو گیا - اس کی خلافت کی مدت ایک سال ایک سہینہ اور ۲۲ دن تھی - جس رات ھادی کا انتقال ھوا ، وہ رات ایک تاریخی حیثیت رکھتی ھے - اس شب میں ایک خلیفہ نے وفات پائی ایک خلیفہ تخت خلافت پر جلوہ فرما ھوا اور ایک خلیفہ پیدا ھوا - عام لوگوں میں بہت دنوں سے اس بات کا چرچا تھا کہ اس طرح کی ایک رات آنے والی ھے - اس رات کو جس خلیفہ نے وفات پائی وہ ھادی تھا ، جو تخت خلافت پر رونق افروز ھوا وہ ھارون تھا ، اور جو پیدا ھوا وہ سامون تھا [1] -

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۷۴ -

ہارون رشید

(۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ = ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء)

ہارون رشید ، خلفاء عباسیہ میں سب سے مشہور خلیفہ گزرا ہے - اس کے دور خلافت میں بغداد ترقی اور عروج کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا ، وہ دنیا کی تجارت کا مرکز اور علم و ادب کا گہوارہ بن گیا تھا - ہارون رشید کی شہرت یورپ تک پہنچ گئی تھی ، اس کی وجہ یہ تھی کہ ہارون رشید اور فرنگیوں کے شہنشاہ شارلی مان کے درمیان نہ صرف سیاسی تعلقات خوشگوار تھے بلکہ ذاتی طور پر بھی دونوں میں بڑے خلوص و محبت کے مراسم قائم تھے - یورپ کے ملکوں میں ہارون کی شہرت پھیلنے کا ایک سبب کتاب " الف لیلہ ولیلہ " بھی ہے ، جس کا ترجمہ یورپ کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں موجود ہے اور یورپ اور امریکہ کی کوئی لائبریری اس کتاب سے خالی نہیں ہے -

ہارون رشید ۲۷ ذوالحجہ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوا ، اس کی ماں ایک یمنی کنیز جرشیہ تھی ، جو خیزران کے نام سے مشہور ہے[1] - ہادی کی ماں بھی خیزران تھی -

فضل بن یحیٰی برمکی ہارون رشید سے سات روز پہلے پیدا ہوا تھا - فضل کی ماں نے ہارون کو دودھ پلایا تھا اور خیزران نے فضل کو دودھ پلایا تھا اس لئے فضل اور ہارون رضاعی بھائی تھے - مہدی نے اپنے بڑے بیٹے ہادی کے بعد

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۴۸ -

ہارون کو ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ مہدی ، ہارون کی ذکاوت اور ہمہ گیر لیاقت سے واقف تھا ، اس لئے اس نے اپنے پہلے فیصلہ میں تبدیلی کا ارادہ کیا اور ہارون کے بعد ہادی کو ولی عہد مقرر کرنے کا تہیہ کیا اس ارادے میں خیزران نے مہدی کی ہمنوائی کی کیونکہ دونوں ، ہادی سے زیادہ ہارون سے محبت کرتے تھے اور اس کی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے ہادی پر اسے ترجیح دیتے تھے ۔ لیکن مہدی کی ناگہانی موت نے ، یہ ارادہ پورا نہ ہونے دیا ۔

مہدی نے ہارون کو صائفہ کا گورنر (۱۶۳ھ تا ۱۶۵ھ) مقرر کیا تھا ۔ ہارون نے شہنشاہ قسطنطین ہفتم کی والدہ ایرینی کو (جو شہنشاہ قسطنطین کے سن رشد تک پہنچنے تک اس کی طرف سے فرماں روا تھی ۔) مصالحت پر مجبور کیا تھا اور عباسیوں اور بیزنطینیوں میں یہ صلح نامہ ہدنہ ، کے مقام پر ہوا تھا ، جس کی میعاد تین سال تھی ۱۶۴ھ میں مہدی نے ہارون کو بلاد مغرب کا گورنر مقرر کیا تھا ۔ ہارون اس رات کو تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا ، جس رات کو ہادی کا انتقال ہوا تھا ۔ وہ جمعہ کی رات تھی ، ربیع الاول کی ۱۸ تاریخ تھی اور ۱۷۰ھ تھا[۱] ۔

ہارون رشید کے دور خلافت کے جن اہم واقعات کا مطالعہ خصوصیت سے کرنا چاہئے وہ اس دور کی داخلی شورشیں ہیں ، خصوصاً موصل ، افریقہ اور آرمینیہ کی شورشیں ۔ اس عہد میں برامکہ عباسیوں کی مرکزی حکومت پر بہت چھا گئے تھے ۔

---

۱ ۔ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۸ ۔

تمدن اسلامی کی ترقی و عروج میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ ہارون کے ہاتھوں برامکہ کی تباہی اس دور کا بہت بڑا واقعہ ہے ۔

۱ ۔ شورشیں اور بغاوتیں :

۱۷۸ھ میں ولید بن طریف شاری شیبانی نے ہارون کے خلاف بغاوت کی اور کئی بار ہارون کی فوجوں کو شکست دی ۔ ولید نے نصیبین کے عباسی گورنر کو قتل کر دیا ۔ اس کے بعد ارسینیہ اور آذر بائیجان کا رخ کیا اور وہاں فتنہ و فساد برپا کیا ۔ پھر الجزیرہ میں غارت گری کی اور دریائے فرات عبور کر کے حلوان پہنچا ۔ اس وقت تک ولید کی قوت اور شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے جھنڈے کے نیچے لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی تھی ۔ ہارون رشید نے اس کی سرکوبی کے لئے محاربۂ راوندیہ کے ہیرو معن بن زائدہ کے بھتیجے یزید بن مزید شیبانی کو روانہ کیا ۔ ولید نے جب یزید شیبانی کی روانگی کی خبر سنی تو سیاسی حکمت عملی کے طور پر ہارون رشید کے جبر و استبداد کا بہت پرو پیگنڈا کیا اور اپنے مقابلے کا مقصد یہ بتایا کہ وہ اس جبر و استبداد سے لوگوں کو چھٹکارا دلانا چاہتا ہے ۔ لیکن یزید شیبانی نے ولید بن طریف کو بہت جلدی شکست دی اور اسے قتل کر دیا ۔ افریقہ میں بربری قبیلے ۱۷۸ھ سے ۱۸۱ھ تک برابر عباسی فوجوں سے مقابلہ کرتے رہے تھے ۔ ان کا مقصد اسلامی حکومت کے اقتدار سے آزادی حاصل کرنا تھا ۔ اس مقابلے میں کبھی بربری قبائل کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا اور کبھی عباسی فوجوں کا ۔ یہاں تک کہ ہارون رشید

نے ھرثمہ بن اعین کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا ۔ ھرثمہ نے ان قبائل کی بغاوت کو فرو کر دیا ، لیکن ھرثمہ نے اپنی دور بیں نگاہ اور اپنے طویل فوجی تجربے سے یہ بھانپ لیا کہ بربری قبائل پر عباسیوں کا مستقل تسلط ممکن نہیں ھے ، کیونکہ ان قبائل میں ، بربری قبائلی لیڈروں نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کی آگ اتنی شدید مشتعل کر دی ھے، جس کا بجھنا ممکن نہیں ھے ۔ کچھ عرصہ بعد ان بلاد میں اغلبیوں کی حکومت قائم ھو گئی، جس کا بانی ابراھیم بن اغلب تھا ۔ اسے ھارون رشید نے اس غرض سے ان بلاد کا گورنر مقرر کیا تھا کہ وہ بربر باشندوں کے تمرد اور سرکشی کا استیصال کرے اور ادریسی جب عباسی قلمرو میں غارت گری کا ارادہ کریں تو ان کی سرکوبی کرے ۔ لیکن اس گورنر نے رفتہ رفتہ اپنی ایک الگ حکومت قائم کرلی جو قریب قریب عباسیوں کے اقتدار سے آزاد ھوگئی اور اس پر عباسی خلافت کا اقتدار برائے نام رہ گیا ۔ دولت اغالبہ نے اپنا دارالحکومت قیروان کو بنایا جو موجودہ شہر ٹیونس سے جنوب مغرب میں واقع ھے ۔ یہ دولت ۲۹۶ تک قائم رھی، ۲۹۶ء میں فاطمیوں نے اس پر تسلط قائم کر لیا تھا[1] ۔

۱۷۶ھ میں شام میں یمنیوں اور عدنانیوں کے درمیان قدیم اختلافات ایک مستقل جنگ کی صورت میں رونما ھوگئے اور دمشق تقریباً دو سال تک ان دونوں فریقوں کی داخلی جنگوں کی آماجگاہ بنا رھا ، لیکن ھارون نے شام کی اس صورت حالات کی

1. Muir : The Calaphate Page 478.

اصلاح کی طرف کوئی توجه نه دی بلکه اس کے برعکس اس صورت حالات سے فائده اٹھایا اور انہیں آزادی سے برسرپیکار رہنے دیا ـ اس کا نتیجه یه ہوا که ان بلاد کے باشندوں کی اجتماعی قوت میں ضعف و انحطاط پیدا ہوگیا ـ اس بے اعتنائی کی وجه یه تھی که ہارون جانتا تھا که ان بلاد کے باشندے عباسی خلافت کی وفادار رعایا نہیں ہیں [1] ـ لیکن جب دس سال بعد ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ ازسرنو مشتعل ہوئی اس وقت ہارون رشید نے دخل اندازی کی ضرورت محسوس کی اور ان کی رقیبانه کشمکش خوش گوار تعلقات میں تبدیل کردی ـ

ہارون رشید نے موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی کو بلاد شام کا گورنر مقرر کیا ، جس نے ان بلاد کے باشندوں میں مصالحت کرا دی ـ اور یه دیرینه فتنه دب گیا [2] ـ

ہارون رشید کے زمانے میں بلاد خراسان شورشوں اور بغاوتوں کے گہواره تھے ـ ان بلاد کا گورنر علی بن عیسیٰ بن ماہان تھا ان شورشوں کی وجه اس گورنر کی غلط سیاسی پالیسی اور جبر و استبداد تھا ـ یه گورنر ان بلاد کے باشندوں کا مال و دولت جبراً لے لیتا تھا اور خلیفه کو خوش رکھنے کے لئے اس کے پاس بہت بڑی تعداد میں تحائف وغیره بھیجتا رہتا تھا ـ

خراسان کے امن پسند اور ممتاز باشندے جب اس کے جبر و استبداد سے تنگ آگئے تو انہوں نے ہارون رشید سے داد و فریاد کی ـ ہارون رشید اس کی سرزنش کے اراده سے نکلا اور ری میں فوجوں کا پڑاؤ ڈالا ـ

---

1. MUIR : The Caliphate P. 479.

٢ ـ طبری : جلد ١٠ صفحه ٦٠ ـ

علی بن عیسیٰ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ ہارون کے استقبال کو پہنچا اور اب تک جتنے تحائف بھیجے تھے ان سے کہیں نفیس ترین ھدایا ہارون کی خدمت میں پیش کئے اور اسی قسم کے بیش قیمت اور نفیس تحائف خلافت کے ارکان کی خدمت میں بھی پیش کئے ۔ گورنر کی اس عیارانہ پالیسی سے ہارون رشید اس کی طرف سے مطمئن ہو گیا اور واپس آ گیا ۔ خلیفہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے ان بلاد کے باشندوں پر پہلے سے زیادہ جبر و استبداد شروع کر دیا اور جن لوگوں نے ہارون رشید سے فریاد کی تھی ، ان کی بہت بری طرح خبر لی ۔

اسی زمانے میں سمرقند سے ایک شخص نمودار ہوا ، جسے رافع بن لیث بن نصر بن سیار کہا جاتا تھا ، اس نے ایک متمول عورت کو اپنے لاپتہ خاوند سے چھٹکارا حاصل کرنے کی یہ تدبیر بتائی کہ وہ مرتد ہو جائے ۔ دراصل یہ شخص خود اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا ۔ چنانچہ وہ عورت مرتد ہو گئی اور پھر دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد رافع نے اس سے نکاح کرلیا ۔ جب ہارون رشید کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے فوراً علی بن عیسیٰ کو خط لکھا ، جس میں اسے حکم دیا کہ وہ رافع اور اس کی بیوی میں علیحدگی کرا دے اور اسے اس مذموم حرکت پر سزا دے ۔ علی بن عیسیٰ نے سمرقند کے حاکم کی مدد سے ہارون رشید کے احکام کی تعمیل کی اور رافع کو قید کر دیا لیکن وہ قید خانے سے بھاگ نکلا ۔ پھر علی بن عیسیٰ کے بیٹے کی بہت منت سماجت کی کہ وہ اپنے باپ سے سفارش کردے تاکہ وہ میری خطا کو معاف کردے ۔ بیٹے کی سفارش پر علی نے اسے امان دی اور اسے سمرقند جانے کی اجازت دے دی ۔ رافع نے

وهاں پہنچ کر سمرقند کے حاکم سے انتقام لیا اور اسے قتل کر دیا اور عباسی سلطنت اور اس کے حاکموں کے خلاف اتنا شدید پروپیگنڈا کیا کہ سمرقند اور ماوراءالنہر کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد اس کی مدد گار ہوگئی ۔ جب خراسان کے گورنر علی بن عیسیٰ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو اس نے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا ، لیکن رافع نے بلخ میں اسے قتل کر دیا ۔

گورنر خراسان علی بن عیسیٰ نے جبر و استبداد سے اپنے محل میں بے شمار مال و دولت جمع کر لیا تھا ۔ ایک دن ان بلاد کے باشندوں نے اس کے محل پر دھاوا بول دیا اور تمام مال و دولت پر قبضہ کر لیا ہارون رشید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا ، اس وقت اسے علی کے جبر و استبداد کا یقین ہوا دراصل ان بلاد کے باشندوں کے اس انتہائی اقدام سے ہارون رشید کو ان کے غیظ و غضب اور بے پناہ نفرت کا صحیح اندازہ ہوا ۔ ورنہ اب تک علی بن عیسیٰ کی ہوشیاریوں نے صحیح واقعات کا علم نہیں ہونے دیا تھا ۔ ہارون نے اس واقعہ کے بعد اسے معزول کر دیا اور ہرثمہ بن اعین کو گورنر مقرر کیا اور ایک خط اپنے ہاتھ سے لکھ کر ہرثمہ بن اعین کے ذریعہ علی بن عیسیٰ کے پاس روانہ کیا، خط یہ تھا ۔

” حرامزادے ! میں نے تیری حیثیت سے زیادہ تجھے مرتبہ دے دیا تھا ۔ میں نے تیرے نام (علی) کا لحاظ کیا اور تجھے اتنا بڑا عہدہ دیا ۔ عرب کے سرداروں کو تیرے لئے سرنگوں کیا اور عجم کے شاہی خاندان کے افراد کو تیرا مطیع اور فرمانبردار

بنایا کیا ان احسانات کا بدلہ یہی تھا کہ تو مجھ سے بد عہدی کرے اور میرے احکام کو پس پشت ڈال دے ۔ ملک میں فتنہ و فساد پیدا کرے ۔ رعایا پر ظلم کرے ۔ تو نے اپنی بد کرداری ، بد طینتی اور خیانت کی وجہ سے خدا اور اس کے خلیفہ (مجھے) دونوں کو ناراض کیا۔ میں نے ہرثمہ بن اعین کو تیری جگہ خراسان کا گورنر مقرر کیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ تیرے ، تیری اولاد ، تیرے معتمدوں اور تیرے افسروں کے ساتھ نہایت سختی کا رویہ اختیار کرے اور ایک ایک درہم اور ایک ایک حبہ ، چاہے وہ کسی مسلمان کا ہو یا ذمی کا ، تجھ سے اور تیری آل و اولاد اور افسروں سے وصول کرے ۔ اگر تو نے اس میں چوں و چرا کی یا تیرے بیٹے اور تیرے حاکموں نے اس میں کوئی حیل و حجت کی تو ہرثمہ کو اجازت ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سختی سے کام لے اور تم سب پر کوڑے برسائے اور وہی سزائیں دے ، جو ان لوگوں کو دی جاتی ہیں ، جو غداری کرتے ہیں اور شاہی احکام میں تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں اور ظلم و جور کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں سے پہلے خدا انتقام لیتا ہے اس کے بعد اس کا خلیفہ پھر مسلمان اور ان کے اتحادی بدلہ لیتے ہیں ، اس لئے حکم سے سرتابی کر کے اپنے آپ کو کسی نئی مصیبت میں نہ ڈال اور جو کچھ تجھے حکم دیا گیا ہے اس پر چار و نا چار عمل کر[1] ۔

ہرثمہ نے علی بن عیسیٰ اور ان کے حامیوں کو جا لیا اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا اور اسے ہارون رشید کے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۲ ۔

پاس بھیج دیا ۔ ان بلاد کے ہر طبقہ کے لوگوں نے ھرثمہ کا خیر مقدم کیا اور اس گورنر کے ظلم و جور سے نجات دلانے پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ، لیکن رافع نے ھرثمہ کی اطاعت سے انکار کیا ۔ جب ھارون کو یہ معلوم ھوا تو وہ خود رافع کی سرکوبی کے لئے نکلا ، لیکن ابھی وہ راستے ھی میں تھا کہ اس کا انتقال ھوگیا اور رافع کی باغیانہ سرگرمیاں مامون کے دور خلافت تک برابر جاری رھیں [۱] ۔

۲ - برامکہ

برامکہ کا جد اعلیٰ برمک بلخ میں آتشکدہ کا سردار تھا ۔ اس آتشکدہ کا انتظام مجوسی شرفاء کے ذمہ تھا جس طرح عہد جاھلیت میں قصی اور اس کی اولاد کے ذمہ خانۂ کعبہ کا انتظام تھا ۔ برمک اور اس کا خاندان آتش پرست تھا جو ایران کا بہت قدیم مذھب ہے ۔ ظہور اسلام کے بعد اس خاندان کے بعض افراد مسلمان ھوگئے تھے ۔ دولت عباسیہ کے آغاز میں اس خاندان سے ایک ممتاز شخصیت ابھری ، جس کا نام خالد بن برمک تھا جو سفاح اور منصور دونوں کے زمانے میں منصب وزارت پر فائز رھا ۔ ھارون رشید نے اپنی خلافت سے قبل یحیٰی بن خالد کو اپنا سیکریٹری مقرر کیا تھا اور اس کے مشورہ پر عمل کرتا تھا خلیفۂ وقت ھادی یحیٰی بن خالد کی تدبیر کا بہت قائل تھا اور اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا ۔ جب ھارون خلیفہ ھوا تو اس نے یحیٰی کو اپنا وزیر مقرر کیا ۔ اس زمانہ میں یحیٰی کی شان و شوکت

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۸ ۔

بہت بڑھ گئی اور اس کی قابلیت اور جود و سخا کی وجہ سے دور دور اس کی شہرت پھیل گئی وہ اور اس کی اولاد امیدوں کا مرکز بن گئے اور اکناف عالم سے حاجتمندوں کے قافلے کے قافلے ان کے آستانے پر آنے لگے ۔ ایک مشہور مؤرخ کا بیان ہے [1]

''خلافت عباسیہ دھر کی پیشانی پر ایک روشن نشان اور زمانے کے سر کا تاج تھی ۔ اس کی خوبیاں ضرب المثل تھیں ۔ حاجتمندوں اور ارباب علم و فن کے قافلے کے قافلے اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے ۔ اس کے ساتھ ان کی امیدیں وابستہ تھیں اور دنیا اس کے لئے اپنے کلیجے کے ٹکڑے نچھاور کرنے کے لئے آمادہ تھی اور اپنی بہترین سعادت مندیاں قربان کر دینے میں اسے کوئی عذر نہ تھا ۔ یحیٰی اور اس کی اولاد آسمان عزت کے روشن ستارے تھے ۔ علم و فضل میں ، موجیں مارتے ہوئے سمندر تھے ۔ جود و سخا میں بے پناہ سیلاب اور موسلا دھار بارشیں تھے ۔ آداب و تہذیب کے بازار ان کے دم سے با رونق تھے ۔ با عزت لوگ ان کے زمانے میں سربلند تھے ۔ دنیا ان کے زمانے میں آباد تھی ، سلطنت کی شان و شوکت ان کے دور میں بہت بڑھ گئی تھی ۔ مظلوم و فریادی کے وہ ملجا تھے ۔ اور مصیبت زدہ لوگوں کی پناہ گاہ تھے ''۔

خالد بن برمک بہت بلند پایہ فاضل شرافت کا مجسمہ ، پختہ کار اور بیدار مغز انسان تھا ۔ سفاح نے اسے تقرب بخشا تھا ، اور اپنا معتمد بنایا تھا اور اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے اس کی بے حد تعظیم اور عزت کرتا تھا ۔

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۱۷٦ ۔

اس تعظیم اور احترام کے باوجود ، خالد ہمیشہ سفاح کے ساتھ بڑے خلوص اور عجز و انکسار سے پیش آتا اور اپنے آپ کو وزیر کہلانے سے بھی گریز کرتا تھا ، حالانکہ وہ وزارت کے سارے فرائض انجام دیتا تھا ۔ وھم یہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی وھی معاملہ پیش نہ آئے جو وزیر آل محمد ابو سلمہ خلال کے ساتھ پیش آیا تھا ۔ یہ بیان کرنے کی غالباً حاجت نہیں کہ ابو سلمہ خلال کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تو سفاح نے اپنے لئے خطرہ سمجھ کر اسے قتل کرا دیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ابو سلمہ کے قتل کے بعد جو شخص بھی وزارت کے عہدہ پر فائز ھوا ، وہ اپنے آپ کو وزیر کہلانے سے گریز کرتا تھا ۔ وہ شگون یہ لیتا تھا ۔ کہ ابو سلمہ خلال وزیر کہلاتا تھا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا کہیں اس کا بھی وھی حشر نہ ھو ۔

خالد بہت بلند مرتبہ انسان تھا ۔ عباسی خلفاء اس کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے ۔ سفاح نے ایک دن خالد سے کہا تم نے کبھی مجھ سے کوئی خدمت نہیں لی ۔ خالد یہ سن کر گھبرا گیا اور جواب دیا امیرالمومنین ! یہ کس طرح ممکن ہے ۔ میں تو آپ کا خادم ھوں ۔ اس پر سفاح ھنس پڑا اور کہا میری بیٹی ریطہ اور تمہاری بیٹی ایک جگہ سوتی ھیں ۔ جب رات کو اٹھتا ھوں ، ان دونوں پر سے چادر ھٹی ھوتی ہے میں ان دونوں کی باھمی محبت سے متاثر ھوتا ھوں اور ان دونوں کو چادر اڑھا دیتا ھوں۔ خالد نے یہ سن کر سفاح کے ھاتھ پر بوسہ دیتے ھوئے جواب دیا : یہ آقا کی اپنے غلام (مجھ پر) اور اپنی کنیز (میری بیٹی) دونوں پر احسان ہے۔ خالد عقل و فہم اور دوراندیشی میں بہت مشہور تھا۔ یہ واقعہ اس کی فہم و فراست اور مآل اندیشی

پر دلالت کرتا ھے " منصور نے جب مدینۂ بغداد کی تعمیر شروع کرائی تو اثنائے تعمیر میں اسے محسوس ھوا کہ اسکی تعمیر کے سامان پر بہت بڑی رقم صرف ھو جائیگی اس وقت بعض ارکان دولت نے یہ مشورہ دیا کہ ایوان کسریٰ کو منہدم کردیا جائے اور اس کا مسالحہ اور سامان تعمیر مدینۂ بغداد کی تعمیر کے کام میں صرف کیا جائے ۔ منصور نے خالد بن برمک سے مشورہ کیا تو اس نے جواب دیا، امیرالمومنین ایسا نہ کیجئے ایوان کسریٰ اسلام کی حقانیت کی نشانی ھے ۔ اسلام کے علمبرداروں نے اتنی مہتم باالشان عمارت پر تسلط قائم کر لیا ھے جسے کوئی آسمانی آفت ھی متزلزل کر سکتی ھے ۔ دوسرے اسی عمارت میں حضرت علیؓ نے نماز ادا فرمائی اس لئے وہ ایک گونہ عقیدت کا بھی مرکز ھے ۔ ایک بات یہ بھی ھے کہ اس عمارت کو منہدم کرنے میں خرچ زیادہ ھوگا اور نفع کم ھوگا۔ منصور نے کہا خالد ! تم یہ مشورہ صرف اس لئے دے رھے ھو کہ عجمیت کی طرف تمہارا رجحان باقی ھے ۔ اس کے بعد منصور نے ایوان کسریٰ کو منہدم کرنے کا حکم دیا ، ابھی عمارت کا کچھ حصہ ھی منہدم کیا گیا تھا کہ منصور کو اندازہ ھوگیا کہ جتنی قیمت کا سامان نکلا ھے منہدم کرنے پر اس سے زیادہ خرچ ھوا ھے ۔ اس پر منصرر نے انہدام کا کام رکوا دیا اور کہا ، خالد ! ھم تمہاری رائے سے اتفاق کرتے ھیں اور ایوان کسریٰ کے انہدام کا ارادہ ترک کر دیا ھے ۔ خالد نے جواب دیا امیر المومنین ! اب میں مشورہ دونگا کہ اسے ضرور منہدم کرا دیجئے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اس تعمیر کو منہدم نہ کرا سکے جسے آپ سے پہلے ایران کے شہنشاھوں نے بنوایا تھا !

یحییٰ بن خالد برمکی علم و فضل اور جود و سخا میں اپنے دور کی سب سے مشہور شخصیت تھی۔ اسکی عمر بارہ سال تھی جب خلافت عباسیہ وجود میں آئی دولت عباسیہ کے ماحول میں اس کی نشو و نما اور تربیت ہوئی۔ خلیفہ منصور اس سے بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آتا تھا۔ منصور نے ۱۵۸ھ میں یحییٰ کو آذر بائیجان کا گورنر مقرر کیا۔ خلیفہ مہدی نے اسے اپنے بیٹے ہارون‌الرشید کا سیکریٹری اور نائب بنایا۔ جب ہارون، بیزنطینیوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے صائفہ گیا، اس وقت یحییٰ بن خالد اس کے ساتھ تھا۔ ہارون جب بلاد مغرب کا گورنر تھا اس زمانے میں یحییٰ نے گورنری کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ہارون کی بہت مدد کی اور پورے خلوص اور وفادری کے ساتھ ہر معاملے میں اس کی رہنمائی کرتا رہا۔ جب ہادی نے ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت یحییٰ نے اسے اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے پورے خلوص کے ساتھ نصیحت کی تھی۔ اسکی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہارون‌الرشید منصب خلافت پر فائز ہوا تو اس نے اپنے وفادار اور مخلص سیکریٹری، یحییٰ کو منصب وزارت تفویض کیا اور اپنی سلطنت کے اہم امور اسے سونپ دئے۔ ہارون نے یحییٰ کے چاروں بیٹوں جعفر، فضل، محمد اور موسیٰ سے بھی امور سلطنت انجام دینے میں مدد لی اور ان سب نے حکومت کی ذمہ داریوں کو بڑی وفاداری اور انتہائی قابلیت سے سرانجام دیا۔ سرحدوں کو مستحکم کیا، داخلی خرابیوں کو دور کیا۔ سلطنت کی آمدنی میں اضافہ کیا اور اپنے حسن انتظام سے پوری قلمرو عباسی میں خوشحالی پیدا کر دی۔

اس دور وزارت میں خلافت کی رونق دوبالا ہوگئی۔ یحیٰی نے مملکت کے اہم معاملات کی طرف پوری توجہ دی۔ وہ بلند پایہ ادیب، نہایت صائب الرائے اور غیر معمولی مدبر تھا۔ اپنے فرائض حسن خوبی سے سر انجام دیتا اور نظم و ضبط قائم رکھنے میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ امور سلطنت پر پوری طرح حاوی تھا، جود و سخا میں ضرب‌المثل تھا، اکناف عالم میں اس کے جود و سخا کی گونج تھی۔ قلمرو کا ہر فرد اس کی تعریف کرتا تھا۔ وہ نہایت متحمل مزاج، پاکباز، باوقار اور دبدبہ والا انسان تھا[1]۔

فضل، یحیٰی کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو اپنے زمانے کے معزز اور ممتاز افراد میں شمار کیا جاتا تھا۔ فضل اپنے باپ کا قوت بازو تھا، بڑے بڑے اہم معاملات میں یحیٰی اسے اپنا نائب مقرر کرتا تھا۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ فضل اور ہارون‌الرشید رضاعی بھائی تھے، ہارون الرشید کی ماں نے فضل کو اور فضل کی ماں نے ہارون الرشید کو دودھ پلایا تھا۔

جب امین پیدا ہوا تو ہارون رشید نے اسی دن سے فضل کو اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سونپ دی ۱۷۶ھ میں ہارون نے فضل کو یحیٰی بن عبداللہ بن حسن بن علی کی سرکوبی کے لئے مامور کیا، جس نے بلاد دیلم میں شورش برپا کی تھی۔ ۱۷۸ھ میں ہارون نے فضل کو بلاد خراسان کا گورنر مقرر کیا، اس نے بڑی قابلیت سے وہاں کی شورشوں اور فتنہ و فساد کا خاتمہ کر دیا اور ان بلاد کے باشندوں سے بہت اچھا برتاؤ کیا وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں اور رفاہ عام کے دوسرے کام کئے، پھر

۱۔ الفخری: صفحات ۱۷۹ تا ۱۸۰۔

ایک سال بعد بغداد واپس آ گیا ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ محمد بن ابراہیم امام[1] ایک دن فضل بن یحیٰی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھ جواہرات سے مرصع ایک سنگار دان لائے ۔ محمد بن ابراہیم امام نے فضل بن یحیٰی سے کہا ، میری آمدنی میری ضرورتوں سے کم رہی اس کی وجہ سے میں دس لاکھ درہم کا مقروض ہو گیا ہوں ۔ مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے کروں میری خود داری اس کی بھی اجازت نہیں دیتی کہ کسی سوداگر سے قرض لے لوں ۔ میرے پاس رہن رکھنے کے لئے یہ سنگار دان موجود ہے جو دس لاکھ درہم کی مالیت کا ہے ۔ آپ سے بہت سے سوداگروں کا معاملہ رہتا ہے ۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ کسی سوداگر سے دس لاکھ درہم قرض دلوادیں اور رہن کے طور پر اس کے پاس یہ سنگاردان رکھ دیں ۔ فضل نے جواب دیا میں بڑی خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں ، لیکن آج پورا دن آپ کو میرے پاس ٹھہرنا ہوگا ۔ چنانچہ وہ ٹھہر گئے پھر فضل نے سنگاردان لے لیا جس پر محمد کی مہر لگی ہوئی تھی اس کے بعد دس لاکھ درہم اور سنگاردان دونوں چیزیں محمد کے گھر بھجوا دیں ۔ محمد بن ابراہیم امام ، فضل بن یحیٰی کے محل میں شام تک ٹھہرے رہے ۔ شام کو جب اپنے گھر گئے تو دس لاکھ درہم اور سنگار دان دونوں چیزیں گھر پہنچ چکی تھیں ، یہ دیکھ کر انہیں بڑی خوشی ہوئی اور صبح کو فضل کے محل پر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے گئے، وہاں معلوم ہوا کہ فضل ، ہارون الرشید کے محل گئے ہیں ۔ محمد ، ہارون رشید کے محل پہنچے

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۸۵–۱۸۶ ۔

جب ان کی آمد کی اطلاع فضل کو ھوئی تو وہ دوسرے دروازے سے نکل گئے اور اپنے باپ کے گھر چلے گئے۔ محمد ، فضل کے باپ کے گھر پہنچے جب فضل کو معلوم ھوا تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر اپنے گھر چلے گئے ۔ محمد ، فضل کے گھر پہنچے تو وھاں ملاقات ھوگئی ۔ محمد نے فضل کے احسان کا شکریہ ادا کرتے ھوئے کہا ۔ میں صبح آپ کے گھر حاضر ھوا تھا تا کہ آپ کے اس غیر معمولی احسان کا شکریہ ادا کروں ۔ فضل نے جواب دیا ، میرا سارا وقت آپ کے معاملہ پر غور و فکر کرتے گزرا ۔ میں نے سوچا تھا کہ جب تک پوری طرح آپ کے لئے کوئی مستقل بندوبست نہ کردوں اس وقت تک آپ سے نہ ملوں ۔ میں جانتا تھا کہ اس رقم سے آپ قرض اتار دینگے لیکن پھر آپ کو ضرورت پڑے گی اور آپ کو قرض لینا پڑے گا اور کچھ عرصے کے بعد اتنا ھی قرض پھر چڑھ جائیگا ، اس خیال سے میں صبح ھی امیر المومنین کے پاس گیا اور آپ کے حالات ان سے بیان کئے اور پھر آپ کے لئے دس کروڑ درھم کی منظوری لے لی ھے ۔ جب آپ امیر المومنین کے محل میں تشریف لائے تو میں دوسرے دروازے سے باھر نکل گیا ۔ جب آپ میرے والد کے گھر گئے جب بھی میں دوسرے دروازے سے نکل گیا اور آپ سے نہیں ملا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں یہ چاھتا تھا کہ آپ سے اس وقت تک نہ ملوں جب تک دس کروڑ درھم آپ کے گھر نہ پہنچ جائیں۔ اب دس کروڑ درھم آپ کے گھر پہنچ گئے ھیں ، اس لئے مل لیا ھوں ۔ محمد نے کہا آپ کے اس احسان کا بدلہ کس طرح ادا کروں میرے پاس تو کوئی ایسی قیمتی چیز بھی نہیں ، جس سے اس احسان کی تلافی کر سکوں ۔ لیکن سچے دل سے یہ عہد

کرتا ہوں کہ عمر بھر آپ کے دروازے کے سوا کسی اور کے دروازے پر جانا گوارا نہ کروں گا اور نہ آپ کے سوا کسی سے سوال کروں گا۔ جب برامکہ کا اقتدار ختم ہوگیا تھا اور فضل بن ربیع منصب وزارت پر فائز ہوا تھا۔ اس زمانہ میں محمد بن ابراہیم امام پھر ضرورت مند ہوئے تھے اور فضل بن ربیع کے پاس جانے کا کچھ خیال پیدا ہوا اس وقت لوگوں نے ان سے کہا "اگر آپ فضل بن ربیع کے پاس جائنگے تو وہ آپ سے ملنا بھی گوارا نہ کرے گا آپ کا عہد بھی ٹوٹے گا اور کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا اس لئے آپ اپنے عہد پر قائم رہئے" یہ سن کر محمد بہت متاثر ہوئے اور نہ فضل بن ربیع کے پاس گئے اور نہ عمر بھر کسی اور کے دروازے پر گئے [۱]۔

جعفر بن یحیٰی فصاحت و بلاغت، ذہانت حلم و تحمل اور شرافت میں مشہور تھا۔ ہارون الرشید اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے اس سے بہت مانوس تھا اور اس کے بھائی فضل پر اسے ترجیح دیتا تھا کیونکہ فضل کے مزاج میں ایک حد تک درشتی تھی۔ اس وجہ سے وہ فضل سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ایک دن ہارون الرشید نے یحیٰی سے کہا پدر من! یہ کیا بات ہے کہ لوگ فضل کو چھوٹا وزیر کہتے ہیں لیکن جعفر کو چھوٹا وزیر نہیں کہتے ہیں۔ یحیٰی نے جواب دیا فضل، میری طرف سے نیابت کے طور پر امور سلطنت انجام دیتا ہے۔ ہارون نے کہا جعفر کو بھی اسی طرح کی ذمہ داریاں سونپ دیجئے جو فضل کو دے رکھی ہیں۔ یحیٰی نے جواب دیا کہ آپ کی خدمت اور

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۸۲ -

ہم نشینی کی وجہ سے اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو انجام دے سکے ۔ لیکن ھارون نے اس پر اصرار کیا اور یحیٰی کو اسے بھی اھم ذمہ داریاں سونپنا پڑیں ۔ اس کے بعد جعفر کو بھی چھوٹا وزیر کہا جانے لگا [۱] ۔

ھاروں الرشید ، جعفر کو فضل پر ترجیح دیتا تھا ۔ اس کی نظر میں جعفر کی بہت قدر و منزلت تھی اور اس سے وہ بے حد محبت کرتا تھا ۔ ھارون کو اصرار تھا کہ دیوان خاتم فضل سے لے کر جعفر کو دے دیا جائے ۔ ایک دن اس نے یحیٰی کو بلا کر کہا کہ اپنے بیٹے فضل کو یہ خط لکھ دے کہ وہ دیوان خاتم جعفر کے حوالے کر دے ۔ یحیٰی نے فضل کو لکھا ۔ ”امیرالمومنین نے حکم دیا ہے کہ دیوان خاتم تیرے دائیں ھاتھ سے تیرے بائیں ھاتھ میں چلی جائے فضل نے جواب دیا کہ میں نے اپنے بھائی کے بارے میں امیرالمومنین کا فرمان سن لیا اور وہ نعمت جو اسے عطا فرمائی گئی ہے اس کی طرف منتقل کر دی ہے ۔ اور جو رتبہ اسے دیا گیا ہے مجھے اس پر کوئی حسد نہیں ھوا ۔ جعفر نے اپنے بھائی فضل کے جواب پر اپنی رائے ظاھر کرتے ھوئے کہا ۔ کتنا دانشمند ہے کس خوبی سے اپنے فضل کے دلائل بیان کئے ھیں کتنا سمجھدار ہے اور فصاحت و بلاغت پر کتنی قدرت ہے اسے“ ۔ ھارون رشید کی غیر معمولی محبت اور فضل پر جعفر کو ترجیح کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ھو جاتا ۔ بلکہ اس نے ۱۷۶ ھ میں جعفر کو مصر کا گورنر مقرر کیا ۱۸۶ ھ میں بلاد شام بھیجا ، جہاں کے باشندوں نے شورشیں اور فتنے اٹھا رکھے تھے ۔ جعفر نے وھاں پہنچ کر شورشوں اور فتنوں کا قلع قمع کر دیا

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۱۵۲ ۔

اور وهاں کے امن پسند باشندے مطمئن هوگئے اس کارنامے کی وجه سے اس کا درجه بہت بلند هوگیا اور هارون کی نظر میں اس کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی تھی چنانچه اس سال هارون نے اسے خراسان کی گورنری سے سرفراز کیا اس کے بعد حراست جیش (سرحدوں کی فوجوں کا سپه سالار) کا منصب عطا کیا ۔

هارون رشید کے دل میں جعفر کی اتنی قدر و منزلت تھی که اس نے جعفر کو حکومت کے سیاه و سفید کا مالک بنا دیا تھا اس کا اندازه اس واقعه سے کیا جا سکتا هے "جعفر[1] بن یحیٰی برمکی ایک دن شراب پینے بیٹھا اس وقت صرف بے تکلف ندیم موجود تھے ۔ سب نے رنگین لباس پہنا ۔ معمول یه تھا که جب مجلس شراب میں بیٹھتے تھے تو سرخ زرد اور سبز لباس پہنتے تھے جب تخلیه هوگیا تو جعفر نے حاجب کو هدایت کی که اندر کوئی نه آنے پائے ، سوائے عبدالملک بن صالح کے جو ابھی تک نہیں پہنچا هے ، اس کے بعد شراب پینے لگے ، جام پر جام چلنے لگے ، سازوں پر نغمے چھڑ گئے ، اتنے میں ایک شخص آیا جو هاروں الرشید کا رشته دار تھا اور بہت با وقار اور انتہائی مذهبی قسم کا انسان تھا ، هارون رشید نے اس سے بار بار درخواست کی تھی که وه اس کے ساتھ شراب پیئے لیکن اس نے همیشه انکار کیا اس کا نام عبدالمالک بن صالح تھا اتفاق کی بات که یہی عبدالمالک بن صالح اس وقت جعغر بن یحیٰی کے پاس اپنی چند ضرورتیں لے کر پہنچا ۔ حاجب نے خیال کیا که یه وهی عبدالمالک بن صالح هے ۔ جس کے بارے میں جعفر نے هدایت کی تھی که اسے اندر آنے کی اجازت دے دی جائے چنانچه حاجب

۱ ۔ الفخری صفحه ۱۸۸ جہشیاری ' کتاب الوزراء والکتاب صفحه ۲۱۲ تا ۲۱۳

نے عبدالملک بن صالح کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ عبدالملک بن صالح ، جعفر کی مجلس میں پہنچا تو شرم و غیرت سے اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ نام کی مشابہت کی وجہ سے حاجب سے غلطی ہوئی ہے عبدالملک بن صالح بھی سارے حالات بھانپ گیا اور جعفر کے چہرے پر شرم و ندامت کے آثار دیکھ کر بڑی بے تکلفی اور بشاشت سے بولا کوئی مضائقہ نہیں مجھے بھی رنگین لباس دو ۔ میں بھی سب کا ساتھ دوں گا چنانچہ ایک رنگین قمیض حاضر کی گئی جسے اس نے پہن لیا اور جعفر کے قریب بیٹھ گیا اور بڑی بے تکلفی سے کہا ہمیں بھی یہ شراب پلاؤ چنانچہ ایک رطل اسے بھی دی گئی پھر ہنس کر کہا میرے ساتھ کچھ رعایت کرنا میں ذرا نو آموز ہوں ۔ عبدالملک بن صالح کے اس طرز عمل سے جعفر کے چہرے پر بشاشت آ گئی اور طبعیت کا انقباض دور ہو گیا اس نے خوش ہو کر عبدالملک سے کہا آپ کی کیا حاجتیں ہیں ، عبدالملک بن صالح نے جواب دیا میں آپ کے پاس تین حاجتیں لے کر آیا ہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے بارے میں آپ خلیفہ سے گفتگو کرلیں ۔ پہلی حاجت یہ ہے کہ میرے اوپر دس لاکھ درہم قرض ہوگئے ہیں ۔ وہ ادا کر دئیے جائیں ۔ دوسری حاجت یہ ہے کہ میرے بیٹے کو کہیں کا گورنر مقرر کر دیا جائے تاکہ اس کی قدر و منزلت بڑھ جائے ۔ تیسری حاجت یہ ہے کہ خلیفہ کی بیٹی سے میرے بیٹے کا نکاح کرا دیجئے وہ اس کی چچا زاد بہن ہے اس لئے ایک ہی خاندان ہے ۔ جعفر بن یحییٰ نے کہا آپ کی یہ تینوں حاجتیں ابھی پوری کئے دیتا ہوں رقم ابھی آپ کے گھر پہنچ جائیگی آپ کے بیٹے کو میں نے مصر کا گورنر

مقرر کیا امیرالمومنین کی فلاں بیٹی سے اتنے مہر کے عوض میں نے نکاح کر دیا اب آپ اطمینان سے جا سکتے ہیں ۔ یہ امان خدا !"

جعفر نے یہ وعدے اس بنا پر کئے کہ ہارون‌الرشید کبھی اس کی بات ٹال نہیں سکتا ۔ عبدالمالک بن صالح جب اپنے گھر لوٹا تو معلوم ہوا کہ رقم پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہے صبح کو جعفر ہارون کے پاس پہنچا اور اس سے اپنے وعدوں کا تذکرہ کیا ہارون نے جعفر کے اٹھنے سے پہلے عبدالمالک کے بیٹے کے لئے گورنری کا پروانہ لکھ دیا اور اپنی بیٹی سے اس کے بیٹے کا عقد کردیا ۔

موسیٰ ، یحییٰ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور سب سے زیادہ دوراندیش اور غیر معمولی فوجی بصیرت رکھنے والا جرنل تھا ۱۷۸ھ میں ہارون‌الرشید نے اسے بلاد شام کا گورنر مقرر کیا تھا وہاں اس نے بہت سی اصلاحات نافذ کیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے حالات ساز گار ہوگئے تھے ۔ علی بن عیسیٰ گورنر خراسان کو اس سے عداوت پیدا ہوگئی تھی اس نے یہ الزام لگا کر ہارون‌الرشید کو بھڑکایا کہ وہ بلاد خراسان کی شورشوں کو ہوا دے رہا ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ موسیٰ اسی زمانے میں روپوش ہوگیا وجہ یہ تھی کہ اس پر قرض بہت ہوگیا تھا اس کی روپوشی سے ہارون کو اس کے خلاف صحت کا یقین ہوگیا اور اس کے حکم سے اسے کوفہ میں محبوس کردیا گیا پھر اپنی ماں کی سفارش اور اپنے باپ کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا ۔ اس کے بعد ہارون کو صحیح حالات کا علم ہوا تو نہ صرف اس کا قصور معاف کر دیا بلکہ اسے خلعت سے بھی نوازا

یحییٰ کا چوتھا بیٹا محمد تھا جو نہایت دور اندیش اور بلند همت نوجوان تھا لیکن اسے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح شهرت حاصل نہیں ھے -

اس بحث و نظر سے اندازہ کیا جا سکتا ھے کہ ھارون الرشید کے عہد میں دراصل حکومت کے نظم و نسق کا مرکز خاندان برامکہ تھا ۔ ھارون نے برامکہ پر غیر معمولی اعتماد کیا تھا اور تمام امور سلطنت انہیں سونپ دئے تھے ، اس لئے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ لوگ انہیں کے پاس جاتے تھے ، شعراء بلند قصاید ان کی تعریف میں لکھتے تھے اور ان کی ضرب المثل شرافت اور داد و دهش کے قصیدے مغنی مجلسوں میں گاتے تھے -

ایک بار ھارون الرشید حج کو گیا ، اس کے ساتھ یحییٰ برمکی اور اس کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر بھی تھے- جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو ایک دن ھارون الرشید اور یحییٰ نے لوگوں میں عطایا تقسیم کئے اور ایک دن مامون اور جعفر نے لوگوں میں عطایا تقسیم کئے ، یہ عطایا اتنی کثرت سے تقسیم کئے گئے کہ لوگوں نے اس سال کا نام ”تین شخصیتوں کے عطایا کا سال“ رکھدیا تھا ۔

یحییٰ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ھوکر نکلتا تھا تو دو دو سو درھم کی تھیلیاں اپنے پاس رکھ لیتا تھا اور راستہ میں جو لوگ کھڑے ھوتے تھے اور اس سے امداد کی درخواست کرتے تھے ، ان میں تقسیم کرتا جاتا تھا ۔ برامکہ کی اس داد و دهش ، ان کے جاہ و جلال اور ان کی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے بد طینت گورنروں اور

ارکان سلطنت کو ان سے بغض و حسد پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی وہ یہ دیکھ دیکھ کر جلتے تھے کہ برامکہ کی عظمت اوج کمال پر پہنچ گئی ہے اور صبح و شام چھوٹے بڑے انہیں کے آستانے کا رخ کرتے ہیں ۔

(۳) ہارون الرشید کے اخلاق و اوصاف :

ہارون الرشید ، سرخ سفید ، طویل قد دوہرے بدن اور مردانہ حسن کا مظہر تھا[۱] ۔ ہارون الرشید کا دور سلطنت سب سے اچھا دور سمجھا جاتا ہے ۔ یہ دور سب سے زیادہ باوقار با رونق اور فلاح و بہبود کا حامل دور تھا ۔ رقبہ میں بھی قلمرو عباسی ہارون کے عہد میں سب سے زیادہ وسیع تھی ہارون نے دنیا بھر کے ارباب علم و فضل کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا ہارون کو چھوڑ کر کسی عباسی خلیفہ کے دربار میں اتنے علماء شعراء فقہاء ، قضاۃ ، اہل قلم ندماء اور موسیقی کے ماہرین کا اجتماع نہیں ہوا تھا ان میں سے ہر ایک بڑے بڑے انعام پاتا اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق ہارون انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر پہنچا دیتا تھا ہارون خود بہت بڑا فاضل ، بلند پایہ شاعر اور قدیم تاریخی واقعات کا زبردست عالم تھا ، بڑی کثرت سے اسے اچھے اشعار یاد تھے شاعری کا نہایت صحیح ذوق رکھتا تھا اور عوام اور خواص دونوں پر اس کا بے پناہ رعب و دبدبہ تھا[۲] ۔

ہارون الرشید خلفاء عباسیہ میں سب سے بڑا فاضل سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ، زبردست عالم اور نہایت شریف خلیفہ سمجھا جاتا ہے

---

۱ ۔ تاریخ بغداد جلد ۱۴ صفحہ ۵ ۔

۲ ۔ الاداب السلطانیہ : صفحات ۱۷۷ تا ۱۷۸ ۔

اپنے دور خلافت میں چند برسوں کو چھوڑ کر ، ہر سال اس نے خانہ کعبہ کا حج کیا ۔ دشمنوں سے ہر سال جہاد کیا ۔ روزانہ سو رکعتیں نماز پڑھتا تھا ، حج ہمیشہ پیدل کرتا تھا ، اس سے پہلے کسی خلیفہ نے پیدل حج نہیں کیا تھا ۔ جب حج کو جاتا تو سو فقہاء ساتھ ہوتے تھے ، جس سال حج نہیں کر سکتا تھا ، اس سال تین سو آدمیوں کو اپنی طرف سے حج کرنے بھیجتا تھا اور انہیں کثیر مقدار میں مال و دولت اور لباس فاخرہ دیتا تھا ۔ ہارون اپنی عادتوں اور کارناموں میں خلیفہ منصور سے ملتا جلتا تھا ۔ صرف خرچ کرنے کے معاملے میں منصور سے مختلف تھا ، منصور ایک حد تک بخیل تھا لیکن ہارون سے زیادہ سخی اس کا کوئی پیش رو خلیفہ نہ گذرا تھا ۔ اگر کوئی اس کے ساتھ احسان کرتا تھا تو وہ اسکا بدلہ ضرور دیتا تھا اور اس بدلے میں کبھی تاخیر نہیں کرتا تھا ۔ شعر و شاعری اور شعراء کو محبوب رکھتا تھا ۔ اہل ادب اور اہل فقہ سے اسے بہت دلچسپی تھی ۔ لیکن دین کے معاملے میں بحث و مناظرہ اسے پسند نہ تھا فصیح و بلیغ شعراء کے مدحیہ قصائد کو بہت سراہتا تھا اور صلہ میں انہیں بڑی بڑی رقمیں عطا کرتا تھا[1] ۔

ہارون رشید ، علماء کے ساتھ حسن معاملہ میں بہت مشہور تھا ، اس دور کے ایک ممتاز عالم ابو معاویہ (نابینا) کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے ہارون کے ساتھ کھانا کھایا ۔ کھانے کے بعد کوئی شخص میرے ہاتھ دھلا رہا تھا ، ہارون نے مجھ سے پوچھا ابو معاویہ ! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے ہاتھوں پر

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۱۷۵ ۔
۲ ۔ الفخری : صفحات ۱۷۴ تا ۱۷۶ ۔

پانی کون ڈال رہا ہے؟ ابو معاویہ نے جواب دیا نہیں، امیرالمومنین! ہارون نے کہا۔ میں خود ڈال رہا ہوں۔ ابو معاویہ نے کہا امیرالمومنین آپ علم کی عظمت کے لئے ایسا کر رہے ہیں؟ ہارون نے جواب دیا بیشک[1]!

ہارون کے مزاج میں سنجیدگی اور ظرافت دونوں کا امتزاج تھا۔ برامکہ اس کے وزراء تھے، سخاوت اور خندہ جبینی میں اس کی کوئی مثال نہ تھی۔ قاضی اس کے ابو یوسف تھے، ملک الشعراء مروان بن ابو حفصہ تھا جو اپنے زمانے کا جریر تھا۔ ندیم عباس بن محمد تھا۔ اور حاجب فضل بن ربیع تھا جو بہت رعب اور دبدبہ کا انسان تھا، مغنی ابراہیم موصلی تھا جو اپنے زمانے میں موسیقی کا بہت بڑا ماہر تھا۔ طبلہ نواز مشہور فن کار زلزل تھا۔ ساز بجانے والا ممتاز استاد بر صوما تھا۔ بیوی ام جعفر زبیدہ تھی جو لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے لئے بے چین رہتی تھی۔ فلاح و بہبود کے ہر کام میں وہ پہل کرتی تھی اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ حرم میں نہر زبیدہ اس کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کاموں کے علاوہ اور بہت سے رفاہ عام کے کام اس نے کئے تھے[1]۔

ہارون الرشید جود و کرم میں ضرب المثل تھا ایک دن وہ راستے سے گذر رہا تھا، اس وقت بنی امیہ کا ایک شخص اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اور اس نے چار اشعار سنائے۔ ہارون الرشید نے ہر شعر کے بدلے میں اسے ایک ایک ہزار دینار دے کر کہا، اگر تم اور شعر سناتے تو تمہیں اور دیتا[2]۔

۱۔ الخطیب البغدادی تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۔
۲۔ المسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۸۰۔

ایک روز اسحاق بن ابراهیم سوصلی هارون رشید کے پاس گیا ، هارون نے اس سے کہا ، اپنے کچھ اشعار سناؤ ، اسحاق نے چند اشعار سنائے ، هارون بہت خوش هوا اور اشعار کی تعریف کرتے هوئے کہا کلام اور اس کی بندش میں کتنی پختگی هے اور فضل سے مخاطب هو کر کہا انہیں ایک لاکھ درهم دے دو ۔ اسحاق نے جواب دیا امیرالموسنین ، آپ کا یه فقره فصاحت و بلاغت میں میرے کلام پر بھاری هے ۔ هارون نے فضل سے کہا اسے ایک لاکھ درهم اور دے دو [1] ۔

هارون رشید خود بھی شعر کہتا تھا ۔ اپنی کنیز هیلان کی موت پر اس نے ایک مرثیه کہا تھا اس کے چند اشعار یه هیں ۔

قاسیت او جاعا واحز انا لما استخص الموت هیلانا

میں درد و غم میں مبتلا هوں جب سے موت نے هیلان کو چھین لیا ۔

کانت هی الدنیا فلما ثوت فی قبر ها فا رقت دینا نا

سچ پوچھو تو وهی میری دنیا تھی جب سے وه قبر میں سو گئی میری دنیا مجھ سے چھن گئی ۔

قد کثرالناس و لکتنی لست اری بعدک انسانا

یوں تو دنیا لوگوں سے بھری پڑی هے لیکن تیری موت کے بعد مجھے کوئی انسان نظر نہیں آتا ۔

هارون رشید کے عہد خلافت میں بغداد تہذیب و تمدن اور عمرانی ترقی میں نقطۂ کمال پر پہنچ گیا تھا ۔ اس دور میں وهاں

---

۱ ۔ الخطیب البغدادی تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحه ۱۰ تا ۱۱ ۔

عالیشان قصر تعمیر کئے گئے، دولت کی فراوانی کے وسائل بڑھ گئے اور ساری دنیا کی تجارت کا مرکز بغداد بن گیا ، هارون رشید نے ایک بار ارادہ کیا کہ بحر روم کو بحر احمر سے ''الفرما'' کے پاس سے ملا دیا جائے - لیکن یحیٰی بن خالد برمکی نے اس سے کہا کہ اس کا نتیجه یه هو سکتا هے که مسلمانوں کو رومی مسجد حرام سے اٹھا لے جائیں اور اپنے مرکز ، حجاز میں قائم کر لیں - یه سن کر هارون نے یه اراده ترک کر دیا[1]-

هارون رشید کے خزانے، خراج کی آمدنی سے معمور تھے اس کے دور میں خراج کی آمدنی سات کروڑ اسی لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی - غله کی شکل میں جو خراج وصول هوتا تھا وه اس کے علاوه تھا هارون کو اپنی خوش بختی پر اتنا اعتماد تھا که جب آسمان پر کوئی بدلی دیکھتا تھا تو بڑے اطمینان سے کہتا تھا تم جہاں چاهو جاؤ - خراج میرے هی لئے لاؤ گے[2]-

سیوطی کے الفاظ میں هارون رشید کے دور خلافت کا ایک ایک دن خوبیوں سے معمور تھا گویا اپنے حسن میں عروس تھا[3]-

۴ - هارون‌الرشید کی وفات :

هارون‌الرشید ، طوس میں سناباذ کے مقام پر تھا که وه سخت بیمار هو گیا اس نے اس وقت هاشمی خاندان کے ان افراد کو بلایا جو وهاں فوج میں موجود تھے اور انهیں ان تین باتوں کی وصیت

---

۱ - تاریخ الخلفاء صفحه ۱۸۰ -

۲ - صبح الاعشیٰ جلد۲ صفحه ۲۷۰ النظم الاسلامیه صفحه ۲۹۰ -

۳ - تاریخ الخلفاء صفحه ۱۸۹ -

کی ۔ اپنے خاندان کی خلافت کی حفاظت کرنا ، اپنے خاندان کا شیرازہ منتشر نہ ہونے دیا ۔ میرے بعد امین اور مامون کے طرز عمل کو دیکھنا جس کا رویہ باغیانہ ہو اس کے باغیانہ رویہ کو خود اس کے لئے مصیبت بنا دینا ۔

ہارون الرشید کا مرض بہت بڑھ گیا تھا لیکن اس کے اطباء نے اس کے مرض کو معمولی مرض سے تعبیر کیا تھا اس موقع پر ہارون نے ایک ایرانی طبیب کو بلایا جو اس وقت وہاں موجود تھا ۔ ہارون نے اپنے قارورہ کے ساتھ مختلف قارورے اس کے سامنے رکھ دئے ۔ جب اس طبیب نے ہارون کا قارورہ دیکھا تو کہنے لگا جس مریض کا یہ قارورہ ہے اسے بتادو کہ وہ بچ نہیں سکتا ۔ اسے چاہئے کہ وہ وصیت کردے ۔ اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے ۔ ہارون یہ سن کر رو دیا[1]۔

ہارون الرشید نے اپنا ولی عہد امین کو اور امین کے بعد مامون کو اور ان دونوں کے بعد قاسم کو مقرر کیا اور اس کے بارے میں ایک تحریر پر قضاۃ و فقہاء اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی شہادت لی اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا ۔ ہارون نے جمعہ کے دن ۳ جمادی الآخری ۱۹۳ھ میں انتقال کیا اس کا دور خلافت ساڑھے تیئیس سال رہا ۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۴۴ سال چار ماہ تھی[2]۔

---

۱ ۔ المسعودی : مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ ۔
۲ ۔ المسعودی : مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ ۔
طبری (جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۲) کا بیان ہے کہ وفات کے وقت ہارون کی عمر ۴۴ سال چار ماہ اور ۱۸ دن تھی ۔

امین

(۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ = ۸۰۸ء تا ۸۱۳ء)

ابو عبداللہ محمد امین ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا اسی سال اس کا باپ ہارون الرشید تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا ۔ امین ، مامون سے چھ مہینے بڑا تھا امین کی ماں ابو جعفر زبیدہ بنت جعفر بن منصور تھی امین کے سوا خلفاء عباسیہ میں کوئی ایسا خلیفہ نہیں گزرا ہے جس کے ماں باپ دونوں ہاشمی ہوں ۔

ہارون الرشید نے ۳ جمادی الآخریٰ ۱۹۳ھ میں طوس کے اندر داعی اجل کو لبیک کہا اس کی وفات کے بعد خادم رجاء امین کے پاس حاضر ہوا اس وقت وہ بغداد میں تھا اس خادم نے چادر، چھڑی اور خاتم امین کی خدمت میں پیش کیں جو خلافت کی نشانیاں تھیں اس موقع پر ابوالقبیض شاعر نے ان الفاظ میں ہارون کا مرثیہ کہا[1] ۔

غربت فی الشرق شمس فلہا عینی تد سع

مشرق میں آفتاب غروب ہو گیا اس آفتاب کے لئے میری آنکھیں اشک بار ہیں ۔

مار أینا قط شمساً غربت حیث تطلع

میں نے کوئی آفتاب ایسا نہیں دیکھا کہ جہاں وہ طلوع ہوا ہو وہیں غروب ہوا ہو ۔

---

۱ - سیوطی تاریخ الخلفا صفحہ ۱۷۸ ۔

امین سرخ و سپید انسان تھا ، پیشانی کے کچھ بال گرے ہوئے تھے ۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں ۔ ناک چپٹی سی تھی حسین آدمی تھا ، چوڑے چوڑے مونڈھے تھے اور سینہ کشادہ تھا[1] امین اپنے زمانے میں حسین ترین نوجوان تھا ۔ سرخ سپید لمبا چوڑا اور نہایت طاقتور انسان تھا ۔ دلیری اور شجاعت میں بہت مشہور تھا ۔ کہا جاتا ھے کہ ایک دن اس نے اپنے ھاتھ سے شیر مارا تھا ۔ وہ بہت فصیح و بلیغ ادیب تھا اور بہت سی خوبیوں کا حامل تھا ۔ لیکن ناعاقبت اندیش ، بے حد فضول خرچ ، متلون مزاج اور مغرور تھا خلافت کا اھل بالکل نہ تھا[2] ۔

اس کا دور خلافت داخلی فتنوں اور شورشوں سے معمور تھا ، ھارون کی آنکھیں بند ھوتے ھی امین اور مامون کے درمیان رسہ کشی شروع ھوگئی ۔ اس نازک وقت میں بلاد شام میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی ، یہ آگ علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ نے بھڑکائی تھی ، جو سفیانی کے نام سے معروف تھا ۔ اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا اور دمشق اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر تسلط قائم کر لیا اور امین کے گورنر کو نکال باھر کیا اور قریب تھا کہ اسے ان بلاد میں خود مختاری اور استقلال حاصل ھو جائے لیکن انہیں دنوں یمنیوں اور مضریوں میں رقیبانہ مقابلہ شروع ھوگیا جو اس کی آرزوؤں کے راستے میں حائل ھو گیا اور انہیں پورا نہ ھونے دیا ۔

---

١ ۔ سیوطی ; تاریخ الخلفاء صفحہ ٢٠٩ ۔
٢ ۔ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ١٩٧ ۔

امین نے ان شورشوں کا قلع قمع کرنے کے لئے حسین بن علی بن عیسیٰ بن ماھان کی قیادت میں ایک زبردست فوج بھیجی ۔ اسے جب کامیابی نہیں ھوئی تو امین نے عبداللہ بن صالح بن علی عباسی کی کمان میں ایک اور فوج روانہ کی ، لیکن بغداد میں مرکزی حکومت کے شیرازہ کی پراگندگی کی وجہ سے سفیانی کے خلاف یہ اقدامات موثر ثابت نہ ھوئے اور بلاد شام دو سال سے زیادہ شورشوں اور بغاوتوں کی آماجگاہ بنے رھے ، آخر کار حسین ابن علی نے ان کی اجتماعی قوت توڑنے کے لئے شاھی فوجوں اور خراسانی فوجوں میں تصادم کرا دیا اور خود اچانک بغداد جا پہنچا[1] ۔

امین کی ذات میں جو مختلف اوصاف و خصائل مجتمع ھو گئے تھے وہ کسی عباسی خلیفہ میں مجتمع نہ ھوئے تھے ۔ وہ سب سے اچھی شکل و صورت کا نوجوان تھا ۔ جود و سخا میں سب سے ممتاز تھا ، ماں باپ دونوں کی طرف سے نجیب تھا ۔ بلند پایہ ادیب تھا ۔ شعر و شاعری کا غیر معمولی ملکہ رکھتا تھا ۔ لیکن لہو و لعب سے مغلوب تھا ۔ ابو الحسن احمر کا بیان ھے کہ بعض اوقات جب نحو میں استدلال کے لئے مجھے کوئی شعر یاد نہ آتا تھا ، اس وقت امین مجھے فوراً ایسا شعر سنا دیتا تھا جس سے میں استدلال کرتا تھا ۔ میں نے سلاطین کی اولاد میں امین اور ماموں سے زیادہ ذھین آدمی نہیں دیکھا ، امین شعر بھی بہت اچھے کہتا تھا[2]۔

امین لہو و لعب کا شیفتہ تھا اس مقصد کے لئے اس نے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۹۵ ۔
۲ ۔ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۲ ۔

مخصوص جگہیں بنوائی تھیں - جب وہ خلیفہ ہوا تو اس نے مملکت کے سارے مسخروں کو ڈھونڈھ نکالا اور اپنے ارد گرد جمع کر لیا اور ان پر داد و دھش کی بارش کردی - پالتو اور وحشی جانوروں ، درندوں اور پرندوں وغیرہ کی خریداری پر بہت سی دولت برباد کردی - اپنے خاندان کے افراد اور اپنے فوجی جرنیلوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اگر وہ کبھی ملنے آتے تو ان کی توھین کرتا امین نے بیت المال کی دولت اور خاص اپنے جواھرات ھیجڑوں ھمنشینوں اور داستان سراؤں میں تقسیم کردئے تھے اور رقہ میں جو جواھرات خزانے اور ھتھیار تھے وہ سب ان بھانڈوں وغیرہ کے گھر پہنچ گئے تھے، تفریحات کے لئے مخصوص جگہیں تعمیر کرائیں اور قصر خلد ، خیزرانیہ ، بستان موسیٰ ، قصرعبدرویہ ، قصر معلیٰ ، کلوذی ، باب انبار ، نیاری اور ھویب امین کی تفریح اور لہو و لعب کے مرکز تھے- دجلہ میں سیر و تفریح کے لئے پانچ کشتیاں بنوائی تھیں جو شیر ، ھاتھی ، عقاب سانپ اور گھوڑے کی شکل کی تھیں - اور ان پر بہت بڑی رقم صرف کی تھی[1]-

امین کی عمر کچھ زیادہ طویل نہ ھوئی اور ابھی اس کی خلافت کے چار سال اور آٹھ مہینے پانچ دن ھوئے تھے کہ وہ قتل کردیا گیا - یہ ربیع الاول ۱۹۸ھ کا واقعہ ھے - اس وقت اس کی عمر ۲۸ سال تھی سچ پوچھئے تو امین اس حریفانہ کشمکش کی بھینٹ چڑھ گیا جو اسکے اور اس کے بھائی ماموں کے درمیان پیدا ھو گئی تھی - امین نے ماموں

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۱۵ تا ۱۱۶ -

کو ولی عہدی سے معزول کردیا تھا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کردیا تھا اور اپنے باپ ہارون کے اس وصیت نامہ کا کوئی احترام نہیں کیا جس میں امین کے بعد مامون کو ولی عہد بنایا گیا تھا اور جسے کعبہ میں لٹکا دیا گیا تھا۔ امین اور مامون کی اس کشمکش نے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کردیا تھا اور ان کی اجتماعی قوت گروھوں اور مختلف ٹولیوں میں تقسیم ھو گئی تھی۔ اس داخلی جنگ کی وجہ سے، عباسیوں کا دارالخلافت، علم و ادب کا گہوارہ، تجارت کا مرکز، مسلمانوں کا دارالحکومت، ''بغداد'' بڑی حد تک اپنی امتیازی خصوصیات کھو بیٹھا تھا۔ امین کے قتل کے بعد عبداللہ بن طاھر نے مامون اور بلاد اسلامیہ کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

''امین اگرچہ امیرالمومنین کا بھائی تھا۔ لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت تھا۔ امین محض حکومت کا بھوکا اور امیرالمومنین مامون خدا کے دین کی عزت و عظمت کے پاسبان ھیں، امین نے دین سے بے اعتناعی برتی اور مسلمانوں کے متفقہ فیصلے سے بغاوت کی۔ اس لئے معنوی لحاظ سے امیرالمومنین مامون سے امین کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ جب حضرت نوحؑ کا نافرمان بیٹا ڈوبنے لگا تھا تو حضرت نوحؑ نے خدا سے التجا کی تھی ''یہ میرا بیٹا ھے اسے ڈوبنے سے بچا لے''۔ خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''اے نوح! یہ تیرا بیٹا نہیں ھے کیونکہ اس کا عمل صالح نہیں ھے'' اس سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ جو خدا کے احکام کے خلاف کرے۔ اس کی اطاعت نہیں کرنا چاھئے اور اگر خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی بنا پر کسی سے قطع تعلق

کر لیا جائے تو اسے قطع تعلق نہیں کہا جائیگا ۔ میں امیرالمومنین کو یہ خط اس وقت لکھ رہا ہوں ، جب خدا نے امین کا خاتمہ کر دیا ہے اور اس کی سرکشی اور نقص عہد کا بدلہ ذلت اور سرنگونی کی شکل میں دے دیا اور اس کی زندگی کی دراز رسی کاٹ دی ہے ۔ امیرالمومنین کو خدا نے منصب خلافت پر فائز کر دیا اور امین کی وجہ سے مسلمانوں میں جو باھمی محبت ختم ہو گئی تھی وہ از سر نو پیدا ہوگئی ان کا منتشر شیرازہ مجتمع ہو گیا اور اسلام کے بلند نشانوں کو نشاۃ ثانیہ نصیب ہوئی جو امین کی بے اعتنائیوں کی وجہ سے مٹ گئے تھے ۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں "امین کی سیرت اور کردار میں مجھے کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آئی ، جسے میں سراھوں اور اس کا تذکرہ کروں ۔ سر ولیم میور امین کے دور خلافت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "امین کا دور خلافت ایک منحوس دور تھا" ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۵ ۔

مامون

(۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ = ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء)

عبداللہ ابو العباس مامون ۱۸ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں رات کے وقت پیدا ہوا۔ اسی رات اس کے چچا خلیفہ ھادی کا انتقال ھوا تھا۔ مامون کی والدہ ایک کنیز تھی اس کا نام مراجل تھا۔ ھارون نے جس وقت امین کے بعد اسے ولی عہد مقرر کیا تھا اس وقت مامون کی عمر تیرہ سال تھی۔ اسی عمر میں ھارون نے اسے خراسان اور ان علاقوں کا گورنر مقرر کیا تھا، جو ہمدان تک پھیلے ہوئے تھے، جب ھارون نے وفات پائی تو امین نے اپنے باپ کے عہد کا کوئی پاس نہ کیا اور اپنے بیٹے موسیٰ کے بعد مامون کو ولی عہد مقرر کر دیا، مامون نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ امین اور مامون کے درمیان جنگ شروع ھو گئی جو امین کے قتل کے بعد ختم ھوئی۔ جب مامون سے خلافت کی بیعت کی گئی اس وقت وہ ری میں تھا، بیعت خلافت کے بعد مامون خراسان ھی میں رھا۔ ۱۵ صفر ۲۰۴ھ میں وہ بغداد آیا۔

مامون بہت بڑے عباسی خلفاء میں سے تھا، وہ غیر معمولی دانشمند تھا، اپنے دور خلافت میں اس نے تہذیبی ترقی کے بہت سے کام کئے مثلاً خلفاء عباسیہ میں سب سے پہلے اس نے علوم حکمت کی طرف خاص توجہ مبذول کی اور علوم حکمت کی نادر کتابیں حاصل کرنے کے بعد عربی میں ان کا ترجمہ کرایا اور

ارباب علم و فن تک انہیں پہنچایا ، اقلیدس کو حل کیا ، قدیم علوم کے احیاء اور ترویج کا انتظام کیا ، علم طب کو ترقی دی اور ارباب علم و حکمت کو مقرب بنایا ۔ خلق قرآن کا مسئلہ بھی مامون کا اختراع تھا ۔ اس نے لوگوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ قرآن کو مخلوق اور حادث کہیں ۔ اس کے عہد خلافت میں سب سے پہلے خلق قرآن کا مسئلہ اٹھا ، امام احمد بن حنبل وغیرہ سے اس مسئلہ پر مناظرے کئے گئے ۔ مامون ، خلق قرآن کے مسئلے کا اتنا زبردست علمبردار تھا کہ مرتے وقت اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی تھی کہ خلق قرآن کے مسئلہ کی تبلیغ و اشاعت کے کام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا ، معتصم نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس مسئلے کو منوانے کے لئے بڑے جبر و استبداد سے کام لیا اور جس نے بھی قرآن کو مخلوق تسلیم کرنے سے انکار کیا اسے سخت سے سخت سزائیں دیں ۔ اس سلسلے میں امام احمد بن حنبل جیسی شخصیت کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے کوڑے لگوائے تھے۔ مامون نے ایک کام یہ کیا تھا کہ شروع میں خلافت عباسیہ کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کر دیا تھا اور لوگوں کو سیاہ لباس کی جگہ سبز لباس پہننے کا حکم دیا تھا کہ "سبز لباس جنتیوں کا لباس ہے[۱]" ۔

(الف) داخلی حالات :

خلافت کے ابتدائی دور میں مامون کا رجحان علویوں کی طرف تھا، اسی کا اثر تھا کہ اس نے عباسیوں کا مخصوص سیاہ لباس

---

۱ ۔ الفخری صفحہ ۱۷۷ تا ۱۷۸ ۔

ترک کر دیا اور علویوں کا مخصوص سبز لباس اختیار کیا۔ امام علی رضا سے صہری رشتہ قائم کیا اور انہیں اپنا ولی عہد مقرر کیا اور علویوں کو بڑے بڑے عہدے دئے۔ یہ رجحان اس وقت تک قائم رہا جب تک وہ بغداد نہیں گیا تھا۔ امام علی رضا بغداد آرہے تھے کہ راستہ میں ان کا انتقال ہوگیا، اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔ بغداد پہونچنے کے بعد مامون نے علویوں کے بارے میں اپنی پالیسی میں یہ تبدیلی کی کہ سبز لباس کی جگہ پھر لباس سیاہ کر دیا جو عباسیوں کا مخصوص لباس تھا، اس تبدیلی کے خلاف علویوں نے احتجاج کیا خاص طور پر یمن میں ۲۰۷ھ میں عبدالرحمان بن عبداللہ علوی نے اس کے خلاف آواز بلند کی، اس وقت مامون نے اس کے پاس اپنے ایک ممتاز رکن خلافت کو روانہ کیا جس نے اسے ہموار کر لیا اور مامون کی طرف سے اسے اطمینان دلایا اور اسے عباسیوں کا مخصوص سیاہ لباس پہننے پر رضا مند کیا۔

۲۰۳ھ میں مامون نے محمد زیادی کو بلاد تہامہ کا گورنر مقرر کیا تاکہ وہ وہاں کے شیعوں کی سرکوبی کرے، محمد زیادی نے مدینہ زبید کی اساس رکھی اور تقریباً ایک خود مختار حکومت قائم کرلی، صرف خطبہ عباسیوں کا پڑھتا تھا اور خراج انہیں ادا کر دیتا تھا اور معاملات میں مطلق العنان تھا۔ یہ حکومت ۵۵۳ھ تک قائم رہی۔ زیادی کے خود مختارانہ رویہ کی وجہ سے یہ بلاد، عباسی قلمرو سے نکل گئے تھے، بلاد یمن میں حکومت زیادیہ پہلی خود مختار حکومت تھی۔ اسی طرح بلاد خراسان میں دولت اغالبہ عباسیوں کے اقتدار سے آزاد ہوگئی تھی۔ جس کی بنیاد ہارون الرشید نے ۱۸۴ھ میں ڈالی تھی اس سے ہارون کا مقصد

یہ تھا کہ دولت اغالبہ سے بلاد ادارسہ اور بلاد خراسان کے درمیان ایک دفاعی حکومت کا کام لیا جائے ، لیکن رفتہ رفتہ دولت اغالبہ کا جاہ و جلال بہت بڑھ گیا اور اس نے غیر معمولی قوت حاصل کرلی، فاطمیوں نے اس سلطنت کا خاتمہ کیا تھا ، یہ دونوں حکومتیں عباسیوں کی مرکزی حکومت سے آزاد ہوگئی تھیں حالانکہ عباسوں نے انہیں اس غرض سے قائم کیا تھا کہ علویوں کا اثر و نفوذ کہیں ان بلاد تک نہ پھیل جائے ۔

مامون ، مرو میں تھا جب اہل بغداد نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنا لیا ، لیکن جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ مامون بغداد پہنچنے والا ہے تو ابراہیم بن مہدی کی بیعت خلافت توڑ دی ، ابراہیم بن مہدی مامون کے خوف سے روپوش ہوگیا مامون نے اسے گرفتار کرلیا لیکن پھر اس کی خطا معاف کر دی اور اپنا مقرب بنا لیا [۱] - ۲۱۰ھ میں مامون نے ابراہیم بن مہدی کو پھر گرفتار کرلیا - جب اسے اس سازش کا پتہ چلا جس کا مقصد یہ تھا کہ مامون کو خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور اس کی جگہ ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنایا جائے اس سازش کا سرغنہ ابراہیم بن محمد بن عبدالوہاب بن ابراہیم تھا جو ابن عائشہ کے نام سے معروف تھا۔ ابن عائشہ کو گرفتار کرنے کے بعد مامون نے حکم دیا کہ اسے تین روز تک دھوپ میں کھڑا رکھا جائے پھر اسے کوڑوں سے پٹوایا اور قید کر دیا ، چند روز بعد قتل کرا دیا اور عبرت کے لئے اس کی لاش سولی پر لٹکا دی گئی - ابن عائشہ کی گرفتاری

---

۱ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۵ -

کے بعد ابراھیم بن مہدی کو پکڑا گیا گرفتاری کے وقت وہ عورتوں کا لباس پہنے ھوئے تھا ۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ھے کہ ابراھیم بن مہدی زنانہ لباس اور برقعہ پہن کر دو عورتوں کے ساتھ بغداد سے نکل جانے کی کوشش کر رھا تھا یہ رات کا وقت تھا ۔ چوکیدار نے انہیں دیکھ کر پوچھا تم کون ھو اور اس وقت کہاں سے آرھی ھو ؟ اس کے جواب میں ابراھیم نے چوکیدار کو ایک بیش قیمت انگوٹھی اپنی انگشت سے اتار کر رشوت کے طور پر پیش کی چوکیدار نے جب انگوٹھی دیکھی تو اسے ان عورتوں پر شبہہ ھوا اور اسے یقین ھوگیا کہ جس کی یہ انگوٹھی ھے وہ بہت بڑا آدمی ھے ۔ اس کے بعد وہ انہیں اپنے افسر کے پاس لے گیا اس نے حکم دیا کہ اپنے نقاب اٹھاؤ ابراھیم نے نقاب اٹھانے میں تاسل کیا تو اس نے خود اس کا نقاب الٹ دیا ، نقاب اٹھتے ھی راز فاش ھوگیا ۔ ابراھیم کی داڑھی نظر آنے لگی اس کے بعد وہ اسے اپنے بڑے افسر کے پاس لے گیا اس نے ابراھیم کو پہچان لیا اور اسے ماموں کے پاس لے کر پھونچا ۔ ماموں نے حکم دیا کہ رات کو انہیں محل میں حراست میں رکھا جائے صبح کے وقت ماموں نے انہیں بلوایا اور محل میں ایک جگہ بٹھایا ، برقع اور وھی کپڑے پہنا دئیے جن میں انہیں گرفتار کیا گیا تھا پھر بنی ھاشم ، فوج کے جرنیلوں اور فوج سے کہا کہ ابراھیم کو یہ دیکھتے ھوئے گزر جائیں اس کے بعد ماموں نے اسے احمد بن ابو خالد کی حراست میں دیدیا ۔ چند روز کی نظر بندی کے بعد پھر ماموں کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔ ماموں نے کہا ابراھیم بڑے افسوس کی بات ھے کہ تم سے یہ حرکتیں سرزد ھوئیں ابراھیم نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین آپ کے لئے میرا قتل روا ھے لیکن معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ

قریب ہے، اگر سزا دینگے تو یہ آپ کا حق ہے، اگر معاف کر دیں تو یہ آپ کا فضل و شرف ہے ۔ ماموں نے جواب دیا ۔ میں معاف کرتا ہوں ۔ یہ سن کر ابراھیم جوش مسرت و احترام میں ماموں کے قدموں پر گر پڑا ۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ابراھیم نے اپنی روپوشی کی حالت میں متذکرہ بالا الفاظ ایک رقعہ میں لکھ کر ماموں کے پاس بھیجے تھے ۔ ماموں نے اس رقعہ کے حاشیہ پر لکھ دیا تھا "اپنے دشمن پر قابو پانے کے بعد شرفاء کا غیظ و غضب جاتا رہتا ہے ۔ ندامت توبہ کا کام دیتی ہے اور ان دونوں کے درمیان خدا کا عفو و درگزر حائل ہو جاتا ہے" ابراھیم نے اس کے بعد ماموں کی تعریف میں ایک بلند پایہ قصیدہ کہا تھا ۔

ماموں کے عہد میں نصر بن شبت نے ماموں کے خلاف بغاوت کی ۔ یہ عربی النسل تھا اور امین کے ساتھ اسے شدید ھمدردی تھی ۔ یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ امین نے اپنی پشت پناھی کے لئے عربی عنصر کو ابھارا تھا ۔ ماموں کے خلاف اس کے اندر انتقامی جذبہ پایا جاتا تھا کیونکہ اس نے عربی عنصر کو نظر انداز کیا تھا اور خراسانیوں کو اپنا مدد گار بنایا تھا ۔ نصر نے بلاد عراق کے نواحی علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا اور عربوں کی بہت بڑی تعداد اس کے ساتھ ھوگئی تھی ۔ طاھر بن حسین نے جب امین پر فتح پائی اور بلاد عراق پر اپنا تسلط قائم کیا تو ماموں نے اسے نصر کی سرکوبی کے لئے مامور کیا اور حسن بن سہل کو عراق کا گورنر مقرر کیا ۔ ماموں نے طاھر بن حسین کو ھدایت کی کہ وہ فوجی کارروائیوں کے لئے رقہ کو اپنا مرکز بنائے لیکن طاھر نے نصر کی سرکوبی میں کوئی خاص

دلچسپی نہیں لی - وجہ یہ تھی کہ وہ مامون اور اس کے وزیر فضل بن سہل سے اس بات پر ناراض تھا کہ اسے بلاد عراق کی گورنری سے ہٹا دیا گیا تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ نصر کی فوج کے مقابلے میں طاہر بن حسین کی فوجوں کو شکست ہوئی - اس وقت بعض علویوں نے ارادہ کیا کہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں، لیکن نصر نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ میں دل سے یہی چاھتا ہوں کہ خلافت بنی عباس میں رہے - میں ان سے صرف اس لئے جنگ کر رہا ہوں کہ عربوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے کیونکہ بنی عباس کے موجودہ ارباب اقتدار نے عجمیوں کو عربوں پر ترجیح دے رکھی ہے - جب مامون بغداد آیا تو اس نے طاہر کو بغداد بلایا اور اس کے بیٹے عبداللہ بن طاہر کو خراسان کا گورنر مقرر کیا - اس سلسلہ میں مامون نے اسے ایک خط لکھا - جس میں نصر سے پوری قوت سے مقابلہ کرنے کی ہدایت کی - طاہر نے اب پوری جد و جہد سے کام لیا اور نصر کا محاصرہ کر لیا - نصر امان طلب کرنے پر مجبور ہوا - مامون نے اس شرط پر اسے امان دی کہ وہ بغداد حاضر ہو کر فرش خلافت سے اپنی پیشانی رگڑے، نصر نے یہ شرط نہیں مانی نتیجہ یہ ہوا کہ پھر جنگ شروع ہو گئی - آخر کار نصر پھر امان طلب کرنے پر مجبور ہوا اور وہ بغداد لایا گیا - یہ صفر ٢١٠ھ کا واقعہ ہے نصر بن شبث پانچ سال تک مامون کی فوجوں سے نبرد آزما رہا تھا [1] -

زط قوم کی چیرہ دستیوں نے بھی مامون کے سکون و اطمینان میں خلل ڈالا تھا ابن خلدون کا بیان ہے کہ وہ مخلوط نسل کی

---

١ - الخضری : تاریخ الدولة العباسیه صفحات ٢١٥ - ٢١٧ - طبری جلد ١٠ صفحہ ٢٥٨ واقعات ٢٠٥ھ تا ٢١٠ھ -

ایک قوم تھی جس نے بصرہ کے راستے پر تسلط قائم کر لیا تھا اور وھاں فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا، یہ قوم نور کے نام سے مشہور تھی ۔ ایشیا کے ھندوؤں سے اس کا نسلی تعلق تھا اور خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر آباد تھی، امین اور مامون کی باھمی جنگ سے اس قوم نے قائدہ اٹھایا تھا اور بصرہ کے راستے پر اپنا قبضہ جما لیا تھا ۔ جب مامون بغداد گیا تو اس نے عیسیٰ بن یزید جلودی کو اس قوم کی سرکوبی کے لئے مامور کیا (۲۰۵ھ) ۲۰۶ھ میں مامون نے داؤد بن ماسجور کو بصرہ، دجلہ، یمامہ اور بحرین کے ساحلی علاقوں کا گورنر مقرر کیا اور قوم زط کی چیرہ دستیوں کا خاتمہ کرنے کی ھدایت کی ۔ لیکن جس طرح اس سے پہلے جرنیلوں کو اس قوم کی چیرہ دستیوں کو روکنے میں کوئی خاص کامیابی نہیں ھوئی تھی اسی طرح اس کی کوششیں بھی بار آور نہیں ھوئیں اور یہ قوم معتصم کے عہد تک برابر عباسی فوجوں کا مقابلہ کرتی رھی، معتصم نے ۲۱۹ھ میں اس کا خاتمہ کیا تھا ۔

مامون کے دور میں ۲۱۰ھ میں مصریوں نے بغاوت کر دی تھی، مامون نے عبداللہ بن طاھر کو یہ بغاوت فرو کرنے کے لئے مامور کیا، عبداللہ بن طاھر نے فسطاط پر اپنا تسلط قائم کیا اور مصر میں امن و امان قائم کر دیا، اس کے بعد اس صوبہ کی اصلاحات اور فلاح و بہبودی کے کاموں میں منہمک ھو گیا، اس نے جامع عمرو بن طاھر میں بھی توسیع کی تھی، لیکن اس کی گورنری کی مدت کچھ زیادہ طویل نہ ھوئی اور کچھ عرصہ بعد وہ عراق واپس چلا گیا، اس کے آنے کے بعد ھی مصر میں پھر بغاوتیں شروع ھو گئیں ۔ قبطیوں نے سرکشی اختیار کی، امین کے طرف دار عرب

مصریوں کے ایک گروہ نے بغاوت کر دی ۔ ماموں نے ان شورشوں کو فرو کرنے کے لئے اپنے جرنیل افشین کو مامور کیا، اس کے بعد خود مصر پہونچا اور پوری طرح وہاں امن و امان قائم کر دیا[1] ۔

حسن بن سہل عراق کی اس صورت حال پر قابو نہ پا سکا جو طاہر بن حسین کے عراق چھوڑنے کے بعد پیدا ہوگئی تھی، مرکز میں اس کے بھائی فضل بن سہل نے ماموں کے نام سے جبر و استبداد شروع کر دیا اور اسے مصروف رکھنے کے لئے مختلف دلچسپیوں کا بندوبست کر دیا اور اس کے خاندان کے افراد اور اس کے جرنیلوں کو اس سے ملنے نہیں دیتا تھا ۔ فضل کے اس طرز عمل سے بنی ہاشم اور بلاد عراق کے ممتاز افراد غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگے اور شورشیں اور بغاوتیں بھڑک اٹھیں ۔ کوفہ کے علاقوں میں ۱۹۹ھ میں ایک زبردست شورش پیدا ہوئی جس کی قیادت ابو سرایا کر رہا تھا اس کا مطالبہ تھا کہ علوی خاندان کے کسی فرد کو خلافت کا منصب تفویض کیا جائے ۔ اس نے حسن بن سہل کی فوجوں کو شکست دی اس شکست کے بعد حسن کا بھائی فضل بن سہل اس بات پر مجبور ہوا کہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ہرثمہ کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر ابو سرایا کی تحریک کو کچلنے کے لئے روانہ کرے حالانکہ فضل ہرثمہ سے بے حد بغض و حسد رکھتا تھا، ہرثمہ ایک زبردست فوج لے کر پہونچا اور اس نے ابوسرایا کے فتنہ کا استیصال کر دیا ۔

ابو سرایا کی بغاوت کے استیصال کے بعد ماموں نے ہرثمہ کو بلاد شام اور حجاز کا گورنر مقرر کیا لیکن اس نے اس وقت تک

---

۱ ۔ المقریزی : خطط جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ ۔

اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے معذرت کی ، جب تک وہ خود ماسون کو عراق اور عراق کے مغربی علاقوں کے اصل حالات اور اس زبردست خطرے سے باخبر نہ کر دے جو عباسی گورنروں کی جبر و استبداد کی پالیسی سے پیدا ہو گیا تھا ۔ جب ہرثمہ خراسان کے صدر مقام مرو پہونچا جو اس وقت ماسون کا دارالخلافت تھا تو اس نے اپنی آمد کی تشہیر کے لئے نقارے پٹوائے۔ اسے اندیشہ یہ تھا کہ فضل بن سہل جو اس کا انتہائی مخالف تھا خلیفہ ماسون کو اس کی آمد کی خبر نہیں پہونچنے دے گا خلاف معمول نقاروں کے بجنے سے ماسون نے دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ یہ کارروائی ہرثمہ نے کی ہے ، ہرثمہ ماسون کی خدمت میں حاضر کیا گیا ۔ اس نے اسلامی سلطنت کے اصل حالات سے ماسون کو آگاہ کیا لیکن ماسون اس کے نقارے بجوانے پر اتنا شدید ناراض تھا کہ اس نے ہرثمہ کو قید کر دیا اور کچھ دنوں بعد اسی حالت میں قتل کرادیا ۔

ہرثمہ کے قتل سے بغداد میں فوج کے ممتاز افسر بگڑ گئے اور نئے سرے سے طوائف الملوکی پیدا ہو گئی ، بغداد کے باشندوں نے حسن بن سہل کے خلاف بغاوت کر دی اور منصور بن مہدی کو اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا ، لیکن منصور بن مہدی نے خلافت کا منصب قبول کرنے سے گریز کیا اور انکار کر دیا ۔

ماسون نے اپنے بعد امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ، اس کی وجہ سے عباسی خاندان کے افراد مشتعل ہو گئے اور انہوں نے ماسون کو منصب خلافت سے معزول کر دیا اور ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی اور اسے مبارک کا لقب دیا ۔ گورنر عراق حسن بن سہل نے عباسی خاندان کے ان افراد کے خلاف

تادیبی کارروائیوں کی بہت کچھ کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا اور ابراهیم بن مہدی دو سال تک بغداد میں خلافت کے منصب پر فائز رہا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ماموں کا دارالخلافت خراسان میں مرو تھا اور ابھی بغداد کو اپنا دارالحکومت نہیں بنایا تھا۔

بغداد میں ماموں کے خلاف جو ماحول پیدا ہو گیا تھا، جب اسے اس کا صحیح اندازہ ہو گیا تو وہ خراسان سے بغداد روانہ ہوا۔ بغداد کے راستہ میں اس نے اپنے وزیر فضل بن سہل کو قتل کرا دیا۔ فضل کے قتل کے بعد اس کے مدد گار منتشر ہو گئے، جب ماموں طوس پہونچا تو ایک اور حادثہ پیش آیا اور وہ امام علی رضا کی وفات تھی، کہا جاتا ہے کہ ماموں نے عباسی خاندان کے افراد کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے امام علی رضا کو زہر دلا دیا تھا۔

ماموں بغداد پہونچا تو راستوں میں بغداد کے باشندوں کے هجوم کے هجوم کھڑے تھے، اس خیال سے ان کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی کہ مسلمانوں کا خلیفہ اپنے دارالخلافت میں واپس آ گیا ہے۔

بغداد کا سیاسی ماحول جب سازگار ہو گیا اور حالات معمول پر آ گئے، اس وقت ماموں نے حسن بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اس کی بیٹی بوران سے اپنے لئے پیغام دیا۔ حسن بن سہل اس پیغام سے بہت خوش ہوا اور اپنی بیٹی کی شادی پر ایک کثیر رقم خرچ کی۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ اس شادی کے اخراجات پچاس ملین درهم (پانچ کروڑ درهم) تھے۔

جب حسن بن سہل مرض الموت میں مبتلا ہوا اور مرض کی

شدت کی وجہ سے صاحب فراش رہنے لگا ، اس وقت ماموں نے احمد بن ابی خالد کو اپنا وزیر مقرر کیا احمد بن ابی خالد بے انتہا ذہین صاحب قلم ، فصیح و بلیغ اور بے انتہا دور اندیش انسان تھا ۔ ماموں نے طاہر بن حسین کو خراسان کا گورنر مقرر کرنے سے قبل احمد بن ابی خالد سے مشورہ لیا تھا ، احمد نے جواب دیا تھا آپ نے اس منصب کے لئے بہت صیحح آدمی کا انتخاب کیا ہے ۔ لیکن طاہر کی گورنری کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اس نے خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھنا بند کردیا اور دولت طاہریہ کی اساس ڈالی ، ماموں نے اپنے وزیر احمد سے کہا کہ میں نے تمہارے مشورہ کی وجہ سے طاہر کو گورنر مقرر کیا تھا اگر تم نے اس باغی کو ٹھکانے نہ لگایا تو میں تمہیں قتل کر دونگا اس تہدید کے بعد احمد نے طاہر کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر بھیجی جس میں زہر ملا ہوا تھا طاہر نے اسے کھایا اور فوراً دم دے دیا ۔

ماموں نے حسن بن سہل سے مشورہ لیا کہ احمد بن ابی خالد کے بعد کسے وزیر بنایا جائے اس نے احمد بن یوسف اور ابو عباد بن یحیٰ کا نام لیکر کہا یہ دونوں اس منصب کے اہل ہیں اور امیرالمومنین کے مزاج کو خوب پہچانتے ہیں ماموں نے کہا ان دونوں مین سے ایک کو ترجیح دو ، حسن بن سہل نے احمد بن یوسف کو ترجیح دی چنانچہ ماموں نے اسے اپنا وزیر مقرر کردیا ۔

احمد بنَ یوسف اہل قلم تھا ۔ ممتاز ادیب تھا ۔ بلند پایہ شاعر تھا ۔ امور سلطنت کا ماہر اور سلاطین کے آداب سے

واقف تھا ۔ مامون نے ایک دن اس سے ایک شخص کے بارے میں مشورہ لیا ، جس سے وہ بے حد نفرت کرتا تھا، احمد نے اسکی بہت تعریف کی اور اسکی خوبیوں کا تذکرہ کیا ، مامون نے کہا ''احمد تم نے اس شخص کی اتنی تعریف کی ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ بہت کچھ دشمنیاں کرچکا ہے'' احمد نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین ! جب کوئی انسان کسی ذمہ‌دار مرتبہ پر پہنچ جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ جذبات اور ذاتی دوستی اور دشمنی سے ہٹ کر سچی بات کہے[1] ۔

۲ ۔ مامون کے اخلاق و اوصاف :

مامون بہت سے ایسے امتیازی اوصاف کا حامل تھا جن میں خلفاء عباسیہ میں سے کوئی اس کا ھمسر نہ تھا ۔ ان میں سب سے زیادہ امتیازی وصف یہ تھا کہ عفو و در گذر سے اسے بیحد محبت تھی اور انتقام سے وہ نفرت کرتا تھا ، اس دعویٰ کی دلیلوں میں ابراھیم بن مہدی کے قصور سے درگذر ہے ، جو بغداد میں دوسال تک تخت خلافت پر متکمن رہا تھا اور فضل بن ربیع کی خطا اور بددیانتی سے چشم پوشی ہے جس نے اسے ان اسلحہ اور دوسرےقیمتی سامان سے محروم کر دیا تھا جو اس کے باپ ھارون نے امانت کے طور پر اس کے پاس رکھوائے تھے اور وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیزیں مامون کے حوالے کردیجائیں لیکن مامون نے اگرچہ فضل بن ربیع کو جسمانی اذیت نہیں پہنچائی تھی مگر ذلت اور بے بسی کے جس درجہ پر اسے پہنچا دیا تھا وہ بڑا عبرت انگیز تھا ،

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۶ ۔

مامون نے فضل بن ربیع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا، میں تجھے قتل تو نہیں کرونگا لیکن اس اوقات پر پہنچا دونگا کہ جب تو کوئی بات کہے اس وقت کوئی تیری بات نہ مانے اور جب کسی کو مدد کے لئے بلائے تو کوئی توجہ نہ دے۔ سچ پوچھئے تو یہ کم سے کم سزا تھی جسکی وہ اپنی حرکتوں کے بدلے میں مامون سے توقع کرسکتا تھا۔

مامون بہت سے ایسے صفات سے آراستہ تھا جو ایک مؤرخ کی نظر میں اسے بہت بلند کر دیتی ہیں۔ مامون میں عفو و در گزر کا جذبہ بے پناہ تھا لیکن اگر یہ جذبہ مملکت کے دفاع اور مصلحت وقت کے راستے میں حائل ہوتا، اس وقت وہ سخت سے سخت اقدام میں بھی کوئی تامل نہ کرتا تھا مثلاً مصر کی بغاوت کو اس نے بڑی بے دردی سے کچل دیا تھا اور یحیٰی بن اکثم اور ابو دلف پر جب اس کا جلال و غضب نازل ہوا تھا تو اس نے ان کے ساتھ بڑی بےرحمی کا سلوک کیا تھا۔

مامون جود و سخاء اور داد و دھش میں بھی خلفائے عباسیہ میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا اس پر وہ اخراجات شاھد ھیں جو اس نے بوران بنت حسن بن سہل سے شادی کے موقع پر کئے تھے، حسن بن سہل جب فم صلح سے واپس آیا تھا تو مامون نے اسے ایک کروڑ درھم دئے تھے اور فم صلح کو اسے جاگیر کے طور پر عنایت کیا تھا اور ایک سال کے لئے اس کی فارس اور اھواز کے ساحلی علاقوں کی جاگیر کا خراج معاف کر دیا تھا۔ ایک مؤرخ[1] کا بیان ہے کہ جب مامون دمشق پہونچا تو اس کے پاس رقم کم

۱۔ الفخری: صفحہ ۱۹۷۔

ہوگئی اس وقت اس نے اپنے بھائی معتصم سے اس کا ذکر کیا جو اس وقت قلمرو عباسی کے ایک صوبہ کا گورنر تھا معتصم نے ایک ہفتہ کے اندر تیس ارب درہم مامون کے پاس پہونچا دئے۔ مامون نے اپنے قاضی یحیٰی بن اکثم سے کہا اس رقم کی نگرانی تمہارے ذمہ ہے اس کے بعد مامون اور اس کے ساتھی روانہ ہوئے تھوڑی دیر بعد مامون نے کہا ”ہم یہ مال و دولت لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور لوگ محروم لوٹ جائیں، یہ بڑی کنجوسی اور دناءت کی بات ہے، اس کے بعد سیکریٹری کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو دس لاکھ درہم دے دو فلاں کو دس لاکھ سے زیادہ دے دو۔ یہاں تک کہ چوبیس ارب درہم خرچ ہو گئے، اس کے بعد حکم دیا کہ جو درہم باقی رہ گئے ہیں وہ فوج اور ان کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دئے جائیں [1]۔

مامون غیر معمولی ذہین انسان تھا اور بڑی تیزی سے بات کی تہہ کو پہونچ جاتا تھا، ایک بار اس کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس وقت وہ علماء کی مجلس میں بیٹھا تھا، عورت نے کہا کہ امیرالمومنین ! میرے بھائی کا انتقال ہو گیا اور اس نے چھ سو دینار چھوڑے، اس میں سے مجھے صرف ایک دینار ملا ہے مامون نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا، ٹھیک ہے، یہی تیرا حق تھا علماء نے پوچھا۔ امیرالمومنین ! آپ نے کس طرح معلوم کیا ؟ مامون نے عورت کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس آدمی نے دو بیٹیاں چھوڑیں ؟ عورت نے جواب دیا ہاں۔ مامون نے کہا دوتہائی ان کا ہو گیا یعنی چار سو دینار، ایک والدہ چھوڑی ہے ؟

۱۔ الفخری : صفحہ ۱۲۸۔

اس نے اثبات میں جواب دیا ۔ مامون نے کہا چھٹا حصہ اس کا ہو گیا ، یعنی سو دینار ۔ بیوی چھوڑی ہے ؟ عورت نے اقرار کیا ۔ مامون نے کہا آٹھواں حصہ اس کا ہو گیا ، یعنی ۷۵ دینار ۔ پھر پوچھا کہ کیا تیرے بارہ بھائی ہیں ؟ عورت نے اثبات میں جواب دیا ۔ مامون نے کہا دو دو دینار ان کے ہو گئے اور تیرے حصے کا صرف ایک دینار رہ گیا ۔

مامون کے بہت سے ایسے اقوال ہیں ، جو قریب قریب آخری فیصلہ کا درجہ رکھتے ہیں ۔ مثلاً اس کا یہ قول کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں ، بعض کی حیثیت غذا کی ہے کہ وہ ہر حال میں ناگزیر ہے ، بعض کی حیثیت دوا کی ہے ، جس کی ضرورت صرف بیماری کی حالت میں ہوتی ہے ، بعض کی حیثیت بیماری کی ہے ، جو ہر حال میں قابل نفرت ہے ۔

مامون شعراء کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا اور شاعری کا بہت اچھا ذوق رکھتا تھا اس کی وجہ سے اس کے دور میں شاعری کا بازار گرم تھا ۔ مامون کے عہد میں شعراء ، موسیقی کے ماہرین اور متکلمین سب ہی موجود تھے ۔ مامون خود بھی بہت اچھے شعر کہتا تھا ۔

مامون کو مناظروں اور مباحثوں سے بڑی دلچسپی تھی اگر مناظرین مامون کے خیالات اور رجحانات سے اتفاق نہ کرتے تھے تو وہ تحمل سے کام لیتا تھا ، مامون کو ریاکاری اور منافقت سے شدید نفرت تھی ، جو اس دور میں فوجوں اور فوجی جرنیلوں میں عام ہوگئی تھی ۔ مامون نے ان رذیل عادتوں کا بڑی سختی سے قلع قمع کر دیا تھا ۔

مامون بیزنطینی سلطنت کی فوجوں سے نبرد آزما تھا ، جب اس کا آخری وقت آ پہونچا وہ شہر طوس کے شمال میں تھا ، جہاں اسے بخار آنے لگا ، یہ بخار مرض الموت ثابت ہوا اور چند روز بعد وهیں اس نے وفات پائی ۔ وفات سے پہلے مامون نے اپنا ولی عہد اپنے بھائی محمد ابو اسحاق بن هارون کو مقرر کیا اور یہ اس نے اپنے اور اپنے خاندان دونوں پر احسان کیا تھا ۔ مامون نے ۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی تھی ۔

معتصم

(۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ = ۸۳۳ء تا ۸۴۲ء)

ابو اسحاق محمد معتصم ۱۷۸ھ میں پیدا ھوا۔ اس کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مارده تھا [1]۔ اس کا باپ ھارون الرشید تھا۔ اپنے بھائی مامون کے عہد میں معتصم بلاد شام اور مصر کا گورنر تھا۔ جب مامون بیمار ھوا تو اس نے معتصم کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ اور اپنے بیٹے عباس کی ولی عہدی کو منسوخ کر دیا، جسے عرب فوجوں کی حمایت اور ان کا غیر معمولی اعتماد حاصل تھا۔ اس عزل و نصب کی وجہ یہ تھی کہ مامون کی دوربین نگاھوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس ماحول میں معتصم کا غیر متزلزل استقلال اور فطری متانت اس سیاسی پالیسی کو کامیابی سے چلا سکتی ھے جو اس نے حکومت کے لئے تشکیل کی تھی۔

بستر مرگ پر مامون نے [2] اپنے بھائی معتصم سے یوں خطاب کیا۔ "ابو اسحاق میرے قریب آؤ اور مجھے جس حالت میں دیکھ رھے ھو اس سے عبرت حاصل کرو، خلق قرآن کے مسئلے میں میرا مسلک اختیار کرنا، جب خدا خلافت کی ذمہ داریاں تمہارے اوپر ڈال دے تو اس کے انتہائی فرماں بردار بندہ کی طرح اپنے منصبی فرائض ادا کرنا، خدا کے عذاب سے ھمیشہ ڈرتے رھنا، خدا

---

۱ - سیوطی صفحہ ۲۳۲ مسعودی (مروج الذھب) جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ اور طبری (جلد ۱۱ صفحہ ۹) میں اس کا نام ماریہ بیان کیا۔

۲ - طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۳ -

کی دی ہوئی مہلت سے دھوکہ نہ کھانا ۔ بلکہ روزانہ خیال کرنا کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے ۔ رعایا کے معاملات سے کبھی غافل نہ ہونا ،، ۔ اس کے بعد مامون نے دو دو بار رعایا رعایا اور عوام عوام کہا ۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مامون نے کہا ۔ سلطنت کی بقا اور استحکام ، عوام کی فلاح و بہبود اور سکون و اطمینان پر منحصر ہے ۔ تم نے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے تحفظ اور فلاح و بہبود کا عہد کیا ہے ۔ جس کام میں مسلمانوں کی فلاح و بہبودی ہو اس کی طرف قدم اٹھانے میں کوئی چیز مانع نہ ہو ۔ اس سلسلے میں اپنی خواہشات سے الگ ہوکر ایثار سے کام لینا ۔ طاقتوروں سے کمزوروں کا حق دلانا اس معاملے میں تمہارے راستے میں کوئی چیز حائل نہ ہو سکے ۔ عدل و انصاف کا ہمیشہ خیال رکھنا، ضعیفوں اور کمزوروں کو تمہارے پاس پہونچنے میں کوئی دقت نہ ہو اور تمہارے عدل و انصاف پر انہیں پورا اعتماد ہو ۔ میری موت کے بعد فوراً عراق میں اپنے دارالخلافت (بغداد) پہنچ جانا ۔ جن لوگوں کی سر زمین میں اس وقت ہم ہیں ان کی ریشہ دوانیوں کی طرف سے غافل مت ہونا ۔ خرمیوں سے پختہ کاری اور پامردی سے جنگ کرنا ۔ ان کے مقابلے کے لئے اپنی دولت ، سامان جنگ اور اپنی پیدل اور سوار فوج سے کام لینا ۔اگر یہ جنگ طول پکڑ جائے تو اپنے سارے مدد گاروں اور حامیوں کو اسی محاذ جنگ پر مرکوز کر دینا اوراپنی نیت کو نیک رکھنا اور خدا سے اجر و ثواب کے متوقع رہنا ۔ ،،

۱۹ رجب ۲۱۸ھ میں مامون نے وفات پائی اور اسی دن معتصم کی بیعت کی گئی ۔ شروع میں فوج نے معتصم کی بیعت سے انکار کر دیا اور عباس بن مامون کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا

لیکن عباس نے اپنے والد کی وصیت کا احترام کیا اور جلدی اپنے چچا معتصم کی بیعت کرلی - ناچار فوج کو بھی اس کے نقش قدم پر چلنا پڑا اور اس نے بھی معتصم کی بیعت کرلی[1] -

معتصم[2] نہایت صائب الرائے اور غیر معمولی طاقتور انسان تھا - اس کی طاقت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک ہزار رطل بوجھ اٹھا کر دور تک چل سکتا تھا - معتصم بہت نڈر اور بے حد دلیر نوجوان تھا - گیارہ[1] باتوں کی وجہ سے اسے مثمن (آٹھ کے ھندسہ کا حامل) کا لقب دیا گیا ہے - ۱ - اپنے مورث اعلیٰ حضرت عباس کی آٹھویں پشت میں تھا - ۲ - آٹھواں عباسی خلیفہ تھا - ۳ - اٹھارہ ۱۸ سال کی عمر میں منصب خلافت پر فائز ھوا - ۴ - ۵ - اس کی خلافت کی مدت آٹھ سال اور آٹھ مہینے تھی - ۶ - ۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی - ۷ - شعبان کے مہینہ میں پیدا ھوا جو سال کا آٹھواں مہینہ ہے - ۸ - آٹھ بیٹے - ۹ - اور آٹھ بیٹیاں چھوڑیں - ۱۰ - آٹھ جہاد کئے - ۱۱ - اور آٹھ ملین درھم ترکہ میں چھوڑے -

(الف) شورشیں اور بغاوتیں :

معتصم نے خلق قرآن کے مسئلے کے بارے میں اپنے بھائی مامون کی وصیت پر بڑی سختی سے عمل کیا - اگرچہ وہ اتنا پڑھا لکھا آدمی نہ تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق اپنی کوئی رائے قائم کر سکتا - لیکن اس معاملے میں معتصم نے مامون سے زیادہ

---

۱ - طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۴ -
۲ - الفخری صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۰ -

سختی کا رویہ اختیار کیا اور علماء اور ارباب علم و طریقت کو اپنا ہم آہنگ بنانے کے سلسلے میں بڑی بڑی اذیتیں پہونچائیں۔ امام احمد بن حنبل کو شدید تکلیفیں دیں۔ ان کے کوڑے لگوائے اور انہیں جیل میں ڈلوا دیا۔ ان کے علاوہ ہر وہ عالم اور قاضی طرح طرح کے مصائب کا نشانہ بنا اور اسے سخت سے سخت سزائیں دی گئیں، جو معتزلہ کے اس خیال سے متفق نہ ہوا کہ قرآن مخلوق ہے۔

علویوں سے معتصم نے بھی اپنے پیش رو خلفاء عباسیہ سے کچھ کم سختی کا برتاؤ نہ کیا۔ مامون، ان خلفاء میں مستثنٰی ہے۔ معتصم، جواد بن علی رضا سے بہ ظاہر خلوص سے پیش آتا تھا۔ امام علی رضا سے مامون نے اپنی بیٹی ام فضل کا نکاح کر دیا تھا۔ امام علی رضا جب مامون کے ساتھ بغداد آرہے تھے تو راستہ میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ یہ ۲۱۹ھ کا واقعہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی ام فضل نے مامون کے اشارے سے انہیں زہر دیدیا تھا۔ محمد جواد سے معتصم کا ظاہری خلوص اس اندیشہ کی وجہ سے تھا کہ کہیں وہ خلافت کے منصب کا مطالبہ نہ کر دیں، کیونکہ مامون سے ان کا نسلی تعلق تھا۔ اور مامون نے ان کے والد امام علی رضا کو پہلے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس لئے علی رضا کی وفات کے بعد منصب خلافت ان کا حق تھا۔

محمد بن قاسم بن علی[1] نے جب معتصم کے خلاف بغاوت کی، اس وقت محمد جواد بن علی رضا کی طرف سے معتصم کے دل میں جو اندیشے تھے وہ اور شدید ہوگئے۔ محمد جواد معتصم کی زد سے

---

١ - بن علی بن حسین بن علی۔

بچنے کے لئے کوفہ سے خراسان چلے گئے ۔ وہاں کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد ان کی مدد گار ہوگئی اور انہوں نے کئی بار محمد جواد کی قیادت میں عباسی فوجوں سے مقابلہ کیا ، آخر کار عبداللہ بن طاھر نے محمد جواد کو گرفتار کر لیا اور معتصم کے پاس بھیج دیا ۔ معتصم نے انہیں سامرا میں قید کر دیا جہاں چند روز بعد ان کی وفات ھو گئی ۔ ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ھے ۔ بعض مؤرخین کہتے ھیں کہ انہیں زھر دیدیا گیا تھا ۔ بعض کا بیان ھے کہ جس مکان میں وہ نظر بند تھے وھاں سے چند شیعہ انہیں نکال کر کسی نا معلوم جگہ لے گئے تھے ۔ شیعوں کے بعض فرقوں کا خیال ھے کہ وہ زندہ ھیں اور وھی مہدی منتظر ھیں ۔ اس خیال کے شیعوں کی بہت بڑی تعداد کوفہ کے نواحی علاقوں اور بلاد طبرستان اور دیلم کے پہاڑی علاقوں میں پائی جاتی ھے [۱] ۔

معتصم کو اپنے دور خلافت میں ایک بہت بڑے فتنہ کا مقابلہ کرنا پڑا ، جو سلطنت کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا اور وہ ھندی قوم زط کا فتنہ تھا ، جس نے بصرہ کے راستے پر تسلط قائم کر لیا تھا ۔ یہ لوگ اس راستے سے گذرنے والے تجارتی جہازوں سے ٹیکس وصول کرتے تھے اور بغداد جانے والے غذائی سامان اور مال و دولت کو لوٹ لیا کرتے تھے ۔

معتصم نے اس قوم کی سرکوبی کیلئے عجیف بن عنبسہ کو مامور کیا ، جو ایک ممتاز عرب جنرل تھا ۔ عجیف نے

---

۱ ۔ طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۵ مسعودی: مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ تا ۳۲۹ ۔

واسط کے قریب اپنی فوجوں کا پڑاؤ ڈالا اور نہروں اور دریاؤں کا پانی بند کر دینے کے بعد چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا اور نو مہینے تک ان سے لڑتا رہا ، آخر کار یہ لوگ امان طلب کرنے پر مجبور ہوئے ، ان کی تعداد ستائیس ہزار تھی ۔ اس تعداد میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، عجیف نے ان سب کو جہازوں پر سوار کیا اور انہیں لے کر عاشورے کے دن بغداد پہنچا یہ ۲۲۰ھ کا واقعہ ہے ، بغداد میں معتصم اور ارکان خلافت نے اس قوم کا مشاھدہ کیا۔ اسکے بعد معتصم نے حکم دیا کہ انہیں ایشیائے کوچک میں چھوڑ دیا جائے۔ یہ قوم ۲۴۱ھ تک ایشیائے کوچک میں آباد رہی ، ۲۴۱ھ میں بیزنطینیوں نے انہیں گرفتار کیا ، اس طرح انہیں یورب پہنچنے کا موقع ملا - یورپ میں یہ قوم Gypsies یا نور کے نام سے معروف ہے ۔ اور شہروں سے باھر بود و باش رکھتی ہے[1] ۔

معتصم نے ترکوں کو مہمات سلطنت میں اپنا مددگار بنا لیا تھا، انہیں حکومت کے اہم عہدے تفویض کر دئے تھے اور ان کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر دئے تھے اور ہر معاملے میں اس نے عربوں کو نظر انداز کر دیا تھا ۔ اس پالیسی کا رد عمل یہ ھوا کہ عربوں کی خود داری کو ٹھیس لگی اور ان کے دلوں میں ترکوں کے خلاف غیظ و غضب اور نفرت کے جذبات پیدا ھوگئے اور عرب جنرل عجیف کی قیادت میں عرب اٹھ کھڑے ہوئے اور نہ صرف ترک جنرلوں کے خلاف بغاوت کردی بلکہ معتصم سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کردیں - اس مقصد

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۶

Muir : The Calaphate P. 514.

کے لئے عباس بن مامون کو آمادہ کیا گیا کہ وہ اپنے چچا معتصم کے خلاف بغاوت کر دے اور اس سے تخت خلافت کا مطالبہ کرے۔ اس سازش میں عرب کے سارے جنرل شامل ہوگئے اور اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ عموریہ کی جنگ میں بیزنطینیوں سے جو کچھ مال و دولت حاصل ہوا ہے اس کی تقسیم ختم ہونے کے بعد معتصم، افشین، اور اشناس کو ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

لیکن معتصم کو عین وقت پر اس سازش کا پتہ چل گیا اور اس نے ایک دن بڑی ہوشیاری سے عباس بن مامون اور سازش میں شریک ہونے والے چند اور ممتاز افراد کو مدعو کیا اور انہیں شراب پلائی۔ شراب کے نشے میں معتصم نے سازش کی پوری سکیم ان سے معلوم کرلی۔ اسکے بعد معتصم نے عباس بن مامون کو نظر بند کر دیا اور اسے بھوکا پیاسا رکھا یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ عجیف کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا [1]۔

اس طرح اگرچہ معتصم نے شروع ھی میں اس سازش کا خاتمہ کر دیا لیکن وہ اس سازش کے دور رس اثرات سے مامون نہ رہ سکا۔ اس سازش کے بعد وہ ترکی جنرلوں کے ھاتھوں میں کٹ پتلی بن گیا، اور اسنے انتقامی طور پر عرب اور ایرانی جنرلوں کا رفتہ رفتہ خاتمہ کر دیا اور دیوان عطاء سے ان سب کے نام خارج کر دئے۔

---

١ - طبری : جلد ١٠ صفحہ ٣٤٤ -

سر ولیم کا میور کا بیان ہے کہ اس سیاسی ماحول میں ترک جنرلوں نے عباسی خلیفہ کے ساتھ خلوص و وفاداری کی جگہ اس بات کی کوششیں کردیں کہ کسی طرح حکومت پر قبضہ کرلیا جائے۔ اس کی وجہ سے صورت حالات اور نازک ہوگئی، سچ پوچھئے تو اس زمانے میں عباسی خلفاء سامرا میں ترک جنرلوں کے ھاتھوں میں کٹ پتلی بنے ہوئے تھے[1]۔

معتصم کے دور خلافت کے اہم واقعات میں عموریہ کی تسخیر اور اس کا انہدام اور وہ بغاوتیں بھی شامل ھیں جو بابک خرمی، افشین اور مازیار نے مشتعل کی تھیں ان کی تفصیل تیسرے باب میں آئیگی۔ شہر سامرا کی تاسیس بھی معتصم کے عہد کا ایک اہم واقعہ ہے جسے اس نے اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اسکی تفصیل ساتویں باب میں بیان کی جائیگی۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ معتصم نے ترکوں پراعتماد اور عربوں کو نظرانداز کرنے کی جو پالیسی اختیار کی تھی، اس سے عرب بر گشتہ ہوگئے تھے، چنانچہ بلاد شام میں عربوں نے ابوحرب مبرقع یمانی کی قیادت میں بغاوت کردی تھی۔ ابو حرب یمانی نے پہلے فلسطین میں سر اٹھایا تھا، معتصم کی وفات سے یہ کچھ مدت پہلے کا ذکر ہے، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی فوجی سپاھی ابو حرب کے گھر میں داخل ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ گھر میں موجود نہ تھا۔ جب گھر لوٹا اور یہ واقعہ اسے معلوم ہوا تو اس نے اس فوجی کو قتل کردیا۔ اس کے بعد اپنی جان کے اندیشے سے برقع پہن کر بلاد اردن کی طرف فرار ہوگیا، جہاں اس نے خلیفہ معتصم کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور اپنے

---

1 - Muir : The Calaphate P. 517.

آپ کو اموی خاندان کا ایک ممتاز فرد ظاہر کیا، ان بلاد کے باشندے عباسیوں سے پہلے ھی سے بہت ناراض تھے، اس لئے وھاں کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد اس کے گرد جمع ھوگئی ان میں یمنیوں کی تعداد زیادہ تھی ۔ معتصم نے ابو حرب کی سرکوبی کے لئے اپنا جنرل رجاء بن ایوب حضاری کو ایک ھزار فوج دے کر روانہ کیا ۔ جب رجاء وھاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ابو حرب کے ساتھ کوئی ایک لاکھ آدمی ھیں ۔ رجاء نے اس وقت اس سے لڑنا عقلمندی کے خلاف سمجھا اور اس کے مقابلے میں ایک مدت تک اپنی فوج کو ڈالے رکھا ۔ ابو حرب کے ساتھ کاشتکاروں اور زمینداروں کی فوج تھی، کچھ مدت کے بعد کاشتکار اپنی کاشتکاری کیلئے چلے گئے اور زمیندار اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کیلئے رخصت ھوگئے اور ابوحرب کے ساتھ بہت مختصر جماعت رہ گئی ۔ معتصم کے جنرل رجاء نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس پر اچانک حملہ کر دیا اور اسے شکست فاش دی، ابوحرب گرفتار کیا گیا اور رجاء اسے دارالخلافت سامرا لایا[1] ۔

بلاد موصل میں کردوں نے بھی معتصم کے خلاف شورش برپا کی تھی ان کا سرغنہ جعفر کرد تھا ۔ معتصم نے ان کی سرکوبی کیلئے اپنے ایک ترک جنرل ایتاخ کو ساسور کیا جس نے ان سے مقابلہ کیا ۔ (محرم ۲۲۷ھ) لیکن ابھی وہ ان سے نبرد آزما تھا کہ جعفر کردی کے ایک مددگار نے دھوکے سے ایتاخ کا خاتمہ کردیا ۔ یہ واثق کی خلافت کے ابتدائی دور کا واقعہ ھے[2] ۔

---

۱ - طبری : جلد ۱۱ صفحات ۵ - ۶ -
۲ - طبری : جلد ۱۱ صفحہ ۷ -

۲ - معتصم کے اخلاق و اوصاف :

معتصم نے دولت عباسیہ کے نظم و نسق میں جو استبدادی پلیسی اختیار کی تھی اس میں نرمی اور حسن تدبیر دونوں کا امتزاج تھا ایک مؤرخ[۱] کا بیان ھے ''اس زمانے کے سیاسی ماحول میں یہ پالیسی حسن تدبیر اور استقامت پر مبنی تھی''۔

معتصم غریبوں اور ضعیفوں پر بہت مہربان تھا اور ان کی مدد اور ان پر خرچ کرنے سے اسے بے حد دلچسپی تھی، ایک دن اس نے ایک بوڑھے ضعیف آدمی کو دیکھا جس کا گدھا دلدل میں پھنس گیا تھا اور اسکا سامان دلدل میں گر گیا تھا۔ معتصم نے اس کے گدھے کو دلدل سے نکالا اور سامان اٹھا کر اسکے گدھے پر رکھدیا - اس اثناء میں اس کے باڈی گارڈ اور فوج کے دستے بھی پہنچ گئے، معتصم نے اپنے ایک خاص آدمی کو حکم دیا کہ اس بوڑھے کو چارھزار درھم دیدئے جائیں -

سر ولیم میور معتصم کی رحم دلی کے اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد، لکھتا ھے ''لطف یہ ھے کہ ایک طرف معتصم کی رحمدلی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ایک بوڑھے ضعیف کے گدھے کو دلدل سے نکالنے کے لئے اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اسے دلدل سے نکالا اور دوسری طرف اسکی سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ اس نے مدینہ عموریہ اور اسکے دو لاکھ باشندوں اور اسکی کڑوروں کی دولت کو برباد کر دیا تھا اور اسکا دل نہ دکھا

---

۱ - مسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ -

تھا ۔ خدا معلوم وہ اپنی موت کے وقت دونوں میں سے کس فعل کو فخر و انسباط کے طور پر یاد کرتا ہوگا[1] ''۔

معتصم اپنی خلافت کے آخری ایام میں ایک موذی مرض میں مبتلا ہوگیا تھا، جو اسکی جان لے کر ٹلا۔ معتصم نے ۱۹ ربیع الاول ۲۲۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا ۔

1. Muir : The Calaphata p. 519.

واثق

(۲۲۷ھ - ۲۳۲ھ = ۸۴۲ء - ۸۴۷ء)

ہارون واثق باللہ بن معتصم شعبان ۱۸۶ھ میں پیدا ہوا، اس کی ماں ایک رومی کنیز تھی، جس کا نام قراطیس تھا - واثق بچپن ہی سے نہایت ذہین تھا - خلفاء عباسیہ میں، سلطنت کے نظم و نسق اور سیاسی فہم و فراست کے لحاظ سے اس کا مرتبہ بہت اونچا ہے - اس کی غیر معمولی صلاحیت اور امتیازی اوصاف کی وجہ سے اس کا باپ معتصم اس پر بہت اعتماد کرتا تھا اور جب دارالحکومت سے باہر جاتا تھا، تو اپنی ذمہ داریاں واثق کو سونپ جاتا تھا - ۲۲۰ھ میں جب معتصم مدینۂ سامرا کی تعمیر کے کاموں کی نگرانی کے لئے بغداد سے سامرا گیا تھا، اس وقت واثق کو بغداد میں اپنا نائب مقرر کیا تھا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہو گا کہ معتصم نے ۲۲۳ھ میں مدینۂ سامرا کو اپنا دارالخلافہ بنایا - ۲۲۳ھ میں معتصم نے اپنی طرف سے واثق کو افشین کا استقبال کرنے بھیجا تھا جب افشین، بابک خرمی کی سرکوبی کے بعد دارالخلافہ واپس آیا تھا - شہر عموریہ کی تسخیر کے لئے بھی معتصم نے واثق ہی کو مامور کیا تھا -

معتصم نے اپنے بیٹے واثق کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا، ربیع الاول ۲۲۷ھ میں وہ تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا تھا - اپنے باپ کی طرح واثق نے بھی ترکوں پر غیر معمولی اعتماد کیا، جن کی اس دور میں بہت کثرت ہو گئی تھی، اور وہ سلطنت کے بڑے

بڑے عہدوں پر فائز تھے ، ان میں اشناس ترکی کو واثق نے قریب قریب سارے امور سلطنت سونپ دئے تھے اور اسے جواہر سے مرصع تاج پہنایا تھا ۔ ایک مشہور مؤرخ کا بیان ہے ''میرے خیال میں واثق پہلا عباسی خلیفہ تھا جس نے اپنی عنان حکومت بالکل کسی غیر کے حوالے کر دی تھی ۔ ترک اس کے باپ معتصم کے عہد میں قلمرو عباسی میں کثرت سے پھیل گئے تھے [۱] ۔''

۱ ۔ داخلی حالات :

واثق کے ابتدائی عہد خلافت میں قیسیوں نے دمشق میں بغاوت کر دی اور دمشق کے گورنر کا محاصرہ کر لیا ۔ واثق نے ان کی سرکوبی کے لئے رجاء بن ایوب کی قیادت میں ایک فوج بھیجی جس نے مرج راهط کے مقام پر انہیں شکست دی، اور ان کے پندرہ سو آدمی قتل کر دئے ، باقی لوگ جان بچا کر بھاگ گئے ، اس کے بعد وہاں پوری طرح امن و امان قائم ہو گیا [۲] ۔

واثق کے دور خلافت میں بنی سلیم اور دوسرے قبائل کے بدوؤں نے بلاد حجاز میں فتنہ و فساد برپا کیا تھا ، اور وہاں کے بازاروں کو لوٹ لیا تھا ان کی شرارتوں کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا ، راستوں پر غارت گری شروع کر دی تھی اور گورنر مدینہ منورہ کی فوج پر یورش کر دی تھی ۔ واثق نے ان کی سرکوبی کے لئے شعبان ۲۳۰ھ میں ایک ترکی جرنیل بغا کبیر کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی ، اس نے ان کے پچاس آدمی قتل کر دئے ، پچاس کو گرفتار کر لیا اور ایک ہزار انتہائی شریر قسم کے لوگوں کو مدینہ کی جیل

---

۱ ۔ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۵ ۔
۲ ۔ ابوالفداء : المختصر فی اخبار البشر : جلد ۲ صفحہ ۳۵ ۔

میں بند کر دیا ۔ اس کے بعد وہ بنی مرہ کی سرکوبی کے لئے عدن چلا گیا ، اس اثناء میں اس فسادی عنصر کو جیل سے بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے مدینہ میں شورش برپا کر دی ، لیکن مدینہ کے لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ایک ایک کو قتل کر دیا ۔ شمالی جزیرۂ عرب میں جب پوری طرح امن قائم ھوگیا تو بغا ، سامرا واپس چلا گیا ۔ بلاد حجاز کے قیام کے دوران میں بغا کو جزیرۂ عرب کے ان وسطی اور جنوبی قبائل کی سرکوبی بھی کرنا پڑی تھی جو خلافت عباسیہ کے خلاف شورشیں برپا کرتے رھتے تھے ۔

معتصم کی طرح واثق نے بھی معتزلہ کی پشت پناھی کی اور خلق قرآن کے مسئلہ میں اپنے باپ معتصم کا طرز عمل اختیار کیا اور اپنے مذھبی خیالات منوانے میں بڑی سختی سے کام لیا ، اس کی وجہ سے اھل بغداد کے دلوں میں بغاوت کے جذبات مشتعل ھوگئے اور انہوں نے واثق کے خلاف ایک خوفناک سازش کی ۔ ان کا رھنما احمد بن نصر تھا ۔ احمد بن نصر کی قیادت میں بغداد کے باشندوں نے واثق کے خلاف شدید احتجاج کیا اور اس کی معزولی کا مطالبہ کیا ۔ احمد بن نصر کے مدد گاروں کی بہت بڑی تعداد اس کے ارد گرد جمع ھوگئی اور سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا گیا اور سارے مدد گاروں کو سازش کی تاریخ سے با خبر کرنے کا طریقہ یہ تجویز کیا گیا کہ ایک رات پہلے ، دو ، آدمی بغداد کے مشرقی جانب سے اور دو آدمی مغربی جانب سے بیک وقت نقارے بجائیں گے ۔ لیکن بد قسمتی سے مغربی جانب ، جو دو آدمی اس کام پر مامور کئے گئے تھے انہوں نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی اور وہ نقارے

نہ بجا سکے اور صرف مشرق جانب سے دو آدمیوں نے نقارے بجائے۔ اس غیر منظم عمل اور افرا تفری کی وجہ سے اس سازش کا انکشاف ہوگیا، احمد بن نصر اور اس کے مدد گاروں کو گرفتار کرلیا گیا اور خلیفہ واثق کے پاس دار الخلافت سامرا بھیج دیا گیا۔ واثق نے احمد بن نصر پر اسلامی خلافت سے بغاوت کی فرد جرم قائم کرنے کے بعد ایک مناظرہ کا انتظام کیا جس میں واثق نے احمد بن نصر سے خلق قرآن کے مسئلے پر بحث کی۔ واثق نے احمد بن نصر سے پوچھا۔ احمد تم قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

احمد بن نصر: وہ خدا کا کلام ہے۔

واثق: کیا وہ مخلوق ہے؟

احمد: وہ خدا کا کلام ہے!

واثق: کیا خدا کو تم قیامت کے دن دیکھو گے؟

احمد: ۔ امیرالمومنین! احادیث رسولؐ میں آیا ہے "تم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح تم بلا رکاوٹ چاند کو دیکھتے ہو"۔ بحث کے اس مرحلہ پر واثق نے اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہوکر پوچھا، اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ قاضی عبدالرحمان بن اسحاق نے جواب دیا "اسکا خون حلال ہے، ایک رکن خلافت نے کہا، امیر المومنین اس کا خون مجھے پلائیے۔ حاضرین نے اس خیال کی پرزور تائید کی مگر قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد نے کہا اگرچہ یہ کافر ہے، مگر اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی دماغی خلل ہو یا عقل میں فتور ہو۔ قاضی القضاۃ کی بات پر معتصم واثق کوئی توجہ نہ

دی اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، جب تم دیکھو کہ میں اس کی طرف بڑھا ہوں تو تم میں سے کوئی شخص میری مدد کو نہ اٹھے۔ اسے جہنم رسید کرنے کے لئے میں جو قدم اٹھاؤں گا، اسکا مجھے اجر ملے گا۔ اسکے بعد اس نے عمرو بن معدیکرب زبیدی کی تلوار صمصامہ منگوائی (یہ ایک ایرانی جرنل تھا، جسکی تلوار کی بہت شہرت تھی، یہ تلوار هدیہ کے طور پر خلیفہ هادی کو پیش کی گئی تھی اسکے بعد سے خلفاء عباسیہ کے پاس موروثی طور پر چلی آتی تھی) اور اس سے احمد بن نصر کا سر اڑا دیا۔ اس صمصامہ سے واثق بن معتصم نے احمد بن نصر کے ایک خاص مددگار کا بھی سر اڑا دیا۔ سامرا سے واثق نے احمد بن نصر کا سر بغداد بھیج دیا اورعبرت کےلئے چند روز بغداد کے مغربی جانب اور چند روز مشرقی جانب سولی پر لٹکا رہا، اسکے کان میں ایک پرچہ لٹکا دیا گیا جس میں لکھا تھا یہ کافر مشرک گمراہ احمد بن نصر بن مالک کا سر ہے؛ اسے اللہ تعالیٰ نے عبداللہ ہارون، امام واثق باللہ امیرالمومنیں کے ہاتھوں سے قتل کرایا ہے، امام واثق نے اس وقت یہ قدم اٹھایا جب اس کافر و مشرک پر خلق قران کی حجت قائم کر دی گئی، اسے توبہ کرنے، اور حق کی طرف رجوع ہونے کا موقع دیا گیا، مگر اس نے انکار کیا اور اپنی گمراهی اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا، خدا کا شکر ہے، جس نے اسے جہنم میں ڈالنے اور شدید اور المناک عذاب میں مبتلا کرنے میں جلدی کی[1]۔

واثق کے دور خلافت میں مرکزی حکومت کی کمزوری

۱۔ طبری: جلد ۱۱ صفحات ۱۷ - ۱۸ -

کی وجہ سے صوبوں کے گورنروں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا ۔ بعض گورنروں نے کئی کئی صوبوں کا نظم و نسق سنبھال رکھا تھا ۔ مثلاً عبداللہ بن طاھر بن حسین خراسان ، طبرستان اور کرمان تینوں صوبوں پر حکومت کرتا تھا اور اشناس ترکی کو واثق نے الجزیرہ ، شام ، مصر اور بلاد مغرب کے صوبوں کا نظم و نسق سونپ رکھا تھا اور لطف یہ تھا کہ اشناس ترکی ، دارالخلافت سامرا میں بیٹھا اپنی طرف سے ان صوبوں میں لفٹیننٹ گورنر مقرر کرتا تھا ۔

واثق کی حکومت کے نظم و نسق میں ضعف و استبداد دونوں کا امتزاج تھا ۔ ایک روز واثق نے اپنے ایک ندیم سے پوچھا کہ میرے دادا ھارون الرشید نے برامکہ کو کس طرح برباد کیا تھا ؟ اس کی تفصیلی داستان سناؤ ۔ داستان سننے کے بعد جب اسے معلوم ہوا کہ ھارون نے برامکہ کی بے شمار دولت ضبط کر لی تھی تو کہنے لگا ، خدا کی قسم سچ کہا میرے دادا نے ”جو استبداد سے کام نہ لے سکے ، وہ عاجز اور ناتوان ھے“ ۔ اس واقعہ کو ابھی ایک ھفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ واثق نے اپنے سیکریٹریوں پر کسی الزام میں چودہ ھزار دینار سے لے کر دس لاکھ دینار تک جرمانہ کر دیا ۔ ان سیکریٹریوں کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی ھوگی ؟ یہ بیان کرنے کی شاید ضرورت نہیں ۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ھے کہ واثق کے عہد میں رشوت ستانی کا بازار کس قدر گرم تھا [1] ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۱ صفحات ۱۰ ۔ ۱۲ ۔

واثق کے دور خلافت میں احمد بن داؤد معتزلی اور محمد بن عبدالملک ، واثق پر اس قدر حاوی ہوگئے تھے کہ وہ ان دونوں کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا ، سچ پوچھئے تو واثق نے اپنی عنان حکومت ان دونوں کے حوالے کر دی تھی -

(ب) واثق کے اخلاق و اوصاف :

علم و ادب کے لحاظ سے واثق کا مرتبہ بہت بلند تھا علم و ادب اور فضل و کمال میں امتیازی حیثیت کی وجہ سے اسے مامون اصغر کہا جاتا ہے[1] - اسے علماء اور حکماء کے خیالات معلوم کرنے کا بہت شوق تھا ، واثق نے حنین بن اسحاق سے کہا تھا کہ ایک ایسی کتاب تالیف کی جائے جس میں غذا اور دوا کا فرق بیان کیا جائے اور مسہل اور آلات جسد کی تشریح کی جائے ، امتثال امر میں حنین بن اسحاق نے اس موضوع پر ''مسائل طبعیة'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی[2] -

واثق اپنے قصر میں مجلس مناظرہ منعقد کرتا تھا ، اس سلسلے میں وہ اپنے چچا مامون کا صحیح جانشین تھا - ایک بار واثق نے علماء سے زھد کے بارے میں سوال کیا ، علماء نے مختلف خیالات ظاھر کئے ، پھر ان سے پوچھا کہ سکندر کے جنازے پر جو مختلف حکماء اور فلاسفر جمع تھے اس وقت کس فلسفی نے سب سے اچھا جملہ کہا تھا ؟ ایک عالم نے جواب دیا : امیرالمومنین یوں تو سب ھی فلاسفروں نے پند آمیز جملے کہے تھے لیکن اس موقع پر دیو جانس کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے ، وہ سب سے زیادہ عبرت انگیز

---

۱ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۷ -

۲ - المسعودی مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ -

تھے ۔ دیو جانس نے سکندر کے جنازہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا ”سکندر زبان حال سے آج کے دن کل سے زیادہ بول رہا ھے ، آج وہ کل سے زیادہ نصیحت کر رہا ھے“ ۔ ابو العتاھیہ نے ان دو شعروں میں اسی کو بیان کیا ھے ۔

کفی حز نا بد فنک ثم انی نفضت تراب قبرک من یدیا

یہ غم بہت بڑا ھے کہ تجھے دفن کر رھے ھیں اور اپنے ھاتھوں سے تیری قبر کو مٹی دے رھے ھیں ۔

وکانت فی حیاتک لی عظات وانت الیوم اوعظ منک حیا

تو اپنی زندگی میں بھی نصیحتیں کرتا تھا ۔ لیکن زندگی سے زیادہ آج مرنے کے بعد نصیحتیں کر رہا ھے ۔

واثق بہت اچھا شاعر تھا اور شاعروں کا قدردان تھا ۔ شعراء کی کافی تعداد اس کے دور خلافت میں موجود تھی ، انہیں وہ بڑے بڑے عطایا دیا کرتا تھا ۔ ان شعراء میں ابو تمام بھی تھا ، اس کی شاعرانہ اور فلسفیانہ عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ھے کہ ابوالطیب متنبی اور ابوالعلاء معری اپنے اقوال حکیمانہ اور تمثیلات میں اس شاعر کے خوشہ چیں ھیں ۔

واثق کچھ کم چھ سال خلافت عباسیہ کے تخت حکومت پر جلوہ افروز رھا ۔ اس نے اپنا ولی عہد کسی کو نہیں مقرر کیا ، مرض الموت میں جب اس سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کردے ، اس وقت واثق نے بڑے تاسف انگیز لہجہ میں جواب دیا ، میں تمہاری ذمہ داریوں کا بار زندگی اور موت دونوں حالتوں میں نہیں اٹھا سکتا ۔

واثق نے ذی الحجہ ۲۳۲ ھ میں وفات پائی ، اس کی وفات سے عباسیوں کے سنہرے دور کا خاتمہ ہوگیا اور یہ در اصل اس کے باپ معتصم کی پالیسی کا نتیجہ تھا ، معتصم نے عربوں کو نظرانداز کردیا تھا اور ترکوں کو اپنی حکومت کے نظم و نسق بلکہ سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا - سچ پوچھئے تو عباسیوں کا عروج سے انحطاط ، اس پالیسی کا رد عمل تھا ، جو ان خلفاء نے اپنے مخصوص مذہبی خیالات کی بناء پر اس دور کے ممتاز علماء اور ارباب طریقت کے ساتھ اختیار کی تھی ، ان کے ساتھ سختیوں کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے باشندوں کے دلوں میں عباسی فرمانرواؤں کے خلاف نفرت اور غیظ و غضب کے جذبات بھڑک اٹھے تھے ، جس کی وجہ سے مرکزی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہوگئی تھیں -

باب سوم

سیاسی اور مذہبی تحریکیں

مختلف سیاسی فرقوں کی حالت ـــ دولت عباسیہ کے قیام کے بعد :

(الف) اسویوں کو لرزہ خیز سزائیں :

سفاح نے اسویوں کی شکست کے بعد، اسوی خاندان کے افراد اور انکے مددگاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ اس جوش انتقام میں اس پرانی عداوت کا بھی بہت بڑا دخل تھا، جو ھاشمیوں اور اسویوں کے درمیان عہد جاھلیت سے چلی آتی تھی۔ اسلام کے بعد یہ عداوت کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی، شعراء اور سلطنت کے ابن الوقت عناصر نے اس آگ پر اور تیل چھڑکا تھا۔ بنی امیہ نے اپنے دور حکومت میں اھل بیت پر جو سختیاں کی تھیں، وہ اس مجنونانہ انتقام کے لئے سہمیز کی حیثیت رکھتی تھیں۔

سؤرخین کا بیان ہے کہ عباسیوں نے اسویوں سے امام ابراھیم کا بڑا خوفناک انتقام لیا تھا، جو آخری اسوی خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں، حران کے مقام پر قتل کئے گئے تھے۔ ان کے بدلے اسوی خاندان کے تقریباً تین سو افراد سفاح کے چچا محمد بن علی نے قتل کئے۔ ان میں ابراھیم بن ولید بن عبدالملک، یزید ثانی کا بھائی بھی شامل تھا۔ یہ جمادی الاخری ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے، اس

کے بعد عبداللہ بن علی نے یزید بن معاویہ بن عبدالملک اور عبدالجبار بن یزید بن عبدالملک کو گرفتار کیا اور انہیں ابوالعباس سفاح کے پاس بھیجدیا ، جس نے ان دونوں کو قتل کرا دیا اور عبرت کے لئے انکی لاشیں سولی پر لٹکا دیں ۔

فلسطین میں دریائے ابی فطرس پر عبداللہ بن علی نے بنی امیہ کی بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ سلیمان بن یزید بن عبدالملک بلقاء میں قتل کیا گیا اور اسکا سر عبداللہ بن علی کے پاس لایا گیا ۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کو بھی عبداللہ بن علی نے قتل کیا تھا ۔

مروان بن محمد کا سر ، جب سفاح کے سامنے لایا گیا تو وہ جوش مسرت میں سجدے میں گر پڑا اور دیر تک سجدے میں پڑا رہا ، پھر سر اٹھا کر کہا ۔ ”خدا کا شکر ہے میں نے تجھ سے اور تیرے خاندان سے پوری طرح انتقام لے لیا۔ خدا نے مجھے تیرے مقابلے میں کامیابی دی اور میرا تسلط قائم کیا ۔ اب مجھے اپنی موت کا کوئی غم نہیں ہے جب چاہے وہ آسکتی ہے ۔ میں حسینؓ اور ان کے عزیزوں کے بدلے دو سو اموی افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں ۔ اپنے چچا زاد بھائی زید بن علی کے بدلے ہشام کی ہڈیاں تک جلا چکا ہوں اور اپنے بھائی ابراھیم کے بدلے ، مروان کا سر اپنے سامنے پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں “۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امویوں کے اقبال کا ستارہ ڈوب جانے کے بعد، عباسیوں کا جذبۂ انتقام مشتعل کرنے میں ملک کے شعراء اور اور مفاد پرست عناصر کا بہت کچھ دخل تھا ، ایک دن سفاح دربار خلافت میں بیٹھا تھا ، اس کے پاس ہشام بن

عبدالملک بھی بیٹھے تھے ، جن سے وہ بڑی عزت اور احترام سے پیش آیا تھا ۔ سوء اتفاق سے اس زمانے کا ممتاز شاعر سدیف دربار میں حاضر ھوا اور اس نے چند اشتعال انگیز اشعار بنی امیہ کی مذمت میں سنائے ۔ سلیمان کا ماتھا ٹھنکا اور انہوں نے بڑے تاسف سے سدیف کی طرف مخاطب ھو کر کہا ۔ '' تم نے میری موت کو آواز دی ھے '' ۔

سلیمان کا اندیشہ ٹھیک نکلا ، اشعار سن کر سفاح کے تیور بدل گئے اور اس نے سلیمان کو گدی سے پکڑا اور تلوار کی ایک ھی ضرب سے اسے زندگی کی قید سے آزاد کردیا ۔ ایک دن سفاح کے پاس ایک اور شاعر حاضر ھوا ، اس وقت کھانے کا وقت تھا اور اموی خاندان کے تقریباً ستر افراد سفاح کے پاس بیٹھے تھے ، اس موقع پر اس شاعر نے کچھ اشعار پڑھے ، جن میں اموی حکمرانوں کے جبر و استبداد کا بڑے مبالغہ سے تذکرہ کیا گیا تھا ، جو اھل بیت کے ساتھ کئے گئے تھے ، یہ سن کر سفاح کے تحت‌الشعور میں ابراھیم امام کے قتل کا ماتم انگیز واقعہ تازہ ھوگیا اور اس نے بنی امیہ کے ان افراد کے ، جو اس وقت موجود تھے ، اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ نیم جان ھو کر گر پڑے پھر ان کے نیم جان جسموں پر دسترخوان بچھوایا اور سرور و انبساط کے ساتھ کھانا کھانا شروع کیا ۔ ان نیم جان افراد کی دردانگیز کراھیں اس کے چہرے کی بشاشت کو اجاگر کر رھی تھیں ، اسی حالت میں ان سب بدنصیبوں نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی ۔

عباسیوں نے بنی امیہ کو لرزا خیز سزائیں دینے میں بہیمیت کی انتہا کردی تھی اور امویوں کا رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال

کا خاتمہ کر دینے کا بیڑا اٹھایا تھا ، سفاح کے بھائی اور چچاؤں نے بصرہ، کوفہ ، اور شام میں اموی خاندان کا استیصال کیا ، امیر معاویہ رض کی قبر کو کھودا اس میں کمزور دھاگے کے نشانات کے سوا کچھ نہ نکلا ، یزید بن معاویہ کی قبر کھودی ، اس میں لکڑیوں کی راکھ کے سوا کچھ نہ تھا ۔ جب ابوالعباس سفاح ، بنی امیہ کے ممتاز افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا اور ان کا سارا مال و دولت ضبط کر لیا اور پوری طرح یقین ہوگیا کہ اب دولت عباسیہ کو امویوں سے کوئی اندیشہ نہیں ہے ، اس وقت اس نے اطمینان کا سانس لیا ۔

لیکن عباسیوں کے دلوں میں امویوں سے انتقام کا جو بے پناہ جذبہ موجود تھا وہ سفاح کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا ، بلکہ اس کا مظاہرہ عباسیوں کے پورے دور عروج میں برابر کیا جاتا رہا ، خلیفہ ھادی کے ایک خاص امیر عیسیٰ بن داب کا بیان ہے کہ ایک روز ھادی نے مجھے رات کے وقت بلوایا ، یہ پہلا اتفاق تھا کہ ھادی نے مجھے رات کے وقت بلوایا تھا ورنہ رات کے وقت بلوانا اس کے معمول کے خلاف تھا ۔ میں ھادی کی خدمت میں حاضر ہوا ، اس وقت وہ چھوٹے سے ایک کمرہ میں بیٹھا تھا ۔ مجھے دیکھ کر بولا ، عیسیٰ! میں نے جواب دیا ، امیرالمومنین ارشاد ! ھادی نے کہا آج رات مجھے نیند نہیں آرہی ہے خیالات اور غم و الم کا ایک ہجوم سا ہے جو مجھے سونے نہیں دے رہا ہے، بنی امیہ ، بنی حرب اور بنی مروان نے ہمارے خاندان کے افراد کی جو خونریزی کی ہے اسے سوچ سوچ کر اس وقت میرا خون کھول رہا ہے ۔ میں نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین ، اس تصور سے آپ کو سکون ہونا چاہئے کہ عبداللہ بن علی نے دریائے ابی فطرس پر اموی خاندان کے فلاں

فلاں ممتاز فرد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، اس کے بعد میں نے ان سب کے نام گنوائے پھر میں نے اسے یاد دلایا کہ جس وقت عبداللہ بن علی امویوں کو دریائے ابی فطرس پر موت کے گھاٹ اتار رہا تھا، اسی وقت عبدالصمد بن علی حجاز میں، بنی امیہ کے قتل عام میں مصروف تھا، یہ باتیں سن کر ھادی کے چہرے پر بشاشت اور انبساط کے آثار نمایاں ہوگئے[1]۔

بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان شدید رقیبانہ کشمکش عہد جاہلیت سے لے کر عباسیوں کے دور تک برابر قائم رہی۔ مامون اس سلسلے میں اپنے پیش رو عباسی خلفاء سے بھی آگے تھا، اس نے حکم دے دیا تھا کہ پوری قلمرو عباسی میں مسجدوں کے منبروں پر بنی امیہ پر لعن طعن اور سب وشتم کیا جائے۔ مسعودی کے الفاظ میں، "پوری عباسی سلطنت میں سرکلر جاری کئے گئے کہ منبروں پر بنی امیہ پر لعنت بھیجی جائے"۔

عباسیوں کا جذبۂ انتقام، اموی خاندان کے افراد اور ان کے مددگاروں کو لرزہ خیز سزاؤں تک محدود نہ رہا، بلکہ اس کا دامن مرحوم اموی خلفاء تک وسیع تھا۔ عباسیوں نے اموی خلفاء کی قبریں کھدوائیں اور ان کی بےحرمتی کی۔ عباسی خلفاء نے منبروں پر امویوں پر لعنت بھیجنے کا حکم جاری کیا، عربوں پر عجمیوں کو ترجیح دی، ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے دلوں میں عباسیوں سے نفرت پیدا ہوگئی اور وہ عباسیوں اور عجمیوں کے خلاف سازشوں

۱۔ مروج الذہب: جلد ۲ صفحہ ۲۵۸۔

میں مصروف ہوگئے۔ ان کی خود داری کو اس سے بہت ٹھیس پہونچی تھی کہ عباسیوں نے ان پر عجمیوں کو ترجیح دی، انہیں اپنا پشت‌پناہ بنایا، ان سے غیر معمولی دوستی اور خلوص کا برتاؤ کیا اور عجمی گورنروں پر حد درجہ اعتماد کیا۔ عباسیوں کی اس پالیسی کا رد عمل یہ ہوا کہ اسلامی ممالک میں شورشیں اور بغاوتیں پھیل گئیں[1]۔

(ب) ایرانیوں کی طرف عباسیوں کا رجحان۔ بڑے بڑے فوجی اور سول عہدوں پر ان کا تقرر، ایرانیوں میں اقتدار کی ہوس اور آل علیؓ کے لئے از سر نو پروپیگنڈا:

اسلام کی اساس سارے مسلمانوں میں مساوات کے اصول پر رکھی گئی تھی اور عرب اور غیر عرب مسلمانوں میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا گیا تھا۔ مساوات کا یہ اصول قرآن و حریت کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے "ایک عرب مسلمان کو کسی غیر عرب مسلمان پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے" اور قرآن کا فرمان ہے "خدا کے نزدیک تم میں زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے"۔ "سارے مسلمان حقیقی بھائیوں کی طرح ہیں۔ اگر ان میں کوئی نزاع ہو جائے تو صلح کرا دو"۔ لیکن مساوات کی اس تعلیم کے باوجود واقعہ یہ تھا کہ خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے دور میں سیاسی اقتدار اور مسلمانوں کی زمام حکومت صرف عرب مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی تھی،

۱۔ مسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۴۲۔

یہاں تک کہ وہ شورش اٹھی، جس نے بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور ایرانیوں خصوصاً خراسانیوں کی پشت پناھی سے خلافت عباسیہ معرض وجود میں آئی، اس صورت حالات میں ایرانی مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ اپنا سیاسی اقتدار بڑھائیں اور حکومت پر تسلط قائم کرنے کیلئے میدان ھموار کریں - ایرانیوں کی طرف عباسیوں کے شدید رجحان اور بڑے بڑے فوجی اور سول عہدوں پر ان کے تقرر نے ایرانیوں کیلئے سازگار ماحول پیدا کر دیا - قیام سلطنت کے بعد، بنی امیہ کے ساتھ عباسیوں کا لرزہ خیز برتاؤ اور ان کا قتل عام، سچ پوچھئے تو یہ نہ صرف بنی امیہ کا قلع قمع تھا بلکہ سیاسی لحاظ سے پوری عرب قوم کے وقار اور دبدبہ و جلال کی موت تھی، اس پالیسی سے ایرانیوں کے دلوں سے عربوں کی ہیبت نکل گئی اور ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے - اب ایرانیوں کا مطمح نظر حکومت پر قبضہ کرنا تھا -

خلافت عباسیہ، اسلام کے نام پر قائم کی گئی تھی عباسیوں نے اپنی سلطنت کے قیام کیلئے عوام میں یہ شعور پیدا کیا تھا کہ وہ بنی امیہ سے آل محمد کو مسلمانوں کی امارت واپس دلانا چاھتے ھیں ؛ جنھوں نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ھے لیکن اس مقصد کیلئے عباسی خاندان سے ائمہ منتخب کئے گئے اور انہیں کوفہ اور خراسان بھیجا گیا جو اس وقت شیعیت کا گہوارہ تھے - نو مسلم ایرانیوں میں شیعی معتقدات کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت موجود تھی، کیونکہ وہ خلافت اور مملکت میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے اسی لئے وہ اس پروپیگنڈے سے خاص طور پر متاثر ھوئے اور انہوں نے علویوں کی پشت پناھی کی - بلاد فارس ، زمانہ قدیم سے ایک مہتم باالشان تاریخ کے

حامل تھے اور ظہور اسلام سے قبل بعض بلاد عرب پر ایرانی شہنشاہوں کی حکومت تھی - ان عوامل کی وجہ سے ان کے تحت الشعور میں اپنی برتری اور عربوں کی حقارت کے جذبات موجود تھے - آل محمدؐ کی امارت کے لئے جد و جہد اور ان کی پشت پناہی سے انہیں یہ توقع تھی کہ وہ بنی امیہ کی حکومت سے ، بہ الفاظ دیگر، عربوں کی حکومت سے آزاد ہو سکیں گے اور زمانہ قدیم میں انہیں جو نفوذ و اقتدار حاصل تھا، وہ کچھ نہ کچھ پھر حاصل ہو سکے گا - اس خیال سے ایرانیوں نے اس نئی حکومت کے قیام کیلئے جد و جہد میں پوری طرح حصہ لیا، ان کا نصب العین یہ تھا کہ اس طرح اس نئی حکومت میں ان کا زبردست اثر اور ایک مستحکم آواز ہو گی - یہ سیاسی اور تہذیبی پس منظر تھا ، جس نے تھوڑے ھی عرصے میں بنی امیہ اور بنی عباس کی کشمکش کو عربوں اور ایرانیوں کے حریفانہ مقابلے میں تبدیل کر دیا -

اس حریفانہ کشمکش میں عربوں کا پلہ برابر جھکتا رہا ، یہاں تک کہ امین اور مامون کے درمیان خلافت کیلئے جنگ چھڑ گئی - یہ جنگ ایک طرف امین اور مامون کے درمیان جنگ تھی ، دوسری طرف عربوں اور ایرانیوں کا رقیبانہ مقابلہ تھا اور امین پر مامون کی فتح، سچ پوچھئے تو عربوں پر ایرانیوں کی فتح تھی - اس شکست سے عربوں کے اقتدار کا ستارا ڈوب گیا ، جو پھر کبھی نہ ابھر سکا -

قیام سلطنت میں ایرانیوں کی جد و جہد اور پشت پناھی سے عباسی خلفاء بہت متاثر تھے اس لئے، وہ ان کی نوازشوں کے

مرکز تھے، عباسیوں کے ایرانیوں کی طرف شدید رجحان اور ان کے ساتھ غیر معمولی مراعات کا طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت عباسیہ کا نظم و نسق حکومت، ساسانی شہنشاہوں کے نظام حکومت میں ڈھل گیا - پامر اپنی کتاب ''ہارون رشید'' میں لکھتے ھیں ''عباسیوں نے اپنی سلطنت کے قیام و استحکام کے لئے ایرانیوں کا اثر و نفود بہت بڑھا دیا تھا - اس کا قدرتی نتیجہ تھا کہ ایرانیوں کے سیاسی نظریات اور اصول حکومت، خلافت عباسیہ کے نظم و نسق پر غالب تھے- چنانچہ ایک ایرانی النسل وزیر، حکومت کا سربراہ ھوتا تھا اور خلافت کے نظم ونسق میں چند ایسے نظرے اور اصول حکومت داخل ہوگئے تھے جو ساسانی شہنشاہوں کے دور کی مابہ الامتیاز خصوصیات تھے[1]''-

عباسی خلفاء نے خراسانیوں کو اپنا باڈی گارڈ مقرر کیا تھا کیونکہ انہیں خراسانیوں کی وفاداری اور خلوص پر پورا اعتماد تھا، ان خراسانیوں کے بل بوتے پر ان خلفاء نے بڑے جبر و استبداد سے کام لیا - جس کی وجہ سے عوام کے دل و دماغ پر ان کی ہیبت بیٹھ گئی، یہ حکمت عملی دراصل ساسانی شہنشاھوں کی پالیسی کا چربہ تھی، عباسی خلفاء کی سیاسی پالیسی سے ایرانی فیشن، طرز بود و باش اور معاشرتی اصول ساری اسلامی قلمرو میں پھیل گئے تھے - عباسی خلفاء بھی عوام سے نہیں ملتے تھے - ان کے وزیر، حاجب اور سیکریٹری مقرر تھے، اس کے علاوہ جاہ و جلال اور ہیبت و دبدبہ کے وہ سارے طریقے اختیار کئے تھے، جو قدیم ایرانی اور رومی شہنشاھوں کی امتیازی خصوصیات تھے رومی فرماں رواؤں

1. Palmer : Haroon-Al-Rashid (London 1881) Page 37—38.

کی طرح عباسی خلفاء کے دربار میں بھی قلمرو کے ممتاز افراد کے سوا اور کسی کی رسائی ممکن نہ تھی - ایرانیوں کے ساتھ عباسیوں کی غیر معمولی مراعات ایک قدرتی امر تھا کیونکہ انہیں کے دوش پر خلافت عباسیہ کی عمارت کھڑی ہوئی تھی -

ایرانیوں نے عباسیوں کے حریف ، بنی امیہ سے بڑا سخت مقابلہ کیا تھا ، عباسیوں پر ایرانیوں کی ان خدمات کا بہت گہرا اثر تھا - دوسری طرف بنی امیہ سے عباسیوں کو بے پناہ نفرت تھی ، اس نفرت کا اندازہ داؤد بن علی اور ابو جعفر منصور اور خانوادہ عباسی کی دوسری ممتاز شخصیتوں کے خطبات سے کیا جاسکتا ہے - ان خطبات میں ایرانیوں کے بے شمار محاسن اور اوصاف بیان کئے گئے اور انہوں نے عباسیوں کی خلافت کے لئے جو جد و جہد اور قربانیاں کی تھیں ، انہیں بے حد سرا ھا گیا - ان خطبات میں بنی امیہ کی برائیاں گن گن کر بیان کی گئی ھیں اور انہیں شدید تہدید کی گئی ھے ، خراسانیوں کے احسانات کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ھے - خراسانیوں نے عباسی خلافت کی تاسیس کے لئے جو جانی اور مالی قربانیاں دی تھیں ان کا پورا اعتراف کیا گیا اور خانوادۂ عباسی کو ان پر بے دریغ نوازشوں کے لئے ھدائت کی گئی ، داؤد بن علی نے اپنے ایک خطبہ میں کہا ''اے کوفہ والو ! ھم جبر و استبداد کی آما جگاہ اور اپنے حقوق سے محروم تھے ، یہاں تک کہ خدا نے خراسانیوں کو ھماری مدد کے لئے کھڑا کر دیا اور ان کی مدد سے ھمیں اپنے حقوق واپس مل گئے اور ھمارا مشن کامیاب ھوا یعنی ان کی پشت پناھی سے ھماری سلطنت قائم ھوئی'' ابو جعفر منصور نے اپنے ایک خطبہ میں کہا - ''اے اھل خراسان ! تم ھمارے ساتھی اور مدد گار ھو ، تم نے

ہماری آواز پر لبیک کہا تھا [1] یہ احسان ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے''۔

منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو خراسانیوں کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں خراسانیوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے ساتھی اور مدد گار ہیں، انہوں نے ہماری سلطنت کے قیام کے لئے بہت بھاری جانی اور مالی قربانیاں دی ہیں۔ جب تک ان کے دل، تمہاری محبت اور وفاداری سے خالی نہ ہوں، اس وقت تک برابر ان کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو، ان کی فرو گذاشتوں سے در گزر کرو اور ان کے احسانات کی تلافی کی پوری کوشش کرو، ان میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں، ان کے منصب اور جاگیر کا وارث انہیں کی اولاد کو بناؤ [2] ''۔

ایرانیوں کی طرف، عباسیوں کے شدید میلان کا اندازہ، ابو جعفر منصور کے اس خطبہ سے بھی کیا جاسکتا ہے، جو اس نے عبداللہ بن حسن علوی کی گرفتاری کے بعد اہل خراسان کے سامنے دیا تھا۔ اس خطبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے سینے، علویوں، ان کے مدد گاروں اور بنی امیہ کی عداوت اور نفرت سے کسقدر معمور تھے۔ اس خطبے میں منصور نے ایرانیوں کی خدمات کو بے حد سراہا اپنی سلطنت کی توسیع اور استحکام میں ان پر غیر معمولی اعتماد کا اظہار کیا۔

منصور نے عبداللہ بن حسن اور ان کے کنبے کو گرفتار

۱۔ طبری: جلد ۹ صفحہ ۱۲۷۔
۲۔ طبری: جلد ۹ صفحہ ۲۲۹۔

کرنے کے بعد مدینہ ہاشمیہ میں منبر پر کھڑے ہو کر جو خطبہ دیا ، اس میں کہا - ''اے اہل خراسان ! تم ہمارے مدد گار ہو ، تم نے ہماری آواز پر لبیک کہا ، اگر تم ہمیں چھوڑ کر کسی اور کی بیعت کرتے تو بہت کم درجہ لوگوں سے بیعت کرتے ، علیؓ بن ابی طالب کی اولاد اور ان کی خلافت سے ہم نے کوئی تعرض نہیں کیا ، بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور چھوٹے بڑے کسی معاملہ میں دخل نہ دیا ، علیؓ ابن طالب خلافت کے لئے کھڑے ہوئے لیکن وہ اپنے دور خلافت میں کامیاب نہ رہے اور ان میں اور معاویہؓ میں خلافت کے تصفیہ کے لئے دو ثالثوں (ابو موسیٰؒ اشعری اور عمرو بن عاصؓ) کے تقرر کی نوبت آئی ، ثالثوں کے فیصلہ کو علیؓ بن طالب نے تسلیم نہ کیا ، ان کے اس رویہ سے ملت اسلامیہ میں انتشار پیدا ہوگیا اور مسلمانوں کا اجتماعی شیرازہ بکھر گیا اور انہیں کے مدد گار اور حامی ان سے برگشتہ ہوگئے اور انہیں ایک دن شہید کر دیا - علیؓ ابن ابی طالب کی شہادت کے بعد حسنؓ بن علیؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا ، لیکن ان میں حکومت کی کوئی خاص صلاحیت نہ تھی - معاویہؓ نے ان کے سامنے مال و زر پیش کیا ، انہوں نے اسے قبول کر لیا - معاویہؓ نے اپنے بعد انہیں ولی عہد مقرر کرنے کا وعدہ کیا ، وہ رضا مند ہوگئے اور معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوگئے اور نشانات خلافت ان کے حوالے کر دئے ، جب حسنؓ بن علیؓ کا انتقال ہوگیا تو حسینؓ بن علیؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا - عراق اور کوفہ کے باشندوں نے انہیں آمادہ کیا ، پھر انہیں نے ان سے غداری کی اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دیا - انجام کار وہ شہید کر دئے گئے - حسینؓ ابن علیؓ

کے بعد کوفیوں نے زید بن علی کو خلافت کے لئے آمادہ کیا اور ان کی پشت پناھی کا وعدہ کیا، لیکن پھر انہیں کوفیوں نے انہیں دشمنوں کے سپرد کر دیا۔ میرے والد، محمد بن علی نے زید بن علی سے کہا تھا۔ "خدا کے لئے تم کوفہ نہ جاؤ اور کوفیوں کے وعدوں پر مطلق اعتماد نہ کرو کیونکہ مجھے اپنے علم سے معلوم ہوا ھے کہ ھمارے خاندان کا ایک فرد کناسہ میں سولی پر لٹکا یا جائے گا، مجھے اندیشہ ھے کہ وہ فرد کہیں تم ھی نہ ہو" اسی طرح میرے چچا داؤد نے بھی زید بن علی کو بہت روکا تھا، انہیں کوفیوں کی غداریوں کو یاد دلایا تھا، لیکن انہوں نے ان کا بھی کہنا نہ مانا، آخر کار وھی ھوا جس کا اندیشہ تھا، وہ کناسہ میں شہید کئے گئے اور انہیں سولی پر لٹکایا گیا، اس کے بعد بنی امیہ ھمارے درپے آزار ھوگئے اور ھمارے شرف و اعزاز کو مٹانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، حالانکہ ھم نے ان کا کچھ نہ بگاڑا تھا۔ ھم بے قصور تھے لیکن انہیں ھم سے خدائی بیر تھا۔ انہوں نے ھمیں در بدر کیا، ھم مارے مارے پھرتے رھے، کبھی طائف پہونچے وھاں پناہ نہ ملی تو شام کا راستہ لیا وھاں بھی اپنے آپ کو محفوظ نہ پایا تو شراۃ کی طرف نکل کھڑے ھوئے، یہاں تک کہ خدا نے ھمارے مدد گار اور حامی پیدا کر دئے، یعنی تم لوگوں کی مدد سے خدا نے ھمارے شرف و اعزاز کو نشاۃ ثانیہ بخشی، ھمارے حقوق ھمیں مل گئے، اور آنحضرت ؐ کی میراث کے ھم وارث ھوگئے، حق، بحقدار رسید۔ خدا نے اپنی روشنی کا ستارہ بلند کیا اور اپنے اطاعتمندوں کو شرف و اعزاز بخشا اور ظالموں کی

جڑ کاٹ دی [1] ۔

اجمالی طور پر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ایرانی، عباسیوں کی بے پناہ عنایات کا مرکز تھے، عربوں کے مقابلے میں انہیں ہر معاملے میں ترجیح دی گئی تھی، بڑے بڑے سول اور فوجی عہدوں پر انہیں ساسور کیا گیا تھا ۔ ساسانی نظام حکومت میں، خلافت عباسیہ کے نظم و نسق کو تبدیل کر دیا گیا تھا ۔ عباسی خلفائے ساسانی شہنشاھوں کے ھیبت و جلال کے سارے طریقے اختیار کئے تھے ۔ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی، ایرانی معاشرت میں ڈھال دی گئی تھی ۔ اور موسمی جشنوں اور عیدین کی تقریبات کے موقعوں پر ایرانی رسم و رواج کی تقلید کی گئی تھی ۔ ان تمام مراعات اور تقلید کے باوجود، ایرانی عباسیوں کی حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے اور خلافت عباسیہ علویوں میں منتقل کرنے کی سازشوں میں منہمک ہو گئے، یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ علویوں کی طرف ایرانیوں کا رجحان حضرت امام حسین رضؓ کے زمانہ سے چلا آتا تھا ، اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس ساز گار ماحول میں ایرانی علویوں کی مدد پر آمادہ تھے ۔ ایرانیوں کا اعتقاد تھا کہ مسلمانوں کے تاج و تخت کے حقیقی وارث علوی ھیں، ان کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ علوی، اپنی ماں حضرت شہر بانو کی طرف سے آل ساسان کے تخت و تاج کے وارث ھیں، جو آخری ساسانی شہنشاہ یزدجر ثالث کی صاحبزادی تھیں اور آنحضرت صلعم سے نسبی تعلق کی وجہ سے وھی حقیقی مذھبی پیشوا ھیں ۔ یہ نظریہ ان کے قدیم معتقدات سے بھی ہم آھنگ تھا، کیونکہ وہ اپنے

---

۱ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحات ۱۴۱-۱۴۲ ۔

سلاطین کو تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں دنیا میں ظل الٰہی سمجھتے تھے ، دوسرے لفظوں میں ان ایرانیوں کا اعتقاد یہ تھا کہ علوی، خصوصاً حضرت امام حسین رض کی اولاد، نبوت اور سلطنت دونوں کے حق کی حامل ہے، کیونکہ ان کا حسب و نسب آنحضرت صلعم اور آل ساسان دونوں سے جا ملتا ہے ۔ اس بحث و نظر سے ان محرکات کی وضاحت ہو جاتی ہے، جن کی وجہ سے ایرانی، علویوں کی طرف مائل تھے اور خلافت، عباسیوں سے لے کر علویوں کی طرف منتقل کرنا چاہتے تھے ۔ اس مقصد کے لئے ایرانیوں کے ایک ممتاز رہنما ابو سلمه خلال نے خاص طور پر جد و جہد سے کام لیا تھا ۔

اس ممتاز رہنما کا نام حفص بن سلیمان تھا اور کنیت ابو سلمه خلال تھی ۔ یہ بنی حارث بن کعب کا آزاد کردہ غلام تھا ، کوفه کے متمول افراد میں اس کا شمار تھا، شرافت اور جود و سخا میں مشہور تھا، دعوت عباسیه کے لئے اس نے بے دریغ دولت صرف کی تھی ۔ فصیح وبلیغ تھا، دور جاہلیت کے بے شمار اشعار اسے یاد تھے۔ قدیم شخصیتوں کے حالات کا بہت بڑا ماہر تھا، بحث و مناظرہ اور واقعات کی تعبیر میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا ۔ اپنے خسر بکیر بن ماھان (امام ابراھیم کے سیکریٹری) کے واسطے سے دعوت عباسیه سے وابستہ ہوا ۔ بکیربن ماھان نے مرتے وقت امام ابراھیم کو وصیت کی تھی کہ میری جگہ ابوسلمه خلال کو دعوت عباسیه کی نشر و اشاعت کے لئے مامور کیا جائے، بکیر بن ماھان کی موت کے بعد امام ابراھیم نے ایک خط کے ذریعه ابو سلمه خلال کو ابن ماھان کا جانشین مقرر کر دیا، ابو سلمه خلال نے دعوت عباسیه پھیلانے کے لئے پورے خلوص سے کام کیا اور دولت عباسیه کے قیام کے لئے جد و جہد میں کوئی دقیقه اٹھا نه رکھا ۔ مؤرخین کا اس پر

اتفاق ہے کہ جب عباسیوں کے حالات سازگار ہو گئے اور ان کی حکومت مستحکم ہو گئی، اس وقت ابو سلمہ خلال کی جد و جہد کا رخ بدل گیا اور اس نے عباسیوں سے علویوں میں خلافت منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور علویوں کے ایک مددگار کے ذریعہ امام جعفر صادقؒ ۱ کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا اور نامہ بر کو ہدایت کی ''اگر امام جعفر صادقؒ اس خط کا جواب دے دیں تو میں نے جو خطوط عبداللہ المحض (بن حسن بن حسن بن علی) اور عمر اشرف بن علی زین العابدین کے نام دئے ہیں وہ ضائع کر دینا۔ اور اگر وہ جواب نہ دیں تو پھر عبداللہ المحض کے نام جو میرا خط ہے وہ انہیں دے دینا، اگر عبداللہ المحض خط کا جواب دے دیں تو اشرف کے نام کا خط پھاڑ دینا اور اگر وہ جواب نہ دیں تو پھر عمر اشرف کے نام کا خط انہیں پہونچا دینا، ابو سلمہ خلال کا قاصد جب خط لے کر امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں پہونچا تو انہوں نے اس خط کو کوئی اہمیت نہیں دی اور علویوں کے مدد گار، اس خراسانی نامہ بر کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ خط پڑھ کر اتنا فرمایا۔ ''مجھے ابو سلمہ سے کیا تعلق وہ میرے حریفوں کا مدد گار ہے'' اور خط چراغ کی لو پر رکھ دیا، جو جل کر خاکستر ہو گیا۔ قاصد نے ابو سلمہ خلال کے خط کا جواب دینے کی درخواست کی تو امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ ''جواب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا''۔

اس کے بعد ابو سلمہ کا قاصد، عبداللہ المحض کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابو سلمہ کا خط دیا وہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے

۱۔ بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین ابن علی۔

اور دوسرے دن صبح کو امام جعفرصادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا - ''ابو سلمہ کا یہ خط آیا ہے جس میں منصب خلافت کی پیش کش کی گئی ہے اور یہ خط ہمارے ایک خراسانی مددگار کے ہاتھ بھیجا ہے ، امام جعفر صادقؒ نے اس بات کا جو جواب دیا وہ میرے اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ اس وقت کم سے کم ایرانیوں کی اکثریت علویوں کی مددگار نہ تھی ، امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ''اهل خراسان کب سے تمہارے مددگار ہو گئے ؟ کیا خراسانیوں میں تم ابومسلم خراسانی سے ملے ہو ؟ کیا تم اپنے مددگاروں میں سے کسی ایک کے بھی نام اور صورت سے آشنا ہو ؟ اگر نہیں تو وہ لوگ تمہارے مددگار کیسے ہوسکتے ہیں ، جنہیں نہ تم پہچانتے ہو اور نہ وہ تمہیں پہچانتے ہیں -یہ الفاظ اس شخصیت کے ہیں جو اس وقت علویوں کی سب سے ممتاز شخصیت تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علویوں کے ممتاز افراد کو اس وقت اپنے مددگاروں پر کچھ زیادہ اعتماد نہ تھا ، دراصل عبداللہ المحض نے ابو سلمہ کا خط پڑھ کر اس پر پورا اعتماد نہیں کرلیا تھا ، اسی لئے وہ امام جعفرصادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان سے گفتگو کے بعد ابو سلمہ کے خط کو کوئی اہمیت نہ دی - عمر اشرف کے پاس جب ابوسلمہ کا قاصد پہنچا تو انہوں نے خط واپس کرتے ہوئے کہا - ''میں لکھنے والے کو ہی نہیں جانتا جواب کیا دوں[۱] - ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علویوں کو کوئی خاص قوت حاصل نہ تھی اور نہ ان کے اتنے زیادہ مددگار تھے جو ان کی خلافت کے لئے میدان ہموار کریں اور انہیں خلافت کے منصب پر متمکن کرسکیں ، یہی وجہ تھی کہ علویوں نے اس وقت اس کے سوا

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۳۷ - ۱۳۹ -

کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ خاموش بیٹھے ہوئے حالات کا جائزہ لیتے رہیں اور جب حالات سازگار دیکھیں ، اس وقت اٹھ کھڑے ہوں اور تلواریں نیام سے باھر نکالیں اور خلافت حاصل کرنے کے لئے عملی جد و جہد سے کام لیں ، اسی لئے علویوں کی ان ممتاز شخصیتوں نے اس وقت ابو سلمہ کی مدد کو در خور اعتنا خیال نہ کیا ، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے لئے ابھی حالات سازگار نہیں ھیں ۔

علویوں کی یہ بے اعتنائی ابو سلمہ خلال کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی ، سفاح کو پتہ چل گیا کہ ابو سلمہ خلال خلافت عباسیہ کے خلاف سازشیں کر رھا ھے ، اس نے ابو سلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

مؤرخین کا بیان ھے کہ بیعت خلافت کے بعد سفاح کو بادل ناخواستہ ابو سلمہ کو وزیر بنانا پڑا حالانکہ وہ ابو سلمہ سے سخت نفرت کرتا تھا ، مجبوری یہ تھی کہ خراسانیوں میں ابوسلمہ کو بہت بڑا مقام حاصل تھا اور اس وقت خراسانی ، عباسیوں کی ریڑھ کی ھڈی تھے اور بیک جنبش عباسیوں کی بساط خلافت الٹ سکتے تھے۔ ابو سلمہ کو وزیر آل محمد کا لقب دیا گیا لیکن سفاح نے یہ سب کچھ مصلحت وقت کی بنا پر کیا، اس کا بس چلتا تو وہ ابو سلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیتا لیکن اس میں اسے اپنی جان کا خطرہ تھا، اھل خراسان اس کے قصاص کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے اور دولت عباسیہ میں ایک زلزلہ پیدا کردیتے۔ معاملہ کے سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس سنگ گراں کو راستے سے ھٹانے کے لئے ابومسلم خراسانی سے کام لیا گیا، سفاح نے اپنے بھائی منصور کو ایک خط لکھا، جس میں اسے بتایا کہ ابوسلمہ ، خلافت عباسیہ علویوں میں منتقل کرنے

کی سازشیں کر رہا ہے، تمہیں اس کی تادیب پر مامور کیا جاتا ہے، خط کا مقصد یہ تھا کہ منصور کسی طرح ابو سلمہ کا خاتمہ کردے۔ منصور نے خط کا مدعا سمجھ لیا اور اس نے بڑی حکمت عملی سے ابومسلم خراسانی کے ذریعہ یہ کام سر انجام دیا، ابومسلم خراسانی نے چند خراسانیوں کے ذریعہ ابو سلمہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح سفاح کو ابو سلمہ اور اسکی خوفناک سازشوں سے نجات حاصل ہوئی اور ابو مسلم خراسانی کی ترقی کے راستے سے، ایک بہت بڑا پتھر ہٹ گیا۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ابو مسلم خراسانی ابو سلمہ کے جاہ و منصب سے بے حد جلتا تھا لیکن ابوسلمہ کا قتل در اصل خود ابو مسلم خراسانی کے قتل کی تمہید تھا، اب سفاح کے لئے ابومسلم خراسانی کا خاتمہ کرنے میں آسانی پیدا ہو گئی تھی، سفاح موقع کا منتظر تھا مگر اس کی بے وقت موت ابو مسلم خراسانی کی زندگی کے راستے میں حائل ہوگئی اور اسکا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

ابو سلمہ کے قتل کے بعد علویوں کے لئے ایرانیوں کی جد و جہد ختم نہیں ہوگئی بلکہ اس میں اور شدت پیدا ہو گئی، اب وہ ہر اس آواز کا خیر مقدم کرتے تھے جو عباسیوں کے خلاف اٹھتی تھی۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں جب یحیٰ بن عبداللہ نے بغاوت کی تھی، اس وقت ہارون کا وزیر جعفر بن یحیٰ برمکی اسکا مدد گار تھا اور خلافت کو علویوں میں منتقل کرنے کے نصب العین میں درپردہ اسکے ساتھ تھا، خراسان میں دارالخلافت ہونے کے زمانے میں مامون کے وزیر فضل بن سہل نے علویوں میں خلافت منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مامون کے لئے اتنی نازک صورت حالات پیدا کردی تھی کہ وہ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے پر مجبور ہوا تھا

اور اسے عباسیوں کا قومی شعار سیاہ رنگ چھوڑ کر پوری سلطنت کے لئے سبز رنگ اختیار کرنا پڑا تھا ، جو علویوں کا قومی شعار تھا ۔

(ج) منصور کے عہد میں عربوں اور غیر عربوں میں کشمکش اور مرکزی حکومت پر اس گہرا کا اثر :

عباسیوں نے قیام سلطنت کے بعد بنی امیہ کی ہیبت اور جاہ و جلال کا خاتمہ کرنے کیلئے بڑی بے دردی سے کام لیا ، انہیں بے دریغ قتل کیا ، لرزہ خیز سزائیں دیں ، سنگدلی کی اس پالیسی میں بنیٔ عباس اور بنی امیہ کی اس قدیم خاندانی عداوت کا بہت کچھ دخل تھا جو دونوں خاندانوں میں زمانۂ جاھلیت سے چلی آتی تھی اور ظہور اسلام کے بعد بھی اس کے اثرات باقی تھے ۔ قیام سلطنت کے بعد ایرانیوں کی طرف عباسیوں کا شدید رجحان ھوگیا ، انہیں اپنا مقرب بنایا بڑے بڑے سول اور فوجی عہدوں پر انکا تقرر کیا اور عربوں کو ہر معاملے میں نظر انداز کیا ، اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ عباسیوں کی طرف سے عربوں کے دل غیظ و غضب سے معمور ھو گئے ، دوسری طرف ایرانیوں کے ساتھ عباسیوں نے بے پناہ نوازشیں کیں اس کی وجہ سے انہیں بے حد اثر و اقتدار حاصل ھو گیا ، عباسیوں ھی کے ذریعہ ایرانیوں کو بنی امیہ کے پنجے سے چھٹکارہ ملا تھا ، لیکن ایرانیوں نے ان احسانات کی تلافی کرنے کی بجائے عباسیوں کی جڑیں کاٹنا شروع کردیں اور آل علیؓ خصوصاً حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں خلافت منتقل کرنے کیلئے جد و جہد شروع کردی ، ان کا کہنا تھا کہ آل علی کی رگوں میں عربوں کے شریف ترین خون اور ایرانیوں کے شریف ترین خون

کا امتزاج ہے ، اسلئے مسلمانوں کی خلافت کے منصب کے صرف وہی حقدار ہیں ۔

اس سیاسی ماحول میں منصور کے چچا عبداللہ بن علی نے منصور کے خلاف آواز بلند کی اور عوام کو اسکے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور اس سے خلافت چھین لینے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا ، اس وقت منصور بڑی سیاسی الجھنوں میں پھنس گیا، مرکزی حکومت سے ناراض عربوں اور مرکز خلافت سے ناراض ایرانیوں کی شورشوں کی وجہ سے مرکزی حکومت کی بنیادیں متحرک ہوگئیں ۔ عربوں کی قیادت منصور کا چچا عبداللہ بن علی اور ایرانیوں کی رہنمائی ابو مسلم خراسانی کر رہا تھا ۔ ان حالات میں علویوں نے بھی مرکز کے خلاف بغاوت کردی جنکی قیادت حجاز میں محمد نفس زکیه اور عراق میں ان کے بھائی ابراہیم کر رہے تھے اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آئیگا ۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب سفاح کا انتقال ہوا اور ابوجعفر منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا، عبداللہ بن علی نے ابوالعباس سفاح کی موت کی خبر پہنچنے کے بعد ساری فوج میں اس کی منادی کرادی اور فوج اور فوجی جنرلوں کو جمع کیا پھر عیسیٰ بن موسیٰ کا وہ خط پڑھ کر سنایا جس میں سفاح نے منصور کو اپنا جانشین اور اسے (عبداللہ بن علی کو) منصور کا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ اس موقع پر عبداللہ بن علی نے اپنے لئے خلافت کا دعویٰ کرتے ہوئے بیان کیا ”تم جانتے ہو کہ ابوالعباس سفاح جب مروان بن محمد کے مقابلہ کے لئے فوج بھیج رہا تھا اس وقت اس نے فوج کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا ، ”جو شخص مروان بن محمد کی

سر کوبی کیلئے قیادت کرے گا وہ میرا ولی عہد ہوگا یہ تم جانتے ہو کہ اس مہم کی قیادت میں نے کی تھی"۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس موقع پر فوجی جنرلوں نے عبداللہ بن علی کی بیعت کر لی تھی ۔ یہ واقعہ حلب کے مضافات میں ایک مقام دلوک پر پیش آیا ۔ دلوک سے عبداللہ بن علی حران پہونچا جو موصل اور شام کے درمیان واقع تھا اور وہاں کے گورنر سے بیعت کرنے کے لئے کہا، اس نے نفی میں جواب دیا اور مقابلہ کیا ۔ عبداللہ بن علی نے اس کی فوج کو شکست دی اور اسے قتل کردیا ۔ منصور کو جب یہ خبریں پہونچیں تو اس نے ابومسلم خراسانی کو عبداللہ بن علی سے مقابلہ کیلئے مامور کیا اور ایک خط میں اسے لکھا ، تم عبداللہ بن علی کی قوت اور اثر و نفوذ سے خوفزدہ نہ ہونا ، میں انشااللہ اسے سمجھ لوں گا ، عبداللہ بن علی کی فوج میں خراسانیوں کی اکثریت ہے اور وہ میری نافرمانی نہیں کریں گے ،ابو جعفر منصور نے ابو مسلم خراسانی کی مدد کے لئے چند مشہور عرب جنرل مثلاً قحطبہ کے دو بیٹوں، حسن اور حمید کو بھیج دیا ۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ حمید بن قحطبہ شروع میں عبد للہ بن علی کے ساتھ تھا ۔ عبداللہ بن علی اسکی طرف سے مطمئن نہ تھا ، اسلئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی یہ تدبیر کی کہ حمید کو ایک خط دیکر حلب کے گورنر کے پاس بھیجدیا، حمید بن قحطبہ جب کوئی نصف راستہ طے کرچکا تو اسے خط کے بارے میں کچھ شک پیدا ہوا اور اس نے خط کھول کر پڑھا اس خط میں لکھا تھا کہ حمید جب تمہارے پاس پہنچے اسے فوراً قتل کردیا جائے اس موقع پر حمید نے اپنے خاص لوگوں کو جمع کیا اور انہیں

خط سنایا ۔ اس کے بعد وہ حلب کی بجائے رصافہ روانہ ہوگیا اور منصور کی فوج سے جا ملا ۔ اس تجربہ کار جنرل کی وجہ سے منصور کی فوج کو بہت تقویت حاصل ہوگئی اور عبداللہ بن علی کی فوجی طاقت میں اضمحلال پیدا ہو گیا[۱]۔

عبداللہ بن علی کی فوجی قوت پر ایک اور واقعہ کا بھی بہت برا اثر پڑا، وہ یہ تھا کہ عبداللہ بن علی نے اپنی فوج کے خراسانی سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جن کی تعداد تقریباً سترہ ہزار تھی، اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ لوگ ابومسلم خراسانی سے جاملیں، اس واقعہ کا عبداللہ بن علی کی عام فوج پر گہرا اثر ہوا اور انہیں اس پر اعتماد نہ رہا، اسی اثناء میں ابو مسلم خراسانی نے عبداللہ بن علی کو ایک خط میں لکھا کہ نہ مجھے آپ سے مقابلہ کا حکم دیا گیا ہے اور نہ میں آپ کی طرف اس مقصد کے لئے روانہ ہوا ہوں ، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امیرالمومنین منصور نے مجھے شام کا گورنر مقرر کیا ہے ، اس لئے میں شام جا رہا ہوں ۔ اس خط سے ابو مسلم خراسانی کا مقصد، عبداللہ بن علی کی شامی فوج میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ابو مسلم خراسانی کی گورنری کی خبر سن کر شامی فوج پر دھشت طاری ہو گئی ، انہیں اندیشہ پیدا ہوا کہ اب اگر ہم نے عبداللہ بن علی کا ساتھ دیا تو ہمارے شہروں اور اہل و عیال کی خیر نہیں ہے، اس اندیشے سے انہوں نے بلاد شام کے سوا کسی اور طرف روانہ ہونے سے صاف انکار کر دیا، مجبوراً عبداللہ بن علی کو بلاد شام کی طرف روانہ ہونا پڑا جہاں وہ پانچ مہینے تک منصور کی فوجوں سے مقابلہ کرتا رہا ، اس کے بعد اسے شکست ہوئی ۔ یہ واقعہ جمادی الثانی

---

۱ ۔ تاریخ الیعقوبی : جلد ۲ صفحہ ۴۳۹ ۔

۱۳۶ھ کا ہے - عبداللہ بن علی میدان جنگ سے فرار ہو کر بصرہ پہونچا اور اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس روپوش ہو گیا جو اس وقت منصور کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا، ابومسلم خراسانی نے عبداللہ بن علی کی فوجی چھاؤنی کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا - [1]

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن علی نے حمید بن قحطبہ سے نجات حاصل کرنے کی جو کارروائی کی تھی وہ اس کی غلطی تھی، اس غلطی کا اسے بہت بڑا خمیازہ اٹھانا پڑا ، حمید اس عہد کے ممتاز ترین جرنلوں میں سے تھا - عبداللہ بن علی کی دوسری غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنی فوج کے خراسانیوں کو قتل کیا، اس کی وجہ سے ایک طرف اس کی فوجی قوت مضمحل ہو گئی ، دوسری طرف غیر خراسانی افراد میں غیظ و غضب اور بے اعتمادی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے پورے خلوص اور پوری وفاداری کے ساتھ اس کی مدد نہ کی -

طبری[2] کا بیان ہے کہ عبداللہ بن علی نے ۱۳۸ھ میں منصور کی بیعت کر لی تھی ، اس وقت تک اس کا بھائی سلیمان بن علی بصرہ کا گورنر تھا - جب سلیمان گورنری سے معزول کیا گیا تو عبداللہ بن علی اپنی جان کے اندیشے سے روپوش ہو گیا، منصور کو یہ معلوم ہوا تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ اور سلیمان بن علی کو حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن علی کو جہاں کہیں بھی ہو، حاضر کریں - منصور نے ان دونوں سے وعدہ کیا کہ وہ عبداللہ بن علی کو

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحات ۱۵۸ - ۱۵۹ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۷۲ -

امان دے گا اور اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کریگا۔ عبداللہ بن علی جب حاضر کیا گیا تو منصور نے اس کی نظر بندی کا حکم دیا اور اس کے چند مددگاروں کو قتل کروا دیا۔ عبداللہ بن علی نو سال تک نظر بند رکھا گیا، اس کے بعد ۱۴۹ھ میں منصور نے اسے قتل کرا دیا[1]، عبداللہ بن علی کے قتل کے بعد اب منصور کا کوئی قابل ذکر حریف باقی نہیں رہا تھا، اس سے پہلے وہ ابو مسلم خراسانی، عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹوں، محمد نفس زکیہ اور ابراھیم کا خاتمہ کر چکا تھا۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو بھی زندگی کی قید و بند سے آزاد کر دیا تاکہ وہ اپنے بیٹے مہدی کی ولی عہدی کے لئے راستہ ہموار کر سکے، اس کا تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ابوجعفر منصور اور ابو مسلم خراسانی میں ابوالعباس سفاح کے زمانے سے شدید دشمنی چلی آتی تھی۔ ابوالعباس نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے بھائی منصور کو ابومسلم خراسانی کے پاس بھیجا تھا، اس وقت وہ نیشا پور میں تھا منصور کے پاس ابوالعباس سفاح کا ایک خط بھی تھا، جس میں منصور کو خراسان کا گورنر بنانے کا حکم تھا اور ابو مسلم خراسانی کو یہ ھدایت کی گئی تھی کہ وہ لوگوں سے سفاح کی بیعت خلافت اور منصور کی ولی عہدی کی بیعت لے۔ ابو مسلم نے با دل ناخواستہ خلیفہ کے احکام کی تعمیل کی اور اھل خراسان سے سفاح کی بیعت خلافت اور منصور کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ لیکن اس پورے عرصے میں منصور کے ساتھ اس کا رویہ حقارت آمیز رہا تھا اس کی وجہ سے منصور کے دل میں ابو مسلم کی طرف سے کینہ سا پیدا ہو گیا اور اس نے خلیفہ

۱۔ مسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۲۴۴۔

سفاح کو ابومسلم کے خلاف نہ صرف بھڑکایا بلکہ اس کے قتل کا مشورہ دیا ، منصور نے سفاح کو لکھا، ''مجھے ابومسلم کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ ہے ، اس لئے ابومسلم کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیجئے ' بہ خدا ! اس کے سر میں غداری کا سودا سمایا ہوا ہے'' ۔ لیکن سفاح نے اس وقت منصور کی رائے پر عمل کرنے سے گریز کیا ، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ سلطنت عباسیہ کی تاسیس میں ابومسلم خراسانی کی بہت بڑی خدمات اور قربانیاں تھیں ، دوسری وجہ یہ تھی کہ خراسانیوں میں اس کا بہت اثر و اقتدار تھا [1] جو اس وقت عباسیوں کا تخت حکومت الٹ سکتے تھے ۔

اس کے بعد چند ایسے واقعات پیش آئے، جن سے ابومسلم خراسانی اور منصور کے درمیان بغض و نفرت کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی، ایک واقعہ یہ تھا کہ ابومسلم خراسانی نے حج کا ارادہ کیا ، اس سال سفاح نے منصور کو امارت حج کے منصب پر مامور کیا، ابومسلم کی خودی کو اس سے بڑی ٹھیس لگی اور ان الفاظ میں اس نے اپنی روحانی اذیت کا اظہار کیا ''ابوجعفر کے لئے اس سال کے سوا اور کوئی ایسا سال نہیں تھا جس میں وہ حج کرتا ۔ اس روحانی اذیت کا مظاہرہ اس نے اور مختلف صورتوں سے کیا جن کا مقصد منصور کی ہیبت اور دبدبہ عوام کی نگاہوں میں کم کرنا تھا مثلاً ابومسلم نے حج کے دوران میں بے شمار دولت عربوں کی عام فلاح و بہبودی اور راستوں کی اصلاح و ترقی پر صرف کی اور حج کی ادائیگی کے بعد منصور سے پہلے مکہ سے روانہ ہوگیا ۔ اسی اثناء میں ابومسلم خراسانی کو ابوالعباس سفاح کی موت کی خبر ملی ، اس وقت ابومسلم نے ابوجعفر منصور کو ایک خط لکھا

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۵۳ ۔

جس میں اس کے بھائی سفاح کی موت پر تعزیت کی لیکن اس خط میں منصور کو خلافت کے منصب پر فائز ہونے پر نہ مبارک باد دی اور نہ اپنی بیعت کا کوئی ذکر کیا ۔ ابو مسلم کا فرض تھا کہ سفاح کی موت کی خبر سن کر، اسی مقام پر ٹھہرا رہتا اور منصور کے پہونچنے کا انتظار کرتا، لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور وہاں سے روانہ ہوگیا، یہ منصور کی انتہائی توہین تھی ۔ چند دنوں بعد ابو مسلم نے منصور کی بیعت کرلی، کچھ دن سکوت سے ابو مسلم کا مقصد یہ تھا کہ منصور کے خلاف ایک انتشار اور بے اطمینانی سی پھیل جائے کہ ابو مسلم نے منصور کی بیعت نہیں کی ہے ۔ منصور کی چشم بیدار یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی لیکن مصلحت وقت کے تقاضے سے وہ خاموش رہا ۔ منصور کوفہ پہونچا تو اسے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی بغاوت کی اطلاع ملی، منصور نے اس کی سرکوبی کے لئے ابو مسلم کو مامور کیا ابو مسلم نے اسے شکست دی۔ عبداللہ بن علی کی شکست کے بعد منصور نے ابو مسلم کے پاس ایک قاصد بھیجا، جس نے اسے منصور کا یہ حکم سنایا کہ مال غنیمت کا حساب دیا جائے ۔ ابو مسلم یہ حکم سن کر تلملا گیا اور جوش غضب میں قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ، ابو مسلم نے اپنی توہین کا احتجاج ان الفاظ میں کیا ۔ ” جانوں پر تو امین بنایا گیا ہوں لیکن مال غنیمت میں خائن سمجھا گیا ہوں،، ؟ قاصد منصور کے پاس واپس پہونچا اور اس نے سارے حالات بیان کئے اس وقت منصور کو اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا ابو مسلم خراسان پہونچ جائے اور اہل خراسان کو بھڑکا کر وہاں خود مختار حکومت قائم کرلے ، اس اندیشے سے اس نے ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے وہ خراسان نہ پہونچ سکے

پہلی تدبیر یہ کی کہ ابومسلم کو شام اور مصر کی گورنری کا پروانہ بھیج دیا ۔ یہ پروانہ پڑھ کر ابو مسلم کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا مجھے شام و مصر کا گورنر مقرر کیا گیا حالانکہ خراسان کی گورنری کا مجھ سے زیادہ اور کوئی مستحق نہیں ہے ۔ ابومسلم نے اس پروانے کی طرف توجہ نہ دی اور خراسان کا قصد کیا ۔ اس وقت منصور کو ابو مسلم کی طرف سے بغاوت کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا اور اس نے ارادہ کیا کہ قبل اس کے کہ پانی سر سے گزر جائے ابومسلم کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ اس ارادے کی تکمیل کے لئے اس نے ابومسلم کو ایک خط کے ذریعہ اپنے پاس آنے کا حکم دیا ۔ ابومسلم نے اس کے جواب میں لکھا ،

"امیر المومنین کا اب کوئی ایسا دشمن باقی نہیں رہا ہے جس پر خدا نے اسے قدرت نہ دیدی ہو ۔ ہم حکومت کی پالیسی میں آل ساسان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ۔ آل ساسان کے دور میں جب مملکت کی شورشیں فرو ہو جاتی تھیں اور خطرات ٹل جاتے تھے اس وقت خطرات اور شدائد کا ہدف وزراء ہوتے تھے ، اس اندیشے سے ہم آپ کے قرب سے گریزاں ہیں اور دور رہ کر آپ کے پورے وفادار اور اطاعتمند ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ سے دور رہنے ہی میں ہماری خیر ہے ۔ اگر یہ میری صاف گوئی آپ کو ناگوار نہ گزرے تو مجھے اپنا ادنیٰ ترین غلام تصور کیجئے لیکن اگر اس سے شیشۂ خاطر میں بال آ گیا ، تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ میری جان کے درپے ہیں ، اس خیال سے میں حلف وفاداری کو توڑ دوں گا اور یہ محض اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہوگا[1] ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۶۱ ۔

ابو مسلم خراسانی نے اس خط میں اشارے کنائے میں اس بغض و عداوت کا اظہار کر دیا جو اس کے دل میں منصور کی طرف سے مضمر تھا ۔ اس نے صاف لفظوں میں یہ بھی لکھ دیا کہ تعمیل حکم میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ھے ۔ اس لئے میں خدمت میں حاضر ھونے کے لئے تیار نہیں ھوں ۔ ابوجعفر منصور نے اس خط کو پڑھ کر مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس ممتاز جنرل کے ساتھ اس وقت نرمی اور صلح جوئی کی پالیسی اختیار کی جائے ، چنانچہ منصور نے ابو مسلم کے خط کے جواب میں اسے لکھا ۔

میں تمہارے خط کا مطلب سمجھ گیا ۔ تم نے ان منافق اور بدطینت ساسانی وزراء پر اپنے آپ کو کیوں قیاس کر لیا جو اپنے بے شمار جرائم کیوجہ سے ، اپنے سلاطین کی توجہ پھیرنے کے لئے سلطنت کی بنیادیں متحرک رکھتے تھے کیونکہ ان کا مفاد اجتماعی نظام کو منتشر رکھنے میں تھا ۔ میں پوچھتا ھوں تم نے اپنے آپ کو ان پر کیسے قیاس کر لیا ؟ تم سلطنت کے فرماں بردار اور سچے دوست ھو ، تمہیں اس سلطنت کی بڑی بڑی ذمہ داریاں سونپی گئیں ، جنہیں تم نے بڑی قابلیت اور وفاداری سے انجام دیا ۔ ان باتوں کے بعد کیا تمہاری اطاعتمندی اور وفاداری کے لئے کسی اور دلیل کی احتیاج باقی رہ جاتی ھے؟ امیرالمومنین کا ایک خط عیسیٰ بن موسیٰ تمہارے پاس لے کر پونچ رھے ھیں ، اگر اسے تم غور سے پڑھو گے تو تمہارے سارے خدشات دور ھو جائیں گے ۔ میں خدا سے دعا کرتا ھوں کہ وہ تمہیں شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے ، خلافت عباسیہ کیلئے ایثار و قربانی کی زندگی میں پہلی بار شیطان کو یہ موقع ملا ھے کہ

وہ تمہارے دل میں وسوسے پیدا کرنے کی کوشش کرے لیکن تمہاری فہم و درایت سے توقع ہے کہ تم شیطان کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دو گے[1] ۔

ابو جعفر منصور نے یہ خط ابوحمید مروروزی کے ذریعہ ابومسلم کے پاس بھیجا اور اسے ہدائت کی کہ وہ ابومسلم خراسانی سے بڑے تحمل اور بڑی نرمی کے ساتھ گفتگو کرے ، اسے بڑی بڑی امیدیں دلائے ، اگر یہ پالیسی سود مند ثابت نہ ہو تو تشدد سے کام لے اور بڑے شدید اور خوفناک نتائج سے آگاہ کرے اور اسے یقین دلائے کہ نافرمانی کی صورت میں امیرالمومنین نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ اسے زندہ نہ چھوڑیں گے ، چاہے وہ سمندر کی تہ میں چھپ جائے یا آگ میں کود پڑے ۔ یہ خط پڑھ کر اور ابوحمید سے گفتگو کے بعد ابومسلم خراسانی ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گیا اور اس کے دل میں برے برے خیالات آنے لگے ، اسی اثناء میں اسے معلوم ہوا کہ ابوجعفر نے خراسان میں اس کے نائب کو ایک خط بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ اگر وہ ابومسلم کو خراسان پہونچنے نہ دے گا تو اسے خراسان کا گورنر مقرر کر دیا جائیگا ، اس خبر سے اس کی پریشانی بہت بڑھ گئی ۔ اس کے بعد ابومسلم کے پاس اس نائب کا ایک خط پہونچا ۔ اس میں اس نے ابومسلم کو لکھا تھا ” ہم اللہ کے خلفاء اور اس کے نبی کے اہل بیت کی نافرمانی نہیں کر سکتے ۔ آپ سے بھی میں یہی کہتا ہوں کہ اپنے امام منصور کی مخالفت نہ کریں اور ان کی اجازت کے بغیر خراسان کا رخ نہ کریں ۔ ابومسلم کے نائب کا یہ خط ابومسلم

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۱۶۱ - ۱۶۲ ۔

کے سکون و اطمینان کے لئے بڑی شدید ضرب تھی ، اب اسے خراسان جانے کا ارادہ بدلنا پڑا اور منصور کے پاس جانے کا خیال ظاھر کیا ۔ اس وقت ابو مسلم کے خیر خواھوں نے اس ارادے کو ترک کرنے کا مشورہ دیا ، انہیں ابو جعفر منصور اور اس کے نمائندوں کے وعدوں پر اعتماد نہ تھا ، لیکن ابو مسلم خراسانی نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا اور منصور کے پاس جانے کے ارادے سے دار الخلافت روانہ ھو گیا [۱] ۔

ابو جعفر کو جب معلوم ھوا کہ ابو مسلم مدائن کے قریب پہونچ گیا ھے تو اس نے دولت عباسیہ کے ممتاز افراد اور خاندان ھاشمی کے سربر آوردہ اشخاص کو ابو مسلم کے استقبال کے لئے بھیجا اور حکمت عملی سے اسے قتل کر دینے کا ایک منصوبہ تیار کیا ۔ ابو مسلم ، منصور کی خدمت میں پہونچا تو اس نے بڑی عزت اور محبت سے کہا : ”عبدالرحمان جاؤ نہا دھو کر کپڑے بدلو اور آرام کرو ، سفر سے انسان بہت تھک جاتا ھے، کل صبح آ کر ملنا ۔“ ابو مسلم خراسانی کے رخصت ھونے کے بعد منصور نے اپنے محافظ گارڈ کے سردار عثمان بن نہیک کو بلا کر ھدائت کی کہ کل صبح کو وہ چار معتمد محافظوں کے ساتھ دیوار کے پیچھے چھپا رھے اور جب میں ھاتھ سے تالی بجاؤں اس وقت سب کے سب فوراً نکل پڑیں اور ابو مسلم کو قتل کر دیں [۲] ۔

صبح کو ابو مسلم منصور کی خدمت میں حاضر ھوا اور اس کے سامنے کھڑا ھو گیا ، منصور نے اسے مخاطب

---

۲ ۔ مروج الذھب : جلد ۲ صفحات ۲۳۴ — ۲۳۵ ۔
۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۶۳ ۔

کرتے ہوئے تلخی سے پوچھا ، نیزے کی وہ دو عدد انی کہاں ہیں؟ جو تمہیں عبداللہ بن علی کے اسباب میں ملی تھیں۔ ابو مسلم نے جواب دیا ان میں سے ایک یہ ہے! منصور نے کہا ، مجھے دکھاؤ ابو مسلم نے اسے منصور کی طرف بڑھا دیا ۔ منصور نے اسے لے کر حرکت دی اور فرش کے نیچے رکھ لیا[1] ، پھر مزید تلخی سے پوچھا تم نے امیرالمومنین ابوالعباس کو بنجر زمین کے بارے میں خط لکھا تھا جس میں تم ہمیں دین کے مسائل سمجھا رہے تھے ، تمہیں یاد ہے نا ۔ ابو مسلم نے جواب دیا ، میرا خیال یہ تھا کہ حکومت کو اس بنجر زمین کا لینا جائز نہیں ہے ۔ اس کے جواب میں امیرالمومنین ابوالعباس نے جو خط مجھے لکھا ، اسے پڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ امیرالمومنین اور ان کے اهل بیت دراصل معدن علم ہیں ! تم حج کرنے کے بعد مجھ سے پہلے کیوں چل پڑے تھے ؟ "منصور نے تلخی اور حقارت سے پوچھا ۔ ابو مسلم نے جواب دیا: میں نے مصلحت کے خلاف سمجھا کہ میرا اور آپ کا اجتماع چاہ زم زم پر ہو اور مستقبل میں اس کے نتائج عوام کو بھگتنے پڑیں اس لئے میں پہلے چل پڑا تھا ، میرا مقصد لوگوں کی بھلائی تھا ۔ منصور نے پوچھا، جب ابو العباس کی موت کی خبر تمہیں پہونچی تھی اس وقت لوگوں نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ اس سانحے کی خبر سن کر تمہیں میرے پاس پہونچنا چاهئے ، تم نے جواب دیا تھا ۔ ہم آگے بڑھتے ہیں پھر سوچیں گے کہ کیا کریں ۔ چنانچہ تم آگے بڑھ گئے اور تمہیں اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ تم میرے پہونچنے کا انتظار کرتے ۔ ابو مسلم نے جواب دیا میں عرض کر چکا ہوں کہ میرا مقصد لوگوں کی بھلائی تھا ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۱٦٦ - ١٦٧ ۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ کوفہ پہونچ کر آپ کا انتظار کرونگا اور جب آپ کی آمد کی اطلاع ملے گی ، اس وقت آپ کا استقبال کروں گا ، اس لئے میں نے احترام کے خلاف کوئی بات نہیں کی ۔ منصور نے پوچھا : تم نے عبداللہ بن علی کی باندی پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تھا ؟ ابو مسلم نے جواب دیا : میرا یہ ارادہ نہیں تھا بلکہ واقعہ یہ تھا کہ مجھے اس کے ھاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ تھا اس لئے میں اسے خیمے میں لایا تھا اور اسے معتبر لوگوں کی حفاظت میں دیدیا تھا ۔ منصور نے پوچھا خراسان کس ارادے سے جا رہے تھے ؟ ابو مسلم نے جواب دیا : میرا خیال تھا کہ آپ کے دل میں میری طرف سے کچھ بدظنی پیدا ہو گئی ھے ، اس لئے میں یہ چاھتا تھا کہ خراسان پہونچ کر آپ کی غلط فہمی کو دور کردوں گا اور پہلے چلے آنے کی معذرت کردوں گا منصور نے جھنجھلا کر کہا : خدا کی قسم آج کے دن کی طرح کبھی کوئی دن نہیں آیا ، آج تم نے میرے غیظ و غضب کو اور بھی مشتعل کیا ھے ، پھر بڑی حقارت سے پوچھا : کیا تم نے مجھے وہ خط نہیں لکھا تھا جس میں اپنی انانیت کا مظاھرہ کیا تھا ؟ کیا تم نے اپنے ایک خط میں عبداللہ بن علی کی بیٹی امینہ سے نکاح کا پیغام نہیں دیا تھا ؟ اور کیا تم اپنے آپ کو ابن سلیط بن عبداللہ بن عباس نہیں سمجھتے تھے ؟ تمہیں سلیمان بن کثیر کو قتل کرنے کی جرأت کیسے پیدا ہوئی تھی ؟ حالانکہ تم دعوت عباسیہ کے لئے اس کی اھم خدمات سے واقف تھے اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس وقت وہ ھمارا ایک ممتاز نقیب تھا جب تم اس دعوت میں شامل بھی نہیں ھوئے تھے ۔ ابو مسلم نے جواب دیا : اس نے بغاوت کا ارادہ کیا تھا اور میری نافرمانی

کی تھی ، اس لئے میں نے اسے قتل کر دیا تھا ۔ منصور نے کہا یہی حال تمہارا ہے اس لئے میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا ، تم نے میری نافرمانی کی ہے اور حکومت سے سرکشی اختیار کی ہے ، اگر میں تمہیں زندہ چھوڑوں تو مجھے خدا زندہ نہ چھوڑے ۔ یہ کہہ کر ابو مسلم کو ایک ڈنڈے سے بے تحاشہ پیٹنا شروع کیا ، عین اس وقت دیوار کے پیچھے سے عثمان بن نہیک ، شیب اور حرب نکل پڑے اور انہوں نے ابو مسلم کو قتل کر دیا ۔ یہ ۲۵ شعبان ۱۳۷ھ کا واقعہ ہے ۔

ابو مسلم خراسانی نے اپنے زمانے میں چھ لاکھ آدمیوں کو قتل کیا تھا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور نے جب ابو مسلم کو زجر و تہدید کرتے ہوئے کہا تھا ۔ ''جو حرکتیں تم سے سرزد ہوئیں ان کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا'' ۔ ابو مسلم نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا ''میری خدمات کے بعد مجھے ان الفاظ سے خطاب نہیں کیا جاسکتا ہے'' منصور نے انتہائی جوش غضب میں کہا ، خبیث کے بچے ! اگر اس وقت تیری جگہ کوئی باندی بھی ہوتی تو اس کا بھی بازو کاٹ دیتا ، تو نے جو کچھ تیر مارا ہے وہ ہمارے رعب و جلال اور سلطنت کے جاہ و حشم کا صدقہ تھا ، ورنہ تجھے تو کوئی پھوٹی کوڑی کو بھی نہ پوچھتا ۔

کہا جاتا ہے کہ جب ابو مسلم خراسانی پر منصور کی پہلی ضرب پڑی تو اس نے یہ التجا کی ''امیرالمومنین ! اپنے زبردست دشمنوں کی سرکوبی کے لئے مجھے اٹھا رکھئے'' منصور نے جواب دیا ، کیا دنیا میں تجھ سے بڑا میرا کوئی اور بھی دشمن ہے ؟ مؤرخین کا بیان ہے کہ ابو مسلم کے قتل کے بعد عیسیٰ

بن موسیٰ (ولی عہد خلافت) منصور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے دریافت کیا، امیر المومنین! ابو مسلم کہاں ہے؟ منصور نے جواب دیا، ابھی یہیں تھا، عیسیٰ بن موسیٰ نے کہا، امیر المومنین ابو مسلم کی وفاداری، جاں نثاری اور اس کے بارے میں امام ابراھیم کی رائے سے آپ واقف ہیں؟ منصور نے کہا، بھولے اَنسان! دنیا میں اس سے بڑا تیرا اور کوئی دشمن نہ تھا، وہ دیکھو فرش پر خاک و خون میں لتھڑا پڑا ہے، عیسیٰ نے اس کی لاش دیکھ کر انا للہ پڑھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ، ابو مسلم کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتا تھا، منصور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا، کیا ابو مسلم نے تمہیں کوئی سلطنت دے رکھی تھی؟ اس کے بعد منصور نے جعفر بن حنظلہ کو بلایا جب وہ حاضر ہوا تو اس سے کہا ابو مسلم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ جعفر نے جواب دیا، امیر المومنین اگر مجھے ذرہ برابر بھی اس سے ھمدردی ہو تو میں بار بار قتل کئے جانے کا مستحق ہوں، منصور نے خوش ہو کر کہا، وہ ابو مسلم کی لاش پڑی ہے، جعفر بن حنظلہ نے ابو مسلم کی لاش دیکھ کر کہا، امیر المومنین! سچ پوچھئے تو آج سے آپ کو خلافت حاصل ہوئی ہے [1]۔

ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد منصور نے لوگوں کے مجمع کے سامنے ایک خطبہ دیا اس میں کہا "لوگو! اطاعت سے بغاوت کی طرف قدم نہ نکالو اور اپنے رھناؤں کی بد باطنی اور کھوٹ پن کو مت چھپاؤ جو شخص اپنے رھناؤں کی بد باطنی

---

۱ - طبری: جلد ۹ صفحہ ۱۶۷ -

اور خفیہ رازوں کو چھپانے کی کوشش کرے گا وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکیگا ، ایک نہ ایک دن اضطراری طور پر اس کی زبان سے وہ راز فاش ہو جائے گا اور خدا اپنے امام (منصور) کو سارے رازوں سے واقف کر دے گا ، جس کی زندگی کا مقصد خدا کے دین کو سر بلند کرنا ہے ، لوگو ! ہم نے تمہارے حقوق کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اس لئے ہم ان حقوق و فرائض میں کسی کوتاہی کو برداشت نہ کریں گے ، جو تمہارے اوپر عائد ہوتے ہیں ، جو شخص منصب خلافت میں ہمارے مقابل آئیگا اسے ہم اپنے راستے سے اس تلوار سے ہٹا دیں گے ، ابو مسلم خراسانی نے ہم سے بیعت کی اور ہمارے لئے لوگوں سے بیعت لی اور اس شرط پر بیعت لی کہ جو شخص اس بیعت کو توڑیگا اس کا خون ہمارے لئے حلال ہوگا پھر خود اس نے ہماری بیعت توڑی پس ہم نے اس پر وہی حکم جاری کیا جو اس نے ان لوگوں پر جاری کیا تھا جنہوں نے ہماری بیعت توڑی تھی اور حق و انصاف پر چلنے میں کوئی رعائت یا لحاظ ہماری راہ میں حائل نہ ہوسکا'' ۔ اس کے بعد منصور نے ابو مسلم کے فوجی سرداروں اور سپاہیوں کو بڑے بڑے عطیے دئے ، وہ خوش ہوگئے اور یہ کہتے ہوئے واپس لوٹے ، ہم نے اپنے آقا کو دراہم کے بدلے فروخت کر دیا [1] ۔ ابو مسلم خراسانی ۲۵ شعبان ۱۳۷ ھ میں قتل کیا گیا ۔

ابو مسلم کے قتل سے اہل خراسان اور ابو مسلم کے مدد گار سخت مشتعل ہوگئے اور وہ ابو مسلم خراسانی کے ایک

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۱۳ ۔

ممتاز مدد گار سنباذ کی قیادت میں اس کے قصاص کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، سنباذ ایک مجوسی شخص تھا اور نیشا پور کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا ، اس کے مدد گار بہ کثرت پیدا ہوگئے، اہل خراسان کی اکثریت اس کے ارد گرد جمع ہوگئی اور جبال یعنی بحر قزوین یا طبرستان کے جنوبی علاقے کے باشندوں نے خاص طور پر اس کا ساتھ دیا ۔ منصور کو جب سنباذ کی بغاوت کی خبر پہونچی تو اس نے دس لاکھ سوار اس کی سر کوبی کے لئے بھیجے ، اس فوج نے اسے شکست دی ، سنباذ کے علاوہ اور بہت سے ممتاز افراد ابو مسلم خراسانی کے قصاص کے لئے اٹھے ، ان میں مقنع خراسانی نمایاں حیثیت رکھتا ہے ، مقنع خراسانی منصور کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا اس کے پیرووں کا اعتقاد تھا کہ وہ غیرفانی ہے اسے کبھی موت نہیں آئیگی ۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اوشیدر بامی (Ouhadar Bami) یا اوشیدر ما (Ouhadarma) ہے جو زردشت کا ایک پیرو تھا جس کے ظہور کے آتش پرست منتظر تھے ، جس طرح مسلمان ، حضرت امام مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں ۔ ابو مسلم کے قصاص کے طالب اس کی موت کے قائل نہ تھے بلکہ وہ اس کی واپسی کے منتظر تھے اور کہتے تھے کہ ابو مسلم خراسان میں ایک بار پھر زندہ ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے معمور کر دے گا ۔ اس وقت تک کے لئے انہوں نے ابو مسلم کی بیٹی فاطمہ کو امامت کا منصب سونپ دیا تھا [1] ۔

نظام الملک کا بیان ہے [2] کہ ابو مسلم کے حواری اپنے

---

۱ ۔ السیادةالعربیه مترجمه ڈاکٹر حسن ابراهیم حسن صفحه ۱۳۴ ۔

۲ - Siaset Nameh : Tome, (ii) P. 298.

خطبات کے شروع میں ابومسلم خراسانی ، مہدی اور فیروز (ابومسلم کی بیٹی فاطمہ کا بیٹا) پر درود و سلام بھیجتے تھے ، کازانوف کا بیان ہے کہ یہ حواری فاطمہ بنت ابومسلم خراسانی کی نسبت سے فاطمی کہلاتے تھے - یہ فرقہ خرمیہ کے نام سے موسوم ہے اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آئیگا -

میری رائے میں منصور نے ابومسلم خراسانی کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا ، اس کی وجہ ابومسلم سے پرانی پرخاش تھی ، جو ابومسلم خراسانی کی من مانی کارروائیوں اور منصور کو کبھی در خود اعتناء نہ سمجھنے کی وجہ سے برابر بڑھتی رہی تھی ابومسلم نے بے شمار خلق خدا کا خون بڑی بے رحمی اور سنگدلی سے بہایا تھا، منصور اس بات سے بھی بہت ناراض تھا - ابومسلم نے جن اہم شخصیتوں کو قتل کیا تھا ان میں سلیمان بن کثیر ممتاز درجہ رکھتے تھے ، کہا جاتا ہے کہ ابومسلم خراسانی نے میدان جنگ کے علاوہ چھ لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا -

ابومسلم خراسانی نے جس وفاداری ، خلوص اور جانثاری سے عباسیوں کی مدد کی تھی ، ما بعد کے زمانے میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے - ابو جعفر منصور نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا ، اس کی وجہ محض ذاتی عناد تھا - بغض و عناد کے بیخودانہ جذبات کا منصور پر تسلط تھا، اس لئے ابومسلم خراسانی کے خلوص اور وفاداری کی طرف سے اسے شبہ پیدا ہوگیا تھا - میری رائے میں ابومسلم خراسانی اگر قتل ہی کا مستحق تھا تو اس کا قتل منصور کے ہاتھ سے نہیں

ہونا چاہئے تھا تاکہ عباسیوں کے دامن پر اس کے قتل کا دھبہ نہ ہوتا تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ جو شخصیتیں سلطنتوں کی مؤسس گزری ہیں، انہیں سلطنت کی تاسیس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں چھوڑا گیا۔

آنحضرت کا ارشاد ہے، سلطنتوں کی تمنا نہ کرو ورنہ تم ان سے محروم کر دئے جاؤ گے۔ فخری[1] کا بیان ہے ''سلطنت کے بانی کے دل میں فخر و غرور اور نخوت و انبساط کا بے پایاں جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، جس کے متحمل سلاطین نہیں ہوسکتے ہیں، جوں جوں اس جذبہ کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے، سلاطین کی نفرت بڑھتی جاتی ہے اور ایک دن وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں''۔

تاریخ اپنے آپ کو دھراتی ہے، ابو مسلم خراسانی کی طرح ابو عبداللہ شیعی کا خاتمہ بھی ہوا، جو دولت فاطمیہ کا بانی تھا اور اسے دنیا کی خود مختار سلطنتوں میں ایک ممتاز درجہ پر پہونچا دیا تھا۔

ابو جعفر منصور نے اپنی سیاسی بصیرت، رعب و دبدبہ اور پختہ کاری سے اپنے سارے عرب اور عجمی دشمنوں پر تسلط حاصل کرلیا۔ عربوں کے رہنما اپنے چچا عبداللہ بن علی کو گرفتار کیا پھر قتل کر دیا۔ عجمی دشمنوں کا استیصال کر دیا اور ابو مسلم خراسانی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو دراصل سلطنت عباسیہ کا بانی تھا۔

۱۔ الفخری: صفحہ ۱۵۴۔

(د) راوندیه ، مقنعیه ، خرمیه اور زنادقه کی تحریکیں :

۱ - راوندیه :

یه بیان کیا جا چکا ہے که ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد ، اس کے حامیوں نے منصور کے خلاف شدید ہنگامے برپا کئے تھے، منصور، ان شدید ہنگاموں کے استیصال سے ابھی پوری طرح فارغ نه ہوا تھا که اسے ایک اور نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یه تھی که اہل فارس نے اس ماحول میں نئے معتقدات کی تبلیغ شروع کر دی۔ یه تذکرہ کیا جا چکا ہے که اسلامی فتح سے قبل اہل فارس اپنے شہنشاہوں کے تقدس کے قائل تھے اور انہیں الوہیت کا درجه دے رکھا تھا، یه طبقه راوندیه کے نام سے موسوم تھا ۔

فان فلوٹن[۱] (Von Vloten) لکھتے ہیں ”کوفه، جہاں دوسری صدی ہجری کے شروع میں عباسیوں کے مبلغوں نے اپنے مشن کا پرچار شروع کیا تھا ، مختلف انتہا پسند شیعی فرقوں کا گہوارہ تھا ، اسلامی عقائد اور تعلیمات میں ان مذاہب اور ملتوں کے معتقدات اور تعلیمات داخل ہوگئے تھے جو قبل از اسلام بلاد عراق میں رائج تھے ، مثلاً قدیم ایرانیوں کے مذاہب ۔ مجوسیت ، صائبیت اور مانویت وغیرہ ۔

ان فرقوں نے اسلامی تعلیمات اور ان مذہبوں کی تعلیمات میں تطبیق کی کوششیں کی تھیں اس کا نتیجه یه ہوا تھا که غیر اسلامی معتقدات اور تعلیمات مسلمانوں کی مذہبی اور فکری زندگی میں دخیل ہوگئے تھے ۔ اس نازک وقت میں مسلمان مبلغوں نے بڑی دلیری اور غیرت سے کام لیا اور اس بدلے ہوئے ماحول میں صحیح اسلامی

۱- السیادة العربیه و التشیع و الاسرائیلات فی عهد بنی امیه صفحه ۹٦ -

تعلیمات و معتقدات کے تحفظ اور بقا کے لئے سینہ سپر ہوگئے اور ان غلط معتقدات اور غیر اسلامی تعلیمات کی تردید کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں ، جو اسلامی تعلیمات و عقائد میں شامل کر دی گئی تھیں ۔ ان مبلغوں نے اس سلسلے میں حد درجہ خلوص اور غیر معمولی اسلامی غیرت کا ثبوت دیا ، در اصل انہیں کی کوششوں کا اثر تھا کہ ان عناصر کی اکثریت کا خاتمہ کر دیا گیا ، جو اسلامی عقائد میں قطع و برید اور اسلام میں نئی چیزیں داخل کرنے میں بے حد دلیر ہوگئے تھے ۔

مؤرخ مدائنی (متوفی ۲۱۵ھ) راوندیہ فرقہ کے معتقدات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے[1] راوندیہ فرقہ کا ایک ممتاز شخص گذرا ہے ، جسے ابلق (چتکبرا) کہا جاتا تھا ۔ یہ شخص مبروص تھا ، عقائد و معتقدات میں یہ شخص بڑی انتہا پسندی سے کام لیتا تھا اور راوندیہ فرقہ کے معتقدات کا پرچار اپنی زندگی کا مقصد خیال کرتا تھا ۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جو روح حضرت عیسیٰ ؑ ابن مریم میں حلول کر گئی تھی ، وہی روح حضرت علی رضؓ بن ابی طالب میں حلول کر گئی تھی ، اس کے بعد وہی روح ابراھیم بن محمد (حضرت عباس کے پوتے) تک یکے بعد دیگرے ائمہ میں حلول کرتی رہی تھی اور یہ سب کے سب خدا تھے ۔ اُس فرقہ کے پیرو شرعی محرمات کو حلال سمجھتے تھے ، اس فرقہ کے ہر فرد کا معمول تھا کہ وہ اپنے فرقہ کے ایک گروہ کی دعوت کا انتظام کرتا تھا اس دعوت میں محرمات پیش کی جاتی تھیں ، یہ واقعات اسد بن عبداللہ قسری کو معلوم ہوئے تو اس نے اس

---

۱ ۔ راوندیہ ، اصفہان کے قریب ایک شہر راوند کی طرف منسوب ہیں یہ شہر اس فرقہ کا مرکز تھا ۔

فرقے کے لوگوں کو قتل کرانا شروع کیا ، قتل کے بعد عبرت کے لئے ان کی لاشیں سولی پر لٹکا دی جاتی تھیں ۔ اس فرقے کی غیراسلامی سرگرمیاں اور تہذیب سوز حرکتیں منصور کے دور تک جاری رھیں ۔ منصور کے دور میں اس فرقہ نے منصور کو الوھیت کا درجہ دیدیا تھا ۔ بغداد میں منصور نے جو سبز گنبد بنوایا تھا ، ایک دن اس فرقہ کے لوگ اس پر چڑھ گئے اور آنکھیں بند کرلیں وہ یہ سمجھ رھے تھے کہ گویا وہ ھوا میں پرواز کر رھے ھیں ۔ ان میں سے ایک گروہ نے اسلحہ سے بغداد کے لوگوں پر حملہ کر دیا تھا پھر عقوبت سے بچنے کے لئے ابو جعفر منصور کے محل کے سامنے آئے اور چیخنے لگے "ابوجعفر تو خدا ھے تو خدا ھے" ۔ یہ سن کر منصور ان کے مقابلہ کے لئے بذات خود نکلا جوں ھی انہوں نے منصور کو دیکھا سب کے سب یہ چیختے ھوئے اس کی طرف دوڑے ، تو خدا ھے تو خدا ھے[1] ۔

منصور نے اس فرقہ کا استیصال ناگزیر خیال کیا کیونکہ اس فرقہ نے در اصل ملت اسلامی اور اسلامی مملکت دونوں کے خلاف بغاوت کی تھی، انہیں آزاد چھوڑ دینے کا ایک نتیجہ یہ ھوتا کہ ساری عرب قوم منصور کے خلاف بھڑک اٹھتی ۔

منصور نے راوندیہ فرقے کے دو سو سرغنوں کو قید کر دیا، اس کارروائی سے ان کے مددگار مشتعل ھوگئے اور انہوں نے جیل خانوں پر ھلہ بول دیا اور اپنے رھنماؤں کو چھڑا لیا، اس کے بعد منصور کے محل کی طرف پیش قدمی کی اور وھاں پھونچ کر مقابلے کے لئے تیار ھوگئے ۔ منصور جوش غضب میں ان کی سرکوبی کے لئے تنہا پیدل

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۰۲ ۔

نکل پڑا ، یہ لوگ بڑی کثرت سے اکٹھا ھوگئے اور قریب تھا کہ منصور کو قتل کر دیں اس وقت معن ابن زائدہ شیبانی ، دفعۃً منصور کی مدد کے لئے نکل آیا، معن ابن زائدہ شیبانی بنی امیہ کے جنرلوں میں ایک ممتاز جرنل تھا ، جس نے بنی امیہ کی طرف سے ابن ھبیرہ ، گورنر عراق کی قیادت میں محاربۂ واسط میں عباسیوں کا سخت مقابلہ کیا تھا ، اس نازک وقت میں معن ابن زائدہ نمودار ھوا اور اس نے عباسی خلیفہ منصور کی طرف سے اس مشتعل مجمع کا مقابلہ کیا اور انہیں منتشر کردیا اس واقعہ کے بعد منصور نے معن ابن زائدہ کا قصور معاف کر دیا اور اسے یمن کا گورنر مقرر کیا۔ معن ابن زائدہ شیبانی واسط کے محاربہ کے بعد سے روپوش تھا۔

ابو جعفر منصور راوندیہ فرقہ کو ایک طرف سیاسی حریف خیال کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے دشمن ابو مسلم خراسانی کے پیرو اور حامی تھے اور ان کا مقصد خلافت عباسیہ کو کسریٰ کی سلطنت میں تبدیل کرنا تھا دوسری طرف وہ انہیں زندیق خیال کرتا تھا کیونکہ ان کا مطمح نظر ، یہ تھا کہ مجوسیت کو کسی نہ کسی شکل میں دوبارہ زندہ کیا جائے۔ اگر پوری طرح اسے زندہ نہ کیا جا سکے تو کم از کم ذرادشتیت ، مانویت، مزدکیت وغیرہ ھی کی شکل میں اس کا احیاء کیا جائے۔ اسی وجہ سے منصور نے ان کے ساتھ بڑی سخت پالیسی اختیار کی اور جس طرح اس نے ابو مسلم خراسانی اور اس کی سرگرمیوں کا خاتمہ کر دیا اسی طرح اس فرقے کے استیصال میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن اس کے باوجود یہ فرقہ مختلف شکلوں میں برابر ظاھر ھوتا رھا چنانچہ کبھی وہ مقنع خراسانی کی شورش کی صورت میں نمودار ھوا ، کبھی بابک خرمی کی بغاوت کی شکل میں ظاھر ھوا اور کبھی کوئی

اور شکل اختیار کر لی -

۲ - مقنعیه :

مہدی کے دور خلافت (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) میں مقنع خراسانی نے خروج کیا ، یه شخص بڑی بھونڈی شکل کا تھا ، کانا اور چھوٹے سے قد کا تھا ، مرو کا رھنے والا تھا ، اس نے سونے کا ایک خول بنوا رکھا تھا جسے اپنے چہرے پر چڑھائے رکھتا تھا تاکه کوئی شخص اسکا اصلی چہرہ نه دیکھ سکے ، اس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا وہ کہتا تھا ، خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا پھر خود اس میں حلول کرگیا پھر نوحؑ کی شکل میں ظاھر ھوا پھر ابراھیمؑ کے قالب میں نمودار ھوا پھر یکے بعد دیگرے انبیاء اور حکماء کی شکل میں حلول کرتا رھا ، پھر محمدؐ کی شکل میں حلول کیا ، محمدؐ کے بعد پھر علیؓ ابن ابی طالب کے قالب میں ظاھر ھوا ، پھر انکی اولاد کی شکل میں حلول کرتا رھا ، اسکے بعد ابو مسلم خراسانی کی شکل میں ظاھر ھوا ابو مسلم خراسانی کے بعد میرا قالب اختیار کیا ھے - اسکا یه بھی دعویٰ تھا که میں مختلف قالب اختیار کرتا رھتا ھوں کیونکه میرے بندے مجھے اصلی شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ھیں جو شخص مجھے میری اصل شکل میں دیکھ لے گا وہ میرے نور سے جل کر راکھ ھو جائے گا ، میں نماز ، روزہ ، زکوٰۃ اور حج کو ساقط کرتا ھوں اور لوگوں کے لئے دوسروں کا مال و دولت اور دوسروں کی بہو بیٹیاں حلال کرتا ھوں ، مزدک کی تعلیمات (جن میں خاص طور پر محرمات کو حلال قرار دیا گیا تھا) تمہارے لئے جائز قرار دیتا ھوں - یه باتیں سن کر بہت سے لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اسکی

پرستش شروع کردی ۔

مقنع خراسانی نے ایک مصنوعی چاند بنایا تھا جو سینکڑوں میل سے لوگوں کو نظر آتا تھا ۔

ابتداء میں مقنع، رزامیہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا ، رزام ایک شخص تھا جس کے بہت سے پیرو کیسانی تھے ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ محمد بن حنفیہ کے بعد امامت ان کے بیٹے ہاشم کو حاصل ہوئی پھر علی بن عبداللہ بن عباس ، سفاح کو ملی سفاح کے بعد یہ امامت ابو مسلم خراسانی کو حاصل ہوگئی ، یہ فرقہ خراسان میں نمودار ہوا اور مرو کو اپنے پروپیگنڈے کا مرکز بنایا ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خدا کی روح ابو مسلم خراسانی میں حلول کر گئی تھی اسی نے اس میں اتنی قوت پیدا کردی کہ اس نے بنی امیہ جیسی طاقتور سلطنت سے مقابلہ کیا اور اسکا تہس نہس کردیا ، یہ لوگ اواگون یا تناسخ کے بھی قائل تھے ۔ ان میں سے ایک گروہ کا اعتقاد تھا کہ ابو مسلم خراسانی خدا ھے کیونکہ روح اللہ نے اس میں حلول کیا ھے اور وہ زندہ ھے اسے کبھی موت نہیں آئیگی اسی لئے وہ اس کے دوبارہ ظہور کے منتظر تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ منصور نے جسے قتل کیا تھا دراصل وہ شیطان تھا جس نے ابو مسلم خراسانی کی شکل اختیار کر لی تھی ۔ یہ گروہ مرو اور ہرات میں پھیلا ہوا تھا اور برکوکیہ کہلاتا تھا ۔

مقنع کو جب کافی قوت حاصل ہوگئی اور کثرت سے اس کے مددگار

---

۱ ۔ کتاب فرق الشیعه : ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی صفحات ۴۲ - ۴۳ ۔ الفرق بین الفرق صفحات ۲۴۱ - ۲۴۳ ۔ الملل و النحل شهرستانی جلد ۱ صفحات ۳۰۵ - ۲۰۷ ۔

پیدا ہوگئے ، اس وقت اس کے ساتھ بخارا اور سمر قند کے باشندے اور وہ ترک بھی شامل ہو گئے جو بحر قزوین کے آس پاس آباد تھے ، اس وقت مقنع کش میں ایک مستحکم قلعہ میں مقیم ہو گیا ، خلیفہ عباسی مہدی نے اسکی سرکوبی کے لئے معاذ ابن مسلم کی قیادت میں ستر ہزار فوج بھیجی جو ایک مدت تک اس قلعہ کا محاصرہ کئے رہی - آخر کار مقنع اور اسکے مددگار پریشان ہوگئے اور ان میں سے اکثر نے امان طلب کی اور قلعہ میں صرف مقنع اور اس کے معدودے چند ساتھی باقی رہ گئے -

جب مقنع کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تو اس نے قلعہ میں آگ روشن کی اور اس میں مال و اسباب اور جانور سب جلا دئے پیتل وغیرہ تنور میں ڈالدیا تاکہ وہ پگھل جائے ، اس کے بعد مقنع نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا ، جو لوگ آسمان پر جانا چاہیں وہ اپنے آپ کو اس آگ میں ڈالدیں ، اس پر بہت سے لوگ آگ میں کود پڑے ، اس کے بعد باقی ماندہ لوگوں سے کہا "میں آسمان پر چڑھنے والا ہوں جو شخص میرے ساتھ چلنا چاہے وہ اس شراب کو پی لے ، اس کے بعد زہر ملی ہوئی شراب پہلے اس نے خود پی پھر اس کے ساتھیوں نے پی جسے پی کر وہ سب کے سب مر گئے ، شراب پینے کے بعد مقنع نے اپنی عورتوں اور بچوں کو آگ میں ڈالدیا پھر خود بھی آگ میں کود پڑا تاکہ کہیں اس کے دشمن اس کی لاش پر اور اسکی عورتوں کی لاشوں پر قبضہ نہ کرلیں - یہ ۱۶۹ھ کا واقعہ ہے اس طرح مہدی کی سخت گیر پالیسی نے مقنع اور اس کی شر انگیزی کا خاتمہ کر دیا اور عوام‌الناس ، مقنع کے معتقدات اور اور تعلیمات کے شر سے مامون ہوگئے -

لیکن مقنع کی موت سے اسکی تعلیمات کا خاتمہ پوری طرح نہ ہو سکا اور بلاد ماوراءالنہر کا ایک شخص اس کی تعلیمات کا مبلغ بن کر اٹھا اس شخص کے پیرو مقنعیہ کے نام سے موسوم تھے ۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مقنع خدا تھا اور ہر زمانے میں وہ کسی خاص شکل میں [1] ظاہر ہوتا ہے ۔ بلاد ماوراءالنہر اور ترکستان میں اس شخص کے بہت سے پیرو پیدا ہوگئے ، جہاں انہوں نے ہر گاؤں میں ایک مسجد بنوائی جس میں وہ نماز پڑھتے تھے یہ لوگ سور اور مردار کو حلال سمجھتے تھے اور بے نکاحی عورتوں کو حلال خیال کرتے تھے ، ان لوگوں کا معمول تھا کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کو پکڑ لیتے جسے ان کی مسجد کا مؤذن نہ پہچانتا ہو تو اسے مار ڈالتے اور اس کی لاش غائب کر دیتے ۔

۳ ۔ خرمیہ :

(الف) بابک خرمی :

بلاد فارس، جہاں بابک خرمی کی نشو و نما ہوئی، اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد دونوں زمانوں میں مختلف معتقدات اور نئے نئے فرقوں اور مذہبوں کے گہوارہ تھے ، ان بلاد کا ماحول ان کے لئے بہت ساز گار تھا ، یہی وجہ تھی کہ بلاد فارس میں مختلف مذہبی فرقے ہر زمانے میں خوب پھلے پھولے ، انہیں فرقوں میں ایک خرمیہ کا فرقہ تھا جسکی بنیاد مزدک نے کسریٰ اول نوشیروان کے باپ قباذ کے عہد میں رکھی تھی ، فرقہ خرمیہ مزدکیہ سے ایک نیا فرقہ خرمیہ بابکیہ پیدا ہوا جو بابک خرمی کی طرف منسوب تھا ، جس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور مامون کے

---

۱ ۔ الفرق بین الفرق : صفحہ ۲۱۵ ۔

دور خلافت میں اس نے سلطنت عباسیہ میں شدید انتشار پیدا کردیا تھا ، جسکی شدّت معتصم کے عہد تک برابر بڑھتی رہی تھی -

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ بابک خرمی کا تعلق ابو مسلم خراسانی کے خاندان سے تھا اور اسنے ابومسلم خراسانی کا انتقام لینے کیلئے عباسیوں کے خلاف بغاوت کی تھی - اسکی تحریک دراصل مقنع خراسانی اور راوندیہ تحریکوں کے سلسلے کی ایک کڑی تھی ابو حنیفہ دینوری [1] کا بیان ہے " میرے نزدیک صحیح اور تحقیقی امر یہ ہے کہ بابک خرمی مطہر بن فاطمہ بنت ابو مسلم خراسانی کی اولاد سے تھا ، اسی لئے خرمیہ کا ایک فرقہ فاطمیہ کہلاتا ہے یہ فرقہ فاطمہ بنت ابو مسلم خراسانی کی طرف منسوب ہے - فاطمہ بنت رسول‌الله سے اسکا کوئی واسطہ نہیں ہے " -

بابک خرمی ، خرمیہ کے ایک ممتاز سردار جاریدان کا خادم تھا جب جاریدان کا انتقال ہوگیا تو اسکی بیوی نے اسے اسکا جانشین بنا دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ جاریدان کی روح بابک خرمی کے جسم میں حلول کر گئی ہے اور جاریدان کے پیرووں سے کہا کہ جاریدان کی طرح اسکی اطاعت بھی فرض ہے اس کے بعد اس نے بابک خرمی سے نکاح کر لیا اور بابک خرمی نے پوری سر گرمی سے لوگوں کے عقیدوں میں فتور پیدا کرنا شروع کردیا یہ اس زمانے کا ذکر ہے ، جب مامون مرو میں تھا -

معتصم کے دور خلافت میں بابک خرمی کی سر گرمیوں کی وجہ سے بغداد کے باشندوں میں شدید اضطراب پیدا ہوگیا تھا آذر بائیجان کے باشندے بابک خرمی کے ساتھ ہوگئے تھے اور

---

۱ - الاخبار الطوال مطبوعہ لندن صفحہ ۳۹۷ -

ارمینیه کے بادشاہ اور بیزنطینی سلطنت کے شہنشاہ نے بابک خرمی کی مدد کی تھی اور بابک خرمی کی فوجیں سلطنت عباسیہ کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی تھیں اور ان شہروں کے باشندوں کے دلوں میں ہیبت طاری ہوگئی تھی جو آذر بائیجان اور ایران کے درمیان واقع تھے - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ آذر بائیجان اور ایران کے درمیان جو شہر واقع ہیں، وہ ایک زمانے سے مختلف مذاہب کا گہوارہ تھے، اسی علاقے میں زرا دشتیہ، سانویہ، مزدکیہ - ابو مسلمیہ (ابومسلم خراسانی کے پیرو) مذاہب اور فرقے موجود تھے اور ان سب مذاہب کے معتقدات سے خرمیہ کے عقائد کی تخلیق ہوئی تھی -

مقدسی[1] کا بیان ہے کہ بابک خرمی کے ارد گرد قزاقوں جنگجو قوموں، غنڈوں، فتنہ پردازوں اور مختلف مذہبوں کے افراد کی کثیر تعداد جمع ہوگئی تھی اسطرح ایک کثیر فوج اس نے اکٹھا کر لی تھی، صرف اسکے سواروں کی تعداد بیس ۲۰۰۰۰ هزار تھی، پیادہ فوج اس کے علاوہ تھی اس فوج نے شہروں اور دیہاتوں پر حملے شروع کر دئے اور لوگوں کو لرزہ خیز سزائیں دینا شروع کیں حتیٰ کہ لوگوں کو آگ میں زندہ جلا دیتے تھے اس کے علاوہ مختلف ہولناک سزاؤں میں تامل نہ کرتے تھے یہ لوگ فتنہ و فساد میں بڑی سرگرمی سے منہمک ہوگئے، رحم اور لحاظ ان کے پاس تک نہ پھٹکتا تھا، ان لوگوں نے بڑے بڑے زبردست لشکروں کو شکست دی اور چند مشہور جرنلوں کو قتل کر دیا تھا، بعض تاریخوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ

---

۱ - کتاب البدء و التاریخ جلد ۲ صفحات ۱۱۵ - ۱۱۶ - سیاست نامہ (مطبوعہ Charles Schafar) جلد ۲ صفحات ۲۹۲ - ۲۹۸ -

بابک خرمی نے اپنی ان شورشوں میں کوئی دس لاکھ مرد ، عورتیں اور بچے قتل کئے تھے[1] ۔

خرمیہ کے بنیادی اصول و مقاصد :

خرمیہ کے معتقدات کا تذکرہ ضروری ہے کیونکہ عباسیوں کے عہد کی تاریخ میں ان کا بہت بڑا دخل ہے ، خصوصاً اس لئے کہ اس سے عباسیوں کے ساتھ عجمیوں کے تعلقات پر گہری روشنی پڑتی ہے ۔ خرمیہ کے بنیادی مقاصد میں سے ایک یہ تھا کہ مسلمان عربوں سے مجوسی ایرانیوں میں حکومت کو منتقل کر دیا جائے اس مقصد کے لئے انہوں نے اسلام اور عربوں کے خلاف شدید بغاوتیں شروع کر دیں ۔

اس بیان کی تائید مقدسی[2] اپنی کتاب " البدء و التاریخ " میں ان الفاظ میں کرتے ہیں " خرمیہ کا مقصد یہ تھا کہ عرب مسلمانوں سے سلطنت چھین کر عجمیوں کو اس پر فائز کیا جائے اس لئے وہ اپنے مذہب کا بڑی شدت سے پروپیگنڈا کرتے تھے اور اس کے معتقدات کو بڑی خوبصورت اور جاذب شکل میں جاہل لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے ، اپنے مذہب کا وہ بڑی خاموشی سے پرچار کرتے تھے ، ان کے مقاصد کا ماحصل یہ تھا کہ اسلامی حکومت کے نظام میں تعطل پیدا کیا جائے اور الحاد کو رواج دیا جائے ، اس فرقے کے سرغنوں نے اپنے آپ کو خدائی کے منصب پر فائز کر رکھا تھا چنانچہ بابک خرمی کا دعویٰ تھا کہ جاریدان کی روح اس میں حلول

---

۱ ۔ مسعودی : مروج الذہب جلد ۲ صفحات ۳۵۰ ۔ ۳۵۱ ۔
۲ ۔ جلد ۵ صفحہ ۳۴ ۔

کر گئی ہے بابک کے پیرو کہتے تھے ، ''روح بابک ہم تجھ پر ایمان لائے ، جس طرح اے روح جاریدان تجھ پر ایمان لائے'' انتہا پسند شیعوں کی طرح خرسیہ بھی رجعت[1] کے عقیدے کے قائل تھے -

مقدسی[2] اپنی تاریخ میں خرمیہ کے معتقدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس فرقہ کے اندر بھی مختلف فرقے اور گروہ تھے لیکن یہ سب کے سب رجعت کے عقیدہ میں متفق تھے ، وہ تناسخ یا اواگون کے بھی قائل تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ اپنی شریعتوں اور ملتوں کے اختلاف کے باوجود سب رسولوں کا نصب العین ایک تھا اور وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع نہیں ہوا - ہر مذہب کا پیرو ان کے نزدیک صحیح راستے پر تھا بشرطیکہ وہ عذاب و ثواب کا یعنی مکافات عمل کا قائل ہو ، ان کے نزدیک اس کی تحقیر اور اس کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آنا جائز نہیں تھا جب تک وہ ان کے مذہب کے ساتھ مکر و فریب سے کام نہ لے یا ان کے مذہب کو مٹانے کی کوشش نہ کرے ، یہ لوگ ابو مسلم خراسانی کا بہت احترام کرتے تھے اور ابو جعفر منصور پر لعنت بھیجتے تھے جس نے اسے

---

۱ - رجعت کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مہدی علیہ‌السلام نزول فرما کر انحضرت ص کے روضۂ مقدس پر آئیں گے اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کو ان کی قبروں سے نکال کر زندہ کریں گے پھر نعوذباللہ انہیں قتل کریں گے پھر زندہ کریں گے پھر قتل کریں گے اسی طرح سینکڑوں بار زندہ اور قتل کریں گے اسی طرح حضرت عائشہ رض کی لاش کو قبر سے نکال کر زندہ کریں گے پھر حد جاری کر کے انہیں جان سے ماردیں گے اور اسی طرح سینکڑوں بار کریں گے -

۲ - البدء و التاریخ : جلد ۴ صفحات ۳۰ - ۳۱ -

قتل کر دیا تھا ، فیروز پر صبح و شام درود و سلام بھیجتے تھے کیونکہ وہ فاطمہ بنت ابومسلم کا بیٹا تھا ، ان کے بہت سے امام تھے جن کی احکام کی پیروی کرتے تھے ، ان کے کثرت سے نامہ بر تھے جو ان اماموں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے ، اور وہ انہیں ”فرشتگان“ کے نام سے یاد کرتے تھے ، شراب سے زیادہ کسی چیز کو متبرک نہ سمجھتے تھے ، ان کے دین کی بنیاد نور و ظلمت کے عقیدے پر قائم تھی (یعنی وہ یزدان اور اھرمن کے قائل تھے) میں نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھا ھے ، جو ھنوز نہ صرف عورتوں کی اباحت کے قائل تھے ، بلکہ ھر اس چیز کو مباح سمجتے تھے جس سے نفس محظوظ ھو اور طبیعت اس کی طرف راغب ھو ۔

اس بیان کی تائید نظام الملک کے اس بیان سے بھی ھوتی ھے جو اس نے اپنی کتاب ”سیاست نامہ[1]“ ، میں خرمیہ کے معتقدات کا تذکرہ کرتے ھوئے لکھا ھے ، نظام الملک لکھتا ھے : خرمیہ نے تمام مذھبی فرائض مثلاً نماز ، روزہ ، حج ، زکواۃ کو ترک کر دیا تھا اور شراب کو اپنے لئے حلال کر لیا تھا ۔ محرمات کو جائز اور عورتوں کو مشترک ملکیت سمجھتے تھے ، نظام الملک کی تحقیق ھے کہ یہی معتقدات مزدک کے بھی تھے ، ان لوگوں نے اسلام کو ملیا میٹ کر دینے میں اپنی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ، ان کے دل میں اھل بیت کے کسی فرد کے ساتھ کوئی خاص محبت یا ھمدردی کا جذبہ نہ تھا ، دراصل وہ ان کے نام پر اپنے مدد گاروں کی تعداد بڑھانا چاھتے تھے تاکہ

1. Siasest Naweb (ed by Charles Schefer) p. 298 suivx.

وہ اپنی دعوت کی نشر و اشاعت کا دائرہ وسیع کر سکیں ، جس کا نصب العین اسلامی عقائد اور تعلیمات کو مٹانا تھا ۔ نظام الملک کا بیان ہے کہ خرمیہ اور باطینہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے -

فان فلوتن[1] خرمیہ پر لفظی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خرمیہ کا فرقہ "خرم" کی طرف منسوب ہے، جو میڈیا کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے ، خرمیہ کا لفظ خرم سے بھی مشتق کہا جا سکتا ہے جس کے معنی " لذیذ اور خوش باش " کے ہیں یہ مفہوم اس فرقہ پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے ، خرمیہ کے معتقدات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب کا دار و مدار محض لذت کوشی پر تھا ، خرمیہ کے مختلف فرقوں نے عورتوں کا درجہ سوسائٹی میں اس درجہ سے بہت بلند کر دیا تھا ۔ جو اس وقت مشرقی ممالک میں انہیں حاصل تھا ، خرمیہ کے مذہبی اور معاشرتی اجتماعوں میں ان کی شرکت ناگزیر خیال کی جاتی تھی لیکن اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان اجتماعوں میں عورتوں کی شرکت سے حظ نفس اور دلچسپی کا سامان مہیا کیا جائے -

غرض اس فرقے نے لذت نفس اور عیاشی کے سامان بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا ، اہل سنت کے دلوں میں اس فرقے سے بغض و عداوت کی ایک اہم وجہ ان کی یہی لذت کشی تھی لیکن اس بغض و عداوت کے اور بھی متعدد اسباب تھے، ان میں سب سے بڑی وجہ، اس فرقے کا ہر معاملے میں غلو اور اس کی انتہا پسندی تھی -

---

۱ - السیادۃ العربیہ و التشیع و الاسرائیلیات ترجمہ مؤلف صفحات ۹۹ - ۱۰۰ -

(ب) افشین اور مازیار :

معتصم نے بابک کی شورش کا خاتمہ کرنے کےلئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا جس نے اس کی سلطنت کی بنیادیں متزلزل کر دی تھیں اور اس کے دل و دماغ کو بے حد مضطرب کر دیا تھا ، اس شورش کی سرکوبی میں اس کی فوج کی بہت بڑی تعداد کام آچکی تھی ، بے شمار مال و دولت برباد ہو چکا تھا اور کھیتوں اور مویشیوں کے نقصان کا تو کوئی اندازہ نہ تھا ۔ بابک خرمی کی یہ شورش ابھی جاری تھی کہ افشین نے بغاوت کر دی ، دوسرے لفظوں میں معتصم کو اس منظم اور خطرناک سازش کا سامنا کرنا پڑا ، جس کا منصوبہ افشین نے مازیار کے اشتراک عمل سے تیار کیا تھا ۔ مازیار محمرہ کا سردار تھا محمرہ خرمیہ کا ایک فرقہ تھا جو بابک خرمی کا پیرو تھا ۔ مازیار کا آفتاب اقبال ماموں الرشید کے دور خلافت میں طلوع ہوا ، وہ ماموں کا معتمد تھا اور اسی وجہ سے اس نے اسے جبال شروین کا گورنر مقرر کیا تھا جو بلاد طبرستان میں واقع ہیں ، ماموں نے اس کا نام محمد رکھا تھا اور اسے اصبہند کا لقب دیا تھا ، جو ایسے معتمد خاص کو دیا جاتا تھا جسے ان اطراف کی گورنری کا اعزاز حاصل ہوتا تھا ۔ ماموں کی وفات کے بعد جب اس کا بھائی معتصم خلیفہ ہوا اس وقت مازیار کی باغیانہ حرکتیں ظہور میں آئیں ، مازیار اور بابک خرمی کے درمیان خط و کتابت شروع ہوئی اور مازیار نے خلیفہ عباسی کے مقابلے میں بابک خرمی کی مدد کا وعدہ کیا ۔ طبری [1] کا بیان ہے ”مازیار نے جب بغاوت کا عزم کیا تو اس نے ممتاز

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۹ ۔

لوگوں سے اپنے لئے بیعت لی ، ان لوگوں نے اس سے بادل نخواستہ بیعت کی ، مازیار نے یہ محسوس کر لیا اسی لئے اس نے ان لوگوں سے بیعت پر قائم رھنے کے لئے ضمانتیں طلب کیں ، اس پر بھی مطمئن نہ ھوا اور انہیں بروج اصبہند میں نظر بند کر دیا ، مازیار نے مزارعین کو جاگیر داروں کے خلاف بھڑکا دیا اور جاگیرداروں کے مال و دولت لوٹ لینے کا حکم دیدیا ۔ خلیفہ عباسی کے خلاف بابک خرمی سے مازیار کی ساز باز اور دونوں کی متحدہ بغاوت کا تذکرہ کرتے ھوئے ، کتاب الفرق بین الفرق[۱] کا مصنف لکھتا ھے ، ''مازیار کا فتنہ بہت خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا ، معتصم کے دور خلافت میں اسے گرفتار کیا گیا اور سرمن‌رآی میں بابک خرمی اور اسے آمنے سامنے سولی پر لٹکایا گیا ، مازیار کے پیرو اس وقت جبال شروین میں پائے جاتے ھیں ، یہ لوگ مزارع ھیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاھر کرتے ھیں ، لیکن ان کے دل کفر سے معمور ھیں'' ۔

ماز یار ایران کے دیہاتی علاقے کا باشندہ تھا اس نے آل طاھر کے خراسانی گورنروں کو خلیفہ عباسی کا باجگذار بنایا لیکن جب سلطنت عباسیہ بابک خرمی کے ساتھ جنگ میں مصروف تھی اس وقت اس نے سوقع غنیمت خیال کیا اور بابک خرمی اور افشین سے ساز باز کی اور تینوں نے اپنے بلاد سے اسلام کو مٹانے اور عربوں کی حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے متحدہ جد و جہد شروع کی ، واقعات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ شورش اور اس جیسی دوسری شورشیں دراصل بیک وقت مذھبی اور سیاسی

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۳۵۱ - ۳۵۲ -

شورشیں تھیں ، ان کا مقصد دولت عباسیہ سے رشتہ منقطع کرکے خود مختار حکومت قائم کرنا تھا ۔ اس زمانہ میں در اصل یہ ایک قومی تحریک تھی جسکی غرض یہ تھی کہ عربوں کا جاہ و جلال اور شرف و وقار عوام کی نگاہوں میں کم کیا جائے اور ان کے مذہب اور انکی سلطنت کا خاتمہ کردیا جائے ۔

افشین، بلاد اشروسہ کا باشندہ تھا جو بلاد ماوراءالنہر کا ایک صوبہ تھا ، جسکے مشرق میں فرغانہ کے بلاد تھے ، مغرب میں سمر قند واقع تھا اور شمال میں شاس تھا ، افشین اور اس کا باپ خلیفہ معتصم کے خدمتگاروں میں تھے ۔ معتصم نے عموریہ کی جنگ کیلئے جو فوجیں بھیجی تھیں ، ان میں سے ایک فوج کا سپہ سالار افشین کو مقرر کیا تھا ، عموریہ کی جنگوں میں افشین کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اسکی وجہ سے معتصم نے اپنا معتمد علیہ اور مقرب بنا لیا ، اسکے بعد بابک خرمی کی سرکوبی کیلئے اسے مامور کیا ۔

افشین میں شدید ملکی عصبیت پائی جاتی تھی چنانچہ جب وہ بابک کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا ۔ اس زمانے میں جو مال و دولت اورتحائف اس کے پاس پہنچتے تھے انہیں فوراً اپنے بلاد کو روانہ کر دیتا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن طاہر نے ان تحائف اور مال و دولت کی بہت بڑی مقدار بلاد اشروسہ کے راستے میں پکڑی تھی[1] بابک خرمی اور مازیار کیطرح افشین بھی اپنے بلاد میں ایک خود مختار حکومت قائم کرنا چاھتا تھا اور مسلمانوں اور دولت عباسیہ دونوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۳ ۔

تھا ، اس کا نصب العین مجوسیت کو فروغ دینا تھا ، اس کا خیال تھا
کہ بابک خرمی اور ماز یار کے ذریعہ مجوسیت کو فروغ اور ترقی
حاصل ہوسکتی ہے -

پروفیسر[1] براؤن لکھتے ہیں "افشین ، وطنی عصبیت اور
ایرانی رجحانات میں شدت کے لحاظ سے ماز یار اور بابک خرمی سے
کسی طرح کم نہ تھا جنہوں نے انتہائی مشکلات میں بھی اس
کا ساتھ نہ چھوڑا تھا - کہا جاتا ہے کہ افشین کے گھر میں بت
بھی پائے گئے تھے جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ کہیں باہر
سے منگوائے گئے تھے[2] اور افشین ان کی پرستش کرتا تھا ، اسکے پاس
زنادقہ کی کتابیں بھی پائی گئی تھیں - یہ شخص عربوں سے نفرت
کرتا تھا اور اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا لیکن
اس کے دل میں کفر مضمر تھا ، اس دعویٰ کی دلیل
اس کا یہ بیان ہے " میں نے ان عربوں میں گھس کر ان کی ہر
وہ چیز اختیار کی جس سے مجھے انتہائی نفرت تھی یہاں تک کہ
زیتون کا تیل بھی کھایا ، اونٹ پر سواری بھی کی ، چپل پہنی
صرف موئے زیر ناف نہیں مونڈے اور ختنہ نہیں کرایا " -

افشین ، گلا گھونٹے ہوئے جانور کا گوشت جائز سمجھتا
تھا اور کہتا تھا کہ اسکا گوشت مذبوحہ جانور کے گوشت سے
زیادہ لذیذ ہوتا ہے ، وہ مسلمانوں کے طریقہ پر جانور کو
ذبح نہیں کرتا تھا ، اسکا معمول تھا کہ بدھ کے دن ایک
بکری منگواتا تھا اور اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیتا

---

1 - Lit. History of Persia Vol. 1, p. 330.

۲ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ -

تھا ، اس کے بعد بکری کے بیچ میں سے گذر جاتا تھا پھر اسکا گوشت کھاتا تھا ، جانور ذبح کرنے کا یہ طریقہ اس کی قوم کا معمول تھا ، مقنع خراسانی کی طرح اس کا بھی دستور تھا کہ جب کبھی اپنی قوم کے نام خط لکھتا تھا تو اس طرح شروع کرتا تھا ، خداؤں کے خدا کی طرف سے اس کے فلاں بندے کے نام ۔

مسعودی[1] کا بیان ہے کہ جب مازیار گرفتار کیا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ مجھے افشین نے ، مذہب کے نام پر بغاوت کرنے پر اکسایا تھا ، جس کے ہم دونوں پیرو ہیں یعنی مجوسیت اور ثنویت ۔

معتصم نے افشین کو اپنے سامنے کھڑا کرکے جو محاکمہ کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ افشین اپنے مذہب میں انتہائی کٹر تھا اور اس میں قومی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی ، اس محاکمہ کے وقت معتصم نے ان سب سازشوں کو افشین کی زبان سے گنوا لیا تھا جو اس نے سلطنت عباسیہ کے خلاف کی تھیں اس محاکمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معتصم نے اس خطرناک سازش کی باریکیوں کا پتہ چلانے کیلئے کتنا اہتمام کیا تھا، جو افشین اور اس کے مددگاروں نے خلافت عباسیہ کے خلاف کی تھیں۔ معتصم نے افشین سے محاکمہ کیلئے ایک مجلس منعقد کی تھی جسکا میر مجلس وہ خود تھا اور اس کا وزیر محمد بن عبدالملک زیات اور اسکا قاضی ابن ابی داؤد اور بہت سے ارکان

---

۱ ۔ مروج الذهب : جلد ۲ صفحه ۳۵۴ ۔

سلطنت اس مجلس میں شامل تھے[1] -

افشین کا خاتمہ بابک خرمی کے خاتمہ سے بھی زیادہ الم انگیز اور عبرت خیز تھا ، افشین کو پہلے جیل میں ڈال دیا گیا چند روز بعد وھیں اسے زھر دے دیا گیا اسکے بعد اسکی لاش کو جیل سے نکال کر سولی پر لٹکایا پھر اسے ان بتوں کے ساتھ جلا دیا گیا تھا جو اس کے گھر میں ملے تھے - یہ ۲۲۶ھ کا واقعہ ھے -

سر ولیم میور[2] نے افشین کے محاکمے پر تبصرہ کرتے ھوئے لکھا ھے " اس محاکمے سے روز روشن کی طرح ظاھر ھو جاتا ھے کہ دولت عباسیہ کے مشرقی ممالک کے باشندے بت پرستی کے عقائد میں کتنے کٹر تھے - اسکی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ مرکزی سلطنت عباسیہ سے بہت دور تھے دوسرا سبب یہ تھا کہ ان عجمیوں کے قلوب تک اسلام کا اثر نہ پہنچا تھا ، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مستحکم شہروں میں محفوظ تھے اور بت پرست ترکوں سے ان کا بہت قرب تھا - اس لئے وہ عقائد میں بھی سخت تھے اور سلطنت عباسی سے بھی دھشت زدہ نہ تھے " سر ولیم میور نے اس سے ایک نتیجہ یہ اخذ کیا ھے کہ بعض اھل فارس کا اسلام ، صرف ظاھری اسلام تھا ، حقیقت میں وہ اپنے قدیم مجوسی عقاید کے پابند تھے اور ارتداد کے لئے ھمیشہ موقع کے منتظر رھتے تھے ، سنباذ مجوسی ، ابو مسلم کے مددگاروں اور بابک خرمی نے جن شورشوں کی آگ مشتعل

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے طبری جلد ۱۰ صفحات ۳۶۵ - ۳۷۲ -

2. Muir : The Calephate p. 518 - 519.

کی تھی ، ان سب کا یہی مقصد تھا کہ اسلام سے لوگوں کو مرتد کیا جائے اور ایران کے قدیم مذہب کا احیاء کیا جائے ۔

۴ ۔ زنادقہ

عباسیوں کے دور اول میں سب سے طاقتور اور سب سے خطرناک تحریکیں ، زنادقہ کی تحریکیں تھیں جن کی تعلیمات ، اسلامی تعلیمات اور عقائد سے بالکل متضاد تھیں ۔ یہ زنادقہ ایک غلط قسم کی جمہوریت کے علمبردار تھے محرمات کو حلال خیال کرتے تھے اور سوسائٹی کے آداب کو لغو سمجھتے تھے ، زنادقہ معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے ۔

لفظ زندیق کا مفہوم مختلف زمانوں میں مختلف رہا ہے عرب ہر اس شخص کو زندیق کہتے تھے ، جو خدا کے وجود کا منکر ہو یا اس کا کسی کو شریک ٹھہراتا ہو ، زندیق منافق کو بھی کہا جاتا تھا ، جو زبان سے ایمان کو ظاہر کرے مگر دل سے کافر ہو ۔

شروع میں لفظ زندیق کا اطلاق ہر اس شخص پر کیا جاتا تھا جو ایرانیوں کی عادات و اطوار اور ان کے تمدن و معاشرت کا دلدادہ ہو اور لہو و لعب اور فضول باتوں میں غلو اور انتہا پسندی کا خوگر ہو ، اس کے بعد ہر اس شخص کو زندیق کہنے لگے جس نے مانویوں کے معتقدات کو اپنا شعار بنا لیا ہو ، دو خداؤں (یعنی یزدان اور اهرمن) کا قائل ہو اور ان کی عبادت کرتا ہو ۔ اور مانی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو ۔ عباسیوں کے دور میں لفظ زندیق کے معنی میں ذرا وسعت

پیدا ہوگئی اور اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا جو خدا کے وجود کا منکر ہو یا اسکے وجود کا خاکہ اڑاتا ہو۔

زنادقہ کی تاریخ کا آغاز، اسویوں کے آخری دور سے ہوتا ہے عبدالصمد بن عبدالاعلیٰ خلیفہ اسوی ولید بن یزید بن عبدالملک کا اتالیق زندیق[1] تھا، اسی طرح جعد بن درہم زندیق تھا، جسکی طرف آخری اسوی خلیفہ مروان بن محمد منسوب ہے اور مروان جعدی کہلاتا ہے۔

ابن ندیم[1] کا بیان ہے کہ جعد، مروان اور اسکے بیٹے دونوں کا اتالیق تھا، اس نے مروان میں زندیقی خیالات پیدا کر دئے تھے۔ خالد بن عبداللہ قسری نے، باوجود اسکے کہ اس پر زندیقیت کا الزام تھا، زندیقیوں کے ساتھ بڑا سخت رویہ اختیار کیا تھا، یہاں تک کہ اس نے جعد بن درہم کو بھی قید کردیا تھا، پھر اسے عیداضحیٰ کے روز قربانی کا جانور سمجھ کر ذبح کیا تھا، اسکی قربانی کے بعد منبر پر کھڑے ہوکر بڑے فخر سے اعلان کیا تھا کہ میں نے جعد کو قربانی کی جگہ ذبح کیا ہے، یہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ کا ذکر ہے۔

دولت عباسیہ کے قیام کے بعد زنادقہ کو ابھرنے کا موقع ملا اور وہ کوفہ میں پھیل گئے اور اپنی سرگرمیاں تیز کردیں جاحظ نے جو ماموں کے دور میں ایک ممتاز فاضل گذرا ہے، زنادقہ کی کتابوں پر بحث کی ہے اور ان کا تار و پود کھول کر رکھ دیا جاحظ نے زنادقہ کی کتابوں سے لیکر ان کے جو معتقدات بیان کئے ہیں وہ وہی معتقدات ہیں جو مانوی مذہب کی

۱۔ الاغانی : جلد ٦ صفحات ۱۳۱ - ۱۳۲ -

کتابوں سے ہم تک پہنچے ہیں [1] - جاحظ کے بعد ابوالفرج اصفہانی (۳۴۸ھ) نے اپنی کتاب اغانی[2] میں زنادقہ کے عقائد پر تفصیلی بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ دو خداؤں یزدان اور اہرمن کی پرستش کرتے تھے اور مانی کی تعلیمات کے پیرو تھے -

زندیقیت کے پھیلنے کے اسباب یہ تھے کہ وہ نصرانیت اور زردشتیت (ایرانیوں کے پیغمبروں میں سب سے مشہور زرادشت مانی اور مزدک ہیں) کے بین بین تھی اور یہی سبب تھا کہ ان مذہبوں کے پیرو زندیقیت سے متاثر ہوئے ان مذاہب کی تعلیمات، اسلامی تعلیمات سے بھی مشابہ تھیں، مثلاً ایک مسلمان کی طرح ایک مانوی یا زندیقی بھی دن رات میں کئی بار نمازیں پڑھتا تھا اسی طرح مانوی بھی نماز سے پہلے مسلمانوں کی طرح وضو کرتے تھے -

بعض عباسی خلفاء نے ان تعلیمات کے پیرووں کا بڑا سختی سے استیصال کیا تھا، خلیفہ مہدی نے ان لوگوں کو بڑی سخت سزائیں دی تھیں اور ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا جس کے افسر اعلیٰ کو "صاحب زنادقہ" کہتے تھے - اس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ زندیقیوں اور ان کی تعلیمات کا خاتمہ کرے مہدی کا معمول تھا کہ اگر اسے کسی پر زندیق ہونے کا شبہ بھی ہو جاتا تھا تو وہ اسے زندہ نہ چھوڑتا تھا، جب مہدی حلب پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ زندیقیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جائے اور مار مار کر ان کی چمڑی ادھیڑ دی جائے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے - صاحب اغانی[3] کا بیان ہے

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۳۷۲ -
۲ - جلد ۳ صفحات ۷۳ - ۸۶ -
۳ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ -

که مہدی جب بصرہ پہنچا تو اس نے بشار کو گرفتار کر کے زنادقہ کی سرکوبی کے افسر اعلیٰ حمدویہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اسے اتنا پٹوایا جائے کہ اس کا دم نکل جائے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ خلیفہ ان ملحدین کے قتل کرنے میں بہت انتہا پسند تھا۔ اس نے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا جس کے افسر اعلیٰ کو صاحب زنادقہ کہتے تھے۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ زندیقیوں سے بحث و مباحثہ کرے اور ان کے بارے میں فیصلہ صادر کرے، اسی طرح مہدی نے ایک علمی مجلس قائم کی تھی جس کے ارکان کا یہ کام تھا کہ وہ زندیقیوں سے مناظرہ کریں اور ان کی تردید میں کتابیں لکھیں، زندیقیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اور انہیں لرزہ خیز سزائیں دینے کے لئے مہدی کے دل میں کتنا شدید جذبہ تھا اس کا اندازہ مہدی کی اس وصیت سے کیا جاسکتا ہے، جو اس نے اپنے بیٹے موسیٰ (جو مہدی کے بعد ہادی کے لقب سے عباسی تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا) کو کی تھی۔ طبری نے اس وصیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: مہدی نے ایک دن موسیٰ سے کہا (اس وقت مہدی کے پاس ایک زندیق پکڑ کر لایا گیا تھا جس سے مہدی نے توبہ کرنے کے لئے کہا۔ لیکن اس نے انکار کیا اس پر مہدی نے اس کی گردن اڑا دی اور اس کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا)۔ ''میرے بیٹے! جب تم خلافت پر فائز ہو تو اس فرقے یعنی مانی کے پیروؤں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا کیونکہ یہ فرقہ پہلے تو لوگوں کو اچھی باتوں کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بری باتوں سے پرہیز کرو۔ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اور آخرت کے لئے

نیک عمل کرو ، پھر ان سے کہتا ہے کہ گوشت کھانا حرام ہے اور پاک، پانی کو چھونا تک حرام ہے اور کیڑوں مکوڑوں کا ہلاک کرنا بہت بڑا پاپ ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو دو خداؤں یعنی یزدان اور اھرمن کی طرف راغب کرتا ہے پھر اس کے بعد اس فرقے کے سرغنہ بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح جائز کر دیتے ھیں۔ پیشاب سے غسل کرنا روا قرار دیتے ھیں اور بچوں کا راستوں سے اغوا کرلینا جائز کر دیتے ھیں اور اس کا مقصد یہ بیان کرتے ھیں کہ بچپن ھی سے ظلمت کی گمراھی سے ھدایت کے نور کی طرف بچوں کو لے جائیں گے ، اس لئے اس فرقہ کا سر کچلنے کے لئے ڈنڈا ھاتھ میں لینا اور تلوار میان سے نکالنا اور ان کا استیصال کر کے خدائے وحدهٔ لا شریک کا قرب حاصل کرنا ، میں نے تمہارے دادا حضرت عباس کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے دو تلواریں میری کمر میں لٹکائیں اور مجھے حکم دیا کہ ان دو خدا ماننے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دو [1]۔

زندیقیت عباسیوں کے دور میں بہت پھیل گئی تھی ، یہاں تک کہ وزیروں اور شاعروں کے گھروں تک میں داخل ھوگئی تھی۔ فخری[2] کا بیان ھے ”خلیفہ مہدی کے حاجب ربیع بن یونس نے ذاتی پر خاش اور رقابت کی بنا پر مہدی کے وزیر معاویہ بن یسار کے بیٹے پر یہ تہمت لگائی کہ وہ زندیقی ھے۔ مہدی نے معاویہ بن یسار کی موجودگی میں اسے اپنے پاس بلوایا اور حکم دیا کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ سناؤ ، وہ نہ سنا سکا تو

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۴۲ ۔
۲ ۔ الفخری : صفحات ۱۶۳—۱۶۶ ۔

مہدی نے اس کے باپ سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا ، کیا تم نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ تمہارا بیٹا قرآن کا حافظ ہے ؟ ابن یسار نے جواب دیا ، بیشک کہا تھا امیرالمومنین ! لیکن یہ مجھ سے بہت دنوں تک الگ رہا ہے ، اس لئے بھول گیا ہے ۔ مہدی نے اس کے باپ سے کہا ، کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بیٹے کو قتل کر کے خدا کا قرب حاصل کرو ۔ معاویہ کھڑا ہو گیا لیکن تھر تھرانے لگا اور لڑ کھڑا کر گر گیا ۔ اس وقت مہدی کے چچا عباس بن محمد نے مہدی سے کہا ، امیرالمومنین ! میری درخواست ہے کہ بوڑھے باپ کو اپنے بیٹے کے قتل کرنے سے معاف کر دیجئے اور یہ کام کسی اور کے سپرد کر دیجئے ۔ مہدی نے اسے منظور کیا اور حاضرین دربار میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اسے قتل کر دے ۔ وہ شخص اٹھا اور اس نے اس کی گردن اڑا دی ۔ اس دن سے یہ وزیر روپوش ہو گیا اور اپنے گھر سے مرتے دم تک نہیں نکلا یہاں تک کہ ۱۷۰ھ میں اس نے داعئی اجل کو لبیک کہا ۔

جب ہادی تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے زندیقیوں کے ساتھ بڑی سختیاں کیں اور ان کی بہت بڑی جماعت کو قتل کر دیا ۔ طبری[1] کا بیان ہے کہ ہادی نے جن لوگوں کو قتل کیا ان میں سے یقطین کا سیکریٹری یزدان بن بازان اور یقطین کا بیٹا علی بن یقطین بھی شامل ہیں ، یہ لوگ نہروان کے ممتاز افراد تھے ۔ طبری نے لکھا ہے کہ ایک بار ہادی حج کو گیا وہاں اس نے لوگوں کو دیکھا کہ بڑی تیز رفتاری سے طواف کر رہے

---

۱ ۔ جلد ۱۰ صفحہ ۲۳ ۔

ہیں ، انہیں دیکھ کر اس نے کہا یہ لوگ اس طرح دوڑ رہے ہیں جیسے بیل گا رہے ہوں[1] یہ الفاظ سن کر ابو العلاء بن حداد نے یہ شعر کہے ۔ ”اے خدا کے امین مخلوق خدا پر اور کعبہ اور ممبر کے وارث! کیا کہیگا تو ایسے کافر شخص کے بارے میں جو کعبہ کو کھلیان سے تشبیہ دے اور جو لوگ طواف کر رہے ہیں انہیں بیل بتائے جو گیہوں کو گاتے ہیں۔“ یہ شعر سن کر موسیٰ ہادی نے غصے میں ابو العلاء کے اتنی زور سے ایک ڈنڈا مارا کہ وہ فوراً مر گیا ہادی کا وہی ڈنڈا اچٹتا ہوا حاجیوں میں سے ایک حاجی کے لگا اور اس کی ضرب سے وہ حاجی اور اس کا گدھا دونوں مر گئے ۔

طبری کا بیان ہے کہ ہادی نے کہا تھا اگر میں زندہ رہا تو اس فرقے کے ایک ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حکم دیا تھا کہ کھجور کے ایک ہزار تنے تیار کئے جائیں غالباً اس کا مقصد زندیقیوں کے لئے سولیاں قائم کرنا تھا ۔ طبری کا بیان ہے کہ ہادی نے جس مہینے یہ حکم دیا تھا ، اس سے اگلے مہینہ اس کا انتقال ہوگیا ۔

اس فرقے کے پیرووں کا استیصال مہدی کا نصب العین رہا ، اس کے بعد اس کا بیٹا ہادی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا اسی طرح ہارون الرشید نے ایک شخص کو مقرر کیا تھا ، جو صاحب زنادقہ کے نام سے موسوم تھا جس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ ہر اس شخص کے متعلق تحقیقات کرتا تھا جس پر

---

۱ ۔ ” گانے “ کا مطلب ہے غلے کو روند کر بھوسا الگ کرنا ۔

زندیق ہونے کا الزام ہوتا تھا ، جس شخص پر یہ الزام ثابت ہو جاتا تھا اسے دردناک سزائیں دیتا تھا ۔ ایرانیوں کے علاوہ بہت سے عرب بھی زندیقی ثابت ہوئے تھے مثلاً صالح بن عبدالقدوس اور مطیع بن عباس ، (جو منصور اور مہدی کے عہد میں ممتاز شاعر گزرا ہے) ۔ اس مطیع کی بیٹی کو زندیقیت کے الزام میں ہارون الرشید کے سامنے حاضر کیا گیا اس نے اعتراف کیا کہ اس کے باپ نے اسے زندیقیت کی تعلیمات دی ہیں اور اس نے مانویہ کی کتاب اس سے پڑھی ہے[1] ۔ ابن ندیم[2] کا بیان ہے کہ اکثر برامکہ زندیقی تھے ، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ برامکہ کی بربادی کا یہ ایک اہم[3] سبب تھا ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "معارف" میں لکھا ہے[4] کہ اصمعی نے ان برامکہ پر کفر کا فتویٰ دیا تھا ۔

زندیقیت کا زور ہارون الرشید کے عہد کے بعد بھی قائم رہا ۔ معتصم کے دور میں خلافت کے ممتاز ارکان تک میں اس کے جراثیم پھیل گئے تھے ۔ معتصم کا جنرل افشین مانوی معتقدات کا پیرو تھا ۔ افشین کی موت کے بعد اس مذہب کے معتقدات ختم ہونے کی بجائے اور زور پکڑ گئے اور خلافت عباسیہ پر ترکوں کے تسلط کے بعد ان معتقدات کو سازگار ماحول مل گیا تھا اور ان کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو گیا تھا ۔

زنادقہ نے علم و ادب اور سیاست پر بحثیں کی تھیں ، جن سے ارباب ادب اور اہل فکر متاثر ہوئے تھے اس زمانے کے

---

۱ ۔ الاغانی : جلد ۱۲ صفحہ ۸۵ ۔
۲ ۔ کتاب الفہرست : صفحہ ۴۷۳ ۔
۳ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۰ ۔
۴ ۔ کتاب المعارف : صفحہ ۱۴۸ ۔

مسلمان اہل ادب اور اہل فکر نے اس خطرناک فتنہ کو محسوس کیا اور ایک بہت بڑے گروہ نے زنادقہ سے مباحثے کئے اور ان کے معتقدات و خیالات کی تردید میں بڑی بلند پایہ کتابیں لکھیں اس طرح ''علم کلام'' پیدا ہوا ۔ واصل بن عطاء سب سے پہلا شخص تھا ، جس نے زنادقہ کے خیالات و عقائد کی تردید کی طرف توجہ کی۔ ایک بار واصل نے اس عہد کے ممتاز شاعر بشار بن برد کے چند اشعار سنے جن کا مفہوم یہ تھا ''ابلیس تمہارے باپ آدم سے افضل ہے ، اسے خوب اچھی طرح سمجھ لو ، ابلیس آگ سے اور آدم مٹی سے بنے ہیں اور مٹی آگ کے برابر نہیں ہوسکتی ، زمین ظلمت والی ہے اور آگ نور والی ہے اور آگ ہمیشہ سے معبود چلی آتی ہے'' ۔ یہ شعر سن کر واصل نے سمجھ لیا کہ بشار زندیق اور ملحد ہے اور اپنے معتقدین سے کہا ''اس اندھے ملحد کو جس نے اپنی کنیت ابو معاذ اختیار کر رکھی ہے کون قتل کرے گا ؟ اگر دھوکے سے قتل کر دینا ان زندیقیوں کا وطیرہ نہ ہوتا تو میں کسی شخص کو بھیج کر اس کے بستر ہی پر اس کا کام تمام کرا دیتا ''۔ کہا جاتا ہے کہ عقیدۂ رجعت اختیار کرنے اور تمام ائمہ کا انکار کرنے سے پہلے بشار ، واصل بن عطاء کی بہت تعریف کرتا تھا لیکن جب اس کے کانوں میں واصل کے یہ الفاظ پہونچے تو اس نے واصل کی سخت ہجو کی تھی ۔

ابوہذیل نے زندیقیوں سے بڑے طویل مناظرے کئے تھے ایک روز ابوہذیل نے صالح بن عبدالقدوس سے مناظرہ کیا جو زندیقیوں کا ایک ممتاز اور مشہور شخص تھا اس مناظرے سے چند روز قبل صالح کے بیٹے کا انتقالً ہو گیا تھا ۔ ابوہذیل اس کے پاس دراصل تعزیت کے لئے گیا تھا ابوہذیل نے صالح کو غم زدہ دیکھ

کر پوچھا تمہارے غم زدہ ہونے کی کوئی وجۂ جواز میری سمجھ میں نہیں آئی - صالح نے جواب دیا مجھے صرف اس بات کا رنج ہے کہ میرے بیٹے نے کتاب الشکوک نہیں پڑھی تھی، ابوھذیل نے پوچھا وہ کیا ہے؟ صالح نے جواب دیا اس نام سے میں نے ایک کتاب لکھی ہے، جو شخص اسے پڑھ لیتا ہے وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی اسے یہ وھم ہونے لگتا ہے کہ اس کا سرے سے وجود ھی نہیں ہے کبھی یہ گمان گذرتا ہے کہ اس کا وجود تھا تو لیکن اب نہیں ہے، ابوھذیل نے جواب دیا: خوب! جب یہ بات ہے تو اپنے بیٹے کی موت میں بھی شک سے کام لو اور یہ خیال کرو کہ وہ مرا نہیں ہے، اگر وہ مر گیا ہے تو یہ گمان کر لینے میں کون سی پابندی ہے کہ اس نے تمہاری یہ کتاب پڑھ لی ہے -

ابوھذیل نے زندیقیوں سے مناظروں اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی، انہوں نے زندیقیوں کی بہت بڑی تعداد کو مسلمان کیا تھا[1] اسی طرح عمرو بن عبید نے ممتاز زندیقی جریر بن حازم سے بصرہ[2] میں طویل مناظرے کئے تھے اس کے بعد اھل سنت کی ایک ممتاز شخصیت نظام[3] پیدا ہوئی، اشراقیت پر جن لوگوں نے بحث و کلام کیا ہے نظام کی شخصیت ان سب میں ممتاز ہے - نظام نے زندیقیوں اور دوسرے فرقوں پر مسلسل کاری ضربیں لگائی تھیں -

---

۱ - کتاب الانتصار فی الرد علی ابن الراوندی الخیاط صفحہ ۸۱ -
۲ - کتاب طبقات المعتزلہ : صفحہ ۲۷ -
۳ - کتاب الانتصار فی الرد علی ابن الراوندی صفحات ۴۸ - ۵۰ -

متکلمین نے زندیقیوں کے عقائد و خیالات کی تردید اور ان کا اثر و نفوذ ختم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن زندیقیت کا پوری طرح استیصال نہ ہو سکا اور بہت سے زندیقی اپنے عقائد پر قائم رہے ، ابن ندیم[1] نے لکھا ہے کہ ممتاز زندیقی عالم یزدان بخت کو 'رے' سے لا کر مامون کی خدمت میں حاضر کیا گیا تھا مامون نے اسے جان کی امان دے دی تھی متکلمین سے اس شخص کا مناظرہ ہوا اور انہوں نے اسے لاجواب کر دیا ۔ اس وقت مامون نے اس سے کہا : یزدان بخت ! اب مسلمان ہو جاؤ اگر میں تمہیں جان کی امان نہ دے چکا ہوتا تو اس وقت تمہارے ساتھ میرا رویہ بہت مختلف ہوتا ، یزدان بخت نے جواب دیا : امیرالمومنین نے جو ہدائت فرمائی وہ درست ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ امیرالمومنین ان لوگوں میں سے ہیں جو کسی کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کرتے ہیں ۔ اس پر مامون خاموش ہو گیا ۔

۲ ۔ علویوں کا سیاست کے میدان میں آنا

(الف) حجاز اور عراق میں محمد اور ابراھیم کی شورشیں ۔

میدان کربلا میں حضرت حسینؓ ابن علیؓ کی شہادت کے بعد سے علویوں میں یہ احساس برابر ترقی کرتا رہا کہ مسلمانوں کی خلافت ان کا حق ہے اس احساس نے انہیں کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور وہ اس کے لئے مسلسل جد و جہد کرتے رہے اور انہوں نے اپنی زندگی کے کسی دور میں اس حق کو حاصل

---

۱ ۔ کتاب الفہرست : صفحہ ۴۷۳ ۔

کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ۔ جب کبھی انہیں قوت سے کام لینے اور تلوار میان سے نکالنے کا موقع ملا تو انہوں نے اسے غنیمت سمجھا اور بزور شمشیر اسے حاصل کرنے کے لئے میدان میں نکل آئے اور جب یہ محسوس کیا کہ وہ کمزور ھیں اور مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے اس وقت خاموشی اختیار کر لی اور امامت کے لقب اور آنحضرت ؐ سے قرابت کے شرف پر اکتفا کیا اور عزلت نشینی کی زندگی کو ترجیح دی اور تجارت اور مذھبی تبلیغ میں مصروف رھے اور سپاھیانہ زندگی سے کنارہ کشی اختیار کی ، بنی امیہ کے آخری دور میں مختلف سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے امویوں کی حکومت کی بنیادیں متزلزل ھوگئی تھیں اس وقت زید ابن علی بن حسین اور ان کے بیٹے یحیٰی نے ماحول سازگار دیکھا اور سیاسی میدان میں نمودار ھوئے یہ ھشام بن عبدالملک کے زمانے کا ذکر ھے ۔

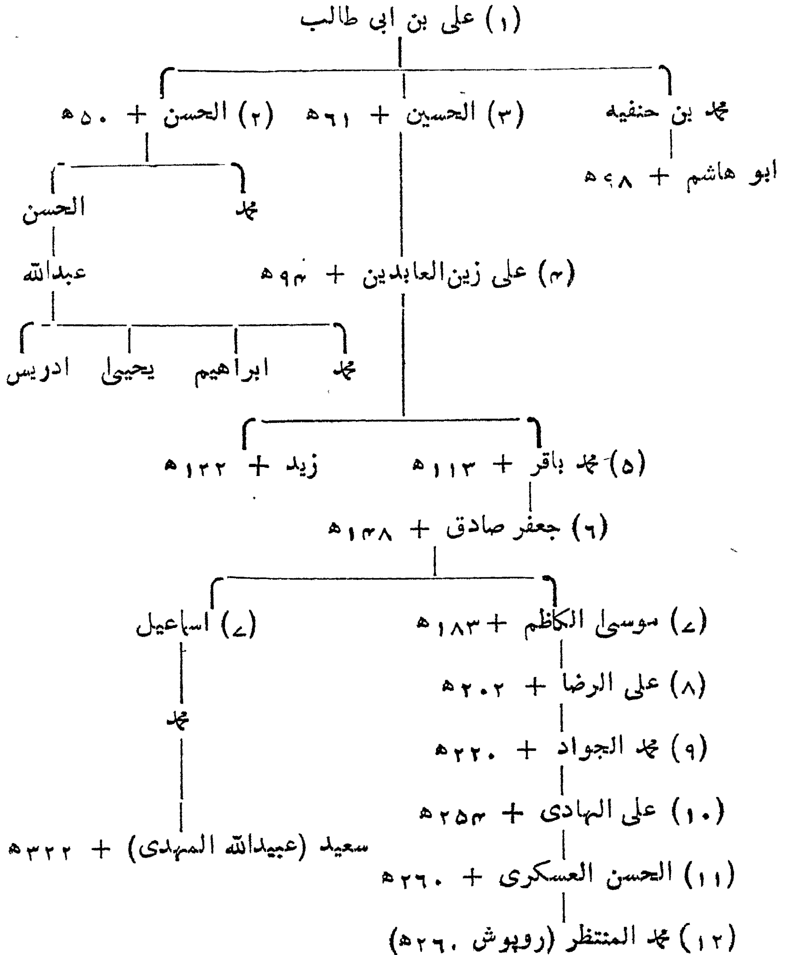
علوی ، خاموشی اور سکون کی زندگی گذار رھے تھے ، اسی اثنا میں عباسیوں نے اھل بیت کے لئے خلافت کی دعوت کا آغاز کیا علویوں نے اس دعوت سے کوئی عملی دلچسپی نہ لی لیکن واقعات کے نشیب و فراز پر نگاہ رکھی اور وقت کی نبض پر ان کا ھاتھ رھا ۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایرانیوں سے دامادی کے رشتہ کی بنا پر ایرانیوں کے دل میں ایک مضبوط عصبیت ان کیلئے پیدا ھو گئی ھے اور اھل مدینہ ان کی مدد پر آمادہ ھوگئے ھیں اور انہوں نے ان کی عظمت اور احترام کی بنا پر ان سے آگے بڑھنے کی درخواست کی ، اس وقت انہوں نے اپنے اندر عملی جد و جہد کی قوت محسوس کی اور میدان عمل میں نکلنے کا عزم کر لیا ، اس دور میں دعوت اور پروپیگنڈے کا موٹو "آل محمد

کی رضا'' تھا اس وقت لوگوں کی اکثریت کو اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ مسلمانوں کا امیر علوی ہو یا عباسی ان کی غرض محض یہ تھی کہ بنی امیہ کے خلاف جنگ کی جائے اور انکا خاتمہ کرکے ''آل محمد کی رضا'' حاصل کی جائے - جب کوفہ میں عباسیوں کے داعیوں کو اثر و نفوذ اور غلبہ حاصل ہوگیا ، اس وقت انہوں نے ابوالعباس سفاح کو جسے اس کے بھائی ابراهیم امام نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ، اپنا امیر بنا لیا اس وقت آل علی کے درمیان کوئی ایسا فرد نہ تھا جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ عباسیوں سے اقتدار کو لے سکے علویوں کو اس زمانے میں نہ اتنی قوت حاصل تھی اور نہ ان کے مددگاروں کی اتنی کثرت تھی کہ وہ امامت کے حق کو عباسیوں سے لے سکتے ، اس لئے انہوں نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ اس وقت تک خاموشی اور عزلت نشینی کی زندگی اختیار کریں جب تک حالات ان کے لئے سازگار نہ ھوجائیں ، حالات کے سازگار ھونے کے بعد عزلت نشینی کی زندگی کو خیر باد کہدیں اور خلافت کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں -

بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ کرنے کے بعد جب عباسیوں نے اپنی سلطنت قائم کر لی تو علویوں کو اس سے کوئی خوشی حاصل نہیں ھوئی حالانکہ عباسی اور علوی دونوں بنی ھاشم سے تعلق رکھتے تھے اور بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ دونوں خاندانوں کی متحدہ جد و جہد کا نتیجہ تھا - در اصل علویوں کو یہ احساس تھا عباسیوں نے انکے ساتھ فریب کیا ھے اور آل محمد کے نام سے قوت حاصل کرنے کے بعد خود مسند خلافت پر متمکن ھوگئے ھیں ، علویوں کا خیال تھا کہ وہ عباسیوں سے زیادہ

خلافت کے مستحق ھیں ، اسی لئے ان کی ساری خوشی رنج و انتقام کے جذبہ میں تبدیل ھوگئی اور اب وہ عباسیوں کو بھی انہیں نگاھوں سے دیکھنے لگے ، جن نگاھوں سے وہ بنی امیہ کو دیکھتے تھے اور اپنے لئے خلافت کا منصب حاصل کرنے کی غرض سے نئے سرے سے جد و جہد شروع کردی لیکن اس دور میں وہ بڑی خاموشی سے جد و جہد کر رھے تھے اور اپنے مقصد کے حصول کیلئے جو تدبیریں اور سازشیں کرتے تھے ان میں بڑی رازداری سے کام لیتے تھے -

علویوں کا شجرۂ نسب



حجاز میں محمد نفس زکیہ اور عراق میں ابراھیم کا خروج :

عباسیوں کے دور میں علویوں میں سب سے پہلے محمد بن عبداللہ (بن حسن بن حسن رض بن علی رض بن ابوطالب) اور محمد کے بھائی ابراھیم نے بغاوت کی ، اس زمانے میں حضرت امام حسین رض کی اولاد میں سب سے ممتاز شخصیت امام جعفر صادق رح بن محمد باقر کی تھی جو شیعوں کے فرقہ امامیہ کے امام تھے لیکن انہوں نے خاموشی اور عزلت نشینی کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور اپنے ساتھیوں کو ھدایت کی تھی کہ وہ اس وقت تک بالکل خاموش زندگی اختیار کریں جب تک ان کے لئے عملی جد و جہد کے لئے سازگار ماحول پیدا نہ ھو جائے ۔

محمد نفس زکیہ نے علویوں میں سب سے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا ، باوجودیکہ عباسیوں نے انہیں رضامند کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا اور زبانی لطف و عنایات سے لے کر بڑے بڑے عطیے تک ان کی خدمت میں پیش کئے تھے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ھوا ، وجہ یہ تھی کہ محمد نفس زکیہ اپنے آپ کو عباسیوں سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور خلافت کا مطالبہ علویوں کا بنیادی مطالبہ تھا ، دلیل یہ تھی کہ وہ حضرت علی رض کی اولاد سے ھیں جو ان کے اعتقاد میں وصی تھے یعنی آنحضرت ص نے وصیت کی تھی کہ علی میرے جانشین ھوں گے ، ان خیالات کا اظہار ان مراسلات میں کیا گیا تھا جو امام جعفر صادق اور محمد نفس زکیہ نے ایک دوسرے کو لکھے تھے ۔

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۱۴۲ ۔

بنی امیه [۱] کے آخری دور میں بنی هاشم نے محمد نفس زکیه کی بیعت کی تھی، ان میں ابوطالب اور حضرت عباس دونوں خاندانوں کے افراد شامل تھے ، بنی امیه کے آخری دور میں ان سب کا اجتماع ہوا تھا اور سلطنت کی صورت حالات اور اس دور میں اپنی مصیبتوں اور ان سے نجات کی تدبیروں پر غور کیا گیا تھا ، بنی امیه کی حکومت میں اس وقت اضطراب و اضمحلال نمایاں ہو گیا تھا اور عام مسلمانوں میں اس امر کا احساس پیدا ہو گیا تھا که خلافت کے مستحق بنی امیه نہیں بلکه در حقیقت علوی ہیں - بنی هاشم کے اس اجتماع میں ان حالات پر غور و خوض کے بعد اتفاق رائے سے یه طے کیا گیا تھا که علویوں کے لئے خاموشی سے خلافت کا پروپیگنڈا کیا جائے اور اس مقصد کی سربراهی کے لئے کسی کو اپنا امام بنا لیا جائے اور اس کی بیعت کر لی جائے ، اس موقع پر محمد نفس زکیه کی بیعت پر سب متفق ہو گئے تھے، محمد نفس زکیه بنی هاشم کے ممتاز سردار تھے اور علم و فضل اور شرافت کے لحاظ سے بلند درجه رکھتے تھے ، اس اجتماع میں بنی هاشم کے ممتاز افراد موجود تھے - چنانچه ابوطالب کی اولاد میں امام جعفر صادقؒ بن محمد باقر، عبدالله بن حسنؓ اور عبدالله کے بیٹے محمد نفس زکیه اور ابراهیم ''شہید با خمریٰ'' اور بہت سے دوسرے ممتاز علوی شامل تھے - حضرت عباس کی اولاد میں سے سفاح اور منصور کے علاوه بہت سے سربرآورده اشخاص موجود تھے، ان سب علویوں اور عباسیوں نے اتفاق رائے سے محمد نفس زکیه کی بیعت کی تھی، صرف امام جعفر صادقؒ نے محمد نفس زکیه کے والد عبدالله المحض کو خطاب کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا '' تمہارا بیٹا خلافت حاصل

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۴۷ - ۱۴۸ -

نہیں کر سکے گا۔ خلافت پر اس شخص کے سوا جو زرد قباء پہنے بیٹھا ہے اور کوئی متمکن نہ ہو سکے گا[۱]"۔ ان کا اشارہ منصور کی طرف تھا جو اسوقت زرد قباء پہنے ہوئے تھا، منصور کا بیان ہے کہ اسی وقت سے میں نے اپنی خلافت کا ڈھانچہ تیار کرنا شروع کردیا تھا۔ غرض امام جعفر صادقؒ کے سوا سب نے نفس زکیہ کی بیعت کرلی تھی۔

عباسیوں کی خلافت کے قیام کے بعد محمد نفس زکیہ نے سفاح کی بیعت نہیں کی تھی۔ سفاح کا بھائی منصور حجاز میں سفاح کیلئے بیعت لینے گیا تھا جہاں محمد نفس زکیہ قیام پزیر تھے، اسی طرح محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے منصور کی ولی عہدی کیلئے بھی بیعت سے انکار کردیا تھا۔ جب منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کو اپنی سلطنت کے لئے بہت بڑا خطرہ خیال کیا اور اپنے حریف عبداللہ بن علی اور ابو مسلم خراسانی کیطرح ان دونوں بھائیوں کا خاتمہ کر دینے کی بھی تدبیریں سوچنے لگا چنانچہ اس نے بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان سب سے محمد نفس زکیہ کہ بارے میں مشورہ کیا، بعض بنی ہاشم نے کہا: امیرالمومنین! محمد نفس زکیہ جانتے ہیں کہ آپ اس واقعہ سے ناواقف نہیں کہ کچھ عرصہ پہلے ان کے لئے بنی ہاشم نے بیعت کی تھی اور اس وجہ سے انہیں احساس ہے کہ آپ انہیں اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہوں گے اس لئے آپ کی طرف سے انہیں اپنی جان کا اندیشہ ہے، اس

۱۔ شیعہ کمال احترام و عقیدت کی وجہ سے اپنے آئمہ کے علم غیب کے قائل تھے۔

۲۔ طبری: جلد ۴ صفحہ ۱۸۰۔

اندیشه سے نافرمانی اور مخالفت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہوں گے بعض بنی ہاشم نے کہا : اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ کسی وقت بھی آپ کے خلاف بغاوت کردیں کیونکہ وہ آپ کی دھشت کی وجہ سے رات کو سو بھی نہیں سکتے ہوں گے ۔

اس زمانے میں عباسیوں کیلئے بڑا ناسازگار ماحول تھا ، منصور کو علویوں کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا ، اس کا خیال تھا جب تک محمد نفس زکیه اور انکے بھائی ابراھیم کا خاتمہ نه کیا جائے گا ، اس وقت تک خلافت عباسیه کی بنیادیں مستحکم نه ھونگی ، اسی خیال سے انکا خاتمه کرنے کیلئے اس نے تدبیریں شروع کیں ، اس سلسلے میں منصور نے چند عرب غلام خریدے ان میں سے ایک کو ایک اونٹ دیا دوسرے کو دو اونٹ دئے اور تیسرے کو ایک نو عمر اونٹ دیا اور ان تینوں کو محمد نفس زکیه کو گرفتار کرنے کے لئے مدینے روانه کیا تینوں مدینے کے آس پاس گشت کرتے تھے ان میں سے ایک ایک آدمی مدینے کے چشمه پر آتا تھا اور بھٹکے ھوئے مسافر کی طرح گذر جاتا تھا لوگ اسے دیکھ کر بھاگ کھڑے ھوتے اور آپس میں چه میگویاں کرنے لگتے[1] ۔

منصور نے مدینه کے گورنر زیاد بن عبید اللہ کو حکم دیا که محمد نفس زکیه اور ان کے بھائی ابراھیم کو فوراً گرفتار کر لے مگر اس نے اس کام میں نه صرف سھل انگاری سے کام لیا ۔ بلکه درپرده محمد نفس زکیه سے مل گیا اور مدینه سے بھاگ جانے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحه ۱۸۱ ۔

میں ان کی مدد کی چنانچہ محمد نفس زکیہ مدینہ سے عدن چلے گئے ، وہاں سے سندھ روانہ ہوگئے پھر سندھ سے کوفے چلے گئے اور اس کے بعد پھر مدینہ واپس آگئے ۔ منصور نے زیاد کی اس غدارانہ حرکت پر اس سے بڑی سختی کا سلوک کیا ، اسے گورنری سے معزول کر دیا اور پا بہ زنجیر جیل میں ڈال دیا ، اس کا مال و دولت ضبط کر لیا اور اس کی جگہ محمد بن خالد قسری کو مدینہ کا گورنر[1] مقرر کیا ۔

چند روز کے بعد منصور نے محمد بن خالد کو بھی مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا کیونکہ وہ محمد نفس زکیہ کو گرفتار نہ کر سکا تھا ۔ منصور کا یہ خیال تھا کہ اس نے انہیں گرفتار کرنے میں بے اعتنائی سے کام لیا ہے ۔ محمد بن خالد کے بعد منصور نے ریاح بن عثمان بن حیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا ، جو مسلمہ بن عقبہ مری کا چچا زاد بھائی تھا جس نے یزید بن معاویہ کے دور میں حرہ کا معرکہ سر کیا تھا ۔ ریاح بن عثمان ۱۶۱ھ میں مدینہ پہونچا اور ممبر پر کھڑے ہوکر لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا ، مفہوم کے اعتبار سے یہ خطبہ حجاج بن یوسف کے اس خطبہ سے زیادہ مختلف نہ تھا ، جو اس نے کوفے کی مسجد میں دیا تھا ۔ رباح بن عثمان نے اپنے خطبہ میں کہا ۔ ”مدینے کے لوگو ! میں ناگ ہوں ، ناگ کا بچہ ہوں ، یعنی عثمان بن حیان مسلمہ بن عقبہ کا چچا زاد بھائی ، تمہاری کھیتیوں کو برباد کر دینے والا ، تمہارے مردوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے والا ، خدا کی قسم ! تمہارے گھروں کو سنسان میدان

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۱۸۱ - ۱۸۲ -

بنا دوں گا جہاں کوئی کتا بھونکنے والا نہ ہوگا[1] ۔

اہل مدینہ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے جذبات مشتعل ہوگئے اور آل علی کی محبت اور ان کی مدد کا احساس اور شدت اختیار کر گیا ، یہ گورنر جب اپنے خطبہ سے فارغ ہوا تو ایک مشتعل گروہ اٹھ کھڑا ہوا ، اور جن الفاظ میں اس نے اس گورنر کو مخاطب کیا ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عباسیوں کی طرف سے ان کے دلوں میں کتنی نفرت اور عداوت تھی اس مشتعل گروہ نے ان الفاظ میں اس گورنر کو مخاطب کیا ۔ ”اے اس شخص کے لڑکے ، جس کے دوبار ناشائستہ حرکتوں کی وجہ سے کوڑے لگے تھے ، اگر خیریت چاہتا ہے تو اپنی ان حرکتوں سے باز آ جا ورنہ تجھے ختم کرنے کے لئے ہم بہت کافی ہیں“ ۔ اس واقعے کے بعد اس گورنر نے منصور کو اہل مدینہ کی سرکشی کی اطلاع دی ، منصور نے اس کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا جو اہل مدینہ کے نام اس کا ایک خط لایا ۔ جس میں لکھا تھا ۔ ”اے اہل مدینہ تمہارے گورنر نے مجھے اپنے خط میں تمہاری سرکشی غلط روی مناقفت اور امیرالمومنین کی بیعت کرنے میں تامل اور حیل و حجت کی اطلاع دی ہے ۔ امیرالمومنین خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمہارے امن و سکون کو خوف و دہشت میں تبدیل کر دیں گے ۔ تمہارے خشکی و تری کے راستے تم پر بند کر دیں گے اور تمہاری سرکوبی کے لئے ایسے سنگدل لوگوں کو بھیجیں گے جن کے دل اپنے رشتہ داروں کے لئے بھی نہیں پسیجتے[2] ۔

---

۱ ۔ تاریخ یعقوبی : جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ ۔
۲ ۔ تاریخ یعقوبی : جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ ۔

لیکن منصور کے اس خط سے اہل مدینہ کے دلوں پر کوئی دہشت پیدا نہ ہوئی اور وہ عباسیوں کی مخالفت پر برابر تلے رہے، ان کا نصب العین خلافت کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کرنا تھا ، انہوں نے منصور کے گورنر پر چاروں طرف سے حملہ بول دیا اور اس پر پتھر برسائے ، وہ ایک مکان میں پناہ لینے پر مجبور ہوا اور اس کے دروازے بند کر لئے تاکہ اپنی جان بچا سکے ۔

رباح ، اس امر پر مجبور تھا کہ منصور کی سیاسی اغراض کو عملی جامہ پہنائے خواہ اس راستے میں اسے کتنی ہی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑے ، ان اغراض کو پورا کرنے کے لئے اس نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ محمد نفس زکیہ کے والد عبداللہ بن حسن کو بلوایا جو اس وقت محبوس تھے اور انہیں یہ تہدید کی کہ اگر وہ اپنے بیٹوں محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کو حاضر نہیں کریں گے تو انہیں خوفناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا ، دراصل اس وقت سے علویوں کی اصلی مصیبتوں کا آغاز ہوا ، گورنر مدینہ رباح نے عبداللہ بن حسن کے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو قید کر دیا اور برسر منبر محمد نفس زکیہ اور ابراہیم اور ان دونوں کے مدد گار اہل مدینہ کو برا بھلا کہا ، اس پر اہل مدینہ بہت مشتعل ہوگئے ، رباح پر پتھر برسائے اور زبردستی اسے ممبر سے نیچے اتار دیا ، یہ لوگ اتنے مشتعل تھے کہ رباح جان کے اندیشہ سے بھاگ کھڑا ہوا اور روپوش ہوگیا ۔

اس زمانہ میں محمد نفس زکیہ مدینہ میں روپوش تھے جب انہیں ان مصائب کا علم ہوا جو ان کے والد ، چچاؤں اور دوسرے رشتہ داروں پر نازل ہو رہے تھے ، اس وقت وہ اپنی ماں ہند کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا "میری وجہ سے میرے والد اور چچاؤں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ، اس خیال سے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دوں، ممکن ہے کہ ان مصائب سے انہیں نجات مل جائے۔

اس واقعہ کے بعد محمد نفس زکیہ کی والدہ ہند قاصد کے بھیس میں جیل خانے اپنے شوہر عبداللہ ابن حسن سے ملیں اور محمد نفس زکیہ نے جو ارادہ ظاہر کیا تھا وہ ان سے بیان کیا اور اس بارے میں ان کی رائے معلوم کی ، عبداللہ ایک مستقل مزاج انسان تھے ان کے پائے ثبات کو مطلق جنبش نہ ہوئی وہ دل سے اپنے بیٹے کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور منصور اور سفاح کو خلافت کا غاصب خیال کرتے تھے۔ وہ محمد نفس زکیہ کی خلافت کے قیام کے لئے عملی جد و جہد ضروری خیال کرتے تھے اور اس سلسلے میں تاخیر اور تساھل کو بہت مضر سمجھتے تھے ، انہوں نے اپنی بیوی کو جواب دیا : مجھے پورا یقین ہے کہ خدا اس کو ایک دن کامیابی دے گا اسے چاہئے کہ وہ صبر و استقلال سے کام لے ، میری طرف سے اسے یہ پیغام پہونچا دو کہ اپنی خلافت کے لئے لوگوں کو دعوت دے اور اس جد و جہد میں کوئی کوتاھی نہ کرے۔ اپنے والد کی اس ھدایت کے بعد محمد نفس زکیہ نے اپنی خلافت کے لئے مہم تیزی سے شروع کر دی اس وقت ان کے چچا اور والد مدینہ میں قید تھے، کچھ عرصہ بعد ۱۴۴ھ میں منصور حج کرنے پہنچا اس وقت مدینہ کے گورنر رباح نے ربذہ کے مقام پر اس کا استقبال کیا ، خلیفہ منصور نے اسے مدینہ واپس جانے کا حکم دیا اور کہا علویوں کو میرے

سامنے حاضر کیا جائے ، جب پا بہ زنجیر ممتاز علویوں کو منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو منصور نے ان سے محمد بن عبداللہ کی صحیح جائے قیام دریافت کی ، انہوں نے ان کا کوئی صحیح پتہ نہ بتایا ، اس پر منصور نے ان میں سے بعض اشخاص کو گردن سے پکڑ کر اوندھے منہہ زمین پر گرا دیا اور بعض افراد کو سخت سزائیں دیں[1] ، اس کے بعد ان سب کو اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر سوار کر کے کوفے روانہ کیا اور مسعودی کے الفاظ میں[2] "انہیں ایک ایسے تہ خانے میں قید کر دیا جہاں وہ دن کی روشنی اور رات کے اندھیرے میں تمیز نہیں کر سکتے تھے" ۔ وہاں منصور کے ایماء سے انہیں لرزہ خیز سزائیں دی گئیں ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر نے جان دیدی[3] ۔

۱۴۵ھ — ۷٦۲ء میں محمد نفس زکیہ نے علی الاعلان اپنی خلافت کا دعویٰ کر دیا ، اس سے پہلے وہ خفیہ طور پر اپنی خلافت کا پرچار کرتے تھے اور ایک زمانے تک روپوش رہے تھے ، اس دوران میں ان کے اہل بیت اور مدد گار ان کی خلافت کے قیام کے لئے تبلیغ کرتے رہے تھے یہاں تک کہ مکہ و مدینہ میں لوگوں نے ان کی امامت کی بیعت کر لی تھی اور انہیں امیرالمومنین کا لقب دیا تھا ، فخری[4] کے الفاظ میں "محمد نفس زکیہ علم و فضل اور عزت و شرف میں بنی ہاشم کے

---

۱ ۔ تاریخ یعقوبی : جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ ۔
۲ ۔ مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ ۔
۳ ۔ طبری : جلد ۲ صفحات ۱۹۸ - ۲۰۰ ۔
۴ ۔ الفخری : صفحہ ۱۴۷ ۔

سب سے ممتاز سردار اور سب سے نمایاں فرد تھے، اچھے اوصاف سے موصوف اور شریفانہ عادات کے حامل تھے، ان اوصاف کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور لوگوں کے دلوں میں ان کا انتہائی احترام تھا، خون ریزی اور ظلم و ستم سے طبعاً نفرت کرتے تھے اور عفو و درگزر میں مشہور تھے، بڑے عابد و زاھد تھے، اسی وجہ سے ان کا لقب نفس زکیہ (پاکیزہ نفس) اور مہدی (ھدایت پایا ہوا) تھا"۔

حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ھوتا ھے کہ محمد نفس زکیہ کے ظہور کے لئے وہ وقت موزوں نہیں تھا جب انہوں نے عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا، در اصل انہوں نے اپنی خلافت کا اعلان اضطراری حالت میں کیا تھا، بات یہ ھوئی کہ ایک گروہ محمد نفس زکیہ کے پاس آیا، جن پر عباسیوں کی طرف سے بڑی سختیاں کی گئی تھیں، انہوں نے آکر محمد نفس زکیہ سے بڑی درشتی سے کہا: آخر آپکو برملا اپنی خلافت کا اعلان کرنے میں کس بات کا انتظار ھے؟ ھمارے خیال میں اس امت میں آپ سے زیادہ اس امت کیلئے کوئی اور بد بخت نہیں ھے، آخر کس چیز نے آپکو عباسیوں کے خلاف خروج کرنے سے روکا ھے؟ اس صورت حالات میں محمد کیلئے خروج کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ یہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۵ھ کا واقعہ ھے[1]۔

محمد نفس زکیہ کو خیال پیدا ھوگیا تھا کہ عام مسلمان ان کی مدد پر متحد ھوگئے ھیں اور ان کی طرف مسلمانوں کا شدید رجحان پیدا ھوگیا ھے اور لوگ ان کے فضل و شرف اور قیادت

۱۔ المسعودی التنبیہ و الاشراف: صفحہ ۳۴۰۔

پر یقین رکھتے ہیں ، امام مالک رح کے اس فتویٰ نے انکے یقین میں اور اضافہ کیا تھا جس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ لوگ منصور کی بیعت کو توڑ سکتے ہیں ، امام مالک نے اہل مدینہ سے کہا تھا کہ تم نے مجبوراً منصور کی بیعت کی تھی اور جنہیں مجبوراً بیعت کرنا پڑے ان پر شرعی لحاظ سے اپنے وعدہ پر قائم رہنا ضروری نہیں ہے[۱] - محمد نفس زکیہ کے اعتماد میں آن خطوط نے بھی اضافہ کیا تھا جو مختلف اسلامی صوبوں سے ان کے پاس متواتر آئے تھے ، جن میں لکھا تھا کہ مسلمان آپ کی مدد پر آمادہ ہیں اور آپکے خروج کا انہیں انتظار ہے ، محمد کو یہ معلوم نہ تھا ، کہ یہ سب منصور کی ایک سازش تھی جس کا جال اس نے اپنے فوجی جرنلوں کے ذریعہ سے ان کے خلاف بچھایا تھا -

محمد نفس زکیہ نے اپنے بھائی ابراہیم کو اپنی خلافت کے پروپیگنڈے کے لئے بصرے بھیجا تھا ، مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محمد نے ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ خروج کیا اور مدینہ کے جیل خانہ پر حملہ کردیا - اور ان لوگوں کو چھڑا لیا جو اس جیل خانہ میں قید تھے اور منصور کی طرف سے مامور گورنر مدینہ کو قید کرلینے کا حکم دیا ، پھر ممبر پر چڑھے اور لوگوں کے سامنے یہ خطبہ دیا[۲] -

”لوگو ! اس باغی خدا کے دشمن منصور نے جو ظلم اور زیادتیاں کی ہیں وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہیں تم جانتے ہو کہ اس نے قبۂ خضراء بنوایا ، اس کا مقصد خدا کے ملک میں خدا سے عناد کا مظاہرہ ہے اور کعبے کی قدر و منزلت کو ٹھیس پہنچانا ہے ، تم جانتے ہو کہ جب فرعون نے کہا تھا کہ لوگو میں تمہارا سب

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۰۶ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۵ -

سے بڑا خدا ہوں تو خدا نے اسے برباد کر دیا تھا، اس دین کو قائم رکھنے کیلئے سب سے زیادہ مستحق مہاجرین اولین اور غمخوار انصار کی اولاد ہے عباسیوں نے ان باتوں کو حلال کردیا جو تمہارے لئے حرام تھیں اور ان چیزوں کو حرام کردیا جو تمہارے لئے حلال تھیں اور ان لوگوں کو مطمئن کیا ، جو اپنے جرائم کی کی وجہ سے ڈرتے رہتے تھے اور ان اشخاص کو دهشت زده کردیا، جو اپنی امن پسندی اور اچھے اعمال کی وجہ سے مطمئن تھے ، اے اللہ ان سب کو گن گن کر قتل کر ، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑ ۔ لوگو ! میں جانتا ہوں کہ تم قوت والے ہو لیکن میں نے اس خیال سے اس مقام سے عباسیوں کے خلاف آواز بلند نہیں کی کہ تم میرے نزدیک صاحب قوت اور طاقت والے ہو' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنے لئے پسند کیا ہے ۔ خدا کی قسم میں اس شہر میں نہیں آیا مگر اس خیال سے کہ دنیا میں یہی ایک ایسا شہر ہے جس میں خدا کی عبادت کی جاتی ہے اور اس شہر میں جوق در جوق میری بیعت کی جائیگی'' ۔

اس خطبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے خروج کے چند محرکات تھے ، ایک تو یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے اور تخت خلافت پر منصور کے متمکن ہوجانے کی وجہ سے اس سے بغض و عداوت رکھتے تھے، منصور نے ان کے اهل بیت کو لرزہ خیز سزائیں دی تھیں ، جن کے صدمے سے ان میں سے اکثر جیل میں ختم ہو گئے تھے ، ان سفاکانہ کار روائیوں کا محمد کے تحت الشعور میں بہت گہرا اثر تھا اور ان کے دل میں منصور کی طرف سے شدید انتقامی جذبہ موج زن تھا اس انتقام پر لوگوں کی حمایت نے انہیں

اور بھی اکسایا تھا خصوصاً جب امام مالک نے ان کی بیعت کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا اور انہیں یہ اعتماد پیدا ہوگیا تھا کہ ان کی طاقت منصور کی طاقت سے بہت بڑھ گئی ہے ، اس وقت وہ منصور کے مقابلہ میں شمشیر بکف نکل آئے تھے ۔

عراق میں ابراھیم بن عبداللہ کا خروج :

منصور نے جب ابراھیم بن عبداللہ کی گرفتاری کے لئے نہایت سخت قدم اٹھائے تو ابراھیم مدینہ سے نکل کر کوفہ روانہ ہوگئے ، انہیں اعتماد تھا کہ اہل کوفہ عباسیوں کے خلاف بغاوت میں ان کا ساتھ دیں گے، منصور کو جب ان کے کوفے پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس نے شہر سے نکلنے کے تمام راستوں پر خفیہ پولیس کو نگرانی کیلئے مقرر کردیا اور حکم دیا کہ جہاں کہیں وہ ملیں انہیں فوراً گرفتار کر لیا جائے کسی صورت سے وہ کوفہ سے بھاگنے نہ پائیں ۔ اس صورت حالات میں ابراھیم نے حکمت عملی سے کام لیا[1] اور اپنے ساتھیوں میں ایک شخص سفیان بن یزید کو منصور کے پاس بھیجا ، سفیان نے منصور کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا امیرالمومنین ! اگر جان کی امان دیجئے تو میں ابراھیم کا پتہ بتا دونگا اور انہیں آپ کے پاس حاضر کرونگا منصور نے جواب دیا ، تمہیں امان دی جاتی ہے بتاؤ ابراھیم کہاں ہیں ؟ سفیان نے جواب دیا، بصرہ میں ہیں ، میرے ساتھ اپنے ایک معتمد کو بھیج دیجئے اور سواری کے لئے چند ڈاک گھوڑے دیجئے اور اپنے بصرے کے گورنر کو ایک خط لکھ دیجئے میں اسے ابراھیم کا پتہ بتا دونگا تاکہ وہ انہیں گرفتار کرلے منصور نے سفیان کیلئے چند

---

۱ ۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحات ۳۰۳ تا ۳۰۴ ۔

ڈاک گھوڑے منگوا دئے اور اس کے ساتھ ابو سوید کو روانہ کیا۔

سفیان بصرہ روانہ ہوگیا، اس کے ساتھ ابو سوید کے علاوہ ایک غلام بھی تھا، جو پشمینہ کا جبہ پہنے ہوا تھا اور گردن میں کھانے کا ناشتہ دان لٹکا رکھا تھا، ڈاک گھوڑوں پر سفیان، ابو سوید اور غلام تینوں سوار تھے، جب ڈاک گھوڑے بصرہ پہنچے تو سفیان نے ابو سوید سے کہا، کچھ دیر تم میرا انتظار کرو میں ابراہیم بن عبداللہ کا کھوج لگا کر ابھی واپس آتا ہوں، یہ کہہ کر چلتا بنا اور واپس نہ لوٹا، سفیان کے ساتھ پشمینہ کا جبہ پہنے غلام کے بھیس میں دراصل ابراہیم بن عبداللہ تھے۔ کوفہ سے بچ نکلنے کے بعد ابراہم نے اپنے بھائی محمد کی خلافت کے لئے پوری جد و جہد مگر خاموشی سے پروپیگنڈا شروع کیا[1]۔

ابراہیم بن عبداللہ نے ایک زمانہ تک خاموشی سے بصرے میں اپنے بھائی کی خلافت کا پروپیگنڈا کرنے کے بعد عباسیوں کے خلاف بغاوت کر دی اور عباسی گورنر کے محل پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ کے سارے دفاعی انتظامات کو درہم برہم کر دیا۔ بصرے کے فقہاء، ارباب اقتدار اور ارباب رائے کی بہت بڑی تعداد نے انکی حمائت کی، معتزلہ اور زیدیہ فرقے ان کے جھنڈے

۱۔ مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کون سا سنہ تھا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ ۱۴۳ھ کا واقعہ ہے۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ ۱۴۵ھ کا واقعہ ہے جس میں محمد نفس زکیہ نے عباسیوں کے خلاف خروج کیا تھا اور مکہ و مدینہ پر تسلط قائم کر لیا تھا۔ میرے خیال میں طبری (ج ۹ ص ۲۰۰ - ۲۰۱) کی یہ تحقیق صحیح ہے کہ ابراھیم بصرہ میں ۱۴۳ھ کے اوائل میں پہنچے تھے اور پھر خاموشی سے اپنے بھائی کی خلافت کا پروپیگنڈا کرتے رہے اور ۱۴۵ھ میں کھلم کھلا ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔

کے نیچے جمع ہو گئے - امام ابوحنیفہؒ بھی ان کے ہم آهنگ تھے اور اس سلسلے میں دونوں کے درمیان کچھ عرصہ سے خفیہ خط و کتابت تھی - اسی طرح امام مالک نے مدینہ میں ان کے بھائی محمد نفس زکیہ کی مدد کی - اس سازگار ماحول میں ابراهیم نے واسط ، اهواز اور فارس کے باشندوں کو اپنا مددگار بنا لیا اور عباسیوں کے خلاف انہیں پے در پے فتوحات حاصل هوئیں - اسی اثناء میں ان کے پاس ان کے بھائی محمد کی شہادت کی خبر پہنچی، یہ ذکر ۱۴۵ھ کی عیدالفطر سے تین روز قبل کا ہے - عید کے روز لوگوں نے محمد نفس زکیہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی - اس حادثہ سے ابراهیم بن عبداللہ کی کمر ٹوٹ گئی، رنج و غم اور حزن و یاس سے انکا دل بیٹھ گیا ، اپنے مددگاروں کے سامنے پڑے درد انگیز الفاظ میں اپنے بھائی کا ماتم کیا ، جسے سن کر ان کے دلوں میں علویوں کی مدد کرنے کا جذبہ اور شدت اختیار کر گیا اور انہوں نے عباسیوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا عہد کیا اور ابراهیم کی بیعت کر لی -

اسی سال منصور نے شہر بغداد کی بنیاد رکھی تھی اور تعمیر کے کاموں میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا ، لیکن ابھی شہر کی فصیل قد آدم هی بنی تھی کہ منصور کو محمد بن عبداللہ کی بغاوت کی اطلاع ملی اور عباسیوں کے اس نئے دارالحکومت کی تعمیر میں تعطل پیدا هو گیا اور منصور کی توجہ دارالخلافہ کی تعمیر سے ہٹ کر علویوں کے استیصال کی طرف مبذول هو گئی - منصور نے اپنے رعب و دبدبہ ' بیدار مغزی اور سیاسی بصیرت سے علویوں پر فتح حاصل کی - اس سلسلے میں منصور نے سلطنت کے ممتاز ارباب رائے کے مشوروں سے بھی استفادہ

کیا تھا چنانچہ جب محمد بن عبداللہ نے مدینہ میں بغاوت کی تھی اس وقت منصور نے ابومسلم[1] عقیلی کو بلایا جو ایک معمر صاحب رائے اور تجربہ کار شخص تھا ، منصور نے اس سے کہا تم مجھے اس باغی کے بارے میں مشورہ دو ، جس نے میرے خلاف سر اٹھایا ھے ، عقیلی نے جواب دیا ، اس شخص کے کچھ اوصاف بیان کیجئے ، منصور نے جواب دیا ، وہ شخص فاطمہؓ بنت رسولؐ اللہ کی اولاد سے ھے اور عالم ، زاھد اور پرھیز گار ھے ، عقیلی نے پوچھا کن لوگوں نے اسکی اقتداء کی ھے ؟ منصور نے بتایا ، علیؓ کی اولاد نے ، جعفرؓ کی اولاد نے ، عقیلؓ کی اولاد نے ، عمرؓ کی اولاد نے ، زبیرؓ کی اولاد نے ، سارے قریش اور انصار کی اولاد نے ، عقیلی نے پوچھا اس شہر کے کچھ حالات بیان کیجئے ، جس میں وہ شخص اقامت گزیں ھے ، منصور نے جواب دیا : وہ بے آب و گیاہ شہر ھے اور اس میں کوئی بڑی تجارت ممکن نہیں ھے اس پر عقیلی کچھ دیر سوچتا رھا پھر بولا ، امیرالمومنین ! بصرہ میں پورے فوجی استحکامات قائم کر دئجیے ۔ یہ جواب سنکر منصور نے اپنے دل میں کہا یہ شخص کچھ سٹھیا گیا ھے ، میں اس سے پوچھ رھا ھوں اس باغی کے متعلق ، جس نے مدینہ میں بغاوت کی ھے اور وہ مجھے مشورہ دے رھا ھے کہ بصرہ میں مستحکم فوجی مورچے قائم کئے جائیں ۔ منصور نے عقیلی سے کہا ، اچھا آپ تشریف لے جائیے ، ابھی عقیلی کو گئے ھوئے کچھ زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ منصور کے پاس یہ خبر پھونچی کہ بصرہ میں ابراھیم نے بغاوت کر دی ھے ۔ یہ خبر سنکر منصور نے کہا ، عقیلی کو بلاؤ عقیلی حاضر ھوا تو منصور بڑی

---

۱ ۔ مسعودی : مروج الذھب ۔ جلد ۲ صفحات ۲۳۷ - ۲۳۸ ۔

عزت سے اس سے پیش آیا پھر پوچھا ، میں نے تم سے اس باغی کے بارے میں مشورہ لیا تھا ، جس نے مدینہ میں بغاوت کی ھے تم نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں بصرہ میں فوجی استحکامات قائم کروں، کیا تمہیں بصرہ کے بارے میں پہلے سے کچھ معلوم تھا ، عقیلی نے نفی میں جواب دیا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس باغی کے جو اوصاف بیان کئے تھے ان سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ایسے شخص کی مدد سے کوئی مسلمان منہ نہ موڑے گا ، پھر آپ نے مجھ سے اس شہر کا ذکر کیا تھا ، جس میں وہ مقیم تھا ، اس کے حالات سن کر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ شخص کسی اور شہر سے بغاوت کریگا ، میرا خیال مصر کی طرف گیا لیکن اس کی طرف سے مجھے کوئی اندیشہ نہ پیدا ھوا کیونکہ فوجی لحاظ سے وہ بہت مستحکم ھے ، شام اور کوفے کے فوجی انتظامات پر غور کیا، تو معلوم ھوا کہ وہ بھی قابل اطمینان ھیں اس کے بعد جب بصرے کے استحکامات پر غور کیا، تو مجھے اندیشہ پیدا ھوا کہ وہ شخص وھیں سے بغاوت کا علم بلند کرے گا ۔ اسی اندیشہ سے میں نے مشورہ دیا تھا کہ بصرہ میں فوجی استحکامات قائم کیجئے ۔

منصور نے جواب دیا ، تمہارا خیال صحیح تھا ، وھیں سے اس کے بھائی نے بغاوت کر دی ھے ۔ اب مدینہ میں جو باغی ھے اس کے بارے میں کیا رائے ھے؟ عقیلی نے جواب دیا کہ اس کے لئے جوابی تدابیر کی ضرورت ھے ، جب وہ دعویٰ کرے کہ میں رسول اللہؐ کا بیٹا ھوں تو آپ اس کا یہ توڑ کریں کہ میں رسول اللہؐ کے چچا کا بیٹا ھوں ۔ اس مشورہ کے بعد منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے مخاطب ھو کر کہا ”دو باتوں میں سے ایک

بات کو ترجیح دو ، تم اس بغاوت کی سرکوبی کے لئے جاؤ اور میں دارالخلافت میں رہ کر فوجوں سے تمہاری مدد کروں یا میں اس بغاوت کو فرو کرنے جاؤں اور تم میری جگہ دارالسلطنت میں قیام کرو ، عیسیٰ نے جواب دیا امیرالمومنین ! میں اس بغاوت کا استیصال کرنے جاؤں گا ۔ اس گفتگو کے بعد منصور نے محمد بن عبداللہ کی شورش فرو کرنے کے لئے عیسیٰ بن موسیٰ کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیدل فوج دے کر کوفہ سے رخصت کیا اور پھر اس کی کمک کے لئے محمد بن قحطبہ کی قیادت میں ایک بہت بڑی فوج روانہ کی، عیسیٰ بن موسیٰ نے مدینہ میں محمد نفس زکیہ سے مقابلہ کیا ، اس مقابلے میں محمد نفس زکیہ شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۴۵ سال کی تھی ۔

بصرہ میں ابراہیم بن عبداللہ کی بغاوت کی خبر سے منصور کو ابو مسلم عقیلی کے مشورہ کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا، لیکن منصور نے اس اہم معاملہ میں صرف عقیلی ہی سے مشورہ لینے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ سلطنت کے ممتاز ارکان اور اپنے خاندان کے ممتاز افراد سے بھی مشورہ کیا ۔ منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی سے بھی مشورہ کیا تھا، جو اس وقت جیل میں نظر بند تھے عبداللہ بن علی نے منصور کو رائے دی تھی کہ ابراہیم کے مقابلہ کے لئے عباسی فوجوں کا تانتا سا باندھ دیا جائے اور اہل شام کے ارباب قوت اور با اثر لوگوں کو علویوں کے خلاف ابھارا جائے ، کوفہ کی آمد و رفت کے تمام راستے بند کر دئے جائیں تاکہ اندرون کوفہ علویوں کو کوئی کمک نہ پہونچ سکے ۔ منصور نے اس مشورہ کو پسند کیا اور عبداللہ بن علی کو حکم دیا کہ وہ فوراً کوفے روانہ ہو جائیں اور وہاں پہنچ کر اہل کوفہ کے سینوں پر سوار ہو جائیں کیونکہ اس

وقت وهی علویوں کے سب سے بڑے مددگار ھیں، انہیں سنگینوں کے گھیرے میں لے لیں اور ان میں سے جو شخص بھی کوفہ سے نکلنے یا کوفہ میں داخل ھونے کی کوشش کرے، اس کی گردن اڑا دیں ، مسلم بن قیتبہ کو لکھیں کہ وہ فوراً کوفہ پہونچ جائے اور اھل شام کو لکھیں کہ وہ اپنے مضبوط اور طاقتور افراد جلد سے جلد کوفہ بھیج دیں ، ان اھل شام کو بڑے بڑے انعامات دیں اور ان کے ساتھ بڑی نرمی اور مصالحت کا رویہ اختیار کریں ۔ عبداللہ بن علی نے ان سب ھدایات پر عمل کیا ۔

لیکن منصور علویوں کے خلاف یہ سب تدبیریں اختیار کرنے کے باوجود محمد بن عبداللہ کی طرف سے خائف تھا اور علویوں کے خلاف جنگ کے نتیجہ کی طرف سے مطمئن نہ تھا ۔ اسی وجہ سے اس نے محمد بن عبداللہ کے ساتھ مصالحانہ حکمت عملی کو مصلحت وقت کا تقاضا خیال کیا اور انہیں ایک خط لکھا اور اسے اپنے خاص قاصد کے ذریعہ ان کے پاس بھیجا قاصد کو ھدائت کی کہ وہ ان کے ساتھ بڑی عقیدت اور احترام سے پیش آئے اور اس طرز عمل سے احتراز کرے جو جنگ کے حریفوں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ھے ۔ محمد بن عبداللہ کے ساتھ منصور نے یہ رویہ محض اس اندیشہ سے اختیار کیا تھا کہ حریفانہ مقابلہ کی صورت میں اسے اطمینان نہ تھا کہ کس کا پلہ بھاری رھے گا ۔

منصور کے اس خط کا محمد بن عبداللہ پر کوئی اثر نہ ھوا اور انہوں نے منصور کے وعدوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی ۔ انہیں پورا یقین تھا کہ نہ صرف سیاسی بلکہ شرعی لحاظ سے بھی وھی خلافت کے منصب کے مستحق ھیں ، اور منصور نے اس منصب پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ھے ، محمد بن عبداللہ منصور کی مذمت کرتے تھے

کیونکہ اس نے ان کے اھل بیت کو بڑی لرزہ خیز سزائیں دی تھیں اور آل علیؓ کے خلاف بغاوت کی تھی ، جو صحیح معنی میں خلافت کے مستحق تھے ، انہیں اس امر پر فخر تھا کہ ان کا انتساب رسول اللہؐ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے ہے، جنھوں نے اسلام کی سر بلندی اور نصرت کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی تھیں ، پھر ماں کے نسب کی طرف سے اپنے اور منصور کے درمیان موازنہ کیا تھا ۔ اس کے بعد اس کے امان دینے کے وعدے کا مذاق اڑایا اور لکھا کہ آپ نے ابن ھبیرہ کو بھی جان کی امان دی تھی ، اپنے چچا عبداللہ بن علی کو بھی امان دی تھی ، اور ابو مسلم خراسانی کو بھی جان کی امان دی تھی ۔ مجھے بھی اسی قسم کی امان[1] دینے کا ارادہ ھو گا ۔

منصور نے جب یہ خط پڑھا تو پیچ و تاب کھانے لگا اور کہنے لگا اس کا جواب میں خود دوں گا ۔ اس وقت اس کے پاس ابو ایوب[2] سوریانی بیٹھا تھا ۔ اس نے منصور سے کہا مجھے اجازت دیجئے میں اس خط کا جواب دیتا ھوں ۔ منصور نے کہا نہیں اس کا جواب میں خود دوں گا کیونکہ اب میرے اور ان کے حسب نسب میں تصادم ھے اس لئے مجھے اور انہیں چھوڑ دو میں ان سے نپٹوں گا[3] ۔

(ب) اس شورش کا خاتمہ اور اس کے اسباب : اس شورش کے فرو کرنے میں مصر کا حصہ ۔

اسباب کچھ بھی ھوں اس جگہ ان سے بحث نہین لیکن واقعہ

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۲۱۰ تا ۲۱۱ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۰۹ ۔
۳ ۔ طبری : جلد ۲ صفحات ۲۱۱ تا ۲۱۳ ۔

یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراھیم نے منصور کے خلاف اس وقت بغاوت کی ، جب تقریباً عام مسلمانوں نے منصور کی بیعت کرلی تھی، ان دونوں بھائیوں نے اپنے مددگاروں کی مختصر تعداد پر اعتماد کیا اور منصور کے خلاف خروج کیا، حالانکہ ان کا حریف بہت طاقت ور تھا اور ان دونوں کی شورشوں کا خاتمہ کرنے کیلئے ھر طرح کی تدبیریں اختیار کر سکتا تھا یہاں تک کہ دجل و فریب میں بھی اسے کوئی تامل نہ تھا۔

منصور نے ان دونوں بھائیوں کے مقابلہ کیلئے اپنے چچا اور ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ کو مامور کیا مؤرخین کے الفاظ میں ''منصور کا مقصد یہ تھا کہ ایک پتھر سے دو چڑیوں کا شکار کرے ، اس کا مدعا یہ تھا کہ اگر اس جنگ میں عیسیٰ مارا جائے تو خلافت اپنے بیٹے مہدی کی طرف منتقل کردے'' منصور نے عیسیٰ کو محمد بن عبداللہ کے مقابلہ کے لئے رخصت کرنے کے بعد کہا تھا ، مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ عیسیٰ مارا جائے یا محمد قتل ہوں۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کی روانگی سے پہلے اس سے کہا تھا کہ اس سلسلے میں اپنے چچاؤں سے بھی مشورہ کر لو ، عیسیٰ نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا تھا کہ اس کی کیا ضرورت ہے وہ بھی یہی کہینگے کہ اس مقابلے کے لئے میں جاؤں یا آپ جائیں۔

عیسیٰ ، محمد نفس زکیہ کے مقابلہ کیلئے مدینہ روانہ ہوا جن کا اس وقت مدینہ اور مکہ پر تسلط قائم ہو چکا تھا جب عیسیٰ کا لشکر فید کے مقام پر پہنچا اس وقت عیسیٰ نے اہل مدینہ

---

۱ ۔ طبری جلد ۹ صفحہ ۲۰۶

کے نام خطوط لکھے ، جن میں انہیں بڑی بڑی توقعات کا لالچ دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ والوں کی اکثریت نے علویوں کی مدد سے ہاتھ روک لیا ۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد نفس زکیہ ، عیسیٰ بن موسیٰ کے عظیم الشان لشکر سے دہشت زدہ ہو گئے تھے اور مدینہ والوں کی اکثریت کے ساتھ چھوڑ دینے سے بہت متفکر تھے ، انہیں اپنی قوت کی طرف سے تذبذب پیدا ہوگیا تھا اور اپنے طاقتور حریف سے مقابلہ کرنے میں تامل تھا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اس صورت حالات میں کیا کیا جائے؟ آیا مدینہ میں رہ کر حریف کا مقابلہ کیا جائے جس طرح آنحضرتؐ نے غزوۂ خندق کے موقع پر کیا تھا یا کسی اور شہر کی طرف نکل چلیں ، جہاں فوجی استحکام کے بعد دشمن کا مقابلہ کیا جائے ۔ اس موقع پر بعض نے مشورہ دیا کہ مصر کی طرف روانہ ہو جائیں کیونکہ وہاں ہمیں اتنی قوت اور فوجی استحکامات حاصل ہوسکیں گے کہ بہ آسانی منصور کی فوجوں کا مقابلہ کیا جا سکے گا انہوں نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ مدینہ میں سامان رسد اور اسلحہ کی قلت کے علاوہ ہمارے مددگاروں کی بھی سب سے کم تعداد یہاں ہے ۔ اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ آپکا مقابلہ فوجوں ، مال و دولت اور اسلحہ کے لحاظ سے سب سے مضبوط حریف سے ہے ، اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ اپنے مددگاروں کو ساتھ لیکر مصر روانہ ہوجائیں وہاں پہنچ کر ہمارے پاس بھی اسقدر ہتھیار ، ساز و سامان اور فوج کا انتظام ہوگا کہ آسانی سے عیسیٰ کا مقابلہ کرسکیں گے ، اس موقع پر حنین بن عبداللہ بڑے جوش میں اٹھا اور بہ آواز بلند کہا ، خدا نہ کرے کہ آپ

مدینہ سے باہر نکلیں'' اور یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہؐ
نے فرمایا ہے '' میں نے خواب میں دیکھا کہ
میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں'' اس نے بیان کیا
کہ آنحضرتؐ نے اسکی تعبیر یہ دی تھی کہ مضبوط زرہ
مدینہ[1] ہے ۔

آخر کار محمد کو مجبوراً ان لوگوں کی رائے پر عمل کرنا
پڑا جو مدینہ میں ٹھہرنے کا مشورہ دے رہے تھے لیکن صورت
حالات کا اندازہ کرنے کے بعد ان کے دل و دماغ پر یاس و نا امیدی
کی کیفیت طاری ہوگئی تھی خصوصاً جب انہوں نے یہ دیکھا
کہ جو گروہ مصر چلنے کا مشورہ دے رہا تھا ، اس نے
ان کی مدد سے بے اعتنائی برتنی شروع کردی ، ان حالات میں
وہ ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے ، اس موقع پر انہوں نے اپنے
مددگاروں کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں کہا ''لوگو ! ہم
نے تمہیں جنگ کیلئے جمع کیا ہے اور تم سب سے بڑی
امیدیں وابستہ کی ہیں ، تم دیکھ رہے ہو ، دشمن سر پر آ پہنچا
ہے اور وہ بہت بڑی تعداد میں ہے ، فتح و نصرت خدا کے ہاتھ
ہے اور ہر معاملہ اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے میرے دل پر
یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ میں تمہیں مقابلہ کی اجازت دوں
اور جو امیدیں تم سے وابستہ کی تھیں ، ان کا مشاہدہ کروں
لیکن جو شخص میرا ساتھ دینا چاہے وہ ساتھ دے اور جو
شخص ساتھ دینا نہ چاہے اسے اجازت ہے کہ وہ چلا جائے[2] '' ۔

اس خطبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد نفس زکیہ کو اپنے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۰۸ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۱۹ ۔

سچے مددگاروں کی تعداد کا اندازہ ہو گیا تھا جنکی تعداد شروع میں ایک لاکھ تھی لیکن جنگ کے وقت ان میں سے اکثر انہیں چھوڑ کر چل دئے اور صرف ایک مختصر تعداد باقی رہ گئی ، جس نے عیسیٰ بن موسیٰ اور اسکی فوج سے مقابلہ کیا ، اس مقابلہ میں محمد بن عبداللہ شہید ہوئے اور ان کا سر کاٹ کر عیسیٰ بن موسیٰ کے سامنے پیش کیا گیا ، یہ واقعہ بروز دو شنبہ ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ کا ہے[1] ، اس طرح محمد نفس زکیہ کی یہ جد و جہد اس ماتم انگیز انجام کی صورت میں ختم ہوئی اور عراق میں منصور کے لئے ایک جدید حریف ابراہیم بن عبداللہ کی سر گرمیوں کا خاتمہ کرنے کے سوا اور کوئی بڑی مہم باقی نہیں رہی ، ابراہیم نے بصرہ، اھواز اور فارس پر تسلط قائم کرلیا تھا اوران کی طرف سے خطرہ بہت شدید ہوتا جا رہا تھا ، ان کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی ، اس خطرہ کو منصور نے شدت سے محسوس کیا اور اس کے استیصال کے لئے اپنی پوری قوت مرکوز کردی اور ''خلافت کے حوضوں سے ان عناصر کو دور رکھنے کا عزم کیا'' منصور نے قسم کھائی کہ اس وقت تک کپڑے نہ بدلوں گا ، جب تک حجاز اور عراق میں علویوں کا خاتمہ نہ کردوں گا ، علویوں کیلئے یہ موت و زندگی کی کشمکش کا وقت تھا لیکن لطف یہ تھا کہ اس کشمکش کے زمانہ میں ابراہیم نے عمر بن سلمہ کی بیٹی سے شادی رچائی '' جو رنگینی لباس اور طرح طرح کے فیشن کی پوشاک پہنکر اس مہم کے دنوں میں ان کے پاس آتی جاتی تھی[2] ''۔

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحات ۲۱۹—۲۲۰ -

۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۵۵ -

محمد نفس زکیہ کو شکست دینے کے بعد منصور کو عیسیٰ بن موسیٰ کی فوجی صلاحیتوں کا اندازہ ہوگیا تھا اس لئے اس نے فوراً اسے عراق میں محمد کے بھائی ابراہیم سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا ، فریقین میں کوفہ اور واسط کے درمیان باخمریٰ کے مقام پر جنگ ہوئی ، اس مقام پر عیسیٰ کے ممتاز جنرل حمید بن قحطبہ کو ابراہیم کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور قریب تھا کہ منصور کی فوجوں کو ہزیمت اٹھانا پڑے لیکن اس نازک وقت میں عیسیٰ نے بڑے استقلال کا ثبوت دیا اور کہا کہ میں اس مقام سے اس وقت تک جنبش نہ کرونگا جب تک میری لاش اس جگہ نہ گر جائے یا مجھے ابراہیم کے مقابلے میں فتح حاصل ہو جائے [1] ، اس مقام پر دونوں فریقوں میں زبردست مقابلہ ہوا آخرکار ابراہیم کی فوج کو شکست ہوئی اور ان میں سے اکثر بھاگ کھڑے ہوئے صرف ابراہیم اپنے چند مددگاروں کے ساتھ میدان میں جمے ہوئے تھے ، اس اثناء میں ان کے حلقوم میں ایک تیر لگا اور وہ گر پڑے ، حمید بن قحطبہ نے ان کا سر کاٹ کر عیسیٰ بن موسیٰ کے سامنے پیش کیا ، وہ فرط مسرت سے سجدہ میں گر گیا ، یہ دو شنبہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۵ھ کا سانحہ ہے۔

ابراہیم کا سر منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ، یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ علویوں کی شکست سے ان کے سچے ہمدردوں کو بہت دکھ ہوا اور انہیں جو مصیبتیں اور شدائد اٹھانا پڑے ، ان پر

---

۱ - مسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ — طبری جلد ۹ صفحات ۲۵۷ — ۲۵۸ -

شعراء نے بڑے دردناک اور بلند پایہ مرثیے لکھے ۔

یہ مصیبتیں محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم تک محدود نہ رھیں بلکہ ان کا پورا خاندان ان کی لپیٹ میں آ گیا ، وجہ یہ تھی کہ محمد نے اپنے خاندان کے افراد کو اپنی امامت کی تبلیغ کے لئے مختلف ممالک اسلامیہ میں بھیجا تھا ، چنانچہ اپنے بیٹے عبداللہ کو خراسان پھر سندھ روانہ کیا تھا ، جہاں انہیں قتل کیا گیا ، اپنے بیٹے حسن کو یمن روانہ کیا تھا، جہاں انہیں قید کردیا گیا اور جیل خانے ھی میں ان کا انتقال ھوگیا ، اپنے بھائی موسیٰ کو الجزیرہ بھیجا تھا اور اپنے دوسرے بھائی یحیٰی کو رے اور طبرستان روانہ کیا تھا ، محمد نفس زکیہ کے ایک اور بھائی ادریس بلاد مغرب چلے گئے تھے ، کندی[1] اور مقریزی[2] کا بیان ھے کہ محمد نفس زکیہ نے اپنے بیٹے علی کو اپنی دعوت کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے مصر روانہ کیا تھا ، وھاں منصور کے گورنر نے ان کی اور ان کے مددگاروں کی سرگرمیوں کو بڑی سنگدلی سے کچل دیا تھا ، اسی اثنا میں ابراھیم کی بھی شہادت کی خبر مصر پہنچی ، اس خبر سے علی اور ان کے مددگاروں کے قدم اکھڑ گئے اور ان شہروں میں علویوں کی تحریک ٹھنڈی پڑ گئی ، علی بن محمد کا انجام کیا ھوا اس بارے میں مؤرخین اپنی لا علمی کا اظہار کرتے ھیں ۔

اس شورش کے خاتمہ کے اسباب و عوامل :

یہ بیان کیا جاچکا ھے کہ محمد اور ابراھیم اپنی تحریک خلافت میں ناکام رھے ، اس تحریک کی ناکامی کے اسباب کیا تھے ؟ ان کا تجزیہ ضروری ھے ۔

---

۱ ۔ کتاب الولاۃ صفحہ ۱۱۴ ۔
۲ ۔ خطط : جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ مدینہ میں محمد کی فوج تقریباً ایک لاکھ تھی ، اسی طرح عراق میں ان کے بھائی ابراهیم کی فوج کوئی ایک لاکھ تھی ، اور دونوں بھائیوں کے مدد گار دولت عباسیہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے ، چنانچہ حجاز عراق ، خراسان ، مصر اور دوسرے علاقوں میں کثرت سے ان کے مدد گار پائے جاتے تھے ۔ اس ساز گار سیاسی ماحول میں ان دونوں بھائیوں کی تحریک کی ناکامی کے کیا اسباب تھے ؟ یہ غور طلب سوال ہے ، یہ وہ زمانہ تھا جب دولت عباسیہ اپنے دور طفولیت میں تھی اور اس وقت مسلمانوں کے دل خصوصاً اهل فارس کے دل علویوں کے ساتھ تھے اور بہت سے ممتاز خراسانیوں نے جن میں ابوسلمہ خلال اور ابومسلم خراسانی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں ، علویوں اور ان کے نصب العین کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دی تھیں ۔ دراصل اس تحریک کی ناکامی کے چند اسباب تھے ، سب سے بڑا سبب منصور کی بیدار مغزی اور اولو العزمی تھا ، جو ایک وسیع خلیج کی صورت میں اس تحریک کی کامیابی کے راستے میں حائل ہوگئی ، منصور نے علویوں کو بڑی سنگین سزائیں دی تھیں جس سے عام مسلمان خصوصاً اهل خراسان بگڑ گئے تھے ، مسلمانوں کے مختلف گروهوں میں علویوں کی تحریک نے اثر و نفوذ پیدا کر لیا تھا ، اور اس دور کے فقہاء کی تائید انہیں حاصل تھی ، جن کے پیشوا ، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ تھے محمد شریفانہ عادات اور پاکیزہ خصائل سے موصوف تھے ، جن سے عام مسلمانوں کی نگاهوں میں ان کی قدر و منزلت بہت بلند تھی ۔ ان تمام امور کے باوجود منصور نے اپنی غیر معمولی سیاسی بصیرت ، عظیم الشان فوج اور بے شمار جنگی اسلحہ اور ساز و سامان

کی مدد سے ان دونوں بھائیوں کی تحریک کا قلع قمع کر دیا ۔

منصور کو آل علیؓ کی طرف خراسانیوں کے رجحان کا بر وقت پتہ چل گیا تھا ، خراسان کے گورنر نے اسے لکھا تھا کہ اھل خراسان نے محمد نفس زکیہ کو اپنی مدد کا یقین دلایا ھے اور ان سے وعدہ کیا ھے کہ اگر وہ عباسیوں کے خلاف بغاوت کریں گے تو سارے خراسانی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ھو جائیں گے ۔ منصور کی سیاسی بصیرت نے اس وقت خراسانیوں کے ساتھ سخت رویہ مصلحت کے خلاف سمجھا اور حکمت عملی سے کام لیا ، اس نے خراسانیوں کو ان ارادے سے باز رکھنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان ابن عفان کا سر خراسان بھیج دیا اور جاھل خراسانیوں کے دلوں میں یہ شعور پیدا کیا کہ یہ سر محمد نفس زکیہ بن عبداللہ کا ھے ۔ منصور کی یہ تدبیر کارگر ثابت ھوئی اور ان شورشوں اور بغاوتوں کا خطرہ دور ھوگیا جن کا خراسانیوں کی طرف سے شدید اندیشہ پیدا ھوگیا تھا ۔ علویوں کی طرف خراسانیوں کے شدید رجحان کی ایک بڑی وجہ ان دونوں کے درمیان نسبی تعلق تھا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عباسیوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ خراسانیوں کی بغاوتوں کا مقابلہ کر سکیں ، اس تصادم میں بے شمار جانیں تلف ھوتیں اور اس وقت سلطنت عباسیہ اس کی متحمل نہ ھوسکتی تھی ۔

محمد نفس زکیہ کو یہ یقین ھوگیا تھا کہ عوام کے دل ان کے ساتھ ھیں ، اس کی وجہ سے ان کا یہ گمان تھا کہ وہ منصور سے زیادہ طاقتور ھیں ، اس گمان میں ان خطوط نے اور استحکام

پیدا کر دیا جو ممالک اسلامیہ سے ان کے پاس آئے تھے ، جن میں ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ ان کے خروج کا بے چینی سے انتظار ہے ، محمد نفس زکیہ اس حقیقت سے بالکل لاعلم تھے کہ ممالک اسلامیہ میں اکثر لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ علویوں کی تحریک اور اس کا مقصد کیا ہے ؟ واقعہ یہ تھا کہ منصور نے متواتر خطوط کی شکل میں محمد نفس زکیہ کے خلاف اس سازش کا جال اپنے جرنلوں کے ذریعہ بچھایا تھا ، ان باتوں کے علاوہ محمد نفس زکیہ کو خلافت کا دعویٰ کرنے کے لئے امام مالک رحمہ کے اس فتویٰ نے بھی آمادہ کیا تھا ، جس میں انہوں نے منصور کی بیعت فسخ کر دینے کے لئے عام مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا ۔

محمد نفس زکیہ نے مدینہ کو اپنا جنگی مرکز مقرر کیا تھا ، فوجی لحاظ سے یہ ان کی بہت بڑی غلطی تھی ، مسعودی [1] کے الفاظ میں "مدینہ بے آب و گیا شہر ہے جس میں کوئی بڑی تجارت ممکن نہیں ہے ، مدینہ جنگ کے لئے قدرتی مرکز نہ تھا کیونکہ صورت حال یہ تھی کہ اگر مدینہ کا محاصرہ کر لیا جائے تو اس میں رسد نہیں پہنچ سکتی اور اس کے باشندے چند روز ہی میں بھوک پیاس سے مر جائیں گے"۔ محمد نفس زکیہ کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں اہل حجاز کی مدد پر پورا اعتماد تھا ، لیکن آخری وقت میں اہل حجاز ان کا ساتھ چھوڑ کر چل دئے اور محمد نفس زکیہ مختصر مدد گاروں کے ساتھ رہ گئے ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہید کر دئے گئے ، محمد نفس زکیہ اس سے بھی با خبر نہ تھے کہ منصور ان کی تحریک کے

---

۱ ۔ مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ ۔

استیصال کے لئے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے اصحاب رائے اور ارباب سیاست سے مشورہ لیتا رہا تھا اوران سے مقابلے کے لئے بڑے وسیع پیمانہ پر فوجی تنظیم کی تھی اور اسلحہ اور ساز و سامان کا زبردست انتظام کیا تھا اور اپنے مشہور ترین جرنلوں کو ان سے مقابلہ کے لئے مامور کیا تھا ، علویوں کی فوج باوجود اپنی کثرت تعداد کے منظم نہ تھی اور نہ انہیں اس زمانے کے جدید ترین جنگی اصولوں پر ترتیب دیا گیا تھا ۔ چنانچہ ابراہیم نے اپنی فوج کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کیا تھا ، ان ٹولیوں میں سے ایک ایک ٹولی لڑنے کے لئے نکلتی تھی ، جب اسے شکست ہو جاتی تھی تو دوسری ٹولی آگے بڑھتی تھی اور یہ سلسلہ جاری رہتا تھا ، ابراہیم منصور کے لشکر سے اپنی فوج کی ایک صف بنا کر نہیں لڑے ، اگر صف بنا کر لڑتے تو ممکن تھا کہ ان کی فوج سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوتی ۔ قرآن میں ہے ”بیشک خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کے راستے میں صف بنا کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں“ ۔ اس طریقۂ جنگ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم کی فوج کو عیسیٰ بن موسیٰ کی سپاہ نے شکست دی حالانکہ تعداد میں ابراہیم کی فوج عیسیٰ بن موسیٰ کی فوج سے زیادہ تھی ۔

اس تحریک کی ناکامی کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ محمد اور ابراہیم نے جو جنگی منصوبہ تیار کیا تھا ، اس پر عمل نہ کیا گیا ، اس منصوبہ کے تحت یہ طے کیا گیا تھا کہ دونوں بھائی بیک وقت منصور کے خلاف بغاوت کریں گے اس منصوبہ پر عمل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابراہیم

اپنی بیماری کی وجہ سے وقت مقررہ پر خروج نہ کر سکے ، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محمد نے جنگ کرنے میں عجلت سے کام لیا ، اسباب کچھ بھی ہوں ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی بیک وقت خروج کرتے تو اس سازگار ماحول میں منصور کے اندر اتنی سکت نہ تھی کہ وہ ان کے سامنے ٹھہر سکتا ۔

(ج) علویوں کا موقف محمد اور ابراھیم کی شورشوں کے خاتمہ کے بعد :

۱ ۔ حسین ابن علی کی شورش :

اس بحث و نظر کے بعد یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ علویوں نے اپنی خلافت کے مطالبہ میں سیاسی حکمت عملی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ جب کبھی انہیں موقع ملتا تھا اور حالات ان کے لئے سازگار ہوتے تھے ، اس وقت وہ شمشیر بہ بکف میدان میں نکل آتے تھے ، محمد کی شہادت کے بعد علویوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی مگر انہوں نے خلافت کے مطالبہ کو نہیں چھوڑا حالانکہ ان کے ضعف و انحطاط کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ خلیفہ عباسی نے ان کی طرف سے اندیشہ چھوڑ دیا تھا اور اس امر پر اکتفاء کیا تھا کہ ان کے ممتاز لوگوں کو بغداد میں نظر بند کردیا تھا اور مدینہ کے گورنر کو ھدایت کردی تھی کہ وہ علویوں کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھے ، اس ناسازگار ماحول میں علویوں نے خاموشی کی زندگی اختیار کر لی تھی ، لیکن دراصل وہ خلافت عباسیہ پر نئے سرے سے یورش کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے ۔

ھادی کے دور میں علویوں نے حسین ابن علی بن حسن بن حسن بن حسن بن علی کی قیادت میں مکہ و مدینہ میں بغاوت کا علم

بلند کیا تھا ، حسین ابن علی نے ذی قعدہ ۱۶۹ھ میں مدینہ میں اپنی خلافت کا دعویٰ کیا تھا ، حسین ابن علی کی بغاوت کو مؤرخین نے مدینہ کے گورنر کے توھین انگیز رویہ کا رد عمل بتایا ھے ، خصوصاً حسن بن محمد نفس زکیہ کے ساتھ اس نے جو اھانت آمیز رویہ اختیار کیا تھا ، وہ اس بغاوت کا پیش خیمہ ثابت ھوا ، اس گورنر نے حسن بن محمد اور دوسرے علویوں پر نبیذ پینے کا الزام لگایا تھا اور انہیں گرفتار کرکے مدینہ میں ان کی تشہیر کی تھی ، یہ بات علویوں کے مددگاروں کو بہت ناگوار گذری تھی اور وہ علویوں کی پشت پناھی کے لئے کھڑے ھوگئے تھے ، واقعات سے معلوم ھوتا ھے کہ علویوں نے اس واقعہ سے پہلے حسین بن علی کی قیادت میں عباسیوں کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا ، اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا اور انہوں نے مدینہ کے گورنر کے توھین انگیز رویہ کو عباسیوں کے خلاف اھل مدینہ کی ھمدردی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا، اس واقعہ کے بعد حسین ابن علی مدینہ کے گورنر کے پاس گئے اور اپنے خاندان کی تشہیر اور انکی بے عزتی پر سخت احتجاج کیا ۔

حسین[1] ابن علی بنی ھاشم کے نہایت ممتاز شخص تھے ، سیادت اور علم و فضل میں ان کے نمایاں فرد تھے ، انہوں نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کا عزم کیا تھا ، ان کے خاندان کے ممتاز افراد کی ایک جماعت ان کی ھم آھنگ تھی ، اسی زمانے میں مدینہ کے گورنر نے آل علیؓ کے بعض افراد کی بے عزتی کی ، اسکی وجہ سے ابو طالب کی اولاد بگڑ گئی اور بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ھو گئے ، ان سب نے مل کر

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۲۷۲—۲۷۳ ۔

گورنر کے محل پر حملہ کر دیا ، مدینہ کا گورنر ان کے ڈر سے محل میں چھپ گیا ، اس گروہ نے جیل خانے کے دروازے توڑ دئے اور قیدیوں کو رہا کر دیا اور حسین ابن علی کی بیعت کر لی[1]۔

حسین ابن علی نے خروج کرنے کے بعد گیارہ روز مدینہ میں قیام کیا پھر مکہ روانہ ہوگئے ، عباسیوں کی فوج سے فخ کے مقام پر ان کا مقابلہ ہوا ، جو مکہ سے ٦ میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے ۔ اس مقام پر علویوں کو رکنا پڑا ، اس جگہ سخت مصیبتیں جھیلنے کے بعد حسین بن علی شہید ہوگئے ان کے ساتھ کچھ ان کے اہل بیت بھی شہید کردئے گئے ۔ فخ کا یہ سانحہ اپنی مصیبتوں اور سختیوں کے لحاظ سے کربلا کے حادثے کے بعد سب سے زیادہ شدید اور درد ناک واقعہ تھا ، شیعہ شعراء نے ''فخ کے شہداء'' پر کثرت سے درد ناک مرثیے لکھے ہیں[2] ۔

ان واقعات سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ علویوں نے اپنے اس مستحکم اعتقاد کو ترک نہیں کیا تھا کہ وہ عباسیوں سے زیادہ خلافت کے منصب کے مستحق ہیں ، اسی لئے جب کبھی انہیں موقع ملتا تھا اور حالات ساز گار ہوتے تھے ، اسی وقت سلطنت عباسیہ کے خلاف بغاوت کر دیتے تھے ۔ عباسی ، حتی الامکان علویوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہتے تھے ، وہ ان سے درخواست کرتے تھے کہ حکومت کے نظم و نسق

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۷۰ - ۱۷۲ ۔
۲ ۔ المسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۲۵۷ ۔

میں ان کی مدد اور رہنمائی کریں ۔ ان کی رضا جوئی کے لئے ، انہوں نے ہر طرح کوشش کی اور ترغیب کا کوئی طریقہ اٹھا نہ رکھا ، لیکن ان تمام باتوں سے ، خلافت کے حصول کے لئے علویوں کے عزم میں کوئی اضمحلال پیدا نہ ہوا ، عباسی نازک سے نازک سیاسی حالت میں بھی علویوں کے ساتھ اپنے نسبی تعلقات فراموش نہ کرتے تھے ، وہ جانتے تھے کہ وہ ان کے چچا کی اولاد سے ہیں اور ان پر ان کا احترام واجب ہے ، کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے قریبی رشتے دار ہیں ، عباسی اس ادب و احترام کو اس وقت بھی ملحوظ رکھتے تھے ، جب علوی ان کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور ان سے خلافت چھین کر اس پر خود قبضہ کرنا چاہتے تھے ، مسعودی[1] کا بیان ہے کہ عبداللہ بن حسن اور حسین ابن علی کو جان کی امان دی گئی تھی اور ان دونوں کو جعفر بن یحیٰی بن خالد بن برمک کی نگرانی میں نظر بند کر دیا گیا ، اس کے بعد عیسیٰ کے اشارہ سے دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ پر ہادی کو موسیٰ بن عیسیٰ پر بہت غصہ آیا اور اس نے ان سے جواب طلب کیا کہ حسین ابن علی کو کیوں قتل کیا گیا انہیں میرے سامنے کیوں نہیں پیش کیا گیا تاکہ جو مناسب ہوتا وہ حکم صادر کرتا ۔ اس جرم میں ہادی نے عیسیٰ بن موسیٰ کا مال و دولت ضبط کر لیا ، اور جب لوگ خوش ہوتے ہوئے حسین ابن علی کا سر لے کر ہادی کے پاس آئے تو وہ رو پڑا اور غضب ناک ہو کر ان سے کہا "تم میرے پاس اس طرح خوش ہوتے ہوئے آئے ہو جیسے میرے پاس کسی ترک یا دیلمی کا سر لیکر آئے ہو ! کیا تمہیں یہ معلوم نہیں

---

۱ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ -

کہ یہ سر ایسے شخص کا ہے جو رسول اللہؐ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، میرے نزدیک تمہاری کم سے کم یہ سزا ہے کہ میں تمہیں ایک حبہ بھی نہ دوں۔

۲۔ عبداللہ کے بیٹوں ، یحیٰی اور ادریس کی شورشیں :

فخ کے حادثہ کا بہت دور رس اثر ہوا اس حادثے سے علوی خاندان کے دو شخص بچکر نکل گئے تھے، جو مستقبل میں عباسیوں کے لئے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی ثابت ہوئے ، ان میں سے ایک یحیٰی بن عبداللہ تھے، جو بلاد دیلم چلے گئے تھے۔ اور دوسرے ان کے بھائی ادریس تھے، جو بلاد مغرب کی طرف فرار ہوگئے تھے۔ ہارون الرشید نے اپنے ابتدائی دور خلافت میں علویوں کی رضا جوئی کی کوشش کی تھی اور بہت سے علویوں کو رہا کر دیا تھا، جو بغداد میں نظر بند تھے۔ لیکن علوی خاندان کے افراد اپنے اس مستحکم عقیدے سے دست بردار نہ ہوئے کہ وہ عباسیوں سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں اور اس مقصد کے لئے عباسیوں سے برابر مقابلہ جاری رکھا۔ عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹے یحیٰی اور ادریس فخ کی جنگ کے بعد بچکر نکل گئے تھے اور ان دونوں کو ہارون الرشید کے دور میں بڑی شان و شوکت حاصل ہوگئی تھی۔

یحیٰی بلاد دیلم کی طرف چلے گئے تھے، اہل دیلم نے ان کی امامت کو تسلیم کر لیا اور انکی بیعت کر لی ، انہیں وہاں اتنا اقتدار حاصل ہوگیا کہ سلطنت عباسیہ کیلئے وہ بہت بڑا خطرہ بن گئے۔ ہارون رشید اس خطرہ سے بہت پریشان ہوگیا

اور یحییٰ اور ان کی اماست کا خاتمہ کرنے کیلئے اس نے عملی تدبیریں اختیار کیں چنانچہ اس نے فضل بن یحییٰ برمکی کو بلاد جرجان ، طبرستان اور رے کا گورنر مقرر کیا اور پچاس ہزار فوج دے کر یحییٰ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا ۔

فضل کی غیر معمولی بیدار مغزی نے یحییٰ بن عبداللہ کے ساتھ ایک جنگی حریف کا رویہ مصلحت کے خلاف سمجھا اور دو رخی پالیسی اختیار کی ایک طرف اسنے عباسیوں کی دهشت اور هیبت یحییٰ کے دل میں بٹھا دی اور دوسری طرف ان سے بڑی بڑی توقعات کا یقین دلایا ، اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ وہ اس شرط پر مصالحت پر رضامند ھو گئے کہ ھارون الرشید اپنی قلم سے انہیں جان کی امان کا پروانہ لکھے ، اور اس پر قاضیوں فقیہوں اور بنی ھاشم کے ممتاز افراد کی شہادت ثبت کی جائے ۔ ھارون‌الرشید نے ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا ، اور جان کی امان کا پروانہ لکھ کر بہت سے تحفے تحائف کے ساتھ ان کے پاس بھیج دیا اسکے بعد یحییٰ ، فضل برمکی کے ساتھ بغداد آئے اور جب وہ ھارون‌الرشید کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو ھارون‌الرشید ان کے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا ، اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ یحییٰ ، ھارون‌الرشید کے محل میں نظر بند کردئے گئے اور فقہاء سے اپنی امان فسخ کرنے کا فتویٰ طلب کیا ۔ فخری کا بیان ھے کہ بعض فقہاء[1] نے امان کو قائم رکھنے کا فتویٰ دیا اور بعض فقہاء نے اسے فسخ کردینا جائز قرار دیا ، ھارون‌الرشید نے فقہاء کے اس دوسرے گروہ کے فتویٰ پر عمل کیا اور امان کو فسخ کردیا ۔

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۷۷ -

لیکن جس غلط فہمی نے ہارون الرشید کو اپنی امان فسخ کرنے اور یحیٰی کا خاتمہ کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا ، در اصل وہ زبیر بن عوام کی اولاد میں سے ایک شخص کی سازش تھی جس نے ہارون کے یہ کان بھرے تھے کہ یحیٰی امان حاصل کرنے کے بعد اپنی خلافت کے واسطے لوگوں کو اکسا رہا ہے ۔

یحیٰی کے بھائی ادریس بن عبداللہ ۱۷۲ھ میں مصر کی طرف فرار ہوگئے تھے پھر وہاں سے بلاد مغرب اقصیٰ چلے گئے جہاں بربر باشندے ان کے ساتھ ہوگئے اور انہیں بڑی طاقت حاصل ہوگئی تھی ،ہارون الرشید کو یقین ہوگیا تھا کہ ادریس پر بذریعہ شمشیر قابو نہیں پایا جاسکتا اس لئے اس نے اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے دجل و فریب سے کام لیا اور ادریس کے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجا جو دجل و فریب اور سیاسی حکمت عملی میں مشہور تھا اور اسے حکم دیا کہ وہ ادریسؑ کا تقرب حاصل کرے اور ان سے یہ ظاہر کرے کہ وہ عباسیوں اور ان کی حکومت سے انتہائی بیزار ہے ۔ جب یہ شخص بلاد مغرب پہنچا تو اس نے ادریس کا تقرب حاصل کر لیا اور آہستہ آہستہ اس کا مقرب خاص بن گیا، پھر ایک دن اس نے چپکے سے ادریس کو زہر دیدیا ، ادریس نے اس زہر کے اثر سے داعیٔ اجل کو لبیک کہا ۔ یہ ۱۷۷ھ کا واقعہ ہے، ادریس نے اپنا کوئی لڑکا نہ چھوڑا تھا جو ان کا جانشین ہوتا ۔ ان کے پیرووں نے ان کی ایک باندی کے وضع حمل کا انتظار کیا ، اس باندی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام انہوں نے ادریس رکھا اور اسکی خلافت کی بیعت کر لی، اسی ادریس کی طرف بلاد مغرب کی ” سلطنت ادارسہ“ منسوب ہے ۔

ہارون الرشید کے دور میں ادریسیوں کا خطرہ اتنا شدید ہوگیا تھا کہ وہ سارے علویوں کی طرف سے دہشت زدہ اور بدظن ہو گیا تھا اور اس نے انکا استیصال[1] کرنے کا عزم کرلیا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ کہ ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو بلاد افریقہ (ٹیونس) میں بہت بڑی جاگیر دے دی تھی تاکہ وہ ادریسوں کے حملوں کی روک تھام کرے، اسکا تذکرہ آئندہ آئیگا ۔

۳ - محمد بن جعفر اور قاسم بن ابراهیم کا خروج :

امام جعفر صادقؒ کے بیٹوں میں موسیٰ اور اسماعیل کے علاوہ عبداللہ افطح ، اسحاق اور محمد دیباج بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ۔[2] ابوالحسن نوبختی کا بیان ہے کہ شیعوں کے ایک گروہ کے اعتقاد میں امام جعفر صادقؒ کے بعد امامت کا منصب محمد (موسیٰ اور اسحاق کا بھائی ام ولد حمیدہ سے) کو حاصل ہوا ، اس گروہ کا بیان ہے کہ بچپن میں ایک روز محمد اپنے باپ امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوڑ کر امام جعفرؒ کے گریبان سے لپٹ گئے اور ان کے کرتے کے دامن سے لٹک گئے اس کشمکش میں وہ زمین پر گر پڑے، امام جعفرؒ نے انہیں اٹھایا، ان کی پیشانی، سر اور چہرے سے مٹی کو جھاڑا اور انہیں سینے سے لگا کر فرمایا کہ میرے باپ محمد نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب کوئی تمہارا بچہ پیدا ہو، جو مجھ سے مشابہ ہو تو اس کا نام میرے نام پر محمد رکھنا، وہ میرا شبیہ ہوگا ۔ آنحضرتؐ کی شبیہ ہوگا ، اس بشارت کی بناء

---

۱ - مسعودی : مروج الذہب جلد صفحہ ۲۳۸ - ابن اثیر جلد ٦ صفحہ ۵۰ - ابوالفدا جلد ۲ صفحہ ۱۳ -

۲ - کتاب فرق الشیعہ صفحات ٦۴ - ٦۵ - ۷۲ - ۹۰ -

پر اس فرقه نے محمد کو امامت کا منصب دیا اور ان کے بعد ان کے بیٹے کو یه منصب سونپا، یه فرقه سمطیه کے نام سے موسوم ہے، یه نسبت ان کے سردار کی طرف ہے جس کا نام یحییٰ بن ابی السمیط تھا۔

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے که امام جعفر صادقؒ کی وفات کے بعد تمام شیعه فرقه نه موسیٰ کاظم کی امامت پر متفق تھے اور نه اسماعیل یا محمد کی امامت پر ہم آہنگ تھے بلکه حقیقت یه تھی که بعض شیعوں کے خیال میں امام جعفرؒ کی اولاد میں سب سے زیادہ منصب امامت کے مستحق محمد بن جعفر تھے۔ بعض شیعوں کے اعتقاد میں محمد کے بھائی عبداللہ اقطح سب سے زیادہ حق‌دار تھے لیکن عبداللہ اقطح کی امامت کی مدت بہت مختصر تھی کیونکه کچھ عرصه کے بعد ان کا انتقال ہوگیا تھا اور ان کا کوئی بیٹا نه تھا، اس لئے تمام شیعوں نے ان کے بھائی موسیٰ کاظمؒ کو امام تسلیم کرلیا تھا۔ مامون کی خلافت کے دور میں محمد دیباج بن امام جعفر صادقؒ نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کی تھی، قرائن سے معلوم ہوتا ہے که یه واقعه امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کو ولی عہد مقرر کئے جانے سے پہلے کا ہے، اس بغاوت کا یه سبب بھی ممکن ہے که موسیٰ کاظم کے پیروؤں اور ان کے بھائی محمد دیباج کے پیروؤں کے درمیان شدید اختلاف تھا اور ان دونوں اماموں کے ماننے والوں میں کسی قسم کے تعلقات نه تھے، اسی لئے مامون کے خلاف محمد دیباج کی بغاوت دراصل موسیٰ کاظم کے پیروؤں کے خلاف بغاوت تھی۔ مامون کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے فخری[1] لکھتا ہے که مامون کے دور میں محمد بن جعفر صادقؒ نے مکے میں خروج کیا اور وہاں ان کی بیعت کی گئی

۱۔ الفخری: صفحه ۲۰۱۔

اور انہیں امیرالمومنین کا لقب دیا گیا ، یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد میں بڑی بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا تھا اور وہ فتنوں اور شورشوں کا گہوارہ تھا ، اس نازک صورت حالات میں خارجیوں نے بغاوت کر دی تھی - محمد بن جعفرؒ علویوں میں ایک ممتاز اور معمر شخص تھے، علم و فضل کا سرچشمہ تھے اور اپنے باپ امام جعفر صادقؒ سے علم و فضل کی غیر معمولی دولت حاصل کی تھی وہ ایک زمانے تک مکہ میں قیام فرما رہے ، محمد بن جعفرؒ پر ان کا بیٹا اور چچا زاد بھائی حاوی ہو گئے تھے جن کی سیرت اچھی نہ تھی، اس کی وجہ سے ان کی شخصیت اور اثر و اقتدار کو بہت ٹھیس پہنچی تھی ، مامون نے ایک لشکر محمد بن جعفر کے مقابلہ کیلئے بھیجا جسے غلبہ حاصل ہوا، محمد بن جعفرؒ گرفتار کئے گئے اور انہیں مامون کے پاس بھیجدیا گیا ، جب وہ مامون کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے ان کا قصور معاف کردیا -

مامون کے دور خلافت میں علویوں میں صرف محمد دیباج ھی نے بغاوت نہیں کی تھی بلکہ علویوں کی طرف سے اور بھی کئی شورشیں اٹھی تھیں - مؤرخین کا بیان ھے کہ ابوالسرایا نے مامون کے عہد میں بغاوت کی تھی اور اسے بڑی شان و شوکت حاصل ھوگئی تھی - اس نے بعض اھل بیت کی خلافت کا مطالبہ کیا تھا ، اس کی سرکوبی کے لئے حسن بن سہل کو مامور کیا گیا ، جس نے ابوالسرایا سے مقابلہ کیا اور اس کی شورش کا استیصال کر دیا ، اس جنگ میں ابوالسرایا قتل کیا گیا - مامون کے خلاف علویوں میں حسن بن علی کے گھرانے کے ایک شخص قاسم بن ابراھیم نے بھی بغاوت کی تھی، یہ شخص ایک مدت تک روپوش رھنے کے بعد شمشیر بکف عباسیوں کے مقابلے

کے لئے میدان میں نکلا تھا ۔

یحیٰی بن حسین متوفی ۳۶۰ھ (۹۶۱ء) نے اپنی کتاب الافادہ فی تاریخ الائمۃ السادۃ ، میں زیدیہ فرقہ کے تذکرہ میں لکھا ہے[1] ” قاسم بن ابراهیم بن اسماعیل بن ابراهیم بن حسن بن حسن بن علی رض بن ابی طالب، مامون کے دور خلافت میں مصر میں روپوش ہوگئے تھے ۔ جب انہیں اپنے بھائی محمد کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی خلافت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے مبلغ مختلف اسلامی ملکوں میں روانہ کئے اور تقریباً دس سال تک اپنی خلافت کا خفیہ پروپیگنڈا کرتے رہے ، اس مدت میں مکہ ، مدینہ ، کوفہ ، رے ، قزوین ، طبرستان اور بلاد دیلم کے باشندوں نے ان کی بیعت کر لی ، بصرہ اور اهواز کے لوگوں نے انہیں خطوط لکھے جن میں ان سے خروج کی درخواست کی گئی تھی ۔ ان حالات کی خبر خلیفہ مامون کے کانوں تک پہونچی تو اس نے ان کی گرفتاری کے لئے سخت احکام جاری کئے ، اس سیاسی ماحول میں قاسم نے مصر میں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور حجاز چلے گئے ، حجاز سے تہامہ پہونچے، جہاں ان کے ساتھ ان کے رشتہ داروں اور مدد گاروں کی ایک جماعت ہو گئی اور اس نے ان کی خلافت کا پروپیگنڈا بلخ ، طالقان اور مرو وغیرہ میں شروع کر دیا ۔ اس تحریک کی شہرت سارے ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی ، خلیفہ عباسی کو اس تحریک کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوگیا ، اس نے قاسم بن ابراهیم کی گرفتاری کے لئے بلاد یمن میں ایک فوج روانہ کی ، اس فوج کی آمد کی خبر سے وہ بدوؤں کے ایک قبیلہ میں روپوش ہوگئے

---

۱ ۔ لیڈن مخطوطہ رقم ۱۹۷۴ صفحات ۳۴ - ۳۵ ۔

جب معتصم تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے قاسم کی گرفتاری کی طرف خاص توجہ کی اور بغا کبیر ، اشناس جیسے ممتاز جنرلوں کو ان کی گرفتاری پر مامور کیا ۔ آخرکار قاسم گرفتار کئے گئے ، یہ ۲۲۰ھ کا واقعہ ہے"۔

اسی مؤرخ نے قاسم کے خادم سے یہ واقعہ نقل کیا ہے "جب امام قاسم کے لئے فرار کے سارے راستے مسدود کر دئے گئے اور ان کی گرفتاری کے لئے سخت انتظامات کئے گئے ، اس وقت امام قاسم مصر میں ایک لوھار (ٹھٹھیرے) کی دکان کے پیچھے چھپے ہوئے تھے ان کے ساتھ میں بھی تھا ، اسی حالت میں منادی کی یہ آواز ہمارے کانوں میں آئی کہ جو شخص امام قاسم بن ابراھیم کو پناہ دیگا ، یا جو شخص معلوم ہونے کے باوجود ان کا پتہ نہ دیگا ، حکومت وقت اس سے بری الذمہ ہے ، جو شخص ان کا پتہ دے گا اسے ایک ہزار دینار انعام دئے جائینگے اور کپڑے کے اتنے تھان اس کے علاوہ ہوں گے ۔ اس وقت لوھار ھتوڑا چلا رہا تھا ، وہ بھی یہ منادی سن رہا تھا ، لیکن اپنے کام میں برابر مصروف تھا اور اس منادی کو کوئی اھمیت نہ دے رہا تھا ، ہم اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کیا تمہارے دل میں اس منادی سے کوئی دھشت پیدا نہیں ہوئی ۔ اس نے جواب دیا : میری نگاہوں میں ان دھمکیوں کی کیا وقعت ہے ، اگر رسول اللہ ؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں قینچیوں سے بھی کتر دیا جاؤں اس وقت بھی میری پیشانی پر کوئی بل نہ آئے گا اور ان کی اولاد کو بچانے میں میری جان چلی جائے تو یہ میرے لئے باعث فخر [1] ہوگا"۔

---

۱ ۔ الفاطمیون فی مصر : صفحات ۳۷ - ۳۸ ۔

۳ ـ علویوں اور عباسیوں میں نظری جہاد :

(الف) شعر و شاعری میں :

۱ ـ علوی شعراء :

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد سے علویوں کے دلوں سے یہ احساس کبھی کم نہ ہوا کہ وہی خلافت کے حق دار ہیں ـ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ہر دور میں ہر ممکن کوشش اور جد و جہد سے کام لیا اور جب کبھی انہیں موقع ملا ، اسے غنیمت سمجھا اور میدان عمل میں نکل آئے اور جب یہ محسوس کیا کہ عملی جد و جہد کے لئے ماحول ساز گار نہیں ہے ، اس وقت عزلت نشینی کی زندگی اختیار کر لی ، لیکن حالات کے نشیب و فراز پر نگاہ رکھی اور امامت کے لقب اور آنحضرتؐ سے قرابت کے اعزاز پر اکتفا کیا ـ بنی امیہ کے آخری دور میں جب آل بیت کے لئے دعوت کا آغاز ہوا تو انہوں نے حالات کو اپنی رفتار پر چھوڑ دیا اور یہ انتظار کرتے رہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے ـ جب عباسیوں نے خلافت حاصل کر لی تو انہیں اس بات کا شدید احساس پیدا ہوا کہ عباسیوں نے ان کے ساتھ فریب کیا اور انہیں نظر انداز کر کے خود تخت خلافت پر متمکن ہوگئے حالانکہ اپنے خیال میں وہ اپنے آپ کو عباسیوں سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے ـ

ان احساسات نے شدت اختیار کر لی اور وہ عباسیوں کے خلاف ایک جنگی حریف کی حیثیت سے میدان میں نکل آئے

اور کبھی بہ زور شمشیر عباسیوں سے خلافت چھیننے کے لئے ان کا مقابلہ کیا ، کبھی سیاسی چالوں اور سازشوں پر اکتفا کیا ، کچھ نہیں تو شعر و شاعری کے ذریعہ ھی اپنے احساسات کا مظاھرہ کیا ۔ اسی حریفانہ کشمکش کی وجہ سے وہ شورشیں اٹھیں جن کی قیادت علوی کر رہے تھے مثلاً منصور کے دور میں محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراھیم کی شورشیں ، ھادی کے عہد میں حسین بن علی بن حسن کی بغاوت ، ھارون الرشید کے زمانے مین یحییٰ اور ادریس کی شورشیں اور ماموں کے دور میں محمد دیباج بن جعفر صادقؒ کا خروج ، یہ سب اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں ۔

علویوں کے مددگاروں میں شعراء کی بھی بہت بڑی تعداد شامل تھی، ان شاعروں نے ان کی دعوت کی نشر و تبلیغ اور عام مسلمانوں میں ان کے استحقاق خلافت کا شعور پیدا کرنے میں بہت اھم کردار ادا کیا تھا ۔ اس کا قدرتی رد عمل تھا کہ عباسیوں کے مددگار شعراء کا بھی ایک گروہ پیدا ھوگیا جو عباسیوں کے حریف علویوں کے پروپیگنڈے کا جواب دیتے تھے ، اس سے بحث نہیں کہ ان شاعروں کی یہ کاوشیں مال و دولت اور عطیات کیلئے تھیں یا وہ مخلصانہ طور پر یہ سمجھتے تھے کہ خانوادۂ عباسی ، علویوں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ھے ، ایک لحاظ سے ان شاعرانہ مقابلوں کو جہاد نظری سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ھے جو عباسیوں اور علویوں میں قائم ھوگیا تھا ۔ ایک طرف ان شاعرانہ مقابلوں کا اثر علم و ادب کے ارتقاء پر بہت اچھا پڑا تھا ، دوسری طرف ان کا اثر سیاسی ماحول اور سیاسی زندگی پر بڑا گہرا اور دور رس پڑا تھا ، چنانچہ بہت سے عباسی وزراء علوی شعراء کے کلام سے متاثر ھوگئے تھے اور

علویوں سے انہیں ہمدردی پیدا ہوگئی تھی ، حتیٰ کہ وہ درپردہ علوی شعراء کی سرپرستی کرتے تھے ، قدرتی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ وزراء عباسیوں کی نگاہوں میں معتوب ہوگئے تھے اور ان کے جبر و تشدد کی آماجگاہ بنے تھے -

اب ہم اس جہاد نظری کا سرسری جائزہ لیتے ہیں اور ان دونوں طبقوں کے ممتاز شاعروں اور ان کے شاعرانہ کلام پر نگاہ ڈالتے ہیں ، علوی شعراء میں کثیر عزہ (۱۰۵ھ) - اور کمیت (۱۲۶ھ) اموی دور کے ممتاز شعراء ہیں اور سیدالحمیری (۱۷۳ھ) اور دعبل بن خزاعی ، عباسیوں کے دور اول کے مشہور شعراء ہیں -

سید حمیری کا نام اسماعیل بن محمد تھا یہ کیسانیہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا جس کے پیرووں کا عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ اپنے والد علیؓ کے بعد امامت کے براہ راست وارث ہیں ، اس فرقہ کے ایک گروہ کا اعتقاد یہ تھا کہ محمد بن حنفیہ اپنے دونوں بھائیوں حسن اور حسین کے واسطہ سے امامت کے وارث ہیں ، اسی طرح یہ فرقہ محمد بن حنفیہ کے ظہور کا بھی عقیدہ رکھتا ہے جس طرح عام مسلمان امام مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں -

سید حمیری نے اپنے ایک قصیدہ میں ان الفاظ میں محمد بن حنفیہ کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے - ”محمد بن حنفیہ رضوٰی کی ایک گھاٹی میں برسوں قیام پزیر رہے اور ان کے ارد گرد چیتے ، شیر ، ہرن ، نیل گائے اور مختلف قسم کی بکریاں گھیرا ڈالے رہتی تھیں ، لیکن ان کے احترام اور تقدس کی وجہ سے کسی شیر کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی دوسرے جانور پر حملہ کرے“ -

---

۱ - الفاطمیون فی مصر : صفحہ ۳۷ -

اس قصیدہ سے معلوم ھوتا ھے کہ سید حمیری نے علویوں سے عقیدت میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ھے ۔ اسی طرح مبالغہ آمیز عقیدت کا اظہار اس نے اپنے ان قصائد میں کیا ھے جن میں علویوں پر ظلم و ستم کا تذکرہ ھے ، حسین ابن علیؓ کی قبر پر اس نے جو قصیدہ لکھا تھا وہ اس کی عقیدت اور مبالغہ کا بین ثبوت ھے ۔

سید حمیری نے علویوں کی تعریف اور سنیوں کی مذمت میں بڑی دریدہ دھنی سے کام لیا تھا ، خصوصاً بڑے بڑے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شان میں بڑی گستاخیاں کی تھیں ، جسکی وجہ سے تمام مسلمان برانگیختہ ھو گئے تھے ۔ اس نے خلیفہ مہدی کو ایک قصیدہ لکھکر بھیجا تھا ، جس میں اس سے مطالبہ کیا تھا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اولاد کو ان وظیفوں سے محروم کر دیا جائے ، جن کے وہ مستحق سمجھے گئے ھیں ۔

سید حمیری ایک متعصب شیعہ تھا ، علیؓ ابن طالب اور ان کی اولاد سے مبالغہ آمیز عقیدت کا ثبوت اسکا وہ قصیدہ بھی ھے جس میں اس نے یوم غدیر خم کا واقعہ نظم کیا ھے ۔ یہ بیان کرنے کی شائد حاجت نہیں کہ اس مقام پر آنحضرتؐ نزول فرما ھوئے تھے اور حضرت علیؓ سے مؤاخاۃ قائم کی تھی ، کہا جاتا ھے کہ اسی مقام پر آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ ”علیؓ کا میرے نزدیک وھی مرتبہ ھے ، جو موسیٰؑ کی نظر میں ھارون کا مرتبہ تھا ، اے اللہ ! جو علیؓ سے دوستی اور محبت کا برتاؤ کرے تو بھی اس کے ساتھ دوستی اور محبت کا سلوک کر اور جو ان کا ساتھ چھوڑ دے تو بھی اسکا ساتھ چھوڑ دے ، جو ان سے محبت کرے تو بھی اس سے

محبت رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ"۔ یوم غدیر خم شیعوں کے لئے عید کی حیثیت رکھتا ہے اور اس دن وہ عید کی طرح جشن مناتے ہیں، شیعوں کا یہ کہنا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اور وہ حجۃالوداع کا سال ہے، شیعوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ خلافت کے مستحق تھے اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے غاصبانہ طور پر خلاقت پر قبضہ کرلیا تھا، سید حمیری نے ان سب باتوں کو اپنے قصیدہ میں تفصیل سے نظم کیا ہے[1]۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سید حمیری نے علویوں کی عقیدت میں بڑے غلو سے کام لیا تھا، لیکن لطف یہ ہے کہ اس نے علویوں کے حریف عباسیوں کی مدح و ستائش بھی کی ہے، غالباً اسکا سبب عباسیوں کے انتقام اور گرفت کی دهشت اور مال و دولت کا لالچ تھا۔ سید حمیری نے ابوالعباس سفاح کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا تھا۔ علوی شعراء میں دعبل بن علی خزاعی سب سے زیادہ متعصب شیعہ تھا اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی محبت میں بڑے مبالغہ سے کام لیتا تھا، غباسیوں کی کھلم کھلا مذمت کرتا تھا اور عباسی خلفاء، عباسی وزراء، عباسی گورنروں اور ان کی سلطنت کے ممتاز ارکان کی ھجو، اس نے اپنی زندگی کا مقصد سمجھ رکھا تھا، اسکی ھجو سے هارون‌الرشید، ماموں اور معتصم کوئی بھی نہ بچا تھا۔ علویوں کی شان میں اس نے بہت بلند پایہ قصائد لکھے، جن میں ان کے مناقب بڑے مبالغہ سے بیان کئے، دعبل نے

۱۔ ابن خلکان کتاب وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ ۔

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی شکست کے بعد ایک طویل قصیدہ لکھا تھا، جس میں علویوں کے قتل اور مختلف ممالک اسلامیہ میں ان کے استیصال کا تذکرہ بڑے مؤثر اور دردانگیز الفاظ میں کیا ہے[1]۔

یہ بیان کیا گیا ہے کہ دعبل بن علی خزاعی نے خلفاء عباسیہ کی ہجو میں قصیدے لکھے تھے۔ مامون کی ہجو میں طبری[2] نے ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جس میں مامون کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ دعبل کی ہجو سے سلطنت عباسیہ کے ممتاز ارکان، امراء اور خواص کوئی بھی مامون نہ رہا، دعبل نے خلیفہ معتصم کی بڑی شدید[3] ہجو لکھی تھی، جس نے اسے قتل کی دھمکی دی تھی، ہجو لکھ کر وہ مصر بھاگ گیا تھا اور وہاں سے بلاد مغرب چلا گیا تھا۔ دعبل نے خلیفہ واثق کی بھی ہجو کی تھی خطیب بغدادی[4] کا بیان ہے کہ جب واثق تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا تو دعبل بن علی خزاعی نے چند اشعار لکھے اور انہیں لیکر واثق کے حاجب کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو میرا سلام پہنچا دیجئے اورعرض کیجئے کہ دعبل نے آپ کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا ہے، حاجب نے قصیدہ لے لیا اور اسے لیکر واثق کے پاس گیا واثق نے اسے کھول کر پڑھا تواس میں اسکی ہجو تھی، اس قصیدے کے ایک شعرکا مفہوم یہ تھا ”یہ ایسا خلیفہ ہے کہ اگر مر جائے تو کسی

---

۱ - محمد بن نعمان: مکتبہ جامعہ لیڈن قلمی نسخہ رقم ۱٦۴۷ صفحات ۲۲۷ - ۲۲۹ -

۲ - طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۱ -

۳ - سیوطی: تاریخ الخلفاء صفحات ۲۲۲ - ۲۲۳ -

۴ - تاریخ بغداد: جلد ۱۴ صفحات ۱٦ - ۱۷ -

کا ایک آنسو بھی نہ گرے گا اور اس کی جگہ کوئی اور خلیفہ لے لے تو کسی کو مطلق خوشی نہ ہوگی"۔ قصیدہ حاجب کو دے کر وہ فرار ہو گیا اور تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا ۔

۲ ۔ عباسی شعراء :

عباسی شعراء میں مروان بن ابی حفصہ ممتاز درجہ رکھتا ہے ۔ یہ شاعر سید الحمیری کے ان قصیدوں کا جواب دیتا تھا جو وہ علویوں کی مدح اور عباسیوں کی مذمت میں لکھتا تھا ، مروان بن ابی حفصہ بنی امیہ کے مدد گاروں میں تھا ، آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے زمانہ میں اس نے بڑی ترقی کی تھی اور وہ مروان کے مقرب ترین ارکان میں شامل تھا ۔ ابو حفصہ ، مروان کے ساتھ تمام جنگی معرکوں اور سیاسی ہنگاموں میں شریک رہا تھا اور اس کی خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد دونوں زمانوں میں سیاسی اور جنگی امور میں مروان کا دست راست تھا ، لیکن مروان بن ابی حفصہ ابن الوقت انسان ثابت ہوا چنانچہ جب امویوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے کھنڈروں پر عباسیوں کی سلطنت قائم ہوئی ، اس وقت فوراً اس نے چولا بدل لیا اور رفتہ رفتہ عباسیوں کے ان ممتاز شعراء میں اس کا شمار ہونے لگا جو عباسیوں کے لئے سینہ سپر تھے اور علوی شعراء کے ھجویہ قصائد کا جواب دیتے تھے ۔

مروان بن ابی حفصہ نے عباسیوں کی مدح اور علوی شعراء کے رد میں بڑے بلند پایہ قصائد لکھے تھے ، ایک قصیدے میں

عباسیوں کے استحقاق خلافت کی دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے
" یہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے کہ بیٹیوں کی اولاد کو چچاؤں کی زندگی میں وراثت حاصل ہو "۔

اس شعر سے اس زمانہ کے شیعہ بہت چراغ پا ہوئے اور اس کے قصیدے کے جواب میں اسی ردیف اور قافئے میں ایک قصیدہ لکھا پھر چند روز بعد موقع پاکر شیعوں نے مروان بن ابی حفصہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ مروان بن ابی حفصہ ، مہدی ، ہادی اور ہارون الرشید تینوں خلفاء کے عہد میں زندہ رہا ، مہدی کے دربار میں اس نے ایک طویل قصیدہ پڑھا تھا جس میں علویوں کی ہجو کی تھی اور عباسیوں کے فضائل و مناقب اور ان کے استحقاق خلافت کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا تھا [1] ۔

لیکن مروان بن ابی حفصہ خود غرض اور مفاد پرست شاعر تھا اس نے اپنی زندگی کے مختلف دوروں میں ہر صاحب اقتدار کی حاشیہ برداری کی اور اس کے گن گائے اور اس کے دشمنوں کی ہجو کی ، دراصل اس کا مقصد حصول زر تھا ۔

(ب) مختلف علوم خصوصاً علم کلام میں :

۱ ۔ شیعہ :

خلافت کے استحقاق کے بارے میں علویوں اور عباسیوں کا اپنا اپنا ایک الگ نقطۂ نظر تھا ، جس کے ذریعے وہ اپنے دعوے کو ثابت کرتے تھے علویوں کے نقطۂ نظر کا تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ وہ اعتقادی طور پر اپنے آپ کو عباسیوں

---

۱ ۔ طہ حسین : حدیث الاربعاء جلد ۲ صفحات ۲۸۹—۲۹۱—۳۰۹—۳۱۲ ۔

سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے، ان کی دلیل یہ تھی کہ اس نقطۂ نظر کو عباسیوں کے سورث اعلیٰ حضرت عباس رض نے بھی تسلیم کیا تھا، اسی لئے انہوں نے اور دوسرے ممتاز عربوں نے آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد حضرت علی رض کو خلافت کا مستحق قرار دیا تھا اور حضرت ابو بکر رض کی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ سب ممتاز صحابہ حضرت علی رض کے استحقاق خلافت کے بارے میں هم آهنگ تھے [۱] ۔ حضرت عباس رض کی اولاد بھی انہیں کے نقش قدم پر چلی تھی اور ابو ھاشم بن محمد بن حنفیہ تک کسی میں کوئی اختلاف نہیں ھوا تھا ۔ ابو ھاشم اپنی خوشی سے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے حق میں امامت سے دست بردار ھوئے تھے، دوسری طرف یہ واقعہ بھی بہت اھمیت رکھتا ھے کہ بنی امیہ کے آخری دور میں علویوں اور عباسیوں دونوں نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کی تھی ۔ اس اجتماع میں علویوں میں سے امام جعفر صادق رح عبداللہ بن حسن رض اور ان کے دونوں بیٹے محمد نفس زکیہ اور ابراھیم موجود تھے اور عباسیوں میں سے سفاح، منصور اور دوسرے ممتاز اشخاص جمع تھے ۔ اس اجتماع میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ لوگوں کو خفیہ طور پر خلافت کے لئے دعوت دی جائے، اس موقع پر امام جعفر صادق رح کو چھوڑ کر سب نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی تھی ۔ ان واقعات سے علویوں نے اپنے اس زاویۂ نگاہ کی تشکیل کی تھی کہ صرف وھی مسلمانوں کی خلافت کے مستحق ھیں اور حضرت ابو بکر رض، حضرت عمر رض، حضرت عثمان رض اور

---

۱ - ابن ھشام مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۳ - الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۳ -

اسی طرح خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس نے خلافت کے حق کو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے چھین لیا تھا ، علویوں اور ان کے حامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ خلافت حضرت علیؓ ہی کے گھرانے میں محدود ہے ۔ حضرت علیؓ کی یہ امتیازی خصوصیات تھیں کہ وہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے اور اسلام کی سربلندی کے لئے انہوں نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کی تھیں ، اس کے علاوہ حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی تھے اور حضورؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے شوہر تھے ۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عباسیوں نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کو توڑ دیا تھا اور علویوں سے خلافت کے معاملہ میں حریفانہ مقابلہ شروع کر دیا تھا یا در حقیقت وہ علویوں سے زیادہ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے ۔ منصور نے محمد نفس زکیہ کو جو خط لکھا تھا ، اس کے مطالعہ سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ کم سے کم بنی امیہ کے آخری دور میں عباسیوں کا نقطۂ نظر بدل گیا تھا اور وہ علویوں سے زیادہ اپنے آپ کو خلافت کا حقدار خیال کرتے تھے ۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ علوی ، آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی اولاد سے ہیں جو آنحضرتؐ کے سارے ترکے کی حقدار نہیں تھیں اور نہ وہ آنحضرتؐ کی جانشینی اور امامت کی وارث تھیں ، ان کے مقابلے میں عباسی ، حضرت عباسؓ کی اولاد سے ہیں ، جو آنحضرتؐ کے چچا تھے اور آنحضرتؐ کی وصال کے بعد ان کے وارث[1] تھے ۔

---

۱ - شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ باپ کی وفات کے بعد بیٹی سارے مال کی

باقی صفحہ ۳۰۳ پر

حضرت عباسؓ کو یه شرف بھی حاصل تھا که وه چاه زم زم کے متولی تھے اور دور جاھلیت میں حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب پر سامور تھے ، یه اعزاز حضرت عباسؓ کے کسی اور بھائی کو حاصل نه تھا ۔ حضرت عمرؓ کے عهد خلافت میں حضرت عباسؓ سے یه منصب چھین لینے کے لئے حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں استغاثه دائر کیا تھا ، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا ، اور حضرت عباسؓ کے حق میں فیصله کیا اس طرح حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد دور جاهلیت اور دور اسلام دونوں زمانوں میں اس منصب پر فائز رہے ۔

بقیه حاشیه ۳۰۲

وارث ھوتی ھے اور چچاؤں کو کچھ نہیں ملتا ۔ یه نظریه قائم کرنے کے دو اسباب و عوامل تھے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمهؓ سے فدک (خیبر میں ایک گاؤں) لے لیا تھا جسے آنحضرتؐ نے مرحمت فرمایا تھا ۔ حضرت فاطمهؓ نے دعویٰ کیا تھا که وه اس کی وارث ھیں اس لئے انہیں واپس دیا جائے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا تھا که انبیاء کا کوئی وارث نہیں ھوتا ھے ، اور اپنی تائید میں ایک حدیث بیان کی تھی ۔ دوسرا محرک یه تھا که بنی عباس یه دعویٰ کرتے تھے که وه آنحضرتؐ کے وارث کی حیثیت سے مسلمانوں کی امامت کے مستحق ھیں کیونکه ان کے جد اعلیٰ حضرت عباسؓ آنحضرتؐ کے چچا تھے ، اور آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ان کے وارث تھے اور آنحضرتؐ کی بیٹی حضرت فاطمهؓ آنحضرتؐ کے سارے مال کی وارث نہیں ھو سکتی ھیں ۔ علویوں نے عباسیوں کے اس دعویٰ سے اختلاف کیا اور کہا که آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت فاطمهؓ ھر قسم کی میراث کی وارث تھیں ، ان کا مقصد یه تھا که بنی عباس کو وراثت کے حقوق سے محروم کیا جائے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے الفاطمیون فی مصر : صفحه ۵۹) ۔

عباسی ، اپنے دعویٰ خلافت میں اہل سنت کے مذہب سے استدلال کرتے تھے ، جس کی رو سے بیٹی یا بھتیجا وارث نہیں ہوتا بلکہ چچا وارث ہوتا ہے ۔ اس استدلال کی وضاحت منصور نے اپنے اس خط کے آخر میں کی ہے جو محمد بن عبداللہ کو بھیجا تھا ، جس میں علویوں کے مقابلہ میں عباسیوں کے شرف و اعزاز پر فخر کیا تھا ۔ منصور نے اس خط میں لکھا تھا[1] "اس سے تو آپ با خبر ہوں گے کہ آنحضرت ص کے وصال کے بعد عبدالمطلب کے بیٹوں میں عباس رض کے سوا اور کوئی باقی نہیں تھا ، اس لئے چچا ہونے کی حیثیت سے وہی آنحضرت کے وارث تھے ، ان کے بعد بعض بنی ہاشم نے (حضرت علی رض نے) چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی ، لیکن وہ اسے حاصل نہ کر سکے اور یہ منصب حضرت عباس رض اور ان کی اولاد میں برابر باقی رہا ، آنحضرت ص کی میراث بنی عباس رض کو حاصل ہوئی ، خلافت ان کی اولاد کو ملی اس طرح کوئی شرف و اعزاز ایسا باقی نہیں رہا جس کے حضرت عباس رض وارث یا مورث نہ ہوں ، میں نہیں سمجھتا آپ ہمارے مقابلے میں کس طرح فخر کر سکتے ہیں ؟ حالانکہ ہم کفر کے زمانہ میں بھی آپ سے شرف و اعزاز میں بلند تھے ، آپ اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ ہمارے آباء و اجداد نے آپ کے خاندان کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا تھا ، ہم اپنے آباء و اجداد کی خوبیوں کے حامل ہیں اور ہم خاتم الانبیاء کے وارث ہیں ، آپ نہیں ہیں ۔ آپ واقف ہیں کہ ہم نے آپ کی طرف سے امویوں سے قصاص کا مطالبہ کیا تھا اور ان سے آپ

---

۱ ۔ طبری جلد ۹ صفحات ۲۱۲ — ۲۱۳ ۔

کی طرف سے قصاص لے لیا کیونکہ آپ لوگوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ کسی سے اپنے حقوق منوا سکتے اور اپنا قصاص لے سکتے''۱ -

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں نے علویوں کی مدد اس خیال سے کی تھی کہ وہ ان کے حریفوں سے ان کی طرف سے انتقام لیں اور اس کے ذریعہ عباسیوں کی خلافت کے قیام کیلئے سازگار ماحول پیدا کریں لیکن علویوں کو اس سے یہ حسن ظن پیدا ہوگیا تھا کہ عباسیوں نے حضرت علیؓ کو حضرت عباسؓ پر فوقیت دی ہے - منصور نے اپنے خط میں اس امر کی پوری طرح وضاحت کر دی ہے کہ حضرت حسنؓ کے امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد علویوں کو خلافت کا کوئی حق باقی نہ رہا تھا -

اسی نقطۂ نظر سے منصور نے محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراهیم کو اسلامی سلطنت کا باغی قرار دیا اور ان کے استیصال کو ضروری خیال کیا کیونکہ عام لوگوں کی بیعت خلافت کے بعد وہ مسلمانوں کی خلافت کے منصب پر فائز ہوا تھا اور اس کے خلاف علویوں کی بغاوت ایک اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت تھی اس لئے ان لوگوں کی سرکوبی منصور کے خیال میں ناگزیر تھی جنھوں نے دولت عباسیہ کے نظم و نسق پر ضرب لگائی تھی اور عباسیوں سے خلافت چھین کر اسے اپنے خاندان میں منتقل کرنا چاهتے تھے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ خلافت حاصل کرنے کیلئے عباسیوں کو بہت بڑی قربانیاں دینی پڑی تھیں عباسیوں کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ وہ اپنی قربانیوں کی بنا پر فرمانروا هیں

---

۱ - طبری: جلد ۹ صفحات ۲۱۲ - ۲۱۳ -

اور اپنے قدیم شرف و اعزاز کی وجہ سے علویوں سے زیادہ خلافت کے حقدار ھیں ۔ واقعات شاھد ھیں کہ عباسیوں نے اپنی اس کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا کہ ان کے زاویۂ نظر اور علویوں کے زاویۂ نگاہ میں تطبیق کی کوئی صورت نکل آئے اور باھمی اختلافات کے اسباب کا سدباب ھوجائے، عباسیوں کی خواھش تھی کہ حکومت میں علویوں کو مناسب حصہ دیا جائے لیکن علویوں نے اپنا زاویۂ نظر اس تاریخی پس منظر میں قائم کیا تھا کہ عباسیوں نے آنحضرتؐ کے وصال سے لیکر بنی امیہ کے دور زوال تک کبھی اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا ۔

امامیہ کے دو فرقے :

ھارون‌الرشید کے دور میں بلاد مغرب اقصیٰ پر ادریس بن عبداللہ بن حسن نے اقتدار قائم کرلیا جس طرح بلاد اندلس پر عبدالرحمان الداخل اموی نے تسلط جما لیا تھا ، اس دور میں علویوں کی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ھوگیا تھا ۔

ھارون‌الرشید کے دل میں علویوں کی طرف سے شدید اندیشہ پیدا ھوگیا تھا اور اس نے ان کے خلاف سخت اقدامات اختیار کئے اور ھر اس شخص کو شدید سے شدید سزائیں دینا شروع کیں جس پر علویوں کی طرف میلان کا اسے شبہ بھی ھوجاتا تھا ۔ اس ماحول میں علویوں کے مخالف عنصر، ان کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف ھوگئے یہاں تک کہ علویوں کے شر پسند افراد نے اپنے ھی گھرانے کے اپنے مخالفین کی شکائتیں ھارون‌الرشید کے کانوں تک پہنچانا شروع کیں، حضرت امام موسیٰ کاظمؒ بھی انہیں شرپسند علوی عناصر کی

سازشوں کی بھینٹ چڑھ گئے ، ان ناسازگار حالات میں ان کے حاسدوں اور حریفوں کو موقع ملا اور انھوں نے ھارون الرشید کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ تمام لوگ امام موسیٰ کاظمؒ کی امامت کا اعتقاد رکھتے ھیں اور انھیں اس منصب پر فائز کرنے کیلئے ھر طرح ان کی مدد کر رھے ھیں ، اپنے مال کا پانچواں حصہ ان کے پاس بھیجدیتے ھیں اور مختلف صورتوں سے ان کی امداد کر رھے ھیں۔ امام موسیٰ کاظم نے اس سازگار ماحول میں امامت کا دعویٰ کرنے کا عزم کر لیا ھے ۔ ھارون‌الرشید کو ان خبروں سے بڑی پریشانی پیدا ھوئی اور علویوں کی سرکوبی کیلئے اس نے عملی اقدامات شروع کئے ، فخری[1] کا بیان ھے" امام موسیٰ کاظم کے حاسدوں میں ایک شخص انھیں کا ایک رشتہ دار تھا اس نے ھارون‌الرشید سے بیان کیا کہ امام موسیٰ کاظم کے پاس اپنے مال کا پانچواں حصہ بھیج رھے ھیں اور ان کی امامت کا عقیدہ رکھتے ھیں ۔ امام موسیٰ کاظم نے اپنے لئے حالات سازگار دیکھ کر آپ کے خلاف بغاوت کا عزم کر لیا ھے اس حاسد نے یہ افواھیں مسلسل ھارون‌الرشید کے کانوں تک پہنچائیں ھارون‌الرشید ان افواھوں سے بہت پریشان ھوگیا اور جن بلاد کے باشندوں پر علویوں کی مدد کرنے کا شبہ تھا ، ان پر اجتماعی جرمانے عاید کئے اور ان جرمانوں کی رقم اسی حاسد کو دینے کا حکم دیا لیکن یہ حاسد اس مال و دولت سے فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ ان بلاد سے جرمانہ کی رقم پہنچنے سے قبل وہ ایک شدید مرض میں مبتلا ھوگیا ، اور چند روز ھی میں چل بسا "۔

۱۷۹ ھ میں ھارون‌الرشید حج کو گیا ، جب وہ مدینہ پہنچا تو اس نے امام موسیٰ کاظمؒ کو گرفتار کرلیا اور انھیں اپنے ساتھ بغداد لایا

---

۱ - صفحہ ۱۷۸ - مسعودی مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ -

جہاں وہ نظر بند کردئے گئے اور پھر قتل کروا دئے گئے اور چند عادل شاھدوں کی گواھی دلا دی گئی کہ ان کی وفات طبعی موت سے واقع ھوئی ھے ، اس جگہ یہ امر قابل لحاظ ھے کہ بعض علویوں نے امام موسیٰ کاظم کے خلاف ھارون الرشید کو بھڑکایا تھا ، اس امر سے اس اختلاف کا پتہ چلتا ھے جو اس زمانے کے علویوں کے درمیان پایا جاتا تھا ، اس اختلاف کا کیا سبب تھا ؟ دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ امامیہ فرقے کے معتقدات میں اختلافات پیدا ھوگئے تھے ۔ امامیہ فرقے کا اعتقاد یہ تھا کہ امامت وراثت سے حاصل ھوتی ھے ۔ اور اس کے لئے ضروری ھے کہ عمر کے لحاظ سے بڑا بیٹا اپنے باپ کا وارث ھو ۔

۱۴۸ ھ میں امام جعفر صادقؒ نے وفات پائی، اس وقت امامیہ کے ایک گروہ نے اس اصول سے انحراف کیا اسکا نتیجہ یہ ھوا کہ امامیہ فرقہ دو گروھوں میں بٹ گیا ان میں ایک گروہ وہ تھا جسکا اعتقاد یہ تھا کہ امام جعفر صادقؒ کے بعد امام موسیٰ کاظمؒ امام ھیں اور وہ ان کے نزدیک ساتویں امام ھیں ، یہ فرقہ اثنا عشریہ کہلاتا ھے ، دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ کہتا تھا کہ امام جعفر صادقؒ کی وفات کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کو امامت حاصل ھوئی ھے، لطف یہ تھا کہ اسماعیل بن جعفر اپنے باپ کی حیات ھی میں وفات پاچکے تھے ۔ یہ گروہ اسماعیلیہ کہلاتا ھے ۔

کہا جاتا ھے کہ امام جعفر صادقؒ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے اسماعیل کی جگہ اپنے دوسرے بیٹے امام موسیٰ کاظمؒ کو امامت کا منصب سونپ دیا تھا کیونکہ اسماعیل پر شراب نوشی کا

الزام تھا - اسماعیلیہ فرقہ کا کہنا ہے کہ اگر اسماعیل شراب پیتے بھی تھے تو یہ ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے ، عراق میں بعض شیعہ شراب نوشی کرتے تھے - غرض موسیٰ کاظمؒ اور اسماعیل کی امامت میں اختلاف کی بنا پر اسماعیلیہ کا گروہ پیدا ہوا جس کا اعتقاد تھا کہ امام جعفر صادق کی وفات کے بعد امامت کا منصب اسماعیل کو حاصل ہوا اور ان کے نزدیک وہی ساتویں امام[1] ہیں -

اسماعیلیہ فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امام جعفرؓ کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل امامت کے منصب پر فائز ہوئے اور موسیٰ کاظمؒ کو یہ منصب نہیں ملا ، یہ گروہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اسماعیل اپنے باپ کی زندگی میں وفات پا گئے تھے - اس کا عقیدہ ہے کہ وہ غائب ہوگئے تھے اور انہیں اسوقت تک موت نہیں آئیگی جب تک وہ امامت اور حکومت حاصل نہیں کر لیں گے اسی طرح انکا یہ خیال ہے کہ خلافت کا منصب موسیٰ کاظمؒ کو کسی صورت میں بھی حاصل نہیں ہوسکتا اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ان کے بھائی اسماعیل وفات پا گئے پھر بھی وہ اس منصب کے حقدار نہیں کیونکہ خلافت کا منصب امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے بعد

---

۱ - اسماعیل کے مددگار کہتے ہیں کہ اگرچہ امام جعفر صادقؒ نے اسماعیل کو امامت سے محروم کر دیا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد یہ منصب خود بخود اسماعیل کو حاصل ہو گیا کیونکہ وہ امام جعفر صادقؒ کے بڑے بیٹے تھے اور وہ ان کے نزدیک ساتویں امام ہیں - الفاطمیون فی مصر صفحات ۴۴ - ۴۹ - الخطط مقریزی جلد ۲ صفحات ۲۹۰ - ۲۹۷ -

Oleary : A Shout History of the Fat Khalifate, p. 39-50.

ایک بھائی سے دوسرے بھائی کی طرف منتقل نہیں ہوسکتا یہ منصب صرف اولاد میں منتقل ہوسکتا ہے اس لئے اسماعیل کے دونوں بھائیوں عبداللہ اور موسیٰ کو امامت کا حق حاصل نہیں ہوسکتا جسطرح محمد بن حنفیہ کو امام حسین رض کی شہادت کے بعد امامت کا کوئی حق حاصل نہ تھا اسلئے یہ منصب امام زین العابدین علی بن حسین رض کو حاصل ہوا تھا، اس نقطۂ نظر کے ماننے والوں کو "مبارکیہ" کہا جاتا ہے۔ یہ نسبت ان کے سردار مبارک کی طرف ہے جو اسماعیل کا آزاد کردہ غلام[1] تھا۔

یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ علویوں اور عباسیوں کے درمیان جسقدر اختلافات تھے اس سے کچھ کم اختلافات اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے درمیان نہ تھے۔ ان اختلافات کا اندازہ اس چیز کیا جاسکتا ہے کہ موسیٰ کاظم رح کے مخالفوں نے، جو انہیں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ہارون‌الرشید سے ان کے خلاف سازش کی تھی اور انہیں سخت مصیبتوں میں مبتلا کر دیا تھا اسی سازش کی نتیجہ تھا کہ ہارون‌الرشید نے انہیں گرفتار کر لیا تھا اور بغداد میں نظر بند کردیا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے ۱۸۳ھ میں داعئی اجل کو لبیک کہا، اس وقت ان کی عمر ۵۴ سال تھی۔ ان کی قبر بغداد کے کاظمیہ محلے میں واقع ہے جو کرخ کے نام سے مشہور ہے اور ان کی وفات سے لیکر اب تک زیارت گاہ خلق ہے۔ یہ محلہ بغداد کے مغربی جانب واقع ہے اور شیعوں کا مرکز ہے۔

ابوالفدا[2] امام موسیٰ کاظم کے زھد و تقویٰ کا ذکر کرتے

۱۔ کتاب فرق‌الشیعہ ابو محمد حسن نوبختی صفحات ۵۷ - ۵۸ - ۷۱ - ۷۲ - ۹۰

۲۔ المختصر فی اخبارالبشر جلد ۲ صفحہ ۸۹۔

ہوئے ، سنت سے مراد آنحضرت کے اقوال اور افعال وغیرہ ہیں ۔ ابتدا میں مدینہ منورہ اہل سنت کا مرکز تھا ، بے محل نہ ہوگا اگر اس جگہ یہ بیان کردیا جائے کہ اہل حدیث اور اہل سنت میں فرق ہے ، اہل حدیث وہ تھے، جو آنحضرت کے اقوال کو اپنے مذہب کا ماخذ قرار دیتے تھے اور اہل سنت وہ تھے، جو آنحضرت کے اقوال ، افعال ، عادات وغیرہ سب کو اپنے عقاید و مذہب کا ماخذ قرار دیتے تھے [۱] ۔

اہل سنت کے نام کا اطلاق عباسیوں کے دور اول میں کیا گیا ، یہ وہ زمانہ تھا جب معتزلہ کا مذہب پھیل گیا تھا اور اہل سنت کے لفظ سے ان لوگوں کو تعبیر کیا جاتا تھا جو قرآن و سنت پر عمل کرتے تھے اور معتزلہ ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو علم کلام اور عقل و نظر کے معیار پر ہر مذہبی عقیدے اور اس کی تعلیمات کو جانچتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت جو لوگ قرآن و سنت کے پیرو تھے انہیں ”صحابہ“ کہا جاتا تھا ، کیونکہ انہیں آنحضرت ؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا اور انہوں نے آنحضرت کی مدد کی تھی ، صحابہ کے بعد جو لوگ قرآن و سنت کو اسلامی تعلیمات کا ماخذ خیال کرتے تھے ، انہیں تابعین کہا جاتا تھا تابعین کے بعد جو لوگ قرآن وسنت کو اسلامی تعلیمات کا ماخذ سمجھتے تھے انہیں تبع تابعین کہتے تھے یہ تعبیر یں اس وقت تک برابر قائم تھیں جب ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرووں نے معتزلہ کو شکست دی ۔ اس زمانے

---

۱ - کہتے ہیں کہ سفیان ثوری امام سنت تھے ۔ امام حدیث نہ تھے ۔ ارزاعی امام حدیث تھے ۔ امام سنت نہ تھے اور امام مالکؒ امام سنت اور امام حدیث دونوں تھے ۔ یہ امتیاز ایک مدت تک قائم رہا پھر متاخرین نے اہل سنت اور اہل حدیث کو ایک ہی بنا ڈالا ۔

میں نہ صرف معتزلہ بلکہ اکثر نئے اسلامی فرقوں کا خاتمہ ہوگیا اور شیعہ اور سنی فرقوں کے سوا اورکوئی قابل ذکر فرقہ باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے اس دور میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ شیعی ہے اور یہ سنی ہے اور کسی تیسرے فرقے کا نام نہ لیا جاتا تھا، یہ چیز اس وقت تک قائم ہے۔

اہل سنت کا مذہب مختلف دوروں سے گذرا ہے۔ معتزلہ اور اہل سنت میں بڑے بڑے معرکے ہوئے تھے، اہل سنت کے پیشواؤں نے اعتزال پسند عباسی خلفاء کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر کردیا تھا۔ اہل سنت کے معتقدات یہ تھے کہ کتاب اور سنت پر چلنا ایک مسلمان کا فرض ہے اور ایمان کیلئے یہ دونوں عناصر لابدی ہیں اور محض عقل و نظر پر اعتماد، الحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ معتزلہ کے معتقدات اس سے مختلف تھے اس کی وجہ سے دونوں فرقوں میں شدید معرکہ آرائی شروع ہوگئی، اس معرکہ آرائی کی مثالیں عہد ماموں میں قرآن کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ یہ مسئلہ اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان مابہ النزاع تھا، یہ وہ وقت تھا جب معتزلہ کے خیالات سے خلافت عباسیہ کے ممتاز ارکان متاثر تھے۔ اس کی وجہ سے اس زمانے میں معتزلہ کو بڑا اثر و نفوذ حاصل ہوگیا تھا۔

لیکن اہل سنت کی بحث و نظر کا دائرہ نظری امور تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے مختلف سیاسی امور کی طرف بھی توجہ مبذول کی، مثلاً امامت کا مسئلہ بھی ان کے فکر و نظر کا موضوع بنا، امام ابو حنیفہ رح نے عباسیوں کی سخت گیری اور جبر و زیادتی کے خلاف احتجاج کے طور پر علویوں کی طرف اپنے میلان کا اظہار کیا

تھا اور منصور کے خلاف محمد نفس زکیه اور ان کے بھائی ابراهیم نے جو تحریک شروع کی تھی اس میں انہوں نے ان علویوں کی حمایت کی تھی، مؤرخین کا بیان ہے، ''منصور نے امام ابوحنفیه کو کوفه سے بغداد بلوایا تھا ان پر ابراهیم بن عبداللہ[1] علوی کی مدد کرنے کا الزام تھا ، امام ابو حنفیهؒ پندره روز بغداد میں زنده رہے ، اس کے بعد انہیں زهر دلوا دیا گیا ، اسی طرح امام مالکؒ نے فتویٰ دیا تھا که آنحضرتؐ کی حدیث کی رو سے جس شخص کو مجبوراً بیعت کرنا پڑے اس پر اپنی بیعت پر قائم رهنا ضروری نہیں ہے ، عباسی اس فتوے کا مفہوم سمجھ گئے تھے ، دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یه تھا جن لوگوں نے عباسیوں کی بادل ناخواسته بیعت کی هے ، ان کے لئے عباسیوں کی بیعت توڑ لینا جائز هے اور وه محمد نفس زکیه کی بیعت کر سکتے هیں ۔ منصور نے امام مالکؒ کو اس حدیث کی تشہیر سے منع کردیا تھا ، لیکن جب اسے یه معلوم هوا امام مالکؒ اس حدیث کو برابر بیان کر رہے هیں اور اس کا حکم نہیں مانا تو منصور نے ان کے کوڑے لگوائے تھے[1] ''۔

(ج) سیاست میں : عباسی وزراء خصوصاً برامکه کا اس میں دخل :

ایرانیوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مساوات کے حقوق حاصل کئے ان حقوق سے وه اپنے فرمانرواؤں کے دور حکومت میں محروم تھے ، اسلام کی اساس سارے مسلمانوں میں مساوات کے اصول پر قائم هے، اس میں عربی اور عجمی کا کوئی امتیاز نہیں کیا گیا

---

۱ ۔ دیکھئے کتاب الفرق بین الفرق : صفحات ۳۰۰ - ۳۰۳ -

لیکن ایرانیوں کو مساوات کے حقوق ، خلفائے راشدین کے عہد میں تو حاصل تھے مگر ان کے بعد جب بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی اس وقت اسویوں نے ایرانیوں کے مقابلہ میں عربوں کو ترجیح دی اور عسکری حقوق میں ، عربوں اور ایرانیوں میں مساوات قائم نہیں رکھی اور عربوں کوجو امتیازی حقوق حاصل تھے ، ایرانی ان سے محروم تھے ، اس کا رد عمل یہ ہوا کہ عجمیوں کے دلوں میں عربوں سے نفرت اور ان کے خلاف غیظ و غضب کے جذبات بھڑک اٹھے اور وہ بنیٰ امیہ کی حکومت سے نجات حاصل کرنے اور ان کا تختہ الٹ دینے کی سازشوں میں منہمک ہوگئے، اس مقصد کے لئے وہ بنی ھاشم سے مل گئے تا کہ ان کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کر سکیں اور اپنے بلاد کی قدیم شان و شوکت کی نشاۃ ثانیہ کرسکیں -

عباسیوں کی سلطنت ایرانیوں کے کاندھوں پر قائم ہوئی تھی اور عباسیوں کو اس بات کا اعتراف تھا کہ ایرانیوں کی پشت پناھی سے ان کی سلطنت کی تاسیس ہوئی ھے لیکن ان کے دل عربیت کے آحساس و شعور اور اپنی سلطنت کی محبت کے جذبات سے معمور تھے - اس لئے وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے مِدد گار عجمی ، سلطنت کا اقتدار چھیننے کی کوشش کریں - یا اسے ان کے دشمنوں یعنی علویوں میں منتقل کرنے کی جد و جہد کریں - یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ نے ان عباسی وزراء کو بڑی سنگین سزائیں دیں جن کا رجحان علویوں کی طرف تھا - اس جرم میں سفاح نے ابو سلمہ خلال کو مہدی نے یعقوب بن داؤد کو ھارون‌الرشید نے برامکہ کو اور ماموں نے فضل بن سہل کو

موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

سلطنت عباسیہ کے قیام میں ابوسلمہ خلال کا بہت بڑا حصہ تھا یہ مشہور جنرل بکیر بن ماھان کا داماد تھا جو ابراھیم امام کے سیکریٹری تھے بکیر بن ماھان کے توسط سے ابوسلمہ خلال دعوت عباسیہ سے وابستہ ھوا تھا ، ابراھیم امام کی وفات کے بعد جب ان کے بھائی ابوالعباس سفاح، دعوت عباسیہ کی جد و جہد کیلئے ان کا جانشین ھوا، اسوقت سفاح کے دل میں ابو سلمہ خلال کے خلوص کی طرف سے شکوک پیدا ھو گئے اور اس نے اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ علویوں کی خلافت کے قیام کے لئے جد و جہد کرنے لگا ھے ، شبہات پیدا ھونے کے کئی اسباب تھے ، مثلاً ابوالعباس اور اس کا خاندان جب حمیمہ سے کوفہ روانہ ھوا تھا اس وقت ابوسلمہ نے ان کے آرام اور حفاظت کا کوئی اھتمام نہ کیا تھا یہاں تک کہ اس نے مزدوروں کو حمل و نقل کی اجرت دینے سے بھی انکار کردیا تھا اور ان کی روانگی کے معاملے کو خفیہ رکھا تھا مزید برآں ان کی نقل و حرکت پر نگرانی کا حکم دیا تھا جب عباسی سلطنت قائم ھوگئی اس وقت ابو سلمہ خلال نے حجاز میں علویوں کے پیشواؤں کو خطوط روانہ کئے تھے ، یہ پیشوا امام جعفر صادقؒ عبداللہ المحض ابن حسن ابن حسنؓ بن علیؓ اور عمرالاشرف بن علیؓ زین العابدین تھے ۔ ان حضرات کو ابو سلمہ نے خطوط میں خلافت قبول کرنے کی دعوت دی تھی ، کہا جاتا ھے کہ ابوالعباس سفاح نے ابو سلمہ کو بادل ناخواستہ اپنا وزیر بنایا تھا کیونکہ خراسانیوں میں ابو سلمہ کو بہت اثر و رسوخ حاصل تھا اور وہ اس وقت دولت عباسیہ کے پشت پناہ اور اس کی قوت کا مرکزی نقطہ تھے ابوالعباس سفاح نے ابو سلمہ خلال کو دولت عباسیہ کے معاملات

سپرد کرنے کے بعد ''وزیر آل محمد'' کا لقب دیا ۔ اس زمانے میں سفاح کا اندیشہ تھا کہ اگر وہ ابو سلمہ کو قتل کر دے گا تو اہل خراسان مشتعل ہو جائینگے اور اس کے انتقام کیلئے اٹھ کھڑے ہونگے ۔ اس خیال سے ابوالعباس نے اس سنگ گراں کو ہٹانے کیلئے یہ منصوبہ تیار کیا کہ ابوسلمہ کا خاتمہ ابومسلم خراسانی کے ہاتھ سے کرادے کیونکہ سلطنت عباسیہ میں ابو سلمہ خلال کے اثر و نفوذ اور بلند مرتبے کی وجہ سے ابو مسلم خراسانی اس سے جلتا تھا اور اس سے انتہائی بغض رکھتا تھا ۔

ابو جعفر منصور کے عہد میں علویوں اور عباسیوں کی باہمی کشمکش میں ایرانی وزراء کا کوئی دخل نہ تھا کیونکہ منصور کے عہد میں وزراء کو کوئی اقتدار حاصل نہ تھا ، وجہ یہ تھی کہ منصور کی شخصیت آمرانہ اقتدار کی حامل تھی اور پوری سلطنت کا نظم و نسق اس کے اشارہ سے حرکت کرتا تھا ، وزراء کی کوئی اہمیت نہ تھی، وہ معمولی سی لغزش پر موت کے گھاٹ اتار دئے جاتے تھے ۔ منصور کے بعد مہدی تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس نے اپنے وزیر ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار کے بیٹے کو زندیقیت کے الزام میں قتل کرادیا اور معاویہ بن یسار کو روپوش ہونے کا حکم دیا ۔ اس کے بعد ابو عبیداللہ یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا ، یہ وزیر ایک خراسانی شخص تھا اور اس کا باپ اور چچا بنی امیہ کے آخری دور میں خراسان کے اموی گورنر نصر بن سیار کے سیکریٹری رہے تھے ان دونوں کو علم و ادب اور قدیم واقعات میں غیر معمولی تبحر حاصل تھا اور ممتاز شعراء کے بیشمار اشعار یاد تھے ، امویوں کی سلطنت کے خاتمے اور عباسیوں کی خلافت

کے قیام کے بعد یہ غیر معمولی علم و فضل اور خدا داد کمالات یعقوب کی اولاد کے کچھ کام نہ آئے کیونکہ وہ عباسیوں کے حریف بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ یعقوب بن داؤد زیدیہ عقائد رکھتا تھا اور عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹوں (محمد نفس زکیہ اور ابراہیم) سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کا تقرب حاصل کر لیا تھا یعقوب بن داؤد اور اس کے اہل خاندان نے محمد نفس زکیہ کی خلافت کے لئے جد و جہد شروع کردی تھی اور عراق میں محمد نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے تھے، جب ابراہیم قتل کر دئے گئے تو یعقوب بن داؤد اور اس کے اہل خاندان روپوش ہوگئے تھے، منصور نے انہیں گرفتار کر کے نظر بند کر دیا تھا، جب مہدی تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے ان سب کو رہا کر دیا اور یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا اور سلطنت کی تمام ذمے داریاں اسے سونپ دیں اور خود لہو و لعب، رقص و سرور اور شراب نوشی میں منہمک ہوگیا۔

لیکن اس وزیر کے اقبال کا ستارہ بھی جلد ہی غروب ہوگیا، فخری[1] نے اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ ”مہدی نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک خاص علوی کا خاتمہ کر دے جو نظر بند تھا، مہدی کو اس علوی کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ تھا، اس مہم کو سر انجام دینے کے لئے مہدی نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد سے حلف لیا تھا، لیکن یعقوب بن داؤد کو اس علوی کے حال زار پر ترس آگیا اور اس نے اسے رہا کر دیا، یعقوب بن

---

۱ - صفحات ۱٦۷ تا ۱٦۹ -

داؤد کے پاس ایک لونڈی تھی ، جو مہدی نے اسے دیدی تھی ، اس لونڈی نے اس واقعہ کی اطلاع مہدی تک پہنچا دی ۔ مہدی نے اپنے سی ۔ آئی ۔ ڈی چاروں طرف روانہ کر دئے جو اس علوی کو گرفتار کر کے مہدی کے پاس لے آئے ، مہدی نے اپنی نشست گاہ کے قریب ایک کمرے میں اسے بند کر دیا اور یعقوب بن داؤد کو بلا کر اس سے دریافت کیا کہ اس علوی کا کیا حال ہے ؟ یعقوب نے جواب دیا ، خدا نے امیرالمومنین کو اس سے نجات دے دی ہے ، مہدی نے پوچھا ! کیا وہ مر گیا ؟ یعقوب نے اثبات میں جواب دیا ، مہدی نے اسی سوال کا اعادہ کیا اور پوچھا کیا وہ مر گیا ؟ یعقوب نے پھر اثبات میں جواب دیا ۔ مہدی نے کہا اپنے ہاتھ کو میرے سر پر رکھو اور قسم کھاؤ ۔ یعقوب بن داؤد نے اپنا ہاتھ مہدی کے سر پر رکھا اور اس کی جان کی قسم کھائی ، اس کے بعد مہدی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کمرے میں جو شخص بند ہے اسے نکال لاؤ ، جب یعقوب نے اس علوی کو دیکھا تو اس کی زبان گنگ ہوگئی اور اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ۔ مہدی نے اسے خطاب کرتے ہوئے کہا یعقوب ! اب میرے لئے تیرا خون حلال ہے ۔ یعقوب کا بیان ہے کہ اس کے بعد مجھے ایک رسی میں باندھ کر ایک کال کوٹھڑی میں نظر بند کر دیا گیا جہاں روشنی کی ایک کرن تک نہ پہنچ سکتی تھی ۔ ہارون رشید کے عہد تک اسی حالت میں وہ نظر بند رہا ، ہارون رشید نے اسے رہا کر دیا تھا ، اس وقت وہ اندھا ہوچکا تھا اور اس کی حالت بہت قابل رحم ہوگئی تھی ہارون رشید سے اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے بقیہ عمر

مکے میں گزارنے کی اجازت دے دی جائے، ہارون رشید نے اس کی اجازت دے دی تھی لیکن رہا ہونے کے بعد اس کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور ۱۷٦ھ میں اس کا انتقال ہو گیا''۔

مہدی کے بعد ہادی خلیفہ ہوا لیکن اس کی خلافت کی مدت کچھ زیادہ طویل نہ ہوئی، اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی ہارون رشید تخت خلافت پر متمکن ہوا، ہارون رشید نے برامکہ کو اپنا وزیر مقرر کیا جنھیں سلطنت عباسیہ کی تاریخ میں، بڑی اہمیت حاصل ہے، خصوصاً ہارون رشید کے عہد خلافت میں، جس نے مختلف اسباب کی بنا پر اس پورے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، اس کا سب سے اہم سبب یہ تھا کہ برامکہ علویوں کی طرف مائل تھے، اسی جرم میں سفاح نے اپنے وزیر ابو سلمہ خلال کا خاتمہ کرا دیا تھا، کیونکہ اس نے بھی علویوں سے ساز باز کی تھی، علویوں سے ہمدردی کے جرم میں مہدی نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد کو سنگین سزا دی تھی جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔

برامکہ کی بربادی :

بے محل نہ ہوگا اگر ہم ان اسباب پر بحث کریں جو ہارون رشید کے ہاتھ سے برامکہ کی بربادی کا باعث ہوئے کیونکہ برامکہ کی بربادی ہارون رشید کے عہد کی تاریخ میں خصوصاً اور سلطنت عباسیہ کے دور اول کی تاریخ میں عموماً سب سے بڑا حادثہ خیال کیا جاتا ہے۔

مؤرخین اور ارباب سیر کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کن اسباب کی بنا پر ہارون رشید برامکہ کو ختم کرنے پر مجبور ہوا تھا حالانکہ ہارون رشید یحیٰی بن خالد برمکی کی آغوش میں جوان ہوا تھا یہاں تک کہ اسے ' والد محترم ' کے الفاظ سے خطاب کرتا تھا - بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ہارون رشید اپنی بہن عباسہ اور جعفر بن یحیٰی کے درمیان تعلقات کی بنا پر برامکہ پر عضبناک ہوا تھا - بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ جعفر برمکی نے یحیٰی بن عبداللہ علوی کو رہا کر دیا تھا جسے نظر بند رکھنے کے لئے ہارون رشید نے حکم دیا تھا، یہ عدول حکمی ، برامکہ پر عتاب کا ایک اہم سبب بن گئی تھی - بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ سلطنت عباسیہ کے نظم و نسق پر برامکہ کا پورا اقتدار ، سلطنت کی ساری دولت پر ان کا تسلط ، عوام کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے ان پر اس کا بے دریغ صرف ، یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ہارون کے دل میں برامکہ کے خلاف بے پناہ غیظ و غضب موجزن ہوگیا تھا اور اسے ان کی بربادی پر آمادہ کیا تھا -

مزید برآں ، برامکہ نے ہارون رشید کے ساتھ جس ناز و فخر کے مظاہرے شروع کر دئے تھے وہ سلاطین برداشت نہیں کر سکتے تھے - برامکہ کے خلاف اس ماحول سے برامکہ کے دشمنوں نے جن کا سرغنہ فضل بن ربیع تھا ، فائدہ اٹھایا اور برامکہ کے خلاف ہارون رشید کے کان بھرنا شروع کر دئے - ان دشمنوں کی سازشوں سے ہارون رشید کس قدر متاثر ہوگیا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ[1] سے کیا جا سکتا ہے - بختیشوع طبیب

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۹۰ -

کا بیان ہے کہ ایک بار میں ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوا ، اس وقت وہ قصر خلد میں بیٹھا تھا ، جسکی دوسری جانب برامکہ کے محل تھے اور ہارون اور ان کے درمیان دجلہ کا عرض حائل تھا ہارون نے برامکہ کے محل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے یحییٰ بن خالد کے دروازے پر اونٹوں کے قافلے کے قافلے اور لوگوں کے اژدحام نظر آئے ، اس منظر کو دیکھ کر ہارون رشید بولا ، ”خدا یحییٰ کو جزائے خیر دے اس نے امور سلطنت کو سنبھال لیا ہے ، اس درد سری سے مجھے نجات دے دی ہے اور عیش و آرام کے لئے بہت سا وقت دیدیا ہے“۔ کچھ عرصہ کے بعد میں ہارون رشید کی خدمت میں پھر حاضر ہوا ، یہ وہ زمانہ تھا جب وہ برامکہ کی طرف سے بدظن ہوگیا تھا ۔ اس دن پہلے کی طرح جب یحییٰ کے دروازے پر اونٹوں کے قافلے کے قافلے دیکھے تو پیشانی پر شکن ڈال کر بولا ، ” یحییٰ نے سلطنت پر پورا تسلط قائم کر رکھا ہے دراصل خلیفہ وہ ہے ، میں تو صرف نام کا خلیفہ ہوں“ ۔ یہ الفاظ سن کر میں کھٹکا اور اپنے دل میں کہا کہ اب برامکہ کی بربادی کے دن بہت قریب آگئے ہیں میرا یہ اندیشہ ٹھیک نکلا اور تھوڑی ہی مدت بعد ہارون رشید نے انہیں برباد کر دیا ۔

بختیشوع[1] بن جبریل کا بیان ہے کہ یہ واقعہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا تھا ”ایک بار میں ہارون رشید کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ یحییٰ بن خالد حاضر ہوا اور حسب معمول بلا اجازت اندر داخل ہوگیا ۔ جب وہ ہارون رشید کے قریب

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحات ۷۹ - ۸۰ ۔

پہنچا اور اسے سلام کیا تو ہارون رشید نے بڑی سرد مہری سے اس کے سلام کا جواب دیا ۔ یحییٰ بھانپ گیا کہ برامکہ کی طرف سے ہارون رشید کی نگاہیں کچھ بدل گئی ہیں ، اس کے بعد ہارون رشید نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا ۔ جبریل تمہارے پاس اگر کوئی شخص بلا اجازت آجائے اور تم اپنے گھر میں ہو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا ، میں نے جواب دیا میرے ساتھ کوئی شخص اتنی جرائت نہیں کر سکتا ۔ ہارون نے کہا پھر ہمارا کیا حال ہوگا اگر ہماری مجلس میں کوئی شخص بلا اجازت داخل ہو جائے ۔ یہ سن کر یحییٰ کھڑا ہوگیا اور عرض کیا امیرالمومنین ! خدا مجھے آپ سے پہلے اٹھائے ، خدا کی قسم یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ میں بغیر اجازت داخل ہوا ہوں ، امیرالمومنین نے مجھے یہ اعزاز بخشا ہے کہ میں بغیر اجازت اندر داخل ہوسکتا ہوں، اس امتیاز کی وجہ سے میرا اعزاز اور میری شہرت کو چار چاند لگ گئے ہیں ، امیرالمومنین جانتے ہیں کہ میں ایسی حالت میں بھی بغیر اجازت داخل ہوتا رہا ہوں جب آپ اپنے بستر میں تھے کبھی بالکل ننگے اور کبھی تہمند باندھے ہوئے ، مجھے یہ علم نہیں تھا کہ امیرالمومنین اب اسی بات کو ناپسند کرنے لگے ہیں جسے وہ پہلے پسند کرتے تھے ۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اب میرا شمار اجازت لینے والوں میں ہوگیا ہے اور دوسرے طبقہ یا تیسرے طبقہ میں داخل ہوگیا ہوں تو یہ جسارت کبھی نہ کرتا ۔ ہارون یہ سن کر کچھ شرمندہ سا ہوگیا اور ندامت سے اس کی نگاہیں فرش پر جم گئی تھیں ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ہارون رشید خلفاء عباسیہ میں سب سے زیادہ مہذب اور ہنس مکھ تھا ۔ ہارون رشید

نے یحییٰ سے کہا: میرا مقصد تمہاری بے عزتی نہیں تھا لیکن لوگ کہتے ہیں.... ہارون کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن کہتے کہتے چپ ہوگیا - یحییٰ کچھ دیر کھڑا رہا پھر ندامت کی حالت میں وہاں سے چلا گیا "۔

ہارون رشید کے دل میں برامکہ سے کتنی نفرت پیدا ہوگئی تھی اور کس طرح وہ ان کے رعب و جلال اور وقار کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیدیا تھا کہ جب برامکہ قصر خلافت میں داخل ہوں تو ان کے ساتھ بے رخی اختیار کی جائے - ایک روز یحییٰ بن خالد ہارون رشید کے پاس حاضر ہوا، غلام اسے دیکھ کر کھڑے ہوگئے، ہارون رشید نے مسرور خادم کو بلا کر کہا کہ غلاموں کو حکم دیدو کہ جب یحییٰ قصر میں داخل ہوں تو ان کے اعزاز میں کھڑے نہ ہوں - اس کے بعد جب یحییٰ قصر خلافت میں داخل ہوا تو کوئی غلام اس کے استقبال کے لئے کھڑا نہ ہوا، اس بے عزتی پر یحییٰ کا چہرہ غصہ سے متغیر ہوگیا، پھر یہ معمول ہوگیا تھا کہ جب غلام اور حاجب یحییٰ کو محل میں دیکھتے تھے تو بے رخی برتتے اور جب کبھی یحییٰ پینے کے لئے ان سے پانی مانگتا تھا تو وہ ٹال جاتے تھے، اگر کبھی پلاتے بھی تھے تو اس وقت جب اسے بار بار کہنا پڑتا تھا [1] -

ابن عبداللہ نے اصمعی، ہارون رشید اور فضل بن یحییٰ

---

۱ - طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۸۰ -

کے مذاکرہ میں لکھا ھے کہ برامکہ کے مخالف ھارون رشید کے خاص مقربین نے مغنیوں کو برامکہ کے خلاف اشتعال انگیز اشعار دیدئے تھے جنھیں وہ ھارون رشید کی محفلوں میں گاتے تھے ، غرض یہ تھی کہ برامکہ کے خلاف ھرون رشید کے جذبات مشتعل کئے جائیں[1] ۔ ایک بار ایک مغنی نے دو اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ " برامکہ نے حکومت کے اقتدار اور نظم و نسق پر تسلط قائم کرلیا ھے اور خلیفہ ایک بے بس اور مجبور محض انسان ھے " ۔ ھارون رشید یہ اشعار سن کر دانت پیسنے لگا اور کہا اچھا ! میں بے بس اور مجبور محض ھوں ، اور اپنے دل میں برامکہ کے استیصال کا ارادہ کر لیا ۔

بعض مؤرخین کی تحقیق ھے کہ برامکہ کی بربادی کسی ناگہانی امر یا وقتی جذبات کا ردعمل نہ تھا بلکہ ان کی بربادی پے در پے اسباب و محرکات کا نتیجہ تھی ، ان میں ایک محرک یہ تھا کہ ھارون رشید ، فضل بن ربیع کو بعض اھم امور سلطنت سونپنا چاھتا تھا لیکن ھارون رشید کی والدہ خیزران اس میں حائل ھوئی ، فضل بن ربیع کا خیال تھا کہ خیزران کو جعفر برمکی نے بھڑکایا ھے ، جب خیزران کا انتقال ھوگیا تو ھارون رشید نے فضل بن ربیع کو خاتم (مہر لگانے) کا منصب اور بعض دوسرے اھم محکمے سونپ دئے یہ محکمے پہلے جعفر برمکی کے پاس تھے ، یہ ۱۸۴ھ کا ذکر ھے ۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ جعفر بن یحیٰی برمکی نے یحیٰی بن عبداللہ بن حسن علوی کو

---

۱ ۔ ابن خلدون : مقدمہ صفحہ ۱۵ ۔

نظر بندی سے رہا کر دیا ، یحییٰ بن عبداللہ علوی نے بلاد دیلم میں ہارون رشید کے خلاف بغاوت کی تھی اس بغاوت کی سرکوبی کے لئے ہارون رشید نے فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوج دے کر روانہ کیا تھا ، فضل نے اسے صلح پر آمادہ کر لیا تھا اور وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر رضا مند ہوگیا تھا کہ ہارون رشید اپنے قلم سے امان کا پروانہ لکھے ، ہارون رشید نے یہ شرط منظور کرلی اور اپنے قلم سے امان کا پروانہ لکھ دیا جس پر قاضیوں ، فقہاء اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی شہادت تھی - جب یحییٰ دارالخلافت میں داخل ہوا اس وقت ہارون رشید نے بڑی عزت اور احترام سے اس کا خیر مقدم کیا ، لیکن اس کے چند روز بعد ہی ہارون رشید نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کو نظر بند کر دیا - یحییٰ پر الزام یہ تھا کہ وہ ہارون رشید کو معزول کرنے کی سازشیں کر رہا ہے ، ہارون رشید نے نقض امان کے بارے میں فقہاء سے فتویٰ حاصل کیا اس کے بعد یحییٰ بن عبداللہ کو جعفر بن یحییٰ کے حوالے کر دیا جعفر نے اسے رہا کر دیا[1] - جعفر بن یحییٰ کی یہ مطلق العنانی برامکہ کی بربادی کا سب سے بڑا سبب تھی - طبری[2] کا بیان ہے،

” ہارون رشید نے یحییٰ کو جعفر کے حوالے کیا تھا جعفر نے اسے نظر بند کر دیا تھا - ایک شب کا ذکر ہے کہ جعفر یحییٰ کو دیکھنے کے لئے گیا اور اس کا حال پوچھا اس نے دوران گفتگو میں کہا جعفر ! میرے بارے میں خدا سے ڈرو ایسی

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۷٦ - ۱۷۷ - الجہشیاری : کتاب الوزراء و الکتاب صفحات ۱۸۹ - ۱۹۰ -

۲ - جلد ۱۰ صفحہ ۸۰ - ۸۱ -

بات کے در پے نہ ہو، جس سے قیامت کے دن آنحضرتؐ تمہارے خلاف ہوجائیں۔ خدا کی قسم نہ میں نے کوئی نئی بات نکالی ہے اور نہ کسی نئی بات نکالنے والے کو پناہ دی ہے۔ یہ باتیں سن کر جعفر کا دل پسیج گیا اور یحییٰ سے کہا جہاں آپ چاہیں جا سکتے ہیں آپ آزاد ہیں۔ یحییٰ نے جواب دیا، میں کہاں جا سکتا ہوں چند روز بعد پھر گرفتار کر لیا جاؤں گا اور تمہاری یا کسی اور کی نگرانی میں دے دیا جاؤں گا۔ اس پر جعفر نے چند آدمیوں کو اس کے ساتھ کر دیا جو اسے محفوظ جگہ چھوڑ آئے۔ اس واقعہ کی خبر فضل بن ربیع کو اس کے ایک خاص آدمی نے دی۔ فضل بن ربیع نے اس واقعہ کی تحقیق کی تو صحیح ثابت ہوا، اس کے بعد وہ ہارون رشید کی خدمت میں پہنچا اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ہارون رشید نے اس خبر کو اس طرح سنا گویا اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی اور فضل بن ربیع سے بڑے غصہ اور حقارت سے کہا، تیری ماں کا جنازہ نکلے اس کا تعلق مجھ سے ہے تو اس میں دلچسپی لینے والا کون ہے۔ یہ سن کر فضل بن ربیع بڑا دل شکستہ ہوا اس کے بعد جعفر ہارون رشید کی خدمت میں پہنچا ہارون نے اسے دوسرے دن دوپہر کے وقت حاضر ہونے کا حکم دیا تعمیل حکم میں جعفر دوسرے دن دوپہر کے وقت حاضر ہوا۔ کھانے کا وقت تھا دونوں کھانا کھانے بیٹھ گئے، کھانے کے دوران میں دونوں باتیں کرتے جاتے تھے، اسی اثنا میں ہارون نے جعفر سے پوچھا یحییٰ کس حال میں ہے؟ جعفر نے جواب دیا۔ امیرالمومنین! اسی حال میں کڑی نظر بندی اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا، ہاورن نے کہا میری جان کی قسم کھاؤ۔ اس پر

جعفر حقیقت حال سمجھ گیا وہ اپنے زمانے کا ذہین ترین اور سب سے زیادہ صحیح الفکر انسان تھا ۔ اس کے دل میں یہ بات کھٹکنے لگی کہ ہارون رشید کو کچھ نہ کچھ ضرور پتہ چل گیا ہے ، جعفر نے جواب دیا میرے آقا جو میں نے بیان کیا وہ اصل واقعہ نہیں ہے بلکہ سچ پوچھئے تو میں نے اسے رہا کر دیا ہے لیکن اس وقت جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے آپ کے خلاف کوئی خیانت نہیں کی ہے اور نہ کوئی ناشائستہ حرکت اس سے سرزد ہوئی ہے ۔ ہارون رشید نے جواب دیا تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا دراصل میرا بھی یہی ارادہ تھا ۔ جعفر ہارون رشید کے پاس سے جب رخصت ہوا تو وہ اسے برابر ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا ۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ہارون کہنے لگا : اس حرکت پر اگر میں تجھے جان سے نہ ماردوں تو خدا میرا خاتمہ کر دے ۔ اس کے کچھ دنوں بعد برامکہ کی بربادی کا واقعہ پیش آیا ۔

ان واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ برامکہ اور ہارون‌الرشید کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے ۔ فضل بن ربیع اور برامکہ کے دوسرے حاسدوں نے اپنی سازشوں سے ان تعلقات کو بد سے بد تر بنا دیا تھا امین کی ماں زبیدہ کو برامکہ سے انتہائی نفرت تھی جس کی وجہ سےاس نے برامکہ کے خلاف ہارون کے جذبات کو بہت مشتعل کردیا تھا ۔ زبیدہ کا خیال تھا کہ ہارون الرشید نے امین کو چھوڑ کر اپنے بیٹے مامون کو یحییٰ برمکی کے زور ڈالنے سے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے ہارون رشید کے کانوں میں یہ خبر پہنچی تھی کہ عبدالملک بن صالح عباسی اپنی خلافت کے لئے پروپیگنڈہ کر رہا ہے اس میں برامکہ اس کی مدد

کر رہے ھیں - یہ سن کر ھارون الرشید کو برامکہ پر سخت طیش آیا اور اس نے عبدالملک کے ساتھ برامکہ کو بھی نظر بند کردیا -

برامکہ میں صرف جعفر برمکی پر علویوں کے ساتھ ساز باز کا الزام نہیں تھا بلکہ اس میں اس کا بھائی موسیٰ بن یحییٰ برمکی بھی شامل تھا، اس کے دشمنوں نے اس پر یہ الزام لگایا تھا کہ علویوں کی خلافت کے لئے پروپیگنڈا کر رہا ھے - اور ان کی طرف خلافت منتقل کرنے کے لئے خراسان میں عملی اقدامات بھی شروع کردئے ھیں -

بعض مؤرخین کے خیال میں ایک اور واقعہ ، برامکہ کے خلاف ھارون‌الرشید کے غیظ و غضب کا باعث ھوا تھا اور وہ جعفر بن یحییٰ برمکی اور عباسہ کا واقعہ ھے ، اس واقعہ کا خلاصہ یہ بیان کیا جاتا ھے کہ ھارون‌الرشید جسطرح اپنی بہن عباسہ سے محبت کرتا تھا ، اسی طرح وہ جعفر کو چاھتا تھا۔ یہاں تک کہ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ اس کی مجلس سے وہ دونوں ایک لمحے کے لئے بھی اوجھل ھوں اسی محبت کی وجہ سے ھارون‌الرشید نے عباسہ اور جعفر کے عقد کی اجازت دے دی تھی لیکن شرط یہ تھی کہ جعفر خلوت صحیحہ سے احتراز کریگا ، جعفر یہ شرط نبھا نہ سکا ، اس لئے ھارون‌الرشید کو بڑا غصہ آیا تھا۔ یہ واقعہ حقیقت سے بہت دور ھے کیونکہ ھم عباسہ کے حسب نسب اور اس کے مذھب سے اچھی طرح باخبر ھیں اور یہ بھی جانتے ھیں کہ وہ خلیفہ مہدی کی بیٹی اور خلیفہ منصور کی پوتی تھی - ابن خلدون[1] کا بیان ھے ، عباسہ عربوں کے بدوی دور

---

۱ - مقدمہ ابن خلدون : صفحہ ۱۴ -

کے قریب اور اسلام کی سادگی کی حامل تھی عیش و عشرت کے اسباب اور فواحش کے سوقعوں سے بہت دور تھی ۔ اگر پاکبازی اور عفت اس سے رخصت ہو جاتی تو پھر اس کا اور کہاں ٹھکانا تھا ؟ اور اگر پاکیزگی اس کے گھرانے سے اٹھ جاتی تو پھر وہ کہاں جاتی ؟ جعفر بن یحیٰی کے نسب کو اس کے نسب سے کیا نسبت تھی، عباسیه کے عربی نسب کے شرف کو یه کیسے گوارا هو سکتا تھا که وہ ایک عجمی غلام کے ساتھ اسے داغدار کرے اور هارون الرشید یه کیسے گوارا کرسکتا تھا که وہ اپنی بہن کا رشتہ ایک عجمی سے کردے ، هارون الرشید کی اولوالعزمی اور اس کے آباء و اجداد کے شرف و عظمت سے دنیا واقف تھی اگر اس واقعه پر منصفانه نگاه سے غور کیا جائے اور یه فراموش نه کیا جائے که عباسه اپنے زمانه کے ایک شہنشاه کی بیٹی هے تو هر منصف مزاج عباسه سے ایک ایسے عجمی کے ساتھ انتساب کے واقعه سے انکار کردے گا ، جو اس کی قلمرو کا ایک فرد تھا اور اس کی سلطنت میں رهتا تھا ، اس بحث و نظر کے بعد ایک انصاف پسند اور صاحب عقل اس واقعه کو ناقابل یقین خیال کرے گا اور اس کی تکذیب پر مجبور هوگا اور وہ یه سوچے گا که اگر هارون الرشید جعفر اور عباسه کے باهمی تعلقات اور نکاح کو گوارا کر لیتا تو رعایا میں عباسه اور هارون الرشید کی قدر ومنزلت کیا رہ جاتی ؟

جعفر اور عباسه کے واقعه کی تردید اس تاریخی حقیقت سے بھی هوتی هے که عباسی عجمیوں سے اپنے خاندان کی عورتوں کے نکاح کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے، ان کے خاندان کی خواتین

سے نکاح کا اگر کوئی شخص تصور بھی کرتا تھا تو ان کی جبین نجابت پر شکن پڑ جاتی تھی ، ابو مسلم خراسانی نے عبداللہ بن علی کی بیوی سے سے نکاح کا پیغام دیا تھا ، یہ واقعہ منصور کے غیظ و غضب کیلئے تازیانہ ثابت ہوا تھا اور ابو مسلم خراسانی کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں اس توہین کا بھی بڑا دخل تھا ۔

میری رائے میں برامکہ کے استیصال کی وجہ یہ تھی کہ وہ سلطنت کے سیاہ اور سفید کے مالک بن بیٹھے تھے اور ھارون الرشید ایک عضو معطل ہو کر رہ گیا تھا ۔ ابن خالدون[1] کا بیان ھے کہ برامکہ کی بربادی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سلطنت عباسیہ کے نظم و نسق اور سلطنت کی پوری آمدنی پر اپنا قبصہ کر رکھا تھا نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اگر ھارون الرشید کبھی معمولی رقم بھی طلب کرتا تھا تو اس کے پاس بمشکل پہنچتی تھی برامکہ اس کی حکومت کے سیاہ و سفید پر قابض ہوگئے تھے اور اس کے اقتدار سلطنت میں اس کے شریک غالب بن بیٹھے تھے ۔ ھارون الرشید کے لئے یہ ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ بغیر برامکہ کی مرضی کے سلطنت کے معاملات میں کوئی دخل دے سکے ، برامکہ کا اثر و نفوذ بے حد بڑھ گیا تھا اور دور دور تک ان کا شہرہ پھیل گیا تھا ۔ برامکہ نے سلطنت کے بڑے بڑے عہدے اپنی اولاد اور حواریوں کو سونپ دئے تھے ۔ بڑی بڑی جاگیریں اپنے خاندان کے افراد اور اپنے حاشیہ نشینوں کے قبضہ میں دے دی تھیں اور ان کے سوا دوسروں کو محروم کردیا تھا، چنانچہ وزارت ، کتابت، فوجی قیادت ،

---

۱ ۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۴ ۔

حجابت اور تمام دوسرے اہم سول اور فوجی عہدوں پر برامکہ اور ان کے خاص افراد قابض تھے اس کی وجہ سے ان کا اثر و نفوذ اور جاہ و جلال بہت بڑھ گیا تھا اور ان کے فخر و نخوت میں حد درجہ اضافہ ھوگیا تھا ۔ وہ لوگوں کی امیدوں کے مرکز بن گئے تھے، رعایا کی گردنیں ان کے سامنے جھکتی تھیں اور عوام اپنی توقعات کا مرکز انہیں کو سمجھنے لگے تھے اور شعرا ان کی شان میں جتنے بلند پایہ قصاید لکھتے تھے، اتنے بلند پایہ خلیفۂ وقت کی شان میں نہیں لکھتے تھے، برامکہ کے پاس جتنے مانگنے والے آتے تھے انہیں وہ بیشمار انعامات اور مال و دولت دیتے تھے ۔ اس خاندان نے سلطنت عباسیہ کے تمام شہروں اور مفصلات کی جاگیروں پر قبضہ کر رکھا تھا ۔ ان باتوں کا رد عمل یہ ھوا کہ سلطنت کے خاص ارکان اور ملک کے ممتاز افراد کو ان سے بغض و عداوت پیدا ھوگئی اور وہ غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھانے لگے ۔ برامکہ کے خلاف ان کے دلوں میں حریفانہ کشمکش اور حسد کے جذبات پوری طرح بھڑک اٹھے اور وہ خاموشی سے خطرناک سازشوں میں مصروف ھوگئے ۔

برامکہ نے بڑی عیش و عشرت اور فضول خرچی اور غیرمعمولی نمائشی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور شعراء اور علماء پر بے شمار دولت صرف کرتے تھے، ان کے دروازے سے کوئی خالی ھاتھ واپس نہیں لوٹتا تھا، کہا جاتا ھے کہ جعفر بن یحیٰی برمکی نے اپنے محل کی تعمیر پر دو کروڑ درھم خرچ کئے جو دس لاکھ پیسنٹھ ہزار چھ سو دینار کے لگ بھگ تھے، محل کی زیب‌وزینت آرائش اور ملازمین پر جو خرچ کیا تھا وہ اس کے علاوہ تھا ۔ یہ عیش و عشرت اور طرح طرح کے آرام و آسائش برامکہ کے خلاف،

سازشوں کے محرکات بن گئے اور ان کے دشمنوں اور حاسدوں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگا اور انہوں نے اپنی سازشوں سے ان کی تباہی کا راستہ ہموار کر دیا ۔ ابراہیم بن مہدی نے برامکہ کے خلاف یہ دیکھ کر پیشین گوئی کی تھی کہ برامکہ کی بربادی کے دن بہت قریب آگئے ہیں ۔ طبری[1] نے ابراہیم بن مہدی کا یہ واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے ''ابراہیم بن مہدی نے بیان کیا : میں جعفر بن یحیٰی کے پاس اسکے محل میں حاضر ہوا جسے اس نے نیا نیا تعمیر کرایا تھا ، جعفر نے اپنے محل کی تعریف انوکھے انداز میں کرتے ہوئے مجھ سے کہا ، کیا تمہیں منصور بن زیاد پر حیرت نہیں ہوتی ؟ میں نے دریافت کیا کیوں ؟ جعفر نے جواب دیا کہ میں نے اس سے دریافت کیا تھا کہ میرے اس محل میں کوئی عیب تو نظر نہیں آتا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں ایک عیب ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں اینٹ اور لکڑی کہیں نہیں لگی ہے ، ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے جعفر سے کہا میرے نزدیک اس محل مین عیب یہ ہے کہ تم نے اسکی تعمیر پر دو کروڑ درھم صرف کر دئے ہیں یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کل کو کہیں امیرالمومنین اس کے بارے میں جواب نہ طلب کرلیں ، جعفر نے جواب دیا ، امیر المومنین نے مجھے اس سے کہیں زیادہ رقم انعام میں دی ہے ، انہیں یاد ہوگا ۔ میں نے جواب دیا کہ دشمن ، امیرالمومنین کے کان بھرنے کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار کرینگے اور وہ یوں کہینگے کہ امیرالمومنین جب جعفر نے دو کروڑ درھم محل کی تعمیر پر صرف کردئے تو وہ اپنے دوسرے اخراجات ، روزانہ کے انعام و اکرام اور ناگہانی اخراجات پر کتنی رقم خرچ کرتا ہوگا ،

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۸۲ -

اور یہ اس کے پاس کہاں سے آتی ہے ؟ یہ انداز بیان امیرالمومنین کے قلب و دماغ کو بڑی تیزی سے متاثر کریگا اور ان کے رویے پر اس کا گہرا اثر پڑے گا ، اس کا رد عمل بڑا خطرناک ہوگا جعفر نے جواب دیا امیرالمومنین سے میں عرض کرونگا کہ امیرالمومنین اپنی رعایا کو بے پناہ انعامات و عطیات دیتے ہیں لیکن رعایا ان انعامات و عطیات کو چھپا کر یا کم ظاہر کرکے امیرالمومنین کے انعامات و احسانات سے کفران نعمت کرتی ہے اور میں ایسا شخص ہوں کہ جب امیرالمومنین مجھے کوئی انعام یا عطیہ دیتے ہیں تو میں اسے پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیتا ہوں اور منادی کرا دیتا ہوں کہ آؤ اور امیرالمومنین کا یہ انعام دیکھ لو۔

بعض مؤرخین کی رائے میں برامکہ کی بربادی کا ایک سبب زندیقیت کی طرف ان کا میلان بھی تھا ، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ برامکہ زندیقیت اور مجوسی مذہب کی طرف مائل تھے ۔ خطیب بغدادی نے باطینہ فرقہ کے تذکرے میں بیان کیا ہے کہ باطینہ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آزادی سے اپنی آتش پرستی کا اظہار کرسکیں ، وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے لیکن اپنے آتش پرستی کے جذبے کو تسکین دینے کے لئے ان کی رائے تھی کہ تمام مسجدوں میں خوشبو جلائی جائے ، اس مقصد کے لئے ان کی تجویز تھی کہ ہر مسجد میں ایک انگیٹھی بنائی جائے ، جس میں خوشبو اور عود ہر وقت سلگتی رہے ، برامکہ نے ہارون الرشید کے سامنے مؤثر انداز میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ کعبہ شریف کے وسط میں ایک انگیٹھی تعمیر کی جائے جس میں شبانہ روز عود سلگائی جائے ، ہارون الشید یہ تجویز سن کر فوراً سمجھ گیا کہ ان کا مقصد

کعبے میں آتش پرستی کو رواج دینا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ کعبے کو ایک آتش کدے میں تبدیل کر دیا جائے، اس تجویز سے ہارون الرشید کے مذہبی شعور کو بڑی ٹھیس پہنچی تھی ، برامکہ کی بربادی میں اس شعور کا بھی دخل تھا[1] ، ابن ندیم[2] کا بیان ہے کہ تمام برامکہ ، محمد بن خالد بن برمک کے سوا زندیق تھے -

مختصر یہ ہے کہ برامکہ کی بربادی متواتر اسباب کا رد عمل تھا ، ان اسباب و عوامل نے ہارون الرشید کو مجبور کردیا تھا کہ وہ نہ صرف برامکہ کے اثر و اقتدار کا خاتمہ کردے بلکہ ان کے پورے خاندان اور ان کے تمام آثار و نشانات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے - اب اس پر ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے کہ ہارون الرشید نے کس طرح برامکہ کا خاتمہ کیا -

ہارون الرشید، جب حج سے واپس لوٹا تو اس نے ''حیرہ'' سے ''انبار'' تک کشتیوں میں سفر کیا ، صید کے مقام تک جعفر بن یحییٰ برمکی بھی اس کے ساتھ تھا اس سفر کے دوران میں جعفر کبھی شراب پیتا تھا اور کبھی لہو و لعب متہمک ہو جاتا تھا اور ہارون الرشید کے پاس بھیجھے ہوئے تحائف اور سوغاتیں ، بجائے ہارون الرشید کے جعفر کی خدمت میں پیش ہوتی تھیں ، بغداد پہنچنے کے بعد ایک روز بختیشوع طبیب ہارون الرشید کیخدمت میں حاضر تھا ، ابو زکار مغنی بھی وھاں موجود تھا ، جو ہارون الرشید کو گانا سنا رہا تھا ، شام ہوئی تو ہارون الرشید نے مسرور خادم کو بلایا جسے جعفر

---

۱ - کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۷۰ -
۲ - کتاب الفہرست : صفحہ ۴۷۳ -

سے انتہائی نفرت و عداوت تھی ، ھارون نے مسرور سے کہا جاؤ اور جعفر کا سر کاٹ کر میرے پاس لے آؤ اور خبردار خالی ھاتھ واپس نہ آنا، مسرور تعمیل حکم کے لئے اٹھ کھڑا ھوا ، اس وقت ابوزکار مغنی یہ شعر گا رھا تھا ۔

فلا تعبد فکل فتی سیاتی علیہ الموت یطرق او یغادی

یعنی یہ بات کبھی فراموش نہ کرو کہ ھر نوجوان کو موت آئیگی ، شام کو آئے یا صبح کو آئے ۔

مسرور، ھارون الرشید کے حکم کی تعمیل کے لئے بلا اجازت جعفر بن یحیٰی برمکی کے پاس جا پہنچا ، جعفر نے مسرور سے کہا تمہارے آنے سے مجھے خوشی ھوئی لیکن اس طرح بلا اجازت آنے سے تکلیف پہنچی ، مسرور نے جواب دیا جو خبر آپ کے لئے لایا ھوں وہ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ ھے ، اس کے بعد مسرور نے جعفر کو بتایا کہ امیرالمومنین نے تمہارا سر کاٹنے پر مجھے ساموو کیا ھے ۔ لہٰذا امیرالمومنین کے حکم کا خیر مقدم کرو اور ان کے فرمان کی تعمیل کے لئے تیار ھو جاؤ ، یہ سن کر جعفر مسرور کے قدموں پر گر پڑا اور اس سے درخواست کی کہ تم یہ ارادہ ترک کر دو اور واپس لوٹ جاؤ ، امیر المومنین نے شراب کے نشے میں شاید یہ حکم دیا ھوگا، مسرور نے نفی میں جواب دیا ، جعفر نے درخواست کی، اچھا مجھے اتنی اجازت دے دو کہ میں گھر جا کر وصیت کر آوں، مسرور نے کہا اسکی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی تم جو کچھ وصیت کرنا چاھتے ھو، وہ مجھے کردو ۔ ناچار جعفر نے وصیت کی پھر مسرور اسے ھارون رشید کے محل میں لایا اور وھاں ایک قبے میں لے جا کر اسکا سر اڑا دیا ، اسکے بعد اسکا سر ڈھال پر

اور بقیہ دھڑ چمڑے کے ٹکڑے میں رکھ کر ہارون الرشید کی خدمت میں پیش کیا ۔ جعفر کے بعد ہارون‌الرشید نے اس کے خاندان کی طرف رخ کیا اور جعفر کے باپ ، اس کے بھائیوں ، اہل و عیال اور ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

جعفر بن یحییٰ پہلی صفر شنبہ کی رات ۱۷۷ھ میں قتل کیا گیا اس وقت اس کی عمر ۳۷ برس تھی ۔

خاندان برامکہ کی بربادی پر، جس نے سترہ سال تک وزارت کے اہم فرائض انجام دئے، شعراء نے بڑے دردناک مرثئے لکھے ان میں رقاشی[1] اور ابوعبدالرحمان علوی[2] کے مرثئے بڑے طویل اور ماتم‌انگیز ہیں ۔

اس طرح صفحہ دھر سے اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا ، جس کا تہذیب و تمدن ، علوم و فنون ، زراعت ، صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کی ترقی و عروج میں بہت بڑا حصہ تھا ۔

مامون کا وزیر فضل بن سہل بھی علویوں کی طرف رجحان اور عباسیوں سے علویوں میں خلافت منتقل کرنے کے الزام میں موت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا ۔

فضل بن سہل ، ایرانی شہنشاھوں کی اولاد سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ ایک متمول مجوسی تھا جو ہارون رشید کے دور میں اسلام لایا تھا سہل اور اس کا بیٹا فضل دونوں یحییٰ بن خالد برمکی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ یحییٰ نے فضل

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۸۸ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۸۷ ۔

کو اپنا قہرمان (خادموں کا جمعدار) مقرر کر دیا ، اس کے بعد ہارون رشید نے یحییٰ بن خالد کی سفارش پر اپنے بیٹے مامون کا مصاحب بنا دیا ۔ جہشیاری[1] کا بیان ہے کہ یحییٰ بن خالد نے جب فضل بن سہل کو مامون کا مصاحب بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے ہارون رشید کے سامنے اس کی بہت تعریف کی ہارون رشید نے یحییٰ سے کہا کہ اسے میرے پاس لے آؤ ، جب ہارون کے پاس فضل بن سہل پہنچا تو اس کے رعب و ہیبت کا اس کے دل پر بہت اثر پڑا اور وہ مبہوت سا ہوگیا ۔ ہارون رشید نے یحییٰ کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ کسے تم لے آئے ہو؟ فضل بن سہل نے ہارون رشید کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیا : امیرالمومنین غلام کی ذہانت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ پر اپنے آقا کی ہیبت بیٹھ جائے ۔ ہارون رشید نے کہا اگر تم نے یہ بات سوچ کر کہی ہے جب بھی خوب کہی ہے اور اگر برجستہ کہی ہے پھر تو بہت ہی خوب کہی ہے ۔ اس کے بعد ہارون رشید نے اس سے جو سوال بھی کیا اس کا اس نے بڑا برجستہ جواب دیا، جس سے یحییٰ بن خالد کی سفارش کی پوری تائید ہو گئی تھی ، چنانچہ ہارون نے اسے مامون کا مصاحب مقرر کر دیا ۔

کہا جاتا ہے کہ جب فضل بن سہل نے مامون میں بچپن ہی سے نجابت و شرافت کے آثار دیکھے اور جب اس نے مامون کے زائچہ پر نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ مامون بہت جلد تخت خلافت پر متمکن ہوگا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا

---

۱ ۔ کتاب الوزراء و الکتاب صفحہ ۲۳۱ ۔

کہ فضل بن سہل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ فضل شبانہ روز مامون کی خدمت میں مصروف رہتا تھا اور اس کے معاملات کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا ۔ یہاں تک کہ مامون منصب خلافت پر فائز ہوا اور اس نے فضل بن سہل کو اپنا وزیر بنا لیا [1] ۔

مامون نے فضل بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کرنے کے بعد اسے ''ذوالریاستین'' کا لقب دیا ، کیونکہ اسے سول اور فوجی دونوں محکمے سونپ دئے گئے تھے ۔ فضل بن سہل کو الوزیر الامیر بھی کہا جاتا تھا ، فضل بن سہل نہائت سخی اور شریف فطرت انسان تھا ، سخاوت اور شرافت میں برامکہ سے کم نہ تھا ، وہ نہایت متحمل مزاج اور فصیح و بلیغ انسان تھا ، سلاطین کے آداب سے باخبر تھا ، تدبیر اور سیاسی بصیرت رکھتا تھا ، نہائت تیز فہم اور دور اندیش تھا ، سزا اور عقوبت کے معاملے میں بڑا سخت تھا [2] ۔

فضل بن سہل بھی ایران کی دوسری شخصیتوں کی طرح ایرانی عنصر کو ابھارنا چاھتا تھا اس کا بھی نقطۂ نظر یہ تھا کہ علوی دوسروں سے زیادہ تاج خلافت کے مستحق ھیں ، کیونکہ ان میں عربوں کے شریف ترین خون (آنحضرتؐ سے نسلی تعلق) اور ایرانیوں کے شریف ترین خون (کسریٰ سے نسلی تعلق) کا امتزاج ہے، اس کی کوشش یہ تھی کہ ایرانی عنصر کو اثر و نفوذ حاصل ہو جائے ۔ فضل بن سہل کسریٰ کے وزراء کا ایک جیتا

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۳ ۔
۲ ۔ الفخری : صفحات ۲۰۱ - ۲۲۰ ۔

جاگتا مرقع تھا وہ ایرانیوں کے قدیم شرف و وقار کا احیا کرنا چاہتا تھا ۔

جہشیاری کا بیان ہے کہ فضل بن سہل بن زادا نفروخ ایک بازو دار کرسی پر جلوہ فرما ہوتا تھا جب مامون کے دربار میں حاضر ہونے کا ارادہ کرتا تھا تو اسے اس کرسی پر اٹھا کر دربار میں لایا جاتا تھا ۔ جب مامون کے دربار کے قریب پہونچتا اور مامون کی نگاہیں اس پر پڑ جاتیں اس وقت کرسی سے اتر پڑتا اور پاپیادہ دربار میں پہنچتا اور اس کی کرسی مامون کے قریب لا کر رکھدی جاتی پھر ذوالریاستین (فضل) مامون کو سلام کرنے کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا ، ذوالریاستین کا شان و شوکت کا یہ مظاہرہ کسروی فرمانرواؤں کے جاہ و جلال کے مظاہروں کا چربہ تھا [1] ۔

مامون کا وزیر فضل بن سہل امین اور مامون کی جنگ میں ایرانی عنصر کے ساتھ تھا اور امین کا وزیر فضل بن ربیع عربی عنصر کی قیادت کر رہا تھا ۔ دونوں بھائیوں کا یہ مقابلہ درحقیقت ایک طرف ایرانیوں میں اور دوسری طرف عربوں میں ایک قومی جنگ تھی ۔ فضل بن سہل نے مامون کے دل میں اس کے بھائی امین کے خلاف بغض و عداوت کے جذبات پیدا کر دئے تھے اور اس کے مشورے سے امام علی رضا رح کو مامون نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ فضل بن سہل کا مطمح نظر خلافت کو عباسیوں سے آل علی رض میں منتقل کرنا تھا ، جنھیں ایرانی ، تمام بنی ھاشم پر ترجیح دیتے تھے ، مامون نے امام علی رضا رح بن

---

۱ - جہشیاری کتاب الوزراء و الکتاب صفحہ ۳۰۱ - ۳۰۲ -

موسیٰ کاظمؑ بن جعفرصادقؑ کی ولیعہدی کی بیعت لینے کے لئے بڑی کوشش کی تھی اور لوگوں سے بیعت لینے پر فضل بن سہل کو مامور کیا تھا ، مزید برآں مامون نے سلطنت عباسیہ کے مختلف ملکوں میں خطوط بھیجے تھے کہ عباسیوں کے قومی شعار یعنی سیاہ لباس کو ترک کر دیا جائے اور علویوں کا قومی شعار سبز لباس اختیار کیا جائے۔ فضل بن سہل نے حسن بن سہل کے نام احکام جاری کئے تھے کہ سیاہ لباس کو ترک کر دیا جائے اور اس کی جگہ سبز لباس قومی شعار کے طور پر اختیار کیا جائے اور جھنڈوں اور ٹوپیوں کا رنگ سیاہ کی بجائے سبز کر دیا جائے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے اور اس سلسلے میں تمام عاملوں کو ھدائت کر دی جائے۔

مامون نے یہ محسوس کیا کہ فضل بن سہل کے مشورہ سے میں نے جو پالیسی اختیار کی ھے اس کی وجہ سے اھل بغداد اور خاندان عباسی کے افراد برانگیختہ ھوگئے ھیں اور انہوں نے بغداد میں ابراھیم بن مہدی کو خلیفہ بنا لیا ھے اور اس کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رھے ھیں۔ اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد مامون نے اپنی سیاسی پالیسی میں تبدیلی کی اور ایسی حکمت عملی اختیار کی، جس سے امام علی رضاؑ اور فضل بن سہل دونوں سے اسے نجات مل گئی اور اس کے لئے غبار آلود سیاسی مطلع صاف ھوگیا ، اس کے بعد جب مامون بغداد میں داخل ھوا تو وھاں کے باشندوں نے اس کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔

۴ ـ برامکہ کی بربادی کے بعد علویوں اور عباسیوں کے مختلف موقف :

برامکہ کے خاتمہ کے بعد ، عباسیوں کی قوت :

(الف) ھارون رشید کا اپنے بیٹوں کو ولی عہد مقرر کرنا اور علویوں کا سہارا لینا :

یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ علویوں اور عباسیوں کی کشمکش میں عباسی وزراء خصوصاً برامکہ کا بہت بڑا دخل تھا ، عباسی، ایرانیوں کی اس مدد کا اعتراف کرتے تھے ، جو انہوں نے سلطنت عباسیہ کے قیام کے سلسلے میں کی تھی، لیکن ان کے دل و دماغ عربوں کی برتری کے شعور اور اپنے ملک سے محبت کے جذبات سے معمور تھے اس لئے ان کے لئے یہ امر ناقابل تحمل تھا کہ یہ عجمی مدد گار ان کی سلطنت کے معاملے میں ان کے مقابل آئیں یا اسے ان کے دشمن علویوں کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کریں ، یہی وجہ تھی کہ عباسی خلفاء نے اپنے ان وزراء کو بڑی سنگین سزائیں دی تھیں جو علویوں کی طرف مائل تھے ، اسی جرم کی پاداش میں سفاح نے ابو سلمہ خلال کو ، مہدی نے یعقوب بن داؤد کو ، ھارون رشید نے برامکہ کو اور ماسون نے فضل بن سہل کو بڑی عبرت ناک سزائیں دی تھیں ـ یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ برامکہ کا استیصال پے در پے اور متواتر اسباب اور حوادث کا ردعمل تھا ، ھارون رشید کے خاص معتمد عربوں خصوصاً فضل بن ربیع نے اپنی مسلسل سازشوں سے ھارون رشید کو یقین دلا دیا تھا کہ برامکہ حکومت کے اقتدار پر تسلط قائم کرنا چاھتے ھیں اور مختلف تدبیروں سے لوگوں کو اپنے ساتھ

ملا رہے ہیں ، ان کی سازشوں کی وجہ سے ہارون رشید کا سینہ برامکہ کے خلاف غیظ و غضب سے معمور ہو گیا تھا اور اسی جوش غضب نے اسے برامکہ کی بربادی پر آمادہ کیا تھا شعراء نے برامکہ کے خلاف ہارون رشید کے جذبات مشتعل کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا ۔

برامکہ کی بربادی کا مطلب یہ تھا کہ ایرانیوں کے اقتدار کا جنازہ اٹھ گیا اور عباسیوں کو صحیح معنی میں اقتدار حاصل ہو گیا ، لیکن ایک تاریخی حادثے نے عباسیوں کے اقتدار اور ان کے اجتماعی شیرازے کو منتشر کردیا اور اسکی وجہ سے علویوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا ، وہ تاریخی حادثہ یہ تھا کہ ہارون رشید نے اپنے تینوں بیٹوں امین ، مامون اور موتمن کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کیا جو عباسیوں کی مرکزی قوت کے اضمحلال اور انتشار کی تمہید ثابت ہوا ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فضل بن یحیٰی برمکی نے ہارون رشید کو اس کے بیٹے محمد (امین) کی ولی عہدی کے لئے آمادہ کیا ، ہارون رشید نے اسے خراسان میں محمد (امین) کے لئے بیعت لینے پر مامور کیا ، فضل نے پہلے خود محمد کی بیعت کی اور اس کا لقب امین رکھا اور مختلف ممالک اسلامیہ میں بیعت کے بارے میں احکام بھیج دئے جن میں امین کی بیعت کے لئے ہدائت کی گئی تھی ، چنانچہ مختلف اسلامی ملکوں کے باشندوں نے امین کی بیعت کر لی تھی ، طبری[1] کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے امین کو اپنا ولی عہد ۱۷۳ھ میں مقرر کیا تھا اور شام اور عراق

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۷۲ -

نے ۱۷۵ھ میں امین کی بیعت کی تھی ۔

عباسی خاندان کے افراد نے امین کی بیعت میں اختلاف کیا تھا بعض افراد اس کی بیعت کی طرف مائل تھے کیونکہ امین سیدہ زبیدہ کا بیٹا تھا اور وہ عربی النسل اور خاندان عباسیہ سے تعلق رکھتی تھیں ۔ خاندان کے بعض افراد نے امین کی صغرسنی کی وجہ سے امین کی ولی عہدی کو پسند نہیں کیا تھا ۔ خاندان کے کچھ افراد کو کم سے کم ماموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ ماموں کی والدہ ایک خراسانی ام ولد (آزاد شدہ کنیز) تھی [۱] ۔

ہارون رشید کو بہت جلد اس بات کا احساس ہوگیا کہ ماموں کی بجائے امین کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے اس نے غلطی کی ہے درآنحالیکہ وہ ماموں سے عمر میں چھوٹا ہے ، دراصل ہارون رشید کو اپنی بیوی زبیدہ کے زور ڈالنے اور بنی ہاشم کے دباؤ کی وجہ سے امین کو ولی عہد مقرر کرنا پڑا تھا ، بنی ہاشم کے دباؤ ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ امین کی والدہ زبیدہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ امین خلافت کے منصب پر فائز ہونے کی صلاحیتیں نہ رکھتا تھا ، وہ انتظامی صلاحیتوں سے محروم تھا ، نہائت فضول خرچ انسان تھا اور اہم معاملات میں عورتوں سے رائے اور مشورے لیتا تھا ، اس کے مقابلے میں اس کا بھائی ماموں استقامت ، حسن تدبیر اور مآل اندیشی میں مشہور تھا ، اس کی شخصیت منصور کے عزم ، مہدی کے زھد اور ھادی کی خود داری کی حامل تھی [۲] ۔ واقعات

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۵۳ ۔
۲ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ ۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون رشید نے اس غلطی کو محسوس کیا تھا کہ اس نے عبداللہ (مامون) کو چھوڑ کر امین کو ولی عہد مقرر کرنے میں عجلت سے کام لیا ہے۔ اس غلطی کی تلافی کے لئے اس نے غور و فکر بھی شروع کیا تھا اور اس کا ارادہ ہوگیا تھا کہ امین کی ولی عہدی منسوخ کر دی جائے اور اس کی جگہ مامون کی ولی عہدی کی بیعت لی جائے، چنانچہ ۱۷۳ھ میں اس نے عبداللہ کا لقب مامون رکھا اور اس کے لئے بیعت لینی شروع کر دی اور ہمدان سے مشرق کے آخری کنارے تک کی ولایت اسے دے دی۔

اصمعی[1] کا بیان ہے کہ ایک رات میں ہارون رشید سے گفتگو کر رہا تھا اچانک ہارون رشید سخت مضطرب اور پریشان ہوگیا شدت اضطراب میں کبھی وہ اٹھ کر بیٹھ جاتا اور کبھی لیٹ جاتا اور کبھی روتا تھا، اس حالت میں اس نے دو شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا ”خدا کی دی ہوئی ذمے داریاں ایسے شخص کو سونپ جو اعتماد کے قابل اور اپنی ذاتی رائے رکھنے والا ہو اور ایسے لوگوں کی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کر جنہیں اگر کوئی عقل کی بات سمجھائی بھی جائے جب بھی وہ سمجھ نہ سکیں“ میں نے جب یہ کیفیت دیکھی اور یہ اشعار سنے تو سمجھ گیا کہ ہارون رشید کسی مہتمم بالشان امر کا ارادہ رکھتا ہے اسی حالت میں ہارون رشید نے اپنے خادم مروان کو حکم دیا کہ وہ یحییٰ کو بلا کر لائے، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: ابوالفضل، آنحضرتؐ کا وصال ہوگیا اور

---

۱ - مسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحات ۲۷۲ - ۲۷۳ -

آپؐ نے اپنے جانشین کے لئے کوئی وصیت نہیں فرمائی حالانکہ اس وقت ظہور اسلام کو کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور لوگوں کا ایمان نیا نیا تھا لیکن عربوں کا شیرازہ مجتمع تھا جسے خدا نے انتشار کے اندیشہ سے مامون کر دیا تھا اور عربوں کے معاشرے کو ذلت کے بعد عزت دی تھی ، اس کے باوجود آنحضرت کے وصال کے بعد عام عرب ابوبکرؓ سے برگشتہ ہوگئے اور ارتداد اختیار کیا ، اسکی تفصیل سے تم واقف ہو ، ابوبکرؓ نے مسلمانوں کی عنان حکومت عمرؓ کے حوالے کی ، امت مسلمہ نے انہیں منظور کرلیا اور ان کی خلافت پر رضامند ہو گئے ، عمرؓ نے مسلمانوں کی حکومت کا منصب مجلس شوریٰ کو سونپ دیا اسکے بعد جو فتنے پیدا ہوئے اس سے تم باخبر ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کا منصب نااہل ہاتھوں میں چلا گیا، اس اثناء میں یحیٰی بھی آ گئے ہارون الرشید نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا : میں نے اپنی توجہ اس امر کی طرف مبذول کی ہے کہ ولی عہدی کے معاملے میں جو مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس کا ازالہ کردوں اور اس منصب کو ایسے شخص کے حوالے کردوں جو اچھی سیرت رکھتا ہے اور صحیح راستے پر چلتا ہے ، اس کے تدبر اور سیاسی بصیرت پر اعتماد کیا جاسکے ، اس کی طرف سے ضعف و اضمحلال کا اندیشہ نہ ہو اور وہ میرے خیال میں عبداللہ (مامون) ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ بنی ہاشم اپنی اغراض کی بنا پر محمد (امین) کے طرفدار ہیں، وجہ یہ ہے کہ محمد اپنی خواہشات کا بندہ ہے، خود رائے ہے جو کچھ اس کے ہاتھ لگتا ہے اسے لٹانے لگتا ہے ، عورتوں اور باندیوں سے مشورے لیتا ہے ، اس کے برعکس عبداللہ کے طور و طریق پسندیدہ ہیں اس کی رائے وزنی اور صائب ہوتی ہے بڑے سے بڑے کام میں اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ، لیکن موجودہ

حالات میں اگر میں عبداللہ (مامون) کی طرف اپنا رجحان ظاہر کرتا ہوں تو اس کا رد عمل یہ ہوگا کہ بنی ہاشم کو اپنا مخالف بنا لوں اور اگر محمد (امین) کو اپنے بعد منصب خلافت سونپتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ رعایا کی بربادی کے کام کرے گا، مجھے تم اس معاملے میں ایسا مشورہ دو جو سب کے لئے سود مند ہو خدا نے تمہیں صائب رائے اور دقیق نظر بخشی ہے۔

یحیٰی نے جواب دیا: امیرالمومنین یوں تو ہر لغزش کی اصلاح ممکن ہے لیکن میرے خیال میں اس ولی عہدی کے معاملے میں جو لغزش ہوئی ہے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ مجھے اس کے خطرناک نتائج کی طرف سے سخت اندیشہ ہے لیکن اس اہم معاملے پر غور کرنے کے لئے کوئی اور مجلس ہونی چاہئے۔ ہارون الرشید سمجھ گیا کہ یحیٰی اس معاملے پر غور کرنے کے لئے تخلیہ چاہتا ہے، ہارون الرشید نے مجھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا، میں اٹھ کھڑا ہوا اور ایک ایسے گوشے میں جا کر بیٹھ گیا جہاں سے ہارون الرشید اور یحیٰی کی گفتگو سن سکتا تھا، یہ دونوں رات گئے تک آہستہ آہستہ گفتگو اور بحث کرتے رہے، جب ایک دوسرے سے جدا ہوئے اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ محمد (امین) کے بعد عبداللہ (مامون) کو ولی عہد مقرر کیا جائے۔

اس کے بعد ہارون رشید نے اپنے بیٹے امین اور مامون کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کردیا اور ۱۸۶ھ میں اپنے دونوں ولی عہدوں کے ساتھ حج کیا اور کعبہ میں لکھ کر لٹکا دیا کہ امین اور مامون یکے بعد دیگرے ولی عہد ہونگے[1]۔

---

۱ - طبری: جلد ۱۰ صفحات ۷۶ - ۷۷ -

ہارون الرشید نے امین اور مامون کی ولی عہدی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے تیسرے بیٹے قاسم کو امین اور مامون کے بعد ولی عہد مقرر کر دیا اور اسے مؤتمن کا لقب دیا ، اس کے بعد مؤتمن کو الجزیرہ ، سرحدوں اور بلاد عواصم کا گورنر مقرر کر دیا ، اس طرح ہارون الرشید نے سلطنت عباسیہ کو اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا، ہارون رشید کا مقصد یہ تھا کہ تینوں بھائی ایک دوسرے کا حق غصب نہ کرسکیں ، اگر ایسا کرنے کا ارادہ کریں تو دوسرے کے پاس اس کے تحفظ کی طاقت ہو لیکن اس کا نتیجہ برعکس ہوا اور اس حکمت عملی نے تینوں بھائیوں میں حد درجہ رقابت کے احساسات پیدا کردئے اور اس فتنے کے بیج بوئے جو امین اور مامون کے حریفانہ مقابلے کی شکل میں نمودار ہوا تھا جس نے عباسیوں کا مرکزی شیرازہ منتشر کردیا تھا اور علویوں کو ابھرنے کا موقع مل گیا تھا ، طبری[1] نے ان الفاظ میں اس ولی عہدی کے بارے میں عام لوگوں کے تاثرات کا اظہار کیا ھے ”جب ہارون الرشید نے سلطنت عباسیہ کو اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کردیا اس وقت بعض لوگوں نے کہا“ اس طرح ہارون نے سلطنت عباسیہ کو مستحکم کردیا ھے۔ بعض لوگوں نے کہا : ہارون الرشید نے تینوں بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے کے اسباب و عوامل پیدا کر دئے ھیں اس کے خطرناک نتائج کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا“۔

۲ - ایرانیوں کا مامون کی مدد کرنا اور عربوں کا امین کی حمایت کرنا :

امین اور مامون کے درمیان کشمکش، اوراس کشمکش میں جہاد کا رنگ:

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۴۲ - ۴۳ -

امین کے عہد خلافت (۱۹۳ھ - ۱۹۸ھ) میں بغداد میں ایک شدید فتنہ اٹھا تھا ، امین نے اپنے بھائی ماموں کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا ، یہ فتنہ اس کا رد عمل تھا ۔ ماموں کو معزول کرنے پر اس کے وزیر فضل بن ربیع نے اسے اکسایا تھا ، وجہ یہ تھی کہ فضل بن ربیع نے ہارون‌الرشید کی وفات کے بعد ماموں کے خلاف یہ سازش کی تھی کہ ساری فوج کو جمع کیا تھا اور اس سے امین کی خلافت اور اس کے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی بیعت لی تھی ، حالانکہ ہارون‌الرشید نے وصیت کی تھی کہ تمام فوج سے ماموں کی ولی عہدی کے لئے بیعت لی جائے ۔ فضل بن ربیع کی سازش سے امین کے لئے یہ آسان ہوگیا تھا کہ وہ اپنے بھائی ماموں کو ولی عہدی سے معزول کرسکے اور اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کرے ۔ اس معاملے میں بعض ممتاز اشخاص نے فضل بن ربیع کی تائید کی تھی اور امین ان سب کی باتوں میں آ گیا تھا حالانکہ اس وقت بغداد میں امین کے سچے ہمدردوں اور ارباب رائے نے اسے اس اقدام سے روکا تھا اور عہد و پیمان توڑنے کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا تھا اور کہا تھا ، فوجی[1] جرنلوں میں عہد و پیمان توڑنے کی جرأت پیدا نہ کرو یہ لوگ آج ماموں کو معزول کر رہے ہیں کل کو تمہیں بھی معزول کر دینگے[2]۔ امین نے ان نصیحتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور فضل بن ربیع کے مشورے سے ماموں کو معزول کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور اسے ”الناطق بالحق“ کا لقب دیا ۔ اس اقدام سے امین نے اپنے اس عہد و پیمان کو توڑ دیا جو اس نے اپنے باپ ہارون‌الرشید

---

۱ - فخری : صفحہ ۱۹۴ -
۲ - تاریخ الخلفاء : سیوطی : صفحہ ۱۹۸ -

کی زندگی میں کیا تھا۔ عزل و نصب کی اس کارروائی سے خراسان اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے باشندے مشتعل ہوگئے خصوصاً اہل حجاز بہت غضبناک ہوگئے اور امین کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ شورش بھڑک اٹھی ، جس نے امین کی خلافت کا خاتمہ کر دیا ۔

امین نے مامون کو دجل و فریب سے بغداد بلانے کی کوشش کی تھی مقصد یہ تھا کہ وہ اس سے اس کی معزولی کے اقرارنامہ پر دستخط ثبت کراسکے لیکن امین اپنے اس فریب میں کامیاب نہ ہوسکا اور مامون نے بغداد آنے سے معذوری ظاہر کی ، اس سلسلے میں دونوں بھائیوں مں طویل خط و کتابت ہوئی تھی اور امین نے بڑے عجز و انکسار سے مامون کو خطوط لکھے تھے ، ان خطوط کا مامون پر بہت اثر ہوا تھا اور قریب تھا کہ وہ فریب میں آجائے اور اپنی ولی‌عہدی سے دستبردار ہو جائے اور امین کے بیٹے موسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت کر لے لیکن مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اسے اس ارادے سے باز رکھا اور یقین دلایا کہ وہ تخت خلافت پر متمکن ہوگا ، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں ۔ فضل بن سہل نے خراسان کے علاقے میں جہاں مامون قیام پذیر تھا مامون کے زہد و تقویٰ کا بہت پروپیگنڈا کیا ، اس کا اثر یہ ہوا کہ مامون کی سیرت کی بلندی کا چرچا ہوگیا اور عام لوگوں میں مامون اور اس کے اوصاف حمیدہ کی تعریفیں ہونے لگیں ، دوسری طرف امین تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد لہو و لعب اور عیش و سرمستی میں منہمک ہو گیا ۔ جس کی وجہ سے عوام میں اس سے بیزاری پیدا ہونی شروع ہوگئی ۔ فضل بن سہل نے جب دیکھا کہ امین کے خلاف شورش کے آثار نمودار ہوگئے ہیں تو اس نے عام لوگوں

میں مامون کو مقبول بنانے کی جد و جہد تیز کردی ، سرحدوں کو مستحکم کیا خراسان پہنچنے والے خطوط پر سنسر قائم کردیا اور امین کے مددگاروں کو گرفتار کر لیا ، اس کے جواب میں امین نے بغداد میں خطبہ سے مامون کا نام خارج کر دیا -

یہ کشمکش بظاہر امین اور مامون کے درمیان تھی لیکن دراصل امین کے مددگار عربوں اور مامون کے مددگار ایرانیوں کے درمیان یہ ایک قومی جنگ اور اپنی اپنی قوت کا مظاہرہ تھا ، ایرانیوں کی طرف سے مامون کا وزیر فضل بن سہل اور عربوں کی طرف سے امین کا وزیر فضل بن ربیع اس جنگ کی قیادت کر رہے تھے، جنگ شروع ہونے کے چند روز بعد ہی مامون کے جرنل طاہر بن حسین نے امین کے جرنل علی بن عیسیٰ بن ماہان اور اس کی فوج پر تسلط قائم کر لیا اور رے کے قریب علی ابن عیسیٰ کو قتل کر دیا ، اس نازک صورت حالات میں حسین بن علی بن عیسیٰ نے امین کے خلاف بغاوت کردی اور اس کی معزولی کا اعلان کر دیا اور اسے نظر بند کر دیا ، امین کی فوج کی بہت بڑی تعداد اس کی طرف ہو گئی ، اس کی وجہ سے امین کی مرکزی حکومت کا شیرازہ منتشر ہو گیا ، اس وقت امین کی فوج کے اندر پھوٹ پڑ گئی تھی اور آپس میں جنگ شروع ہوگئی تھی، امین کی سیاست اور حکومت سے عوام سخت ناراض ہوگئے تھے اور اس کی سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہونا شروع ہوگئی تھیں، اس دور کے ایک شاعر نے امین کے عہد خلافت کے ضعف و انحطاط کا مرقع اپنے ایک قصیدے میں بڑی تفصیل سے کھینچا ہے ، اس قصیدے میں امین پر مامون کی فتح و نصرت کی پیشینگوئی کی گئی تھی[1] -

---

۱ - المسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۳۰۴ -

مامون کے تین جرنلوں طاھر بن حسین ، ھرثمہ بن اعین اور زھیر بن مسیب نے چاروں طرف سے بغداد کا محاصرہ کر لیا ، کلواذی کے مقام پر زھیر نے اپنی فوجیں اتار دیں اور خندقیں کھودنے کے بعد ان پر منجنیقیں نصب کردیں اور امین کی فوج پر چھوٹی منجنیقوں سے سنگ باری شروع کردی ، زھیر نے اس علاقے کے تاجروں سے مال کا عشر (دسواں حصہ) وصول کرنا شروع کر دیا اور کشتیوں پر ٹیکس لگا دیا ، ھرثمہ نے اپنی فوج نہر بین پر اتار دی اور اس کے ارد گرد دیوار اور خندق کھودی اور ان پر منجنیقیں نصب کر دیں ، طاھر نے انبار کے پھاٹک کے قریب بستان سے کچھ فاصلے پر اپنی فوج اتار دی ، مامون کے جرنلوں کے اس محاصرے سے امین بہت پریشان ھوگیا اور بہت جلد اس کا مال و دولت ختم ھوگیا اور خزانہ میں جو کچھ مال و متاع تھا اسے فروخت کرنے پر مجبور ھوا ، محل میں سونے چاندی کے جو برتن تھے انہیں درھم اور دینار کی شکل میں ڈھال لیا تاکہ فوج پر خرچ کئے جائیں ۔ طاھر نے بہت جلد بغداد کے بعض اھم مقامات مثلاً مدینہ المنصور کے مشرقی حصے ، کرخ کے بازاروں اور قصر خلد پر قبضہ کر لیا ، مصلحتاً جیل خانوں کے قیدیوں اور ان علاقوں کے اوباش لوگوں کو بالکل نہیں چھیڑا[1] ۔

امین نے ان نازک اور ناسازگار حالات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا، جن سے اس کی سلطنت گھری ھوئی تھی اور لہو و لعب اور شراب نوشی میں سر مست رھا اور ساری ذمےداریاں اپنے جرنلوں پر چھوڑ دیں ، اس کی سلطنت میں انارکی پھیل گئی ، چوروں اور

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۷۸ - ۱۷٦ ۔ تفصیل ساتویں باب میں آئیگی ۔

ڈاکوؤں نے فتنہ و فساد برپا کر دیا اور عورتوں ، مردوں اور بچوں پر دست درازی اور جبر و استبداد شروع کر دیا ، اس ناسازگار ماحول میں طاہر نے اپنی فوج کو بغداد پر حملہ بول دینے کا حکم دیا اور اپنی فوج کو سختی سے ھدایت کی کہ ضعیفوں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور شرافت کا مظاھرہ کیا جائے ، اس حکمت عملی کی وجہ سے امین کی رعایا کی بہت بڑی تعداد مامون کے جرنل طاہر کے ساتھ مل گئی ، اس رعایا کی رھنمائی امین کا پولیس افسر محمد بن عیسیٰ ، عبداللہ بن حمید بن قحطبہ اور یحییٰ بن علی بن ماھان کر رہے تھے ، امین اور مامون کی اس جنگ میں بغداد کے باشندے جبر و تشدد اور مصائب کی آماجگاہ بن گئے اور سراسیمگی کی حالت میں جدھر جس کا منہ اُٹھا بھاگ کھڑا ھوا ، افراتفری کا یہ عالم تھا کہ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی کسی کو کسی کا ھوش نہ تھا ، بقول ایک شاعر[1] باپ کو بیٹے کی اور دوست کو دوست کی خبر نہ تھی -

امین کی فوج نے ”درب الحجارہ“ کے مقام پر طاہر بن حسین کی فوج کو شکست دی تھی ، اس مقام پر ایک خلق کثیر قتل ھوئی تھی ، باب شماسیہ کے مقام پر عراق[2] کے ایک فرد نے ھرثمہ کی فوج کو تقریباً شکست دے دی تھی لیکن ھرثمہ کے ایک سپاھی نے اس شخص پر حملہ کر دیا اور اس کا ھاتھ کاٹ لیا جس کی وجہ سے یہ شخص بھاگ کھڑا ھوا ، یہ خبر جب اس کی فوج میں پہنچی تو فوج کے دلوں پر یاس و ناامیدی چھا گئی اور وہ حلوان کی طرف بری طرح بھاگ کھڑی ھوئی ، اس کی وجہ سے ھرثمہ کی

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۸۲ - ۱۸۳ -

۲ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۸ -

فوج کے قدم جم گئے اور اس نے بڑی شدت کے ساتھ حملہ کر دیا[1]۔ درب الحجارہ کے مقام پر شکست کھانے کے بعد طاہر بن حسین بڑی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا اگر وہ پسپائی اختیار کرتا ہے تو شکست کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے ، دوسری صورت یہ تھی کہ آگے بڑھ کر مقابلہ کرے یہاں تک کہ اسے فتح حاصل ہو یا وہ مارا جائے ، طاہر نے دوسری صورت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ شہر بغداد کو آگ لگا دینے اور برباد کردینے کا حکم دیا ، طبری[2] کا بیان ہے کہ طاہر بن حسین نے دجلہ ، دارالرقیق ، باب شام اور باب کوفہ سے لے کر صراۃ ، ارخاء ، ابی جعفر ، ربض حمید ، نہر کرخایا اور کناسہ تک اپنے مخالفین کے گھر ڈھا دئے اور امین کے مددگاروں پر شبخون مارنا شروع کر دیا اور مقبوضہ مقامات پر خندقیں اور کمین گاہیں بنا لیں ۔ امین کے مدد گاروں کی تعداد کبھی گھٹ جاتی تھی اور کبھی بڑھ جاتی تھی ، آخر کار طاہر کی فوج نے گھروں کو ڈھانا شروع کردیا اس کے جواب میں امین کے مددگاروں نے دروازوں کو اکھیڑنا اور چھتوں کو گرانا شروع کردیا ان وحشیانہ کارروائیوں کی وجہ سے بغداد کے باشندوں کو طاہر کے ساتھیوں سے زیادہ امین کے مدد گاروں سے تکلیفیں پہنچیں لیکن ان علاقوں کے باشندوں نے طاہر بن حسین کی قتل و غارت گری اور آتشزنی کی بہیمانہ حرکتوں کے باوجود ہتھیار نہ ڈالے ، اس وقت طاہر نے ناگزیر خیال کیا کہ امین کے ان مددگاروں پر مصائب اور شدائد کے حلقے اور تنگ کر دئے جائیں چنانچہ اس نے مال و اسباب اور سامان رسد کی آمد و رفت بالکل بند کردی اور

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۸۱ - ۱۸۸ -
۲ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۴ -

آٹے کا ذخیرہ کر لیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹے کی قیمت چڑھ گئی اور ان باشندوں پر مصائب و آلام کے اور پہاڑ ٹوٹ پڑے ۔ امین کی کی قوت برابر مضمحل ہوتی گئی، اس صبر آزما حالت میں اس کے بعض جرنلوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ کرخ کے تاجروں اور ممتاز افراد کے ساتھ طاہر بن حسین سے مل گئے، اسی ناگفتہ بہ حالت میں فوج نے تنخواہوں کا مطالبہ کردیا امین نے حکم دے دیا کہ خزانے میں جو کچھ تحفے تحائف ہیں سب کو فروخت کردیا جائے ۔ اب امین کی حالت انتہائی نازک ہوگئی تھی اور وہ اس قدر مایوسیوں اور نااسیدیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا کہ اس کا معتمد سے معتمد شخص بھی اسے دوست نظر نہیں آتا تھا اس رنج و یاس اور زندگی سے بیزاری کی حالت کو امین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے، خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دونوں فریقوں کو بالکل تہس نہس کر دے اور عوام کو ان سے نجات دے ، ہمارے طرفدار اور ہمارے مخالفین دونوں ہمارے دشمن ہیں ، جو ہمارے مددگار ہیں وہ ہمارے زر کے طلبگار ہیں اور جو ہمارے دشمن ہیں وہ میرے سر کے طالب ہیں[1] ۔

بغداد پر مصائب وآلام شدید سے شدید تر ہوگئے اور امین کے جرنلوں کو یقین ہوگیا کہ بغداد کے محاصرہ کا مقابلہ نا ممکن ہے ۔ اب انہیں اپنے انجام کی فکر تھی ، ان میں سے ایک گروہ نے امین کو مشورہ دیا کہ وہ الجزیرہ اور شام کی طرف چلا جائے اور وہاں کے باشندوں سے امداد حاصل کرنے کے بعد مقابلہ کیا جائے امین نے اس مشورہ کو منظور کر لیا تھا لیکن طاہر کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے سلیمان بن جعفر ،

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۰ ۔

محمد بن عیسیٰ اور سندی بن شاهک کو لکھا ”اگر امین کو فرار کے خیال سے روکا نہ گیا تو میں تم سب کی ساری جائداد ضبط کر لوں گا اور تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا“ ۔ یہ لوگ ڈر گئے اور امین کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا ”جو کچھ آپ نے عزم کیا ہے اس کا علم ہمیں بھی ہوا ہے ، ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ اپنی جان پر رحم کریں ، جن لوگوں نے آپ کو فرار ہونے کا مشورہ دیا ہے وہ سچ پوچھئے تو گداگر ہیں ، اس مشورہ سے ان کا مقصد مامون ، طاهر اور هرثمه سے اپنے جان و مال کے لئے امان حاصل کرنا ہے کیونکہ ان لوگوں نے جنگ میں آپ کا ساتھ دیا ہے اور مامون کی فوجوں کے خلاف نبرد آزمائی میں جد و جہد کی ہے ، اس کی شہرت دور دور پھیل گئی ہے ، یہ لوگ جب آپ کو باہر لے کر نکلیں گے اس وقت آپ ان کے قبضہ میں ہوں گے اور وہ بڑی آسانی سے آپ کو قید کر لینگے اور آپ کا سر کاٹ کر آپ کے دشمنوں کے پاس لے جائینگے اور اس کے ذریعے تقرب حاصل کرینگے اور اسے اپنے لئے امان کا سبب بنائینگے[1] ۔

امین کے سچے ہمدردوں نے ان طاہر کے آدمیوں کی رائے سے اختلاف کیا اور امین کو بغداد سے نکل جانے کا مشورہ دیا ، امین نے ان کے مشورہ پر دھیان نہیں دیا اور هرثمه کو لکھا کہ وہ اس کے اور اس کے بھائی مامون کے درمیان تصفیہ کے لئے ثالث بن جائے ، میں مامون کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں گا ، اس کے جواب میں هرثمه نے امین کو لکھا ”آپ کے لئے مناسب یہ تھا کہ آپ قبل اس کے کہ حالات اصلاح کے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۹٦ ۔

مرحلہ سے گزر جائیں ، مصالحت کی کوشش کرتے اگرچہ اس وقت پانی سر سے گزر گیا ہے اور حد درجہ بے اعتمادی کا ماحول پیدا ہوگیا ہے اس کے باوجود میں اس بات کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا کہ آپ کے معاملات سدھر جائیں اور امیرالمومنین سے تعلقات ٹھیک ہو جائیں'' امین نے یہ خط پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے رائے لی ، اس کے ساتھیوں نے یہ رائے دی کہ اس مشورہ کو اسے قبول کر لینا چاہئے ان کی رائے میں اس وقت امین کی جان کے تحفظ کی صورت اس کے سوا اور کوئی نہ تھی اس نے یہ مشورہ قبول کیا اور جب اندھیرا چھا گیا اس وقت اس نے لباس خلافت پہنا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر ھرثمہ کے پاس روانہ ہوا طاھر اور اس کے ساتھیوں نے اسے دیکھ لیا اور اس کی کشتی پر تیر برسانا شروع کر دئے ، امین تیروں کی بارش سے بچنے کے لئے دریا میں کود پڑا اور تیرتا ہوا کنارے تک پہنچ گیا ، کنارہ پر طاھر کے آدمیوں نے اسے پہچان لیا اور اس پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کرنے کے بعد اس کا سر کاٹ لیا ، طاھر نے امین کا سر ، چادر ، چھڑی اور تلوار (نشانات خلافت) کے ساتھ مامون کے پاس بھیج دیا [۱] ۔

اگر ھم امین اور مامون کے فتنہ پر گہری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ دراصل امین کی بربادی اور نکبت کا سبب ھارون رشید تھا ، اس نظریہ کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ھارون رشید نے مامون کو نظر انداز کیا اور امین کو ولی عہد بنایا حالانکہ مامون اس کا بڑا بیٹا تھا ، دوسری وجہ یہ ہے کہ

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳ - ۲۰۸ -

مامون کو جو جاگیریں دیں انہیں فوجی اور دوسرے وسائل کے لحاظ سے بہت زیادہ امتیاز حاصل تھا ، اس کی وجہ سے وہ اس امر کی قدرت رکھتا تھا کہ امین کا مقابلہ آسانی سے کر سکے اور اسے شکست دے ، ہارون رشید نے امین کو عراق و شام اور مامون کو بلاد فارس کا گورنر مقرر کیا تھا اور مؤتمن کو بلاد مغرب اور مصر کا والی بنایا تھا ۔ امین و مامون کے فتنہ کا ایک محرک یہ تھا کہ امین نے اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا اور اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا تھا ۔

امین کی شکست اور قتل کی وجہ دراصل اس کی یہی عہد شکنی تھی ۔ امین نے وہ عہد توڑے تھے جو اس نے اپنے باپ ہارون رشید کی زندگی میں اس سے کئے تھے ۔ اس کی ناکامی کے چند اسباب اور بھی تھے مثلاً اس نے بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی اور عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ کو خراسان میں جنگی کارروائیوں کا گورنر مقرر کیا تھا جو خراسانیوں کے ساتھ سنگدلی اور سخت گیری میں مشہور تھا ، اس کی وجہ سے خراسانی باشندے امین کے خلاف اور مشتعل ہوگئے تھے ، امین کی شکست کا ایک سبب یہ تھا کہ امین نے امور خلافت سے کوئی سرو کار نہ رکھا اور انہیں دوسروں پر چھوڑ دیا اور خود لہو و لعب ، ناؤ و نوش اور غناء و طرب میں منہمک ہوگیا ۔

۳ ۔ مامون کا امام علی رضاؒ کو ولی عہد مقرر کرنا:

اس جگہ ان عوامل و محرکات پر بحث کرنا ضروری ہے

جن کی بناء پر ماسون امام علی رضاؒ کو ولی عہد مقرر کرنے پر مجبور ہوا تھا یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ امام علی رضا شیعوں کے فرقہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام تھے ۔ ولی عہدی کے منصب پر فائز ہونے کے کچھ عرصہ بعد ماسون کے اشارے سے انہیں زہر دے دیا گیا تھا ۔ یہ شیعی مؤرخوں کا بیان ہے، اس جگہ اس واقعہ کے صحیح اسباب و علل کی تحقیق اور تجزیہ ضروری ہے کیونکہ ایک طرف شیعوں کی تاریخ میں اس واقعہ کو نمایاں مقام دیا گیا ہے ، دوسری طرف ماسون کے عہد کی تاریخ میں اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے ۔

تمام مؤرخین کا ، چاہے وہ شیعہ ہوں یا سنی ، ان تین اساسی نکات پر اتفاق ہے ۔

۱ ۔ ماسون نے امام علی رضا کو ولی عہد مقرر کیا تھا ۔
۲ ۔ عباسیوں کا سیاہ قومی لباس ماسون نے منسوخ کر دیا تھا اور علویوں کا سبز قومی لباس اختیار کرنے کا حکم دیا تھا ۔
۳ ۔ ۲۰۲ھ میں ماسون نے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی امام علی رضا سے کی تھی ۔

امام علی رضا ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے وہ بہت بڑے عالم اور نہایت عابد زاہد تھے ۔ ابونواس سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ تم نے امام علی رضا بن موسیٰ کاظمؒ کی مدح اور ان کے اعلیٰ اوصاف کی تعریف کیوں چھوڑ دی ؟ ابونواس نے جواب دیا ”میں اس امام عالی مقام کی تعریف پر قادر نہیں ہوں ، جن کے باپ کے خادم جبرئیل تھے، سچ پوچھو تو میں نے ان کی عظمت و بلندی کی

وجه سے ان کی مدح ترک کی ھے ۔ میں سمجھتا ھوں کہ مجھ جیسا ھیچمداں ان جیسی بلند شخصیت کی مدح نہیں کر سکتا [1] ۔

اس جگہ یہ سوال کیا جا سکتا ھے کہ امام علی رضا کو ولی عہد مقرر کرنے کے اسباب کیا تھے؟ آیا مامون مذھبی لحاظ سے یہ یقین رکھتا تھا کہ خاندان علیؓ خاندان عباسؓ سے زیادہ خلافت کا مستحق ھے یا اس نے اپنی سیاسی حکمت عملی کو مذھبی رنگ دے دیا تھا اور اس سے اس کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ اس ذریعے سے خراسانیوں کی حمائت اور دوستی کو حاصل کیا جائے ، جن کے دل شیعی معتقدات اور علویوں کی عقیدت سے معمور تھے۔ ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ھے کہ مامون پر ایرانی رجحانات کا اثر تھا کیونکہ اس کی ماں اور بیوی دونوں ایرانی تھیں اور مامون شیعیت کے گہوارے میں جوان ھوا تھا اس لئے قدرتی طور پر ایرانیوں سے متاثر تھا ۔

پہلے سوال کا جواب یہ ھے کہ بعض تاریخی ماخذ اس امر کی تائید کرتے ھیں کہ مامون علویوں کے ساتھ اپنی دوستی میں مخلص تھا اور امام علی رضا کی ولی عہدی کے لئے اس نے بڑی جد و جہد سے کام لیا تھا ، مامون کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ھے کہ وہ شیعی معتقدات میں بہت کٹر تھا اور کمال عقیدت کی وجہ سے امام علی رضا کے حق میں خلافت سے دستبر دار ھونے پر تیار ھوگیا تھا ، ان کے نام سے اس نے درھم جاری کر دئے تھے اور اس کے ساتھ منبروں پر خطبے میں امام علی رضا

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے - ابن خلکان کتاب وفایات الاعیان جلد ۱ صفحات ۲۲۱ - ۲۲۲ -

کا نام لیا جاتا تھا ، ماموں نے امام علی رضا سے اپنی بیٹی کا نکاح بھی کر دیا تھا ، محمد بن نعمان کا بیان ہے کہ ماموں نے جلودی کو اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا کہ وہ خاندان علوی کے افراد کو مرو لے آئے جو اس زمانے میں عباسیوں کا دارالخلافت تھا ۔ جلودی نے خلیفہ کے احکام کی تعمیل کی اور مدینہ روانہ ہوگیا اور خاندان علوی کے افراد کو مرو جانے پر رضا مند کر لیا ۔ جب خاندان علوی کے لوگ مرو پہنچے تو ماموں نے اپنے قصر میں ان کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا ۔ امام علی رضا کے ساتھ خاص طور پر بڑے احترام سے پیش آیا اور ایک خاص محل ان کے لئے مخصوص[1] کر دیا ۔

علوی خاندان کے ورود کے بعد ماموں نے سہل کے دونوں بیٹوں حسن اور فضل کو بلوایا اور ان سے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کر دوں ۔ فضل نے ماموں کی رائے سے اتفاق کیا لیکن حسن نے اس رائے کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلافت عباسیوں سے علویوں میں منتقل ہو جائے گی ۔ ماموں نے جواب دیا: میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر مجھے امین پر فتح حاصل ہوگی تو خلافت کے منصب کو آل علیؓ کے سب سے بہتر فرد کے حوالے کر دوں گا ۔ اس وقت میرے خیال میں امام علی رضا سے بہتر صفحۂ دھر پر کوئی شخص[2] موجود نہیں ہے ۔ ماموں کی

---

۱ ۔ محمد بن نعمان : کتاب الارشاد لائبریری لیڈن یونیورسٹی قلمی نسخہ نمبر ۱۹۳۷ صفحہ ۲۲۷ (الف) ۔

۲ ۔ النسبی کتاب مطلب السول فی غزوات الرسول لائبریری لیڈن یونیورسٹی قلمی نسخہ نمبر ۱۹۷۹ صفحہ ۲۲۲ (الف) ۔

تائید سے فضل کی غرض یہ تھی کہ وہ علویوں کو ساتھ لے کر سلطنت عباسیہ میں اپنے قدم مضبوطی سے جمائے ، اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ بلاد عراق پر اس کا اقتدار ہو لیکن بلاد عراق اس وقت طاہر بن حسین اور ہرثمہ بن اعین کے ماتحت تھے ، اس لئے اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ ان دونوں جرنلوں کو دور دراز ملکوں میں بھیج دیا تاکہ عراق سے ان دونوں کا اثر و اقتدار ختم ہو جائے اور اپنے بھائی حسن بن سہل کو بلاد عراق کا گورنر مقرر کر دیا ۔

فضل بن سہل نے خلافت عباسیہ کو علوی خاندان میں منتقل کرنے کے لئے بڑی جد و جہد کی تھی ۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ھے کہ جب ماموں کو سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے علویوں کے معاملے میں اپنی پالیسی بدلنا پڑی تھی اس وقت اس نے مرو سے بغداد روانہ ہونے سے پہلے فضل بن سہل کا خاتمہ کرا دیا تھا اور بغداد کے راستے میں امام علی رضا کو بھی زہر دلوا دیا تھا ۔

طبری [1] کا بیان ھے کہ جب امام علی رضا مرو پہنچے تو ماموں نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی اور اپنی سلطنت کے ممتاز افراد کو جمع کرنے کے بعد اعلان کیا کہ میں نے اولاد عباس رض اور اولاد علی رض ابن ابی طالب کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بدل دیا ھے اور میری نگاہ میں اس وقت امام علی رضا سے افضل ، پرہیز گار اور جید عالم کوئی موجود نہیں ھے ، مجھے روحانی مسرت ھے کہ

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۳ -

میں نے انہیں اپنا ولی عہد مقرر کیا ھے اور "الرضا من آل محمدؐ" کا لقب دیا ھے، میں نے اپنی فوج کو حکم دے دیا ھے کہ وہ عباسیوں کے قومی شعار سیاہ لباس کو ترک کر دیں، اس بارے میں دولت عباسیہ کے مختلف ممالک کے نام احکام جاری کر دئے گئے۔ یہ ۲ رمضان ۲۰۰ھ کا واقعہ ھے۔ مامون کی اس پالیسی سے عباسی خاندان کے افراد برانگیختہ ھوگئے، خصوصاً مہدی کے بیٹوں منصور اور ابراھیم کو بڑا سخت جلال آیا، اھل بغداد نے امام علی رضا کی بیعت سے انکار کر دیا، مامون کی معزولی کا مطالبہ کیا اور ابراھیم بن مہدی کی بیعت کر لی۔ مامون کے طرفداروں میں بھی بہت سے اس کے اس اقدام کے خلاف تھے اور انہیں امام علی رضا کی ولی عہدی ناگوار گزری تھی۔ انہیں اندیشہ یہ تھا کہ خلافت خاندان عباسؓ سے نکل کر فاطمہؓ کی اولاد میں منتقل ھو جائینگی۔

ایک بہت بڑے مجمع میں، جس میں ممتاز افراد امراء اور سلطنت کے ارکان جمع تھے، فضل بن سہل نے امام علی رضا کی ولی عہدی کا اعلان کیا۔ ایک ھفتہ کے بعد ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مامون اور اس کے بیٹے عباس نے علی رضا کی بیعت کی تصدیق کی، پھر سلطنت کے بڑے بڑے ارکان کو انعامات اور خلعت دئے گئے، اس میں شعراء نے امام علی رضا اور مامون کی تعریف میں قصائد پڑھے انہیں بڑے بڑے ~~بڑے~~ عطئے اور خلعت تقسیم کئے گئے، مامون کی طرف سے سلطنت کے بڑے بڑے حکام کو سال بھر کی آمدنیٔ خاص سے انعام و اکرام بانٹے گئے، مشہور شیعہ شاعر دعبل بن علی خزاعی کو پچاس ہزار درھم انعام دئے گئے، اس موقع پر مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کو بہت گراں بہا انعامات سے نوازا تھا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مامون کی رائے میں حضرت علیؓ خلفائے راشدین میں سب سے افضل تھے دوسرے مؤرخین کی رائے ہے کہ محض سیاسی اسباب کی بنا پر مامون نے اس نظریہ کا پرچار کیا تھا ، وجہ یہ تھی کہ ایرانی صرف علویوں کو تاج و تخت کا حقدار سمجھتے تھے کیونکہ وہ آل ساسان اور آل علیؓ دونوں سے نسلی تعلق رکھتے تھے۔

مامون نے امام علی رضا کی ولی عہدی کی بیعت کے لئے تمام ممالک اسلامیہ میں فرمان جاری کر دیا اور اپنی قلمرو کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ عباسیوں کے سیاہ قومی لباس کو چھوڑ کر علویوں کے قومی شعار سبز لباس کو اختیار کریں۔ اگر اس سیاسی پالیسی کے اسباب و عوامل پر نگاہ ڈالی جائے تو مامون کی یہ پالیسی کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کیونکہ مامون ایرانیوں کے خیالات سے متاثر تھا ، ایرانی ماحول میں اس کی نشو و نما ہوئی تھی ، اس کی ماں خراسانی تھی ، اس حکمت عملی سے وہ ایرانیوں کی رضا مندی اور ان کی دوستی حاصل کرسکتا تھا۔ ان سب باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون کی اس پالیسی میں سیاسی مصلحتوں سے زیادہ اس کے مذہبی رجحانات کا دخل تھا اسی شعور کی وجہ سے بغداد کے باشندوں کے مذہبی احساسات کو خاص طور پر ٹھیس پہنچی تھی اور وہ مامون کے خلاف مشتعل ہوگئے تھے اور خلافت کے لئے ابراہیم بن مہدی کو منتخب کیا تھا، جو بغداد میں تقریباً دو سال تک خلافت کے منصب پر فائز رہا تھا (۲۰۲ھ - ۲۰۴ھ)۔

دوسرا سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا مامون نے امام علی رضا

کو سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے تو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا؟ جسے اس نے محض مذہبی رنگ دے دیا تھا اور اس سے در اصل اس کا مقصد خراسانیوں کی حمایت اور دوستی حاصل کرنا تھا جو شیعہ معتقدات رکھتے تھے ، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض شیعی اور سنی ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون کا امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنانا درحقیقت اس کی سیاسی چال تھی ، اس کی اصلی غرض خراسانیوں کی مدد حاصل کرنا تھی ، مامون اور امام علی رضا کے تعلقات ظاہری خلوص و محبت کی اساس پر قائم تھے اسی لئے وہ بہت جلد کشیدہ ہو گئے تھے ۔ کشیدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مامون نے محسوس کیا تھا کہ امام علی رضا کی طرف خراسانیوں کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے اور ان کے ارد گرد ایک خلق عظیم جمع ہونا شروع ہوگئی ہے اس سے مامون کو اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ اس نے جو پالیسی اختیار کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے نکل جائیگی اور علویوں میں منتقل ہو جائیگی ۔ مامون کے اس اندیشے پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ مامون[1] عید کے روز کسی تکلیف کی وجہ سے عید گاہ نماز پڑھانے کے لئے جانے سے معذور تھا اس لئے ابوالحسن علی رضا کو اپنی طرف سے عید کی نماز پڑھانے پر مامور کردیا ۔ امام علی رضا عید گاہ کی طرف روانہ ہوگئے اس وقت وہ ایک اونچا سفید کرتہ پہنے تھے اور سر پر سفید عمامہ باندھے تھے ، یہ دونوں سوتی تھے ، ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی اور وہ پیدل عید گاہ کی طرف جارہے تھے اور راستے میں یہ پڑھتے جارہے تھے ”میرے جد ، آدمؑ اور نوحؑ پر سلام ، میرے

---

۱ ۔ النسبی : مطالب السول علی غزوات الرسول صفحہ ۱۲۴ ب ۔

جد، اسماعیلؑ اور ابراھیمؑ پر سلام میرے جد، محمدؐ اور علیؓ پر سلام خدا کے نیک بندوں پر سلام'' لوگوں نے جب انہیں دیکھا تو ان کی طرف دوڑ پڑے اور ان کے ھاتھوں کو بوسہ دینے لگے ۔ اس وقت ایک پر ایک ڈوٹا پڑتا تھا، یہ کیفیت دیکھ کر ماموں کے بعض ارکان سلطنت اس کے پاس تیزی سے پہنچے اور عرض کیا: امیرالمومنین! فوراً تشریف لے چلئے اور عید کی نماز پڑھائیے ورنہ اسی وقت خلافت آپکے ھاتھ سے نکل جائیگی[1] ماموں یہ سن کر عجلت سے عید گاہ پہنچا، اس وقت تک امام علی رضا عوام کے بے پناہ ھجوم کی وجہ سے عید گاہ تک نہ پہنچ سکے تھے ماموں ان سے پہلے عید گاہ پہنچ گیا اور اس نے عید کی نماز کی امامت کی ۔

شیعی ماخذوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ھوتا ھے کہ ماموں اور امام علی رضا کے درمیان باھمی تعلقات کبھی بھی مخلصانہ اور خوشگوار نہ تھے ۔ امام علی رضا کا معمول تھا کہ وہ ماموں کو بہت وعظ و نصیحت کرتے تھے اور اسے خدا سے بہت ڈراتے رھتے تھے اور خدا کے احکام کے خلاف ورزی پر اسے سرزنش اور ملامت کرتے تھے ۔ ان پند و نصائح پر ماموں بظاھر پسندیدگی کا اظہار کرتا تھا لیکن درحقیقت وہ ان نصیحتوں سے چڑتا تھا اور امام علی رضا سے اسے نفرت سی پیدا ھوگئی تھی ۔ لیکن ماموں اور امام علی رضا کے تعلقات کے بارے میں کوئی قطعی

---

۱ ۔ محمد بن نعمان نے بیان کیا ھے (کتاب الارشاد قلمی نسخہ نمبر ۱۶۴۷ صفحہ ۱۴۰ (الف) یہ ماموں کا وزیر فضل بن سہل تھا جس نے دوڑ کر ماموں کو خبر کی تھی اور اسے عوام کی اس بے خودانہ عقیدت کے خطرے سے آگاہ کیا تھا ۔

رائے قائم نہیں کی جا سکتی ، اگرچہ میں نے اس سلسلے میں تمام شیعی ماخذوں کی طرف رجوع کیا ہے لیکن ان سے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا ، ان شیعہ مؤرخین نے کوئی ایسی ٹھوس بات نہیں لکھی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ ماموں اور امام علی رضا کے تعلقات واقعی خراب تھے، ان مؤرخوں نے صرف اس بیان پر اختصار کیا ہے کہ ماموں نے امام علی رضا کا خاتمہ کرنے کی سازش کی تھی -

عبداللہ بن سہل بن نو بخت منجم کا بیان[1] ، ماموں اور علویوں کے تعلقات پر ایک نئے زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالتا ہے ، عبداللہ بن سہل ماموں کا مشہور منجم تھا جس کے کمال فن کا وہ بہت معترف تھا ۔ ماموں کا اصول تھا کہ وہ کسی کے علم و فن کا اس وقت تک معترف نہ ہوتا تھا ، جب تک اسے خود آزما نہ لیتا تھا ، اس منجم کا بیان ہے کہ "ماموں نے جب یہ محسوس کیا تھا کہ امیرالمومنین علی رض بن ابی طالب کی اولاد، منصور اور اس کے جانشینوں کی دہشت اور خوف کی وجہ سے گوشہ نشین ہوگئی ہے اس کی بنا بر عوام کی نگاہوں سے علویوں کے اصلی خد و خال چھپے ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے ان کی طرف وہ عادات منسوب کر دی ہیں جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی صفات و اخلاق میں اس قدر غلو اور مبالغہ سے کام لیا ہے جس سے یہ عوام حدود شریعت سے خارج ہوگئے ہیں۔ پہلے ماموں نے ارادہ کیا کہ ان عوام کو اس غلو پر عبرتناک سزائیں دی جائیں ۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ عوام سے سختی کا رد عمل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ

---

۱ - القفطی : اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحات ۲۲۱ - ۲۲۳ -

اپنے معتقدات میں اور زیادہ سخت ہو جائیں اس معاملے پر بہت احتیاط سے غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ان علویوں کو عزلت نشینی کی زندگی سے باھر نکالا جائے اور عوام سے اختلاط پر مجبور کیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ھوگا کہ عوام علویوں کے جبر و استبداد اور صحیح اخلاقی خد و خال کو اپنی نگاھوں سے دیکھینگے اس وقت وہ خود بخود ان کی نظروں سے گر جائیں گے اور تعریفوں کی بجائے ان کی مذمت کرنے لگیں گے - ماموں نے سوچا اگر ان علویوں کو عزلت نشینی کی زندگی ترک کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ اور دھشت زدہ ھو جائیں گے اور رو پوش ھو جائیں گے اور انھیں میری طرف سے سوء ظنی پیدا ھو جائے گی ، ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد ماموں کی بیدار مغزی نے یہ فیصلہ کیا کہ علویوں میں سے ایک ممتاز شخص کو آگے بڑھایا جائے اور اسے ان کا امام ظاھر کیا جائے ، ماموں کا خیال یہ تھا کہ جب وہ اسے دیکھیں گے تو ان کے دل سے دھشت نکل جائے گی اور آسانی سے گوشہ تنہائی سے باھر نکل آئیں گے اور ان کے اصل اوصاف اور مخفی خدوخال ظاھر ھو جائیں گے اور وہ تمام حرکتیں ان سے سرزد ھوں گی جو انسانوں کی کمزوریاں ھوتی ھیں - عوام کو ان کی اصلی عادات معلوم ھو جائیں گی جو ان کی گوشہ نشینی کی وجہ سے چھپی ھوئی تھیں ، پھر جسے بانس پر چڑھایا تھا اسے نیچے گرانا مشکل نہ ھوگا - اس پالیسی پر عمل کرنے کا ماموں نے عزم کر لیا اور اسے اپنے خاص راز داروں سے بھی پوشیدہ رکھا ، اپنے وزیر فضل بن سہل سے ماموں نے صرف یہ کہا کہ میرا ارادہ ھے کہ امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد سے ایک امام کھڑا کروں - ماموں نے اور فضل بن سہل نے غور و فکر کیا کہ اس

منصب کے لئے کون سا فرد سوزوں ہے غور و خوض کے بعد اس
منصب کے لئے امام علی رضا پر ان دونوں کا اتفاق رائے ہوا ۔
پھر ماموں کے حکم سے فضل بن سہل نے اس فیصلہ کو عملی جامہ
پہنانے کے لئے انتظامات شروع کر دئے ، وہ ماموں کے دل کی بات
سے بے خبر تھا ۔ فضل بن سہل نے امام علی رضا کی بیعت کے لئے
وقت مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو ماموں نے کہا کہ اس کے لئے
وہ ساعت مناسب ہے جب برج سرطان میں مشتری ہو ۔ عبداللہ بن
نوبخت کا بیان ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں یہ معلوم کروں
کہ ماموں کا باطن اور ظاہر ایک ہے یا نہیں کیونکہ یہ معاملہ
بہت اہم تھا اور میرے خیال میں یہ ساعت بیعت کے لئے منحوس
تھی چنانچہ میں نے اس کے پاس بیعت سے قبل ایک رقعہ اس
کے ایک خاص معتمد خادم کے ھاتھ بھیجا جو اہم قسم کے
رازداری کے کام کرتا تھا۔ میں نے اس رقعے میں ماموں کو لکھا کہ
بیعت کے لئے ذوالریاستین نے جو وقت تجویز کیا ہے، اسوقت جو بیعت
ہوگی وہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچےگی ، بلکہ ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ
مشتری اگرچہ اپنے برج کے بیت شرف میں ہے مگر سرطان برج منقلب ہے
اور چوتھے بیت یعنی بیت عافیت میں مریخ ہے اور وہ منحوس ہے
ذوالریاستین نے اس معاملہ میں غلطی کی ہے'' ۔ ماموں نےاس کے
جواب میں لکھا کہ میں اس حقیقت سے واقف ہوں لیکن تم پوری
طرح احتیاط کرو کہ کسی طرح ذوالریاستین تمہاری رائے سے
واقف نہ ہو اگر وہ اپنی رائے کو بدل دے گا تو میں یہ سمجھوں گا
کہ تم نے اسے باخبر کیا ہے اس کے بعد ذوالریاستین نے بیعت
کے اس وقت کو بدلنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے اسے سمجھایا
کہ تمہاری پہلی رائے ٹھیک ہے کیونکہ مجھے یہ ڈر تھا کہ

مامون اس کی تہمت مجھ پر دھرے گا ، اس اندیشہ سے میں برابر چوکتا رہا کہ کہیں فضل بن سہل اپنی رائے بدل نہ دے یہاں تک کہ امام علی رضا کی بیعت کی تکمیل ہو گئی اور میں مامون کی عقوبت سے بچ گیا ۔

اگریہ زاویہ نگاہ صحیح مانا جائےتو اس کامطلب یہ ہوا کہ علویوں کے معاملے میں مامون کی پالیسی ایک سیاسی حکمت عملی تھی جسے اس نے مذہبی رنگ دیا تھا اور اس کا اصل مقصد ، خراسانیوں کی حمایت حاصل کرنا تھا جن کے دلوں میں علویوں کی محبت رچی ہوئی تھی ۔ اور واضع الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مامون یہ چاہتا تھا کہ علویوں کو اپنی طرف سے مطمئن کردے تاکہ خراسانی عنصر کی پشت پناہی حاصل کرسکے ، ورنہ دل سے وہ نہیں چاہتا تھا کہ خلافت علویوں میں منتقل ہوجائے یہ حکمت عملی اس نے محض سیاسی تقاضوں اور ملکی مصلحتوں کی وجہ سے اختیار کی تھی یہی وجہ تھی کہ جب حالات سازگار ہو گئے تھے اس وقت اس نے امام علی رضا کو راستے سے ہٹا دیا تھا ۔

اس ماتم انگیز تاریخی ڈرامہ کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ فضل بن سہل اورامام علی رضا دونوں کو دھوکے سےقتل کرادیا گیا یہ وہ وقت تھا جب بغداد کے باشندوں میں امام علی رضا کی ولی عہدی کی وجہ سے سخت ہیجان پیدا ہوگیا تھا اور انہوں نے مامون کی معزولی کا اعلان کردیا تھا اور ابراہیم بن مہدی کی خلافت کی بیعت کر لی تھی اور اسے ''مبارک'' کا لقب دیا تھا ، اسی زمانے میں حسن بن سہل نے ایک خط لکھا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فضل کے خلاف مامون کے اندرونی ارادوں کو محسوس کر لیا تھا ، اس

خط میں اس نے فضل کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنی جان کی طرف سے محتاط رہے ، کہیں اسے دھوکہ سے قتل نہ کرا دیا جائے ۔ اس نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کا ایک سال کا زائچہ دیکھا ہے ، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ فلاں مہینہ میں بدھ کے روز لوہے اور آگ کی حرارت محسوس کریں گے ، میری رائے ہے کہ آپ بدھ کے روز حمام میں داخل ہونے سے احتراز کریں تاکہ آپ سے یہ نحوست دور رہے، لیکن فضل بن سہل بدھ کے روز حمام میں گیا ، جس سے اسے اس کے بھائی نے منع کیا تھا ۔ حسن بن سہل کا اندیشہ ٹھیک نکلا ، حمام میں ایک گروہ نے فضل پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا[۱] قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو حسن بن سہل کا خط فضل بن سہل کے پاس بدھ سے پہلے پہنچا نہیں تھا یا یہ خط پہنچنے کے بعد اسے حمام میں داخل ہونے پر مجبور کیا گیا تھا ۔

اگر یہ روائت صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن سہل ان حالات سے پوری طرح باخبر تھا جو بغداد میں خاندان عباسی کے افراد کی کشمکش کا ردعمل تھے اور ان شورشوں کی نزاکت سے واقف تھا جو امام علی رضا کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے مامون کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ، جن کا مقصد مامون ، علی رضا اور فضل تینوں سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا ۔

فضل بن سہل خراسانیوں میں بہت ہر دلعزیز تھا اور اس کے بے شمار مددگار تھے ، جب انہوں نے فضل کے قتل کا حادثہ

---

۱ ۔ محمد بن نعمان کتاب الارشاد صفحہ ۲۳۰ (ب) ۔

سنا تو مامون پر یہ الزام لگایا کہ وہ فضل کے قتل کی سازش میں شریک ہے اور خراسان کے فوجی جرنل ، فوج اور فضل کے دوسرے مددگار مامون کے خلاف مشتعل ہوگئے اور محل کو گھیر لیا اور اسے نذر آتش کر دینے کا ارادہ کیا ، مامون نے جب اپنی زندگی خطرے میں دیکھی تو اس نے امام علی رضا سے کہا کہ آپ باھر نکل کر اس مشتعل مجمع کو واپس کر دیں ، اس وقت صرف امام علی رضا کی شخصیت خلیفہ کی جان کی حفاظت اور اطمینان قلب کی ضامن تھی کیونکہ اھل خراسان ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور سچے دل سے ان کی اطاعت کرتے تھے ، اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ امام علی رضا کے محض ایک اشارہ سے یہ مشتعل مجمع واپس لوٹ گیا ۔

فضل بن سہل نے داعی اجل کو لبیک کہا ، اس کے مددگار منتشر ہوگئے اور مامون کو ان خطرات سے نجات مل گئی جو فضل بن سہل کی زبردست شخصیت میں اس کے لئے مجتمع تھے ، فضل بن سہل کی موت کے بعد امام علی رضا کے سوا مامون کا اور کوئی حریف باقی نہیں رہا تھا۔ اب ایک نگاہ اس پر بھی ڈالئے کہ ان سے مامون نے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا ۔

امام علی رضا کے قتل کے حالات کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے ۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ مامون نے انگور کے خوشہ میں یا کسی شربت میں زہر کی آمیزش سے ان کا خاتمہ کرا دیا تھا ۔ محمد بن نعمان کا بیان[1] ہے کہ مامون نے

---

۱ ۔ کتاب الارشاد صفحات ۲۳۲ (ب) ۔ ۲۳۳ (الف) ۔

اپنے ایک خاص آدمی کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے ناخن بڑھا لے اور اس بارے میں کسی کو نہ بتائے، ناخن بڑھا کر وہ شخص مامون کی خدمت میں حاضر ہوا تو مامون نے جھڑ بیری کے بیر اسے دئے اور کہا اپنے ہاتھوں سے مل کر انہیں نچوڑ لو، اس نے اس پر عمل کیا، کچھ دیر بعد امام علی رضا مامون کے پاس حاضر ہوئے اور مامون نے دوران گفتگو میں کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے انہیں غصہ آگیا۔ مامون نے اپنے ایک غلام کو آواز دی اور حکم دیا کہ امام علی رضا کے لئے انار کا شربت لے آؤ، (صحیح یہ ہے کہ جھڑ بیری کے بیروں کا شربت تھا) وہ شربت لے کر حاضر ہوا تو مامون نے یہ شربت اپنے ہاتھ سے امام علی رضا کو دیا، جسے انہوں نے پی لیا۔ اس واقعہ کے دو روز بعد امام علی رضا کا انتقال ہوگیا۔ ابن ابی الصلت سے محمد بن نعمان نے یہ واقعہ نقل کیا ہے "ابن ابی الصلت نے بیان کیا کہ میں امام علی رضا کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت مامون ان کے پاس سے اٹھ کر گیا تھا۔ امام علی رضا نے مجھ سے فرمایا ابا الصلت! لوگوں نے اپنا کام پورا کر دیا ہے اس کے بعد وہ کلمہ طیبہ پڑھنے لگے" خود اس مؤرخ نے امام علی رضا کی موت کی کیفیت کے بارے میں ایک اور روائت بیان کی ہے اس کا کہنا ہے کہ امام علی رضا کو انگور بہت پسند تھے ان کے لئے انگوروں کا ایک خوشہ لیا گیا اور زہر میں بجھی ہوئی ایک سوئی چبھو دی گئی۔ چند روز کے بعد سوئی نکال لی گئی اور انگور کا خوشہ امام علی رضا کی خدمت پیش کیا گیا، جسے انہوں نے کھا لیا۔ اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

لیکن یہ سب روایات محل نظر ہیں وجہ یہ ہے کہ ان سب کے ماخذ شیعی ہیں ، ان کے سوا تمام بڑے بڑے اور قابل اعتماد ماخذ اس واقعے کی تفصیل کے بارے میں خاموش ہیں -

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ امام علی رضا کی وفات پر مامون نے بڑے شدید حزن و ملال کا اظہار کیا تھا - غرض، مامون اپنی سیاسی حکمت عملی میں کامیاب ہوا، فضل بن سہل قتل کیا گیا اور امام علی رضا کو زہر دے دیا گیا ، امام علی رضا کو سنا باذ میں دفن کیا گیا جو طوس کا ایک بڑا شہر تھا، یہیں ہارون رشید بھی مدفون ہے - امام علی رضا کے بعد مامون نے اپنے بیٹے محمد کو ولی عہد مقرر کیا اور عباسیوں کا قومی شعار سیاہ لباس پھر جاری کر دیا -

علویوں کے ساتھ مامون کی پالیسی بڑی حد تک لطف و مہربانی اور چشم پوشی پر مبنی تھی - اس کا اندازہ فخری[1] کے اس بیان سے ہوتا ہے ، " مامون کے عہد میں محمد بن جعفر صادقؒ نے مامون کے خلاف مکہ میں بغاوت کی تھی لوگوں نے ان کی خلافت کی بیعت کر لی تھی اور انہیں امیرالمومنین کا لقب دیا تھا - بعض اہل مکہ نے اس سلسلے میں ان کی بہت مدد کی تھی ، یہ وہ وقت تھا جب بغداد میں مامون کے خلاف شدید ہنگامہ برپا تھا اور بغداد فتنوں اور شورشوں کا گہوارہ تھا ، اسی زمانہ میں بغداد میں خوارج نے بغاوت کر دی تھی -

---

۱ - صفحہ ۱۰۲ اور دیکھئے مصنف کا مقالہ المامون و علی الرضا - مجلہ کلیۃ الآداب جلد اول مئی ۱۹۳۳ء -

محمد بن جعفر آل ابی طالب کے ایک معمر اور ممتاز فرد تھے ، وہ علم کے مرکز تھے اور اپنے باپ امام جعفر صادق رح سے علم و فضل کی بہت بڑی دولت حاصل کی تھی ۔ وہ ایک زمانے سے مکے میں مقیم تھے ۔ ان پر ان کا بیٹا اور بعض چچا زاد بھائی حاوی ہوگئے تھے ، جن کی سیرتیں اور کردار اچھے نہ تھے ۔ ماسون نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر بھیجا جسے غلبہ حاصل ہوا ۔ محمد بن جعفر کو گرفتار کیا گیا اور ماسون کی خدمت میں پیش کیا گیا ، ماسون نے ان کا قصور معاف کر دیا ''۔

اس امر پر تمام شیعی اور سنی مؤرخین متفق ہیں کہ ماسون علویوں سے بڑی شرافت اور رواداری سے پیش آتا تھا ۔ اس کا خیال تھا کہ خلافت ان سے غصب کر لی گئی ہے وہ علویوں کے اس حسن سلوک کا اعتراف کرتا تھا جو انہوں نے عباسیوں کے ساتھ کیا تھا ۔ سیوطی[1] کا بیان ہے کہ ایک روز ماسون سے پوچھا گیا کہ علویوں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کی کیا وجہ ہے ؟ ماسون نے جواب دیا، میں نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا ہے وہ اس لئے کیا ہے کہ انہوں نے میرے آباء و اجداد کے ساتھ احسانات کئے تھے ، تمہیں معلوم ہے کہ جب ابو بکر صدیق رض خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کسی بنی ہاشم کو گورنر نہیں بنایا، ان کے بعد عمر رض اور عثمان رض یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے ، لیکن ان دونوں نے بھی کسی بنی ہاشم کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا ۔ لیکن جب علی رض خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبداللہ رض بن عباس کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، عبیداللہ کو یمن کا والی مقرر

---

۱ ۔ تاریخ الخلفاء : صفحہ ۲۰۵ ۔

کیا، معبد کو مکہ کا گورنر مقرر کیا اور قشم کو بحرین کا والی مقرر کیا اور کوئی ممتاز بنی ھاشم ایسا باقی نہیں رھا جسے کوئی نہ کوئی بڑا عہدہ نہ دیا ہو۔ علیؓ بن ابی طالب کے یہ احسانات ھمارے اوپر ھیں جن کا بدلہ میں نے ان کی اولاد کو اپنے احسانات سے دیا ھے۔

مامون کو علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد سے کتنی محبت تھی؟ اس کی سب سے بڑی دلیل مامون کی وہ وصیت ھے جو اپنی وفات سے قبل اس نے اپنے بھائی معتصم کو کی تھی، وہ وصیت یہ تھی[1] ''علوی تمھارے چچا زاد بھائی ھیں، امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد سے ھیں ان کے ساتھ بھلائی کرنا ان کی برائیوں کو نظر انداز کرنا ان کی اچھائیوں کی قدر کرنا اور احسانات اور انعامات کے موقعوں پر انہیں کبھی نہ بھولنا کیونکہ ان کے حقوق مختلف حیثیتوں سے ھم پر واجب ھیں''۔

مامون علویوں کے ساتھ برابر حسن سلوک سے پیش آتا رھا اس کے اس برتاؤ سے خیال ھوتا تھا کہ وہ علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد کے فضل و شرف کا اعتراف کرتا تھا، لیکن ایسا واقعہ پیش آیا جس سے مامون کا رویہ علویوں سے ایک حد تک بدل گیا تھا وہ واقعہ یہ تھا کہ ۲۰۷ھ میں بلاد یمن میں عبدالرحمان بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علیؓ بن ابی طالب نے بغاوت کردی مامون نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اپنے ایک ممتاز رکن کو ایک زبردست فوج دے کر بھیجا جس نے اس بغاوت کا استیصال

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۴ -

کر دیا اور عبدالرحمان کو مامون کی خدمت میں حاضر کیا گیا ۔ اس واقعہ کے بعد مامون کو علویوں سے کچھ ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ اس نے حکم دے دیا تھا کہ میری مجلس میں کسی علوی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ دی جائے ۔

۵ ۔ ترکی عنصر کا ظہور

بنی امیہ نے اپنی سلطنت کے معاملے میں عربوں پر اعتماد کیا تھا اور انہیں کو اہم عہدوں پر مامور کیا تھا چنانچہ تمام جنگی معاملات اور اہم محکمے انہیں کے سپرد تھے اور عربوں اور عجمیوں خصوصاً ایرانیوں اورعربوں میں مساوات قائم نہیں کی تھی اس کی وجہ سے ایرانی ان کے مخالف ہوگئے تھے اور ان کی حکومت کا خاتمہ کرنے کی کوششیں کرنے لگے تھے اور ان کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے تھے ۔ بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ کا سب سے بڑا سبب عجمیوں کی مخالفت اور ان کی سازشیں تھا ۔ عباسیوں کی حکومت ایرانیوں کے کاندھے پر قائم ہوئی تھی اس لئے یہ قدرتی امر تھا کہ عباسیوں نے ایرانیوں پر اعتماد کیا اور ایرانیوں کے اس نظام حکومت سے بہت کچھ اخذ کیا جو ساسانیوں کے عہد میں قائم تھا، عباسیوں نے ایرانیوں کے مقابلے میں عربوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ، جس کا رد عمل یہ ہوا کہ عباسیوں کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں اور بعض زبردست تحریکیں اٹھیں جو در اصل ایرانیوں سے عربوں کے غیظ و غضب کا رد عمل تھیں ۔ اس کی سب سے بڑی مثال فضل بن ربیع کی سازش ہے جو اس نے برامکہ کے خلاف کی تھی اور وہ فتنہ ہے جو امین اور مامون کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ امین

پر مامون کی فتح سچ پوچھئے تو عربوں پر ایرانیوں کی فتح تھی، یہ فتنہ اس قدیم دشمنی کا نتیجہ تھا جو عربوں اور ایرانیوں میں مدت سے چلی آتی تھی -

معتصم کی ماں ایک ترک خاتون تھی اس نے تخت خلافت پر جلوہ فرما ہونے کے بعد عربوں اور ایرانیوں دونوں کو نظرانداز کردیا اور ترکوں پر اعتماد کیا معتصم نے ترکوں کو اپنا باڈی گارڈ بنایا اور سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدے انہیں سونپ دئے تھے جس طرح اس کے بھائی مامون نے خراسانیوں پر اعتماد کیا تھا اور انہیں اپنا باڈی گارڈ بنایا تھا اور سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدے ان کے سپرد کر دئے تھے - معتصم خلفاء عباسیہ میں سب سے پہلا خلیفہ تھا جس نے ترکوں سے مدد حاصل کی تھی اور انہیں اہم عہدوں پر مامور کیا تھا - معتصم نے ترک غلاموں کی خریداری کے لئے سمر قند، فرغانہ اور ان کے آس پاس کے علاقوں میں اپنے آدمیوں کو روانہ کیا تھا اور ان کی خریداری پر بے شمار مال و دولت صرف کی تھی - معتصم نے سوسائیٹی میں ان غلاموں کا درجہ اونچا کیا، انہیں ریشمی لباس پہنایا اور ان کے سونے کے پٹکے باندھے -

معتصم کا خیال تھا کہ عباسیوں کی وسیع سلطنت کے تحفظ اور دفاع کے لئے ایک زبردست فوج ناگزیر ہے اور اس مقصد کے لئے ترکوں کی فوج سب سے مظبوط اور معتمد فوج ثابت ہوگی، اس خیال سے اس نے ترکوں کو کثرت سے اپنی فوج میں بھرتی کیا، ان ترکوں کو بلاد ماوراءالنہر کے بازار غلاماں سے خرید کر

لایا جاتا تھا ۔ معتصم نے ان کے حسن قد ، اچھی شکل و صورت ، شجاعت اور مذھبی معتقدات میں پختگی کی وجہ سے ان پر اعتماد کیا اور اپنے قصر کی حفاظت کا کام سونپ دیا اعلیٰ عہدوں پر ماسور کیا اور بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کیا اور انعام و اکرام کی ان پر بارش کر دی ۔ عربوں اور ایرانیوں پر ھر معاملے میں انہیں ترجیح[1] دی گئی ۔ تھوڑی ھی مدت میں ترکوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا اور ان کی تعداد پچاس ھزار تک پہنچ گئی جیسا کہ مؤرخ گبن[2] (Gibbon) کا بیان ھے کہ بلاد ساوراءالنہر کے گورنر خلیفہ عباسی کے پاس دوسرے ھدایا کے ساتھ ترک غلام بھی بھیجتے تھے ۔ ان ترکوں میں قابل ذکر طولون ابو احمد بن طولون ھے جسے ان بلاد کے گورنر نے خلیفہ مامون کے پاس ھدیہ کے طور پر بھیجا تھا ۔ بغداد کے بازاروں میں سال به سال ان ترک غلاموں کا ایک تانتا سا بندھ گیا تھا اور ان کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، اس ماحول میں ان ترک غلاموں کو موقع مل گیا کہ وہ غلاموں کے بازاروں سے خلفاء کے قصر کے اندر پہنچ جائیں اور اپنی شجاعت کی وجہ سے فوج میں داخل ھو جائیں ۔ اس زمانے میں یہ معمول بن گیا تھا کہ جب کوئی نوجوان ترک غلام اپنے آقا کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا ثبوت دیتا تھا اس وقت وہ آزاد کر دیا جاتا تھا ، رفتہ رفتہ یہ آزاد کردہ غلام عباسی قلمرو میں بڑے بڑے عہدوں پر ماسور ھونے لگے ، ان ترک غلاموں نے جو تہذیب و تمدن اور علم و فن سے کوسوں دور تھے، سہذب اور تعلیم یافتہ امراء

---

۱ ۔ النظم الاسلامیه : مؤلفه مصنف صفحه ۲۲۹ ۔

2. Gibbon : Decline and fall of Koman Empire vol. 4, p. 47.

کے طبقہ میں اختلاط سے اسلام قبول کیا، اسلامی آداب سے واقف ہوئے ، عربی زبان سیکھی ، قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکام سے باخبر ہوئے ، علوم طبعیہ اور علوم سیاسیہ حاصل کئے ۔ ان غلاموں سے جب کوئی اس بات کا اهل سمجھا جاتا کہ وہ سلطنت کی کوئی ذمہ داری سنبھال سکے اس وقت وہ غلامی سے آزاد کر دیا جاتا اور اس کی اهلیت کے مطابق اسے کسی عہدے پر مامور کر دیا جاتا ۔ اس طرح یہ ترک غلام رفتہ رفتہ مختلف عہدوں پر فائز ہوگئے اور انہوں نے بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر لیا ۔ مختصر یہ کہ ان ترک غلاموں کی زندگی قصر خلافت اور امراء میں اختلاط سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ انہوں نے بڑے بڑے صوبوں کی گورنری کا منصب حاصل کر لیا ۔

ان ترکوں کے اثر و اقتدار کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ خلفاء نےانہیں محض اس شرط پر مختلف اسلامی صوبے جاگیروں کے طور پر دیدئے تھے کہ وہ ایک معینہ ٹیکس مرکزی حکومت کو ادا کریں ، باقی سارے معاملات میں وہ خود مختار ہیں یہ تقریباً اس جاگیرداری نظام کا چربہ تھا جو دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں یورپ میں رائج تھا ۔

ان ترک جاگیرداروں کا معمول تھا کہ وہ اپنی طرف سے ان جاگیروں پر اپنا نائب مقرر کر دیتے تھے جو ان کے نام سے حکومت کرتا تھا ۔ خلیفہ کے بعد ان جاگیر داروں کا درجہ خیال کیا جاتا تھا اور ان جاگیرداروں ھی کے نام سے ان کی جاگیروں میں سکہ رائج تھا ۔ یہ ترک جاگیردار عباسی سلطنت کے بہت بڑے بڑے رکن تھے ، ان کا قیام زیادہ تر دارالخلافت بغداد یا سامرا

میں رہتا تھا ان کے لئے دارالخلافت اور وہاں کے عیش و عشرت کو چھوڑنا بہت مشکل تھا ۔ وہ صرف چند روز کے لئے اپنی جاگیروں میں جاتے تھے ۔ سنابلی لین پول[1] اپنی کتاب ''تاریخ مصر ازمنہ وسطیٰ میں'' لکھتا ہے ''اس انقلاب (یعنی عربوں (عباسیوں) کی حکومت پر ترکوں کے اقتدار) سے بڑے بڑے صوبوں میں شورشیں اٹھیں ، ان شورشوں نے نہ صرف عربوں کی سلطنت کو مضمحل کر دیا بلکہ ایک دن اس کا خاتمہ کر دیا ۔ جس وقت سے دریائے سیحوں کے ساحل پر ترکوں کے ساتھ عربوں کا اختلاط ہوا تھا اور ان ترکوں نے عربوں کی حکومت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں پیش کی تھیں اس وقت سے اسلامی معاشرے میں ان ترکوں کو ایک وسیع جولانگاہ مل گئی تھی ۔ ان کی جسمانی قوت ، حسن صورت ، شجاعت اور دیانتداری کی وجہ سے ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی تھی ۔ ان اوصاف کی وجہ سے ان ترکوں نے بڑے بڑے عرب امراء خصوصاً خلفاء کا اعتماد حاصل کر لیا تھا اور انہوں نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے ان اجنبی ترکوں کو مقرر کیا تھا جنہیں مال کے عوض خریدا گیا تھا اور انہیں اپنے ہم نسل عربوں سے زیادہ ان ترکوں پر اعتماد ہوگیا تھا ۔ غیرت اور حسد عربوں کی گھٹی میں پڑا تھا اس رویہ سے عربوں کی غیرت کو سخت ٹھیس لگی لیکن ان خلفاء نے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی ۔ خلفاء نے ان ترکوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں بھی ترجیح دی جن کا اثر و اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خلفاء عباسیہ اسے اپنی سلطنت کی سلامتی کےلئے خطرہ محسوس کرنے لگے تھے اور اس وقت بھی ان ایرانیوں کا سلطنت عباسیہ کے نظم و نسق میں بہت بڑا دخل تھا '' ۔

1. History of Egypt in the middle ages p. 29.

تھوڑی ھی مدت بعد یہ ترک ، اھل بغداد کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ بن گئے - یہ ترک[1] مدینہ السلام کے بازاروں میں گھوڑے سرپٹ دوڑاتے تھے اس کی وجہ سے ضعیف اور بچے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے آجاتے تھے - بسا اوقات ایسا ھوتا تھا کہ جب ان ترکوں کی گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کوئی بچہ ، عورت یا کوئی بوڑھا آجاتا تھا تو اھل بغداد مشتعل ھو کر اس ترک کو قتل کر دیتے تھے - طبری[2] نے اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ھے ، ان کا بیان ھے کہ غلام ترک روزانہ کسی نہ کسی ترک کو سڑکوں اور گلیوں میں مقتول پاتے تھے ان ترکوں کے دماغ عرش معلیٰ پر پہنچ گئے تھے - وجہ یہ تھی کہ یہ پہلے ننگے بھوکے اور برھنہ پا تھے، پھر خوبیٔ قسمت سے گھوڑوں پر سوار ھونے لگے تھے - یہ سر پھرے بغداد کے راستوں اور شاھراھوں پر گھوڑوں کو سر پٹ دوڑاتے پھرتے تھے ، جس کی وجہ سے مرد عورتیں ان کی ٹاپوں کے نیچے آجاتے تھے اور بچے روندے جاتے تھے - بغداد کے مضبوط اور طاقتور باشندے جوش غضب میں انہیں گھوڑے سے گرا کر بہت بری طرح پیٹتے تھے ، یہاں تک کہ زخموں کی وجہ سے وہ مر جاتے تھے - ان ترکوں نے معتصم سے اس بات کی شکائت بھی کی تھی - ایک بار معتصم گھوڑے پر سوار ھو کر عیداضحیٰ یا عیدالفطر کی نماز کے بعد عیدگاہ سے واپس آرھا تھا - جب وہ " مربعة الحرشی " کے مقام پر پہنچا تو ایک معمر شخص اس کا راستہ روک کر کھڑا ھوگیا اور کہنے لگا : ابو اسحاق !

---

۱ - مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۳۴۹ -

۲ - جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۱ -

ابھی وہ اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا تھا کہ معتصم کے باڈی گارڈز اس کی طرف جھپٹے تاکہ اسے قتل کر دیں، لیکن معتصم نے اشارے سے انہیں روک دیا اور اس معمر شخص سے پوچھا کیا بات ہے ؟ معمر شخص نے جواب دیا خدا تجھے جزائے خیر نہ دے ، تو نے ان وحشی جنگلیوں کو ہمارے درمیان بسا کر ہم پر ظلم ڈھائے ہیں ، ان جنگلیوں نے ہمارے بچوں کو یتیم کر دیا ہے ، ہماری عورتوں کو بیوہ کر دیا ہے اور ہمارے مردوں کو قتل کر دیا ہے ۔ معتصم یہ تلخ باتیں خاموشی سے سنتا رہا ۔

ترکوں کے غیر معمولی اثر و اقتدار کی وجہ سے عرب ان سے جلنے لگے تھے اور انہوں نے معتصم ، افشین ، اشناس اور دوسرے ممتاز ترک جرنلوں کا خاتمہ کرنے کی سازش کی تھی ۔ عرب جرنل عجیف بن عنبسہ نے عباس بن ماسون کو اپنے چچا معتصم کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا ۔ لیکن معتصم نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان کا خاتمہ کر دیا ۔ اس کے بعد معتصم نے عربوں کو تمام سول اور فوجی عہدوں سے علاحدہ کر دیا اور دیوان عطاء سے ان کے نام خارج کر دئے ۔ ان واقعات سے ترکوں کے حوصلے اور بڑھ گئے اور ان کا اثر و اقتدار نقطۂ عروج پر پہنچ گیا ۔ اب وہ خلفاء عباسیہ اور سلطنت عباسیہ دونوں کے لئے زبردست خطرہ بن گئے تھے ۔

آخری دور میں معتصم نے بھی ان ترکوں کے خطرے کی شدت کو محسوس کیا تھا ۔ اگر معتصم اس وقت بھی اپنے عرب جرنلوں سے مدد لیتا تو اس کے لئے خلافت کا گیا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا ۔ معتصم[1] نے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۱ صفحات ۸ ۔ ۹ ۔

اپنے ایک خاص ندیم سے ترکوں کے خلاف غم و غصہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔ ”بڑی مدت سے میں ایک بات سوچ رہا ہوں اور دل ھی دل میں کڑھ رہا ہوں۔ میرے بھائی مامون نے چار آدمیوں کو اپنا مقرب خاص بنایا وہ سب شریف نکلے۔ میں نے چار آدمیوں کو اپنا خاص مقرب بنایا لیکن وہ سب کم ذات اور کمینہ نکلے۔ ندیم نے پوچھا وہ کون تھے جنہیں آپ کے بھائی مامون نے اپنا خاص مقرب بارگاہ بنایا تھا؟ معتصم نے جواب دیا: ایک طاھر بن حسین اس کے کارناموں کو تم نے دیکھا بھی ھے اور سنا بھی ھے، دوسرا عبداللہ بن طاھر، بخدا اس جیسا انسان میں نے نہیں دیکھا ھے، تیسرے تم، خدا کی قسم تمہارا بدل مامون کو میسر نہیں آسکتا تھا، چوتھا تمہارا بھائی محمد بن ابراھیم، اب محمد جیسے کہاں ھیں؟ میں نے آفشین کو مقرب بنایا تم نے اس کی حرکتیں دیکھ لی ھیں۔ اشناس کو مقرب بنایا، خدا اسے غارت کرے، ایتاخ کو تقرب بخشا وہ کتنا بے مایہ شخص نکلا، وصیف کو معتمد بنایا وہ کتنا مہمل اور بے معنی انسان ثابت ھوا۔ ندیم نے عرض کیا، امیرالمومنین! آپ کے بھائی مامون نے پہلے ان کی خاندانی شرافت دیکھی۔ اس کے بعد تقرب بخشا اس لئے وہ شریف نکلے اور امیرالمومنین نے خاندانی شرافت کو در خور اعتناء خیال نہیں کیا اور ان کی ظاھری نمود پر اکتفاء کیا، نتیجہ یہ ھوا کہ وہ اپنی اصل پر گئے اور کم اصلی کا مظاھرہ کیا۔ معتصم نے جواب دیا: ایک مدت سے میں جو ایک گھٹن سی محسوس کر رہا تھا، تمہارے اس جواب سے بڑی حد تک وہ کم ھو گئی ھے۔

معتصم اپنی آخری عمر میں ان ترکوں کے اثر و نفوذ اور ناشائستہ حرکتوں کی وجہ سے بڑی شدید روحانی اذیتوں میں

مبتلا ہوگیا تھا ۔ معتصم کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا واثق تخت خلافت پر متمکن ہوا ، اس کے دور میں یہ ترک امور سلطنت میں اتنے دخیل ہوگئے کہ واثق ان کے سامنے بے بس اور عضو معطل بن کر رہ گیا ، واثق کی وفات کے بعد متوکل تخت خلافت پر متمکن ہوا ، اس نے ان ترکوں کا اثر و نفوذ کم کرنے کی کوشش کی ، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ متوکل کے بعد اس کا بیٹا منتصر خلیفہ ہوا جو ترکوں کے ساتھ اپنے باپ کے قتل کی سازش میں شریک تھا ۔ منتصر کے دور میں سلطنت عباسیہ انارکی کا مرکز اور سازشوں کا گہوارہ بن گئی ۔ اب یہ ترک جسے چاہتے خلیفہ بنا دیتے ، جسے چاہتے معزول کر دیتے ۔ رحم کھاتے تو نظر بند کر دیتے ورنہ موت کے گھاٹ اتار دیتے ۔

ترکی عنصر کے ظہور نے ایک طرف ایرانیوں اور عربوں کی کشمکش ختم کر دی اور دوسری طرف علویوں اور عباسیوں کی باہمی عداوت کو ختم کر دیا کیونکہ جس اقتدار کے لئے یہ ساری کشمکش تھی وہ اب ترکوں کے ہاتھ میں تھا اور ان دونوں فریقوں کا اس میں کوئی دخل نہ تھا ۔ ترکوں کے اقتدار کے بعد سے دولت عباسیہ کے مختلف حصوں میں خود مختار اور نیم خود مختار حکومتیں قائم ہونا شروع ہوگئیں ، چنانچہ اسی زمانہ سے صفاریہ ، سامانیہ ، غزنویہ ، علویہ (طبرستان میں) ، اغلبیہ (ٹیونس میں) ، فاطمیہ (بلاد مغرب میں) ، طولونیہ واخشیدیہ (مصر میں) ، امویہ (اندلس میں) اور زیدیہ (یمن میں) حکومتیں ، سلطنت عباسیہ کے نقشے پر ابھرنا شروع ہوئی تھیں ۔

باب چهارم

خارجی تعلقات

آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں عربوں کے لئے سیاست خارجہ کی اساس رکھ دی تھی ۔ چنانچہ ۶ھ میں آپؐ نے هرقل (شہنشاہ دولت بیزنطینیہ) کسریٰ فارس ، نجاشی (شہنشاہ حبشہ) مقوقس (هرقل کی طرف سے مصر کا گورنر) ، امیر بلاد یمامہ اور والیٔ غسان کے پاس اپنے قاصد روانہ کئے تھے ۔ ان میں سے بعض حکمرانوں نے احترام و عقیدت سے ان کا خیر مقدم کیا تھا اور بعض فرمانرواؤں نے ان قاصدوں کی توهین کی تھی ۔

آنحضرتؐ نے اپنے وصال سے قبل ، ایک فوجی بلاد روم پر حملہ کرنے کے لئے تیار کی ، اس فوج کی قیادت حضرت اسامہؓ بن زید کو سونپی گئی تھی ۔ یہ فوج روانہ کرنے سے پہلے آپؐ کا وصال هوگیا تھا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے خلیفہ هونے کے بعد اس فوج کو بلاد روم پر حملہ کرنے کا حکم دیا ۔ یہ وہ وقت تھا جب سارے عرب میں ارتدار کا هنگامہ شروع هو گیا تھا ، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس فوج کی روانگی میں کسی تاخیر کو گوارا نہ کیا، ارتداد کے هنگامہ کا استیصال کرنے کے بعد، حضرت ابو بکرؓ نے پورے جزیرۂ عرب سے مجاهدین کو جمع کیا اور انہیں بیک وقت فارس کی سلطنت اوز روم کی سلطنت پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا حالانکہ ان دونوں سلطنتوں کے

حدود مملکت بہت وسیع تھے اور ان کے جاہ و جلال اور اثر و اقتدار سے دنیا لرزاں تھی، ان کے پاس بے شمار دولت اور غیر محدود وسائل تھے۔ غرض اس طرح خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں کی خارجہ سیاست کی بنیاد رکھی گئی، بنی امیہ کے عہد میں شمال اور مغرب کی طرف سے مسلمانوں نے پیش قدمی کی، جہاں مشرقی دولت روما واقع تھی، اس سلطنت کی فوجیں مسلمانوں کے سرحدی علاقوں پر غارت گری کرتی رہتی تھیں۔ امویوں کے دور میں عربوں نے کئی بار قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ بنی امیہ کے بعد عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی، اس دور میں مختلف ملکوں سے خصوصاً مصر، بلاد مغرب، اندلس، بلاد فرنگ، بیزنطینی سلطنت اور متحدہ ہند سے مسلمانوں کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے۔

(الف) مصر سے:

امویوں کے بعد عباسیوں کی خلافت کے قیام کا ایک فوری اثر یہ پڑا کہ فسطاط کی بجائے مصر کے ایک جدید دارالحکومت کی بنیاد پڑی اور وہ مدینة العسکر تھا۔ صالح بن علی عباسی (محرم ۱۳۲ھ — شعبان ۱۳۳ھ) نے محسوس کیا تھا کہ شہر فسطاط فوجوں کے لئے بہت تنگ ہے۔ اس لئے اس نے ایک نئے دارالحکومت کی تعمیر کے لئے ایک خطہ پسند کیا جو الحمراء القصوی کے نام سے مشہور تھا۔ صالح کے بعد ابو عون مصر کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے اس نئے دارالحکومت کی تعمیر کرائی۔ ابوعون کے بعد، فضل بن صالح (۱۶۹ھ — ۱۶۹ھ) نے مدینة العسکر میں ایک جامع مسجد بنوائی جو جامع العسکر کے نام سے مشہور ہے۔ مدینة العسکر میں بہت سے لوگوں

نے مکانات تعمیر کرنا شروع کر دئے اور رفتہ رفتہ اس جدید دارالحکومت کی حدیں قدیم دارالحکومت فسطاط سے مل گئیں ۔

عباسیوں کے دور اول میں مصر میں عرب فوج نے داخلی سیاست میں خاص طور پر حصہ لیا تھا جس طرح قبطیوں نے، جن کی ان بلاد میں اکثریت تھی ، ملکی سیاست میں عملی حصہ لیا تھا ۔ مصر کی عرب فوج نے محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن علوی کی تحریک کا ساتھ دیا تھا جس کا پرچار مصر میں ان کے بیٹے علی بن محمد نے کیا تھا ۔ لیکن ابوجعفر منصور کے گورنر نے علی بن محمد کے مددگاروں سے بڑی سختی کا برتاؤ کیا اور ان کی تحریک کو کچل دیا اسی زمانے میں ابراہیم بن محمد کی وفات ہوگئی ، اور مصر میں اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا [1] ۔

مہدی کے عہد خلافت (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ) میں دحیہ بن مصعب بن اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان نے مصر میں بغاوت کر دی تھی یہ ابراہیم بن صالح بن علی عباسی (۱۶۵ھ — ۱۶۷ھ) کی گورنری کا زمانہ تھا ۔ شروع میں دحیہ کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی ۔ لیکن اس گورنر کی سہل انگاری سے رفتہ رفتہ دحیہ کا خطرہ بہت شدید ہوگیا اور اس نے اکثر بلاد صعید پر قبضہ کر لیا ، اس کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہاں سے عباسیوں کے اقتدار کے خاتمے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا ۔ خلیفہ مہدی کو اس گورنر کے تساہل اور دحیہ کے خطرے کی شدت کی اطلاع ملی تو اس نے اسے عبرت ناک سزا دی اور گورنری سے معزول

---

۱ - المقریزی : الخطط جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ -

کر دیا[1] ۔

ابراھیم بن صالح کے بعد موسیٰ بن مصعب بن ربیع خشعمی (۱۶۷ھ — ۱۶۸ھ) مصر کا گورنر مقرر کیا گیا ۔ موسیٰ نے دحیہ اموی کے فتنہ کا سنگدلی سے استیصال کرنے کا عزم کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ قتل کر دیا گیا ۔ موسیٰ نے خراج کی تحصیل میں بڑی سختی سے کام لیا تھا اور ھر ایکڑ پر دگنا لگان مقرر کر دیا تھا ۔ یہ گورنر سخت رشوت خور تھا ، اس نے دکانداروں اور جانوروں پر بھی ٹیکس لگا دیا تھا ۔ ان باتوں سے فوج اور شہروں کے باشندے بگڑ گئے اور اس کے سخت دشمن ھو گئے اور انہوں نے اس کے خلاف ھنگامے اور شورشیں برپا کر دیں یہ شورشیں بلاد صعید اور حوف کے علاقے میں بہت شدید ھو گئیں ۔ موسیٰ نے ایک فوج کو بلاد صعید کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ایک فوج حوف کے باشندوں کی شورش کا استیصال کرنے کے لئے اپنی قیادت میں لے کر روانہ ھوا ، لیکن اس فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اسے وھاں کے باشندوں کے حوالے کر دیا ۔ ان باشندوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا[2] ۔

یہ شورش موسیٰ کے جانشین عسامہ بن عمرو معافری کی گورنری کے زمانہ میں بھی برابر جاری رھی ، اس شورش کا خاتمہ فضل بن صالح (۱۶۹ھ — ۱۶۹ھ) کی گورنری کے دور میں ھوا ۔

---

۱ ۔ الکندی : کتاب الولاۃ صفحات ۱۲۳ - ۱۲۶ ۔ ابوالمحاسن : النجوم الزاھرہ جلد ۲ صفحات ۴۹ - ۵۵ - سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحہ ۱۳۹ ۔

۲ الکندی : صفحہ ۱۲۵ ۔ المقریزی : الخطط جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ ۔

جسے خلیفہ ھادی نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا ۔ فضل بن صالح نے بلاد صعید کے باغیوں کے سرغنہ دحیہ کو شکست دی اور اس کا سر کاٹنے کے بعد عبرت کے لئے اسے سولی پر لٹکا دیا ۔ لیکن فضل بن صالح کو اس کارنامے کا کوئی صلہ نہ ملا اور وہ اسی سال (۱۶۹ھ) معزول کر دیا گیا ، جس سال اسے گورنر مقرر کیا گیا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں موسیٰ بن عیسیٰ تین بار (۱۷۱ھ — ۱۷۵ھ — ۱۷۹ھ) مصر کا گورنر مقرر کیا گیا ۔ یہ گورنر عدل و انصاف اور حسن انتظام میں مشہور تھا اور ان بلاد کے باشندے اس کے بے حد گرویدہ تھے ۔ نصرانی خاص طور پر اس سے غیر معمولی محبت کرنے لگے تھے ۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے ان گرجوں کی از سر نو تعمیر کا حکم دے دیا تھا ، جو اس سے پیشرو گورنروں نے منہدم کرا دئے تھے ۔ اس کا مشورہ اس کے دو قاضیوں لیث بن سعد اور عبداللہ بن لھیعہ نے دیا تھا ۔ ان قاضیوں نے کہا تھا گرے ہوئے کلیساؤں کی تعمیر شہروں کی رونق میں اضافہ کرنے کے مترادف ھے ۔ اس گورنر نے جامع عمرو بن عاص میں بھی توسیع کی تھی ۔

امین اور مامون کی جنگ میں مصر کی عرب فوج کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ یہ فوج ان خارجی فتنوں اور شورشوں میں بھی ھمیشہ آگے آگے رھی تھی جو خلفاء عباسیہ کے خلاف ان کے حریفوں نے برپا کی تھیں ، سچ پوچھئے تو ان شورشوں میں مصر کی عرب فوجوں کا اشتراک عمل ان کا ایک محبوب مشغلہ بن گیا تھا ۔ حد یہ تھی کہ ان حالات میں بھی ان کی شورش پسندانہ سرگرمیاں

جاری رہتی تھیں ، جب عام مصریوں کے لئے ان کے ساتھ اشتراک عمل کا کوئی محرک موجود نہ ھوتا تھا ۔ غور و فکر کرنے کے باوجود کوئی ایسا محرک میری سمجھ میں نہیں آتا جس نے ان عرب فوجوں کو ان شورشوں میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا ۔ عربی عصبیت سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا ، جسے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا ۔ اس سے انکار نہیں کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ، قومی عصبیت کی بنا پر وقتاً فوقتاً شورشیں پیدا ھوئی تھیں لیکن مصر کی عرب فوجوں کی شورشوں کو قومی عصبیت سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ مصر میں قومی عصبیت کا کوئی شعور موجود نہ تھا اس کی ایک بڑی دلیل یہ ھے کہ جب امین اور مامون کے درمیان جنگ جاری تھی اس وقت مصر میں امن و امان تھا اور مصر کے باشندے اپنے گورنر جابر بن اشعت طائی اور اس کی حکومت سے خوش تھے ۔ اس گورنر سے ان بلاد کے عوام و خواص دونوں بے حد محبت کرتے تھے [۱] ۔

امین اور مامون کے درمیان جنگ کے اسباب و محرکات یہ تھے کہ امین نے اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا ، منبروں پر اس کے لئے دعا کو موقوف کر دیا تھا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا ۔ اس کی وجہ سے مصر اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے عرب بگڑ گئے تھے اور انہوں نے امین کو معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا ، کیونکہ امین نے اس عہد و پیمان کو توڑا تھا جو اس کے باپ ھارون رشید نے اس سے لیا تھا اور جسے

---

۱ ۔ الکندی : کتاب الولاۃ صفحہ ۱۴۶ ۔

اس نے کعبہ میں لٹکا دیا تھا ۔ یہ فسخ عہد امین کے خلاف عام لوگوں کے اشتعال کے لئے بہت کافی تھا ۔ اس سیاسی ماحول میں مصر میں ایک شخص سری بن حکم نمودار ہوا جس نے امین و مامون کی جنگ کو اپنی ذاتی مصلحتوں کو بروئے کار لانے کے لئے بہت غنیمت خیال کیا ، یہ شخص ہارون رشید کے دور میں مصر آیا تھا اور بہت گمنام تھا ، معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی ۔

اس شخص نے مامون کی حمائت کے لئے لوگوں کو برانگیختہ کیا ایک قلیل تعداد اس کی ہم آہنگ ہو گئی ۔ یہ شخص مامون کے لئے برابر کوششوں میں لگا رہا یہاں تک کہ مامون نے مصر کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنی بیعت کے لئے دعوت دی ۔ ان لوگوں نے خفیہ طور پر مامون کی بیعت کر لی ۔ اس کے بعد مامون کے ایک ممتاز جرنیل ھرثمہ بن اعین نے عباد بن حیان کو ایک خط لکھا ، جو مصر میں اس کی جائداد کا مختار تھا ۔ عباد بن حیان نے اس خط کو مسجد میں پڑھ کر سنایا ، جہاں فوج بھی موجود تھی ابن حیان نے فوج کو خاص طور پر اکسایا کہ وہ امین کی معزولی کا مطالبہ کرے ۔ بہت سے فوجی اس پر آمادہ ہوگئے اور انہوں نے امین کی معزولی کا اعلان کر دیا (جمادی الاخری ۱۹۶ ھ) اور امین کے گورنر کو فسطاط سے نکال دیا اور مامون کے نائب کی حیثیت سے عباد کی بیعت کر لی ، بعد میں مامون نے اس کی گورنری کی تصدیق کر دی [1] ۔

امین کو جب معلوم ہوا کہ مصر میں اس کی معزولی کا

---

۱ ۔ الکندی : صفحات ۳۸ ۔ ۱۳۹ ۔

اعلان کر دیا گیا ہے اور اس کے گورنر کو وہاں سے نکال باہر کیا گیا ہے تو اس نے ربیعہ بن قیس کو جو حوف میں قبیلۂ قیس کا سردار تھا ، مصر کا گورنر مقرر کیا اور یمنیوں کو لکھا کہ وہ ربیعہ بن قیس کی مدد کریں ۔ یمنیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اس کے گورنر کی پشت پناہی کی اور ماموں کی معزولی کا اعلان کر دیا اور فسطاط کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ۔ دونوں فریقوں کے درمیان تصادم ہوا اس میں ماموں کے مددگاروں کا پلہ بھاری رہا اور انہیں فتح حاصل ہوئی ۔ جب قبیلہ قیس کے لوگوں کو امین کے قتل (محرم ۱۹۸ھ) اور ماموں کی بیعت کی خبر ملی تو وہ منتشر ہو گئے [۱] ۔

ماموں کے عہد میں مصر میں چند جرنلوں میں حریفانہ کشمکش پیدا ہو گئی تھی ۔ ان میں سے ہر ایک کا نصب العین یہ تھا کہ وہ مصر پر تسلط قائم کر لے اور مرکزی خلافت سے خود مختار اور آزاد ہو جائے ۔ اس ماحول کی وجہ سے صورت حالات بڑی نازک اور پیچیدہ ہو گئی تھی ۔ مرکزی خلافت کا اثر و اقتدار رفتہ رفتہ بہت کم ہو گیا تھا اور مصر میں قریب طوائف الملوکی پیدا ہو گئی تھی [۲] ۔ ساویرس نے اس زمانہ کی دستاویزات کی اساس پر بیان کیا ہے کہ ان شورش پسندوں نے بغداد کی مرکزی خلافت کے انتشار سے فائدہ اٹھایا اور مصر پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور اپنے لئے ٹیکس وصول کرنا شروع کر دئے ۔ ان شورش پسندوں میں

---

۱ ۔ الکندی ۔ صفحات ۱۴۹ - ۱۵۰ ۔
۲ ۔ سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحات ۱۶۳ - ۱۶۴ ۔

سے عبدالعزیز جروی نے مصر کے مشرقی ڈیلٹا پر شطنوف سے لے کر فرما تک قبضہ کر لیا ۔ سری بن حکم نے مصر کی سامنے کی سمت سے لے کر اسوان تک تسلط قائم کر لیا اور مغربی ڈیلٹا پر ، جس میں اسکندریہ اور اس کے علاقے ، مربوط اور پورا بحیرۂ روم شامل تھا، لخم اور جذام دو قبیلے قابض ہو گئے [1] ۔

مصر کی ان بغاوتوں کا استیصال کرنے کے لئے مامون نے عبداللہ بن طاہر بن حسین کو مامور کیا جو اس وقت شام میں تھا ۔ مصر کی یہ بغاوتیں تقریباً تیرہ سال سے برابر جاری تھیں اور شدت اختیار کرتی چلی گئی تھیں اس مدت میں مصر قریب قریب خلافت عباسیہ سے الگ ہوگیا تھا اور وہاں سے خراج آنا بند ہوگیا تھا۔ خلیفہ کے احکام کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی اور ان گورنروں کو کوئی نہیں پوچھتا تھا ، جنہیں خلیفہ مامور کرتا تھا ۔ ملک کے کسی حصہ پر کسی سپہ سالار نے قبضہ کر لیا تھا اور کسی حصہ پر کسی قبیلہ کے سردار کا تسلط تھا ۔ طاہر بن حسین شام سے مصر پہنچا اور دارالحکومت فسطاط پر تسلط قائم کر لیا اور وہاں پوری طرح امن و امان قائم کردیا [2] اس کے بعد ان بلاد کی اصلاحات کی طرف متوجہ ہوا اور مختلف معاشرتی اور ثقافتی اصلاحات کیں ، اس کا ایک کارنامہ جامع عمرو بن عاص میں توسیع تھا ۔ لیکن اس کی گورنری کی مدت زیادہ طویل نہ ہوئی اور وہ عراق واپس چلا گیا ۔ اس کے جانے

---

۱ ۔ سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحات ۱۶۵ - ۱۶۶ منقول از کتاب سیرالآباء البطارکہ صفحہ ۳۲۸ ۔

۲ ۔ کندی : صفحات ۱۸۰ - ۱۸۲ ۔ سیدہ اسماعیل کاشف صفحات ۱۷۵ - ۱۷۶ ۔

ھی پہلے کی طرح پھر بغاوتیں شروع ھوگئیں ، ایک طرف قبطیوں نے بغاوت کردی اور دوسری طرف مصر کے عربوں کے ایک گروہ نے بغاوت کردی جو اسین کا مددگار تھا ۔ ان بغاوتوں کی سرکوبی کے لئے ساموں نے اپنے جرنل افشین کو مقرر کیا لیکن جب وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ھوسکا تو ماموں خود مصر پہنچا اور وھاں پوری طرح امن قائم کردیا ۔

۲۱۸ھ میں معتصم تخت خلافت پر متمکن ھوا ۔ اس نے اپنی حکومت کا اقتدار عربوں سے لے کر ترکوں کو سونپ دیا اور دیوان عطاء سے عربوں کے نام خارج کردئے ۔ ان حالات میں عرب بڑی تعداد میں مصر پہنچ گئے اور ریف میں منتشر ھوگئے اور زراعت وغیرہ کے پیشوں میں لگ گئے ۔ اس دور میں عرب گورنروں کو معزول کیا گیا اور ان کی جگہ ترک گورنر مقرر کئے گئے ۔ معتصم کے عہد کے بعد بھی عبسہ بن اسحاق (۲۳۸ھ - ۲۴۲ھ) کو چھوڑ کر مصر پر کوئی عرب گورنر مقرر نہیں کیا گیا تھا ۔

ماموں کے زمانے میں خلق قرآن کا جو ھنگامہ اٹھا تھا ، مصر اور خلافت بغداد کے تعلقات پر اس کا گہرا اثر پڑا تھا ۔ ماموں نے ان قاضیوں اور فقیہوں اور محدثین کو سخت سزائیں دی تھیں جو خلق قرآن کے نظرئیے کے قائل نہیں تھے ۔ ماموں کی وفات (۲۱۸ھ) سے کوئی چار ماہ قبل تک ماموں کی یہ سختیاں برابر جاری رھیں عمر کے آخری دنوں میں وہ بیزنطینیوں کا استیصال کرنے میں مصروف تھا غالباً اسی لئے دوسری طرف اسے توجہ کا موقع نہیں ملا تھا ۔ ماموں کے بعد اس کا بھائی معتصم ۲۱۸ھ - ۲۲۷ھ

خلیفہ ہوا۔ اس نے ہراس شخص کو سخت سزائیں دیں جو خلق قرآن کا قائل نہیں تھا معتصم نے اپنے مصر کے گورنر کیدر بن نصر بن عبداللہ (۲۱۷ھ - ۲۱۹ھ) کو ایک خط لکھا ، جس میں اسے حکم دیا کہ لوگوں کو خلق قرآن کا نظریہ ماننے پر مجبور کیا جائے اور قاضئی مصر ، ہارون بن عبداللہ زہری کا امتحان لیا جائے کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہیں یا نہیں ؟ اسی طرح مصر کے تمام فقہاء، محدثین اور گواہوں کا امتحان لیا جائے کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہیں یا نہیں اگر قاضی ہارون خلق قرآن کے قائل نہ ہوں یا اس کا اقرار نہ کریں تو انہیں معزول کر دیا جائے اور کسی فقیہ کو فتویٰ دینے ، کسی محدث کو حدیث بیان کرنے اور کسی گواہ کو گواہی دینے کی اس وقت تک اجازت نہ دی جائے ، جب تک وہ خلق قرآن کے نظریہ کا قائل نہ ہو۔

لیکن مصر میں اس نظرئے کی مخالفت اتنی شدید نہیں کی گئی تھی جتنی دوسرے اسلامی صوبوں میں کی گئی تھی چنانچہ قاضی ہارون نے خلق قرآن کا نظریہ تسلیم کرلیا اور جو لوگ اس نظریہ میں خلیفہ کے ہمنوا نہیں تھے وہ بلاد مصر چھوڑ کر چلے گئے[1] -

جب واثق (۲۲۷ھ - ۲۳۲ھ) تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے قاضی مصر محمد بن ابی اللیث کو لکھا کہ وہ خلق قرآن کے نظریہ کے بارے میں لوگوں کا امتحان لیں اور جو لوگ اس نظریہ کو تسلیم نہ کریں ان کے خلاف کار روائی کی جائے ، واثق نے خلق قرآن کا نظریہ بنوانے کے لئے لوگوں پر پڑا

---

۱ - الکندی : کتاب الولاۃ صفحات ۴۴۵ - ۴۴۷ ابوالمحاسن : النجوم الزاہرہ جلد ۲ صفحات ۲۱۸ - ۲۱۹ - سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحات ۲۷۸ - ۲۷۹ -

جبر و تشدد کیا ، ان لوگوں کی بہت بڑی تعداد جیل خانہ میں ڈال دی ، جنھوں نے خلق قرآن کے نظرئے سے انکار کیا تھا ، واثق نے حکم دے دیا تھا کہ مسجدوں میں یہ لکھ کر لٹکایا جائے ''لاالہ الااللہ رب القرآن المخلوق'' واثق نے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے پیرووں کو مسجدوں میں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کی ممانعت کردی تھی - اس کا حکم تھا کہ یہ لوگ مسجدوں کے قریب بھی نہ جانے پائیں ، یہ وہ زمانہ تھا جب مصر میں دوسرے مذاہب کے پیرو موجود نہ تھے - واثق کے بعد متوکل تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا ، اس نے خلق قرآن کے نظریہ کی تبلیغ کا سلسلہ ختم کر دیا تھا ، سچ پوچھئے تو اس نظریہ نے مسلمانوں کے اجتماعی شیرازے کو منتشر کردیا تھا[1] -

۲ - بلاد مغرب (شمالی افریقہ) سے :

افریقہ (موجودہ بلاد ٹیونس) میں شہر قیروان کی بنیاد (۵۱ھ ۶۷۰ء) میں عقبہ بن نافع نے رکھی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کے لئے ایک مضبوط مرکز قائم کیا جائے اور اسے جنگی کارروائیوں کا مستقر بنایا جائے - عقبہ کے دور میں بربر باشندوں کے اسلام لانے کی رفتار بہت سست رہی اس کے بعد دوسری صدی ہجری میں ان بلاد کے جو عرب گورنر مقرر کئے گئے تھے ، انہوں نے بربر باشندوں کو اپنی فوجوں میں داخل کیا ، اس کی وجہ سے وہ ان سے مانوس ہوگئے اور

۱ - المقریزی : کتاب الخطط جلد ۱ صفحہ ۳۱۲ - سیدہ اسماعیل کاشف مصر فی فجر الاسلام صفحات ۱۸۰ - ۱۸۱ -

مسلمان ہونا شروع ہوگئے ۔

افریقہ میں اسلامی فوجوں کے دستے بربر باشندوں سے تشکیل کئے گئے تھے ، ان فوجوں کے سپہ سالار عرب جرنل بھی تھے اور بربر جرنل بھی ۔ بربر جرنلوں میں طارق ابن زیاد کا نام امتیازی حیثیت رکھتا ہے ، ان فوجوں نے بلاد مغرب فتح کئے تھے اور نصف صدی سے بھی کم عرصے میں تمام بلاد اندلس کو تسخیر کر لیا تھا ۔

لیکن عربوں اور بربر باشندوں کے درمیان دوستانہ تعلقات زیادہ عرصے تک قائم نہ رہے تھے ۔ وجہ یہ تھی کہ بربر باشندوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ عربوں نے ان کی خدمات کا پورا صلہ نہیں دیا اور ان کے مسلمان ہونے کے باوجود عربوں کا برتاؤ ان کے ساتھ مساویانہ نہیں ہے ان کا خیال یہ تھا کہ عربوں کا سلوک ان کے ساتھ ایسا ہے جیسا آقاؤں کا برتاؤ اپنے غلاموں سے ہوتا ہے ۔ اس شعور کا رد عمل یہ ہوا کہ بربر باشندوں نے خوارج کا مذہب اختیار کرنا شروع کردیا کیونکہ خوارج ، جمہوریت کے علمبردار تھے جو اس وقت بربر باشندوں کے دکھے ہوئے جذبات کا مداوا تھی ۔ عربوں کے خلاف ان بربر باشندوں نے شورشیں برپا کرنا شروع کردیں ، ۱۲۰ھ کے حوادث پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان بلاد میں اموی خلیفہ کا اثر و اقتدار قریب ختم ہو گیا تھا[۱] ۔

---

۱ ۔ امویوں سے بربر باشندوں کی ناراضگی ھشام بن عبدالملک کے زمانہ سے شروع ہوئی ، بڑی وجہ یہ ہوئی تھی کہ بربر باشندوں کا ایک

باقی صفحہ ۳۱۰ پر

امویوں کے دور میں بربر باشندوں کی شورشوں کا جائزہ لینے کے بعد اس میں کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ عباسیوں کے دور خلافت میں بلاد افریقہ فتنوں اور شورشوں کی جولانگاہ بن گئے تھے - دراصل اس کے اسباب و عوامل یہ تھے کہ بلاد افریقہ بغداد کی مرکزی حکومت سے بہت دور تھے ، بربر باشندے جاھل اور غیر متمدن تھے اور ان میں اسلامی تہذیب و تمدن کو قبول کرنے کی صلاحیتیں موجود نہ تھیں - شورشوں کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے عرب گورنروں سے بے پناہ عداوت تھی کیونکہ انہوں نے ان پر بہت بھاری ٹیکس لگا دئے تھے -

بغداد کی مرکزی حکومت سے بلاد مغرب کی دوری کا ادارسہ نے فائدہ اٹھایا اور ۱۷۲ھ میں مغرب اقصیٰ میں اپنی سلطنت قائم کرلی، اسی طرح مرکزی حکومت کے بہت دور ھونے سے اغالبہ کو موقع ملا اور انہوں نے ٹیونس میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی - ھارون رشید نے ۱۸۴ھ میں ابراھیم بن اغلب کو ٹیونس جاگیر کے

بقیہ حاشیہ ۳۰۹

ڈیپوٹیشن ھشام عبدالملک سے بلاد افریقہ کے اموی گورنروں کے جبر و استبداد کی شکائتیں کرنے کے لئے دمشق گیا تھا - اس ڈیپوٹیشن کو باوجود انتہائی کوشش کے ھشام بن عبدالملک سے ملاقات کی اجازت نہیں ملی تھی - یہ ڈیپوٹیشن بہت برھم ھو کر واپس آیا تھا اور اس کے بعد اس نے امویوں کے خلاف سخت شورشیں برپا کی تھیں - تفصیل کے لئے دیکھئے طبری (مطبوعہ ذی غویہ ۱ ، ۲۸۱۵) السیادۃالعربیہ و الشیعہ و الاسرائیلیات فی عہد بنی امیہ ، ڈاکٹر حسن ابراھیم حسن صفحات ۱۳۹ - ۱۳۰ -

1- Dozy : Histire of Musalmans d' Espagne tome I. P. 34 suiv.

طور پر دیا تھا ، لیکن بربر باشندوں کی جہالت اور اسلامی تہذیب و تمدن قبول کرنے کی عدم صلاحیت کی وجہ سے ، بربر باشندوں اور ان عربوں کے تعلقات مستحکم اور استوار نہ ہو سکے ، جو فتوحات اسلامیہ کے زمانے میں بلاد افریقہ میں آباد ہو گئے تھے ۔ ان واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد بلاد مغرب میں خوارج اور شیعہ مذہب کے پھیلنے کے محرکات و عوامل سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی اور ان شورشوں کے اسباب و محرکات آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں ، جو وقتاً فوقتاً یہاں کے باشندے عباسیوں کے خلاف برپا کرتے رہتے تھے ۔

عرب گورنروں سے بربر باشندوں کے بغض و عداوت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بہت بھاری ٹیکس عائد کر دئے تھے ۔ سچ پوچھئے تو عباسیوں کے خلاف، بربر باشندوں کی بغاوت، اسلام سے بغاوت نہیں تھی بلکہ حکومت عباسیہ سے بغاوت تھی، اس کا سبب عباسی گورنروں کا بربر باشندوں پر جبر و استبداد اور ان پر بڑے بڑے ٹیکس عائد کر دینا تھا [۱] ۔

محمد بن اشعث گورنر [۲] افریقہ نے ابوجعفر منصور کے خلاف بغاوت کی تھی ، اس کی سرکوبی کے لئے منصور نے ان بلاد کے گورنر اغلب [۳] بن اسلم کو مقرر کیا جو دولت اغلبیہ کے بانی ابراهیم کا باپ تھا ، اغلب بن اسلم ۱۴۸ھ میں قیروان پہنچا ۔

---

۱ ۔ الفاطمیون فی مصر : ڈاکٹر حسن ابراهیم حسن صفحات ۵۰ ۔ ۵۳ ۔
۲ ۔ ابن اثیر : جلد ۵ صفحات ۲۳۶ ۔ ۲۳۷ ۔
۳ ۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ اغلب بن اسلم بن مقال بن خفاجه شیعه تھا اور ابو مسلم خراسانی کے مددگاروں میں تھا ۔ ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد محمد بن اشعث کے ساتھ افریقہ چلا گیا تھا ۔

اغلب کی آمد کی خبر سنتے ھی بربر باشندوں نے شورش برپا کر دی ، اس شورس کی قیادت عرب جرنیل کر رہے تھے - ۱۵۰ھ میں ان شورش پسندوں نے قیروان کے پھاٹک کے قریب اغلب کو قتل کر دیا - اغلب کی قبر اسی جگہ پر واقع ھے ، جہاں وہ قتل کیا گیا تھا - اور ''شہید کی قبر'' کے نام سے مشہور ھے - سر ولیم میور[۳] کا بیان ھے '' منصور کے عہد خلافت کے بڑے حصہ میں افریقہ میں، عباسیوں کے خلاف شدید شورشیں جاری رھیں اور ان بلاد کے ھاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ لگا رھا ، افریقہ کے بربر اور نو آباد عربوں نے خوارج کے معتقدات اختیار کر لئے تھے اور وہ عباسیوں کے خلاف برسر پیکار رھتے تھے - عباسیوں نے ان کے استیصال کے لئے یکے بعد دیگرے فوجیں بھیجیں لیکن ان شورشوں کا خاتمہ نہ ھو سکا اور افریقہ کا دارالحکومت قیروان پر کبھی باغیوں کا قبضہ ھو جاتا اور کبھی عباسی فوجیں اس پر تسلط قائم کر لیتیں - منصور کی خلافت کے آخری زمانے تک قریب یہی صورت حالات قائم رھی [۱] ''-

اغلب بن اسلم کے قتل کے بعد منصور نے ابوجعفر عمر بن حفص کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا، جو مہلب کے بھائی قبیصہ بن ابی صفرہ کا بیٹا تھا - ابو جعفر عمر قیروان پہنچا ، جس پر اغلب کی فوج نے اغلب کی شہادت کے بعد صفر ۱۵۱ھ میں اپنا تسلط قائم کر لیا تھا - ابو جعفر عمر نے افریقہ میں امن و امان قائم کر دیا جو تقریباً تین سال تک برابر قائم رھا - اس کے بعد وہ مدینہ طبنہ کی تعمیر کے لئے ''زاب'' چلا گیا - ابوجعفر کی عدم موجودگی میں

---

1. Muir : the caliphate p. 461.

اباضیه، صفریه اور دوسرے فرقوں کے بربر باشندوں نے بغاوت کر دی اور مدینۂ قیروان پر چڑھائی کر دی - اس وقت سارے افریقہ میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی - قیروان کے بعد ان باغیوں نے طبنہ کی طرف پیش قدمی کی اور بارہ ڈویژنوں سے اس کا محاصرہ کر لیا ان میں سے بیس ہزار کی ایک فوج ابوقرہ صفری کی قیادت میں تھی، پندرہ ہزار کی ایک فوج عبدالرحمان بن رستم کی کمان میں تھی، ایک کثیر فوج ابو حاتم کی سرکردگی میں تھی، چھ ہزار فوج عاصم سدرانی اباضی کی قیادت میں تھی، مسعود زناتی اباضی کی قیادت میں دس ہزار سوار تھے - اس طرح دوسرے جرنلوں کے ماتحت فوج کی مختلف تعداد تھی[1] - اس موقع پر عمر بن حفص نے حکمت عملی سے کام لیا اور بہت سا مال و دولت دے کر محاصرین میں سے چند ممتاز خوارج کو توڑ لیا - ان کے ساتھ ساز باز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان باغیوں نے طبنہ کا محاصرہ چھوڑ دیا اور وہاں سے چلے گئے اور قیروان کا محاصرہ کر لیا - جب قیروان کے باشندوں کی زندگی اجیرن بن گئی تو عمر بن حفص برداشت نہ کر سکا اور قیروان روانہ ہو گیا اور کسی تدبیر سے اس میں داخل ہو گیا -

منصور کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے یزید بن حاتم بن قبیصہ بن ابی صفرہ کی قیادت میں ساٹھ ہزار سواروں کی ایک فوج افریقہ روانہ کی - یزید بن حاتم ۱۵۴ھ میں افریقہ پہنچا، ابو حاتم خارجی کو جب اس کی آمد کی خبر ملی تو وہ تیزی سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا لیکن اسے

---

۱ - ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۱ -

شکست اٹھانی پڑی اور وہ اپنی بربر فوج سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا - یہ ربیع الاول ۱۵۵ھ کا واقعہ ہے - آل مہلب خارجیوں کو قتل کرتے تھے اور یہ کہتے تھے ''یہ عمر بن حفص کی طرف سے قصاص ہے'' یزید بن حاتم ایک مہینے تک اس علاقے میں ٹھہرا رہا اور خارجیوں کا چن چن کر خاتمہ کرتا رہا ایک مہینے کے بعد وہ قیروان روانہ ہو گیا[1] -

سر ولیم میور[2] کا بیان ہے ، ''ابو جعفر منصور جب اپنے حریفوں کا خاتمہ کر چکا تو اس کی منتشر قوت مجتمع ہو گئی اور اس کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ بلاد مغرب کی طرف ایک جرار لشکر روانہ کر سکے جو وہاں کی شورشوں کا استیصال کر دے - بلاد مغرب میں ایک مدت سے بغاوتوں کی آگ مشتعل تھی اور خلفائے عباسیہ اس کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئے تھے - خوارج ، عباسی فوجوں سے ایک زمانے تک نبرد آزما رہے تھے اور وہ اپنے آخری فرد کے خاتمہ تک ، عمر بن حفص کی فوج سے مقابلہ کرتے رہے تھے'' کہا جاتا ہے کہ ان خوارج نے تین سو پچھتر بار مقابلہ کیا تھا[3] - عباسیوں نے اپنی مسلسل جد و جہد ، بڑی بڑی قربانیوں اور بے شمار دولت صرف کرنے کے بعد ان خوارج کا خاتمہ کیا تھا'' -

۱۷۸ھ اور ۱۸۱ھ کے درمیان افریقہ میں بربر قبائل عباسیوں کی حکومت کے خلاف بغاوتیں کرتے رہے اور ان کی فوجوں سے برابر جنگ کرتے رہے - ان جنگوں میں کبھی عباسیوں کا پلہ

---

۱ - ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۲ -

2. Muir ; the caliphate p. 161.

۳ - ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۲ -

اور کبھی ان بربر قبائل کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا۔

ہارون رشید نے ان قبائل کی سرکوبی کے لئے ہرثمہ بن اعین کو مامور کیا جو ربیع الاول ۱۷۹ھ میں ایک کثیر فوج لے کر افریقہ پہنچا اور اس نے بربر قبائل کا زور توڑ دیا، لیکن ہرثمہ بن اعین نے اپنی دور بینی اور تجربات کی بنا پر سمجھ لیا کہ بربر قبائل پر عباسیوں کا مستقل اقتدار ممکن نہیں ہے، کیونکہ عباسیوں اور عربوں کے خلاف ان بربر قبائل کے رگ و ریشے میں نفرت و عداوت سرایت کر چکی ہے، اس خیال سے اس نے فوجی قیادت سے استعفیٰ دیدیا اور افریقہ سے عراق واپس آگیا، جہاں اس کا اثر و نفوذ تھا اور اسے سکون و اطمینان میسر تھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے[1]، ”ہرثمہ نے افریقہ کی صورت حالات پر غور کرنے کے بعد ہارون رشید سے درخواست کی تھی کہ وہ فوجی قیادت سے اس کا استعفیٰ منظور کر لے۔ ہارون رشید نے اسکی درخواست منظور کر لی تھی اور اسے عراق واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ ہرثمہ رمضان ۱۸۱ھ میں افریقہ سے واپس آگیا تھا اس کی گورنری کی مدت ڈھائی سال تھی۔

ہرثمہ کے بعد ہارون رشید نے اپنے رضاعی بھائی محمد بن مقاتل بن حکیم عکی کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا۔ محمد بن مقاتل کی پالیسی سے افریقہ کے حالات اور خراب ہو گئے اور بربر اور نو آباد عربوں نے نئے سرے سے بغاوتیں شروع کر دیں۔ باغیوں کا زور

۱۔ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۵۰۔

اتنا بڑھ گیا کہ شورش پسند دارالحکومت قیروان میں داخل ہو گئے - ان شورشوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ابراھیم بن اغلب ، جو اس وقت زاب کے علاقوں کا حاکم تھا ، ایک زبردست فوج لے کر پہونچا اور ان شورش پسندوں کو قیروان سے نکال باھر کیا اور افریقہ کا گورنر محمد بن مقاتل جب باغیوں کے اندیشے سے مطمئن ھو گیا ، اس وقت وہ زاب واپس لوٹ گیا [۱] -

اسویوں اور عباسیوں دونوں سے بلاد افریقہ کے بربر اور ان کے مدد گار عرب باشندوں کو شدید عداوت تھی - اس کا رد عمل یہ ھوا کہ ان باشندوں نے خوارج کا مذھب اختیار کر لیا اور افریقہ شورشوں کا گہوارہ بن گیا - اس سیاسی ماحول میں بعض سرغنہ لیڈروں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کرنے کے لئے جد و جہد شروع کر دی - چنانچہ عرب سرداروں نے مختلف خود مختار صوبوں کی اساس رکھی جو بغداد کی مرکزی حکومت سے قریب آزاد اور خود مختار تھے - ان خود مختار صوبوں میں ایک ناھرت کا صوبہ تھا ، جس کی اساس عبدالرحمان بن رستم نے خوارج کے اباضیہ فرقے کی مدد سے رکھی تھی (۱۶۷ھ — ۲۹۷ھ) ایک سجلماسہ کی حکومت تھی، جس کی بنیاد بنو مدرار (۱۶۷ھ — ۲۵۷ھ) نے رکھی تھی - ایک تلسان کی حکومت تھی، جسے ابو قرہ صنہاجی نے قائم کیا تھا ایک خود مختار صوبہ برغوانہ تھا جو بحر کیسپین کے ساحل پر واقع تھا ایک اغالبہ کی حکومت(۱۸۴ھ—۲۹۶ھ) تھی جس کی اساس ابرا ھیم بن اغلب نے ٹیونس میں رکھی تھی کی ایک ادارسہ حکومت (۱۷۲ھ — ۳۱۳ھ) تھی جس کی بنیاد ادریس بن عبداللہ بن حسن نے مغرب اقصی میں رکھی تھی -

---

۱ - ابن اثیر : جلد ۶ صفحہ ۵۵ -

دولت اغالبہ[1]

(ٹیونس وغیرہ میں)

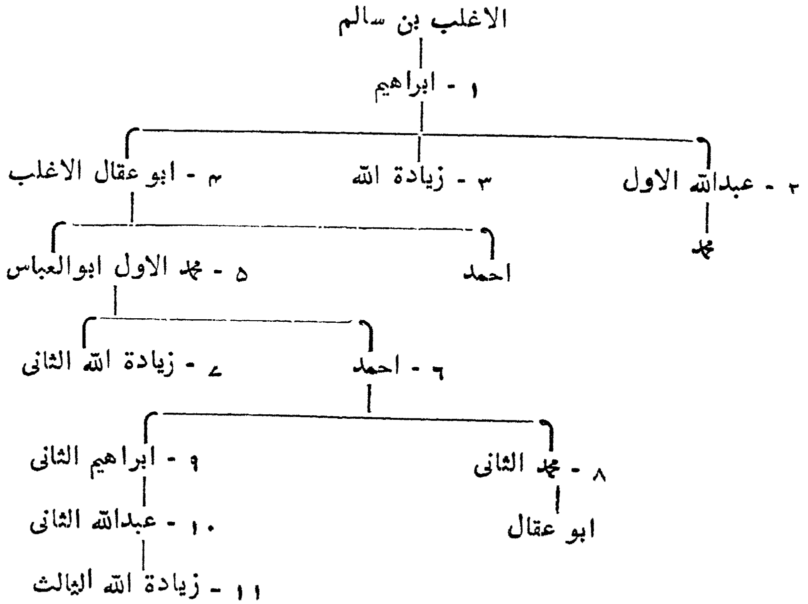
(۱۸۴ھ - ۲۹۶ھ = ۸۰۰ء - ۹۰۹ء)

	حکمرانوں کے نام			عہد حکومت ہجری	عیسوی
۱	ابراهیم الاول	...	...	۱۸۴	۸۰۰
۲	عبداللہ الاول	...	...	۱۹۶	۸۱۱
۳	زیادۃاللہ الاول	...	...	۲۰۱	۸۱۶
۴	ابو عقال الاغلب	...	...	۲۲۳	۸۳۷
۵	محمد الاول ابو العباس	...	...	۲۲۶	۸۴۰
۶	احمد ...	...	...	۲۴۲	۸۵۶
۷	زیادۃ اللہ الثانی	...	...	۲۴۹	۸۶۳
۸	محمد الثانی ...	...	...	۲۵۰	۸۶۴
۹	ابراهیم الثانی	...	...	۲۶۱	۸۷۴
۱۰	عبداللہ الثانی	...	...	۲۸۹	۹۰۲
۱۱	زیادۃ اللہ الثالث	...	...	۲۹۰	۹۰۳
	...	...	...	۲۹۶	۹۰۹

خلفائے فاطمیہ

1. Slanley Lane - Poole : Muhammadan Dynasties p. p. 37 - 33.

اغالبه کا شجرۂ نسب



ابراهیم بن اغلب (۱۸۴ھ - ۱۹۶ھ) :

ٹیونس میں اغالبہ کی حکومت کا قیام دراصل ہارون الرشید کی اس پالیسی کا نتیجہ تھا جو اس نے افریقہ کے بربر اور دوسرے شورہ پشتوں کی سرکوبی اور عباسی قلمرو کے سرحدی علاقوں پر ادارسہ کی غارت گریوں کی روک تھام کے لئے اختیار کی تھی - ابراہیم بن اغلب نے ، جو اس وقت زاب کے علاقوں کا حاکم تھا ، ہارون الرشید سے درخواست کی تھی کہ اسے بلاد افریقہ کا گورنر مقرر کردیا جائے ، وہ نہ صرف ایک لاکھ دینار سالانہ کی وہ رقم چھوڑ دے گا جو مصر کی آمدنی سے افریقہ میں قیام امن کے لئے دی جاتی ہے - بلکہ بغداد کے بیت المال کو چالیس ہزار دینار سالانہ اور بھیجا کرے گا - ہرثمہ بن اعین نے ہارون الرشید کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ابراہیم بن اغلب کی درخواست منظور کرے کیونکہ وہ ابراہیم کی عقل و بصیرت اور اس کی غیر معمولی صلاحیتوں[1] سے واقف تھا - ہارون الرشید نے یہ مشورہ قبول کیا - اور ابراہیم اغلب کو بلاد افریقہ کا گورنر مقرر کردیا - یہ محرم ۱۸۴ھ کا واقعہ ہے -

ابراہیم بن اغلب بہت بڑا بہادر اور بے حد سمجھدار انسان تھا اس کے استاد لیث بن سعد نے اس کی بے پناہ ذہانت دیکھ کر فرمایا تھا ، یہ نوجوان ایک روز بہت بڑا آدمی بنے گا[2] - لیث ،

---

۱ - ابن اثیر : جلد ٦ صفحہ ٥٦ -

۲ - البیان المغرب فی اخبار المغرب : (مطبوعہ لنڈن ۱۸۴۸ء) جلد ۱ صفحہ ۸۴ -

فقه و حدیث میں اہل مصر کے امام تھے، امام شافعیؒ کا قول تھا کہ لیث کو امام مالک سے زیادہ فقہ میں تبحر حاصل ہے[1] ۔

ابراهیم بن اغلب کے بارے میں لیث کی پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی، ابراهیم بن اغلب افریقہ کا گورنر مقرر کیا گیا اور اس نے اس منصب کو سنبھالنے کے بعد بہت تھوڑے عرصہ میں امن و امان اور نظم و ضبط قائم کردیا ۔ ۱۸۵ھ میں ابراهیم بن اغلب نے قیروان[2] سے تین میل کے فاصلہ پر ایک شہر تعمیر کیا جس میں اپنے اہل و عیال غلام اور معتمد ارکان منتقل کردئے[3] ، اس شہر کا نام عباسیہ رکھا ، یہ نام رکھنے سے مقصد خلیفہ عباسی سے اپنی وفاداری اور عقیدت کا اظہار تھا ۔

لیکن بلاد مغرب میں پھر شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں چنانچہ ۱۸۶ھ میں حدیس نے ٹیونس میں ابراهیم بن اغلب کے خلاف بغاوت کردی ۔ حمدیس ٹیونس کے عربوں سے نسلی تعلق رکھتا تھا ابراهیم بن اغلب نے حمدیس کی سرکوبی کے لئے عمران بن مخلد کو ایک زبردست فوج دے کر مامور کیا جس نے حمدیس اور اس کی فوج کو شکست دی اور اس کے دس هزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ٹیونس میں داخل ہوگیا[4] ۔

---

۱ ۔ ابن خلکان : کتاب وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۴۳۸ ۔
۲ ۔ ابن عذاری : (جلد ۱ صفحہ ۸۴) نے اس شہر کا نام القصر القدیم اور ابن الاثیر (جلد ۶ صفحہ ۵) نے اس کا نام عباسیہ بیان کیا ہے ۔
۳ ۔ ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۴ ۔
۴ ۔ ابن الاثیر : جلد ۶ صفحہ ۵۶ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حمدیس وہی ہے جسے ابن عذاری (البیان المغرب جلد ۱ صفحہ ۸۴) نے کندی کے نام تعبیر کیا ہے ۔

۱۸۹ھ میں طرابلس میں بغاوت شروع ہوگئی جو اس وقت افریقہ کے گورنر کے ماتحت تھا ۔ بغاوت کے اسباب و محرکات میں ، عباسی گورنروں سے مقامی باشندوں کی دیرینہ عداوت اور طرابلس کے گورنر سفیان بن مضاء کو نکال باھر کرنے کا عزم، امتیازی درجہ رکھتے تھے ۔ سفیان بن مضاء ان بلاد کا چوتھی بار گورنر مقرر کیا گیا تھا ۔ طرابلس کے باشندوں نے اس گورنر کے قصر پر حملہ کردیا اور اسے اس کے محل سے نکلتے اور ایک مسجد میں پناہ لینے پر مجبور کردیا ۔ اس مسجد میں اس کے بہت سے ساتھیوں کو قتل کیا گیا ۔ اس نازک صورت حالات میں سفیان کو قیروان کو واپس جانا پڑا ۔ طرابلس میں سفیان کی گورنری کی مدد تقریباً ۲۷ روز تھی ۔ سفیان کے قیروان جانے کے بعد ان باغییوں نے ابراھیم بن سفیان تمیمی کو اپنا حاکم بنا لیا ۔ لیکن وہ ان میں مرکزیت قائم نہ رکھ سکا ۔ وجہ یہ تھی کہ خالص عربوں اور مخلوط النسل عربوں کے درمیان اختلافات پیدا ھوگئے تھے اس کی وجہ سے ان کا شیرازہ منتشر ھوگیا تھا ۔ ابراھیم بن اغلب نے ان شورش پسندوں کے استیصال کے لئے ایک زبردست فوج روانہ کی جس نے ان باغیوں کو شکست دی اور ان کے سرغنہ لیڈروں کو گرفتار کرکے ابراھیم کے سامنے پیش کیا ۔ ابراھیم نے ان کا قصور معاف کردیا [1]

مگر طرابلس میں فتنوں اور شورشوں نے پھر بھی دم نہ لیا اور نئے سرے سے وھاں بغاوتیں شروع ھوگئیں، ابن اثیر[2] کا بیان ہے کہ اس

---

۱ ۔ ابن الاثیر : جلد ٦ صفحہ ٦٩ ۔
۲ ۔ ابن الاثیر : جلد ٦ صفحات ۹۷ - ۹۸ ۔

واقعہ کے بعد طرابلس میں ابن عصام نے بغاوت کردی اس کے ساتھ شورہ پشتوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی ، مگر ابرهیم اغلب نے اس شورش کو کچل دیا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو طرابلس کا گورنر مقرر کیا ۔ شروع میں عبداللہ کو بربر باشندوں نے بہت تنگ کیا اور اسے طرابلس سے نکلنے پر مجبور کردیا ۔ لیکن رفتہ رفتہ اس نے ان بربروں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور شہر طرابلس میں دوبارہ داخل ہو گیا ۔ اس مقصد کے لئے اس نے ان پر بے دریغ دولت صرف کی تھی اور بہت بڑی مقدار میں عطیات دئے تھے ۔ لیکن عبداللہ کے شہر طرابلس میں داخل ہو جانے کے باوجود اس کے باپ ابراھیم بن اغلب کا خیال تھا کہ شورش پسند اسے طرابلس میں جمنے نہ دینگے ۔ اس خیال سے اس نے سفیان بن مضاء کو پانچویں بار طرابلس کا گورنر مقرر کیا ۔ سفیان کے طرابلس میں قدم رکھتے ھی قبیلہ ھوارہ نے اس کے خلاف شدید ھنگامہ برپا کردیا ، یہ قبیلہ شہر طرابلس میں داخل ھو گیا اور اس کی فصیلیں منہدم کردیں ۔ یہ حالات سن کر ابراھیم بن اغلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں تیرہ ھزار سوار فوج طرابلس روانہ کی۔عبداللہ نے ان بربر باشندوں کو بڑی طرح شکست دی ، ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا اور شہر طرابلس میں داخل ھوگیا اور اس کی فصیلیں دوبارہ تعمیر کرا دیں مگر عبدالوھاب بن عبدالرحمان بن رستم نے منتشر بربر باشندوں کو مجتمع کیا اور اغالبہ کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا ، عبداللہ اس کی سرکوبی کا ارادہ کر رھا تھا کہ اس کے باپ ابراھیم کا انتقال ھوگیا اور وہ اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اس صورت حالات میں وہ عبدالوھاب سے مصالحت کرنے پر مجبور ھوا

اور ان شرائط پر ان دونوں میں صلح ہوگئی کہ شہر طرابلس اور سمندر پر عبداللہ کا اقتدار ہوگا ۔ اس کے سوا پورے علاقے پر عبدالوہاب کا قبضہ ہوگا ۔

ابراہیم بن اغلب کو طرابلس کے باشندوں کی ریشہ دوانیوں اور شورشوں کا ہمیشہ سامنا رہا لیکن اس نے سختی سے ان کا قلع قمع کیا ۔ اسی طرح ابراہیم نے بلاد مغرب کے ادارسہ کے خطرہ کا استیصال کیا تاکہ ان کی غارت گریوں سے ملک مامون رہے ۔ ابراہیم کو پتہ چلا تھا کہ ادریس بن ادریس نے ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی ہے ۔ یہ سن کر ابراہیم نے اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے ارکان نے اسے مشورہ دیا تھا ، ''جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑے اس وقت تک تم بھی نہ اسے چھیڑو'' ۔ ادریس کو جب ابراہیم کے اس ارادے کی خبر ملی تو اس نے اسے ایک خط لکھا جس میں بڑے عجز و انکسار سے کام لیا تھا اور ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ وہ باہمی عداوت پیدا کرنے والے ارادے ترک کردے ، اس کی وجہ سے خود اس کے مددگاروں میں افتراق پیدا ہو جائیگا اس خط میں ادریس نے یہ بھی لکھا تھا ''آپ جانتے ہوں گے کہ میں آنحضرتؐ سے قرابت رکھتا ہوں'' اس خط کے بعد ابراہیم نے اپنا ارادہ ترک کردیا تھا ۔

پروفیسر حسن حسنی عبدالوہاب پاشا نے لکھا ہے[1] ۔ ابراہیم بن اغلب نے شارلیمان کے سفیروں کا اپنے دارالحکومت ''عباسیہ''

---

۱ ۔ کتاب خلاصۂ تاریخ ٹیونس (مطبوعہ ٹیونس ۱۳۴۴ھ) صفحہ ۱۶۹ ۔

میں استقبال کیا تھا ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابراہیم کی قدر و منزلت اس‌قدر بڑھ گئی تھی اور اس کی حکومت کا شہرہ اتنی دور دور پھیل گیا تھا کہ شارلیمان نے خلیفہ عباسی کو چھوڑ کر اس کی طرف دوستی کا ھاتھ بڑھایا تھا ۔

ابراہیم بن اغلب فقیہ [۱] تھا ، ادیب تھا ، شاعر تھا اور مقرر تھا ، اس کی شخصیت اصابت رائے قوت و اثر اور پختہ کاری کی حامل تھی ۔ فنون جنگ میں ماھر تھا ، بہت بہادر تھا ، زبان و بیان پر بڑی قدرت تھی ۔ افریقہ کا کوئی گورنر ابراہیم سے زیادہ نیک سیرت ، سیاست دان ، رعایا پر مہربان اور اپنے عہد و پیمان کا پابند نہیں گزرا ہے ، انہیں خوبیوں کی وجہ سے قبائل بربر نے اس کے سامنے سر اطاعت خم کیا تھا ۔ افریقہ میں اس کے زمانہ میں خوش حالی عام تھی اور وھاں کے سیاسی حالات قریب قریب اعتدال پر آگئے تھے ۔

عبداللہ الاول (۱۹۶ھ — ۲۰۱ھ)

ابراہیم بن اغلب نے اپنے بیٹے محمدؐ عبداللہ ابو العباس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ جب ۱۹۶ھ میں ابراہیم کا انتقال ہوا اس وقت عبداللہ طرابلس میں ابن رستم کی شورش کے استیصال میں مصروف تھا ۔ اس لئے ابراہیم کی وفات کے بعد عبداللہ کے بھائی زیادۃ اللہ نے عارضی طور پر حکومت کے معاملات سنبھال لئے اور پہلے خود عبداللہ کی بیعت کی پھر اپنے خاندان کے افراد ، غلاموں اور عام لوگوں سے اس کے لئے بیعت لی اور اس

---

۱ ۔ ابن عذاری : البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۳ ۔

واقعے کی اطلاع عبداللہ کو دیدی[1] ۔ عبداللہ ۱۹۷ھ میں افریقہ واپس آسکا ۔ اس کے پہنچتے ھی زیادۃ اللہ نے حکومت کے معاملات اسے سونپ دئے ۔ ۱۹۸ھ میں جب خلیفہ امین قتل کیا گیا اور مامون تخت خلافت پر متمکن ھوا ، اس وقت مامون نے افریقہ پر عبداللہ بن ابراھیم کی گورنری کی توثیق کر دی[2] ۔

عبداللہ بد سیرت انسان تھا ۔ اس کی وجہ سے اس کے اھل خاندان اور اھل افریقہ دونوں اس سے بگڑ گئے ۔ ابن عذاری کا بیان ھے کہ جب عبداللہ طرابلس سے واپس لوٹا اس وقت اس کے بھائی زیادۃ اللہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور حکومت کے معاملات اسے سونپ دئے ۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے بڑا نا مناسب رویہ اختیار کیا ، اپنے خاندان کے افراد اور حکومت کے ارکان کو اکسا دیا کہ وہ اس کے خلاف خوب پروپیگنڈا کریں ۔ زیادۃ اللہ اس کے ساتھ بڑی تعظیم اور ادب سے پیش آتا تھا واقع اور اس پروپیگنڈے کی وجہ سے اس کے رویہ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ھوئی تھی اور نہ اس کی زبان سے اس کے خلاف نفرت کا کوئی لفظ نکلا تھا ۔ عبداللہ نے ٹیکسوں کے معاملہ میں بڑی سختی کا مظاھرہ کیا ۔ کہا جاتا ھے کہ اس نے ھر ایکڑ پر اٹھارہ دینار سالانہ ٹیکس عائد کر دیا تھا اور اھل افریقہ کے ساتھ بڑے جبر و تشدد کا رویہ اختیار کیا تھا ۔ علماء اور صلحاء نے اسے بہت سمجھایا لیکن اس نے ان کی نصیحتوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا ۔ بیان کیا گیا ھے، ”ایک بار حفص بن حمید صالح

---

۱ ۔ ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۶ ۔

۲ ۔ ابن عذاری ; البیان المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۶ ۔

افریقه آئے ان کے ساتھ صالح اور نیک لوگوں کا ایک گروہ تھا۔ یہ سب عبداللہ کے پاس گئے اور اسے دینی معاملات اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے بارے میں وعظ و نصیحت کی۔ عبداللہ نے ان کے ساتھ اهانت آمیز برتاؤ کیا، یہ لوگ مغموم ہو کر اس کے پاس سے نکلے اور قیروان روانه ہو گئے۔ اس وقت عبداللہ قصر قدیم یعنی مدینۂ عباسیه میں تھا۔ جب وادی العقارین کے مقام پر پہنچے تو حفص بن حمید نے اپنے ساتھیوں سے کہا که ہم مخلوق (عبداللہ) سے مایوس ہوئے لیکن خالق (خدا) سے مایوس نہیں ہیں۔ خدا سے الحاح و زاری سے دعا کرو که وہ اس عبداللہ کے ظلم و جور کا خاتمه کرے۔ ان سب نے وضو کیا اور "کدیه روح" کے مقام پر حفص بن حمید کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی پھر سب نے دعا مانگی که خدا ابوالعباس عبداللہ کے ظلم و جور سے مسلمانوں کو نجات دے اور اس کی سلطنت کا خاتمه کرے، کہا جاتا ہے که اس واقعه کے بعد عبداللہ کے کان کے نیچے ایک پھوڑا نکل آیا اور چھٹے روز یه پھوڑا اس کی جان لے کر ٹلا، یه ان لوگوں کی بد دعاؤں کا اثر تھا۔ جس شخص نے اسے غسل دیا اس کا بیان ہے که جب اس کے کپڑے اتارے گئے تو اس کا چہرہ حبشی غلام کی طرح سیاہ تھا حالانکه وہ بہت خوبصورت انسان تھا۔ دراصل یه اس کی بداعمالیوں کا نتیجه تھا[۱]"۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے که یه قصه خیالی اور من گھڑت ہے اور اس میں بڑے مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ بات یه تھی

---

۱ - ابن عذاری : البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد ۱ صفحه ۸۷ -
ابن الاثیر : جلد ۶ صفحه ۱۲۱ -

که عبداللہ کے برتاؤ کی وجه سے اس کے خاندان کے افراد اس سے بہت نالاں تھے - وہ اس کے خلاف طرح طرح کی داستانیں اختراع کرتے تھے - مؤرخین نے اس کی سیرت اور زندگی کے واقعات انہیں داستانوں سے اخذ کر لئے ھیں -

زیادة اللہ الاول (۲۰۱ھ — ۲۲۳ھ) :

اغالبه میں زیادة اللہ کا عہد حکومت سب سے طویل تھا ، اس کا بھی اپنے بھائی عبداللہ کی طرح جبر و استبداد کی طرف میلان تھا - اس کا دور بحیرہ روم کے جزیرۂ سردینیه اور جزیرۂ صقلیه کی فتح کی وجه سے امتیازی درجه رکھتا ھے - اس کے دور کی چند شورشوں کو بھی تاریخی اھمیت حاصل ھے -

زیادة اللہ کی حکومت کے ابتدائی چھ سال سکون و اطمینان اور امن و امان سے گزرے ، ۲۰۷ھ میں زیاد بن سہل نے جو ابن صقلیه کے نام سے مشہور تھا، اس کے خلاف بغاوت کردی لیکن اسے اور اس کے مددگاروں کو شکست اٹھانا پڑی - اس سے اگلے سال منصور بن نصیر طنبذی نے ٹیونس میں بغاوت کر دی، زیادة اللہ نے اس کی سرکوبی کے لئے محمد بن حمزہ کی قیادت میں ایک زبردست فوج بھیجی لیکن اس فوج کو منصور نے شکست دی اور اسماعیل بن سالم بن سفیان بن عقال اور اس کے بیٹے محمد بن اسماعیل کو قتل کر دیا - یه دونوں زیادة اللہ کے رشته دار تھے، جب زیادة اللہ کو یه اطلاع ملی تو اس نے اپنے وزیر اغلب بن عبداللہ بن اغلب کی قیادت میں ایک لشکر جرار منصور کی سرکوبی کے لئے روانه کیا اور اغلب بن عبداللہ اور فوج کو یه تہدید کی که اگر

منصور تمہارے ہاتھوں سے بچکر نکل گیا تو سب کو قتل کر دیا جائے گا ، لیکن زیادۃاللہ کی یہ تہدید اس لشکر کو شکست سے نہ بچا سکی - اس شکست کے بعد یہ لشکر اپنے انجام سے ڈرا اور عباسیہ واپس جانے کی بجائے منصور سے مل گیا اور زیادۃاللہ کے خلاف بغاوت کر دی اور بہت سے شہروں، مثلاً باجہ، صطفورہ اور اربس پر تسلط قائم کر لیا ، اس طرح افریقہ کے حالات نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی اور زیادۃاللہ کے اقتدار کے خاتمہ کا اندیشہ پیدا ہو گیا - زیادۃاللہ نے اهل افریقہ کو اپنے جبر و تشدد اور اپنی بد طینتی کی وجہ سے برانگیختہ کر دیا تھا اور وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگے تھے اس وقت منصور کا خطرہ بڑا شدید ہو گیا تھا، باغی اس کی قیادت میں قیروان پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا ، لیکن زیادۃاللہ نے مسلسل جنگوں کے بعد منصور کو شکست دی - اور وہ بھاگ کھڑا ہوا - یہ وسط جمادیالآخری ۲۰۸ھ کا واقعہ ہے- اس کامیابی کے بعد زیادۃاللہ نے اهل قیروان کو عبرت ناک سزائیں دینے کا ارادہ کیا ، لیکن ارباب رائے اور علماء نے اسے اس ارادہ سے روکا اس لئے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا - مگر مدینہ قیروان کی شہر پناہ منہدم کرادی - اس کے بعد شہر سبیبہ میں، منصور نے اپنی سرگرمیاں شروع کردیں ان سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے زیادۃ اللہ نے اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن اغلب کو وهاں بھیجا، لیکن منصور کے مقابلے میں اسے شکست ہوئی، اس کامیابی سے منصور کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اس نے شورش پسندوں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ قیروان کا محاصرہ کر لیا ، اس محاصرہ کی وجہ سے زیادۃ اللہ بہت پریشان ہوگیا

کیونکہ اس کی حکومت کی بنیادیں پہلے ہی متزلزل تھیں اور مختلف علاقے اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے - یہاں تک کہ ۲۰۹ھ میں قابس ساحلی علاقہ ، نفزاوہ اور طرابلس کو چھوڑ کر ، افریقہ کے سب علاقے اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے[1] اس زمانہ میں منصور طنبذی کو اتنا اقتدار حاصل ہوگیا تھا کہ اس نے سکہ اپنے نام کا جاری کردیا تھا اور یہ شورش ، جو اغالبہ کی حکومت کے لئے موت و زندگی کی کشمکش بن گئی تھی ۲۱۱ھ سے پہلے ختم نہ ہوئی - اس خاتمہ کی وجہ یہ ہوئی کہ منصور اور اس کے دست راست جنرل عامر بن نافع کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے - اس وقت عامر کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا اور وسیع علاقوں پر اس کا تسلط تھا - منصور اس کی دھشت سے مشرق کی طرف روانہ ہوگیا ، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی عامر بن نافع نے اسے گرفتار کرکے نظر بند کر دیا، اور چند روز بعد قتل کر دیا اور منصور کے مقبوضہ علاقوں پر قبضہ کر لیا - مگر منصور کے قتل کے بعد منصور کے مدد گاروں کی باھمی کشمکش ختم ہونے کی بجائے اور شدت اختیار کر گئی، ۲۱۳ھ میں عامر بن نافع مر گیا اور زیادۃ اللہ کو ان باغیوں کی طرف سے اطمینان قلب حاصل ہوا - زیادۃ اللہ کو جب عامر کی موت کی خبر ملی تو اس نے اپنے انبساط کا اظہار ان الفاظ میں کیا " آج جنگ نے ھتھیار ڈال دئے[2] "-

جزیرۂ صقلیہ کی فتح

۲۱۲ھ میں زیادۃ اللہ کے ہاتھ سے جزیرۂ صقلیہ فتح ہوا یہ

---

۱ - ابن اثیر : جلد ۶ صفحہ ۱۲۳
۲ - ابن عذاری : البیان المغرب فی الاخبار المغرب جلد ۱ صفحات ۹۴ - ۹۵-

خلیفہ مامون کے عہد خلافت کا واقعہ ہے۔ جزیرۂ صقلیہ پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ امیر معاویہ کے زمانے میں کیا تھا اس دور میں افریقہ کے اموی گورنر معاویہ بن خدیج کے حکم سے عبداللہ بن قیس فزاری نے جزیرۂ صقلیہ پر حملہ کیا تھا لیکن اس وقت مسلمانوں کے قدم اس جزیرۂ میں جم نہ سکے تھے[1]۔ نویری کا بیان[2] ہے کہ محمد ادریس انصاری نے یزید بن عبدالملک کے دور حکومت میں جزیرہ صقلیہ کو فتح کرلیا تھا اور بہت بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد ھشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں بشر بن صفوان کلبی نے ۱۰۹ھ میں جزیرۂ صقلیہ پر حملہ کیا تھا۔ اسی طرح ۱۲۲ھ میں حبیب بن ابو عبیدہ نے اس پر حملہ کیا تھا اور سرقوسہ پر قبضہ کر لیا تھا جو جزیرۂ صقلیہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ حبیب بن ابو عبیدہ بہت سا مال غنیمت لیکر واپس لوٹا تھا۔ اس کے بعد عبدالرحمان بن حبیب نے ۱۳۰ھ میں جزیرۂصقلیہ پر حملہ کیا تھا، لیکن ان حملوں سے مسلمانوں کے قدم وھاں جم نہ سکے تھے۔ مسلمانوں کے قدم اس جزیرہ میں اغالبہ کے زمانے میں جمے ھیں۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ افریقہ کے گورنر زیادۃ اللہ بن اغلب کے دور میں صقلیہ فتح ھوا اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ شہنشاہ قسطنطنیہ میخائیل ثانی نے صقلیہ کا گورنر قسطنطین بطریق کو مقرر کیا تھا۔ اس نے یوفیموس Euphemius کو ایک بیڑا

۱ - بلاذری : فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴ -
۲ - المکتبۃ الصقلیہ جلد ۱ صفحہ ۴۲۶ -

دے کر بھیجا تھا ، جس نے افریقہ کے ساحل پر لوٹ مار کی تھی یوفیموس نے دوسری غارت گریوں کے ساتھ وہاں کے گرجا کی ایک راہبہ کو بھی اغوا کیا تھا شہنشاہ قسطنطنیہ کو جب اس راہبہ کے واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ اس پر بہت ناراض ہوا ۔ یوفیموس شہنشاہ قسطنطنیہ کے خوف سے قوسہ بھاگ گیا تھا، جو صقلیہ کے شرقی ساحل پر واقع تھا ، اور صقلیہ کے گورنر کے خلاف بغاوت کردی تھی ۔ لیکن یوفیموس نے محسوس کیا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کی فوجوں اور بیڑوں کا تنہا وہ مقابلہ نہیں کرسکتا ہے اس لئے اس نے افریقہ کے گورنر زیادۃاللہ بن ابراھیم بن اغلب سے مدد کی التجاء کی تھی اور صقلیہ کی فتح کا یقین دلایا تھا زیادۃ اللہ نے اس کی مدد کے لئے ایک زبردست فوج اور ایک جنگی بیڑا بھیج دیا جو سو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا ۔ یہ فوج اور بیڑا اسد بن فرات قاضی قیروان کی قیادت میں روانہ کیا گیا تھا[1] ۔

لیکن جب زیادۃ اللہ کی فوج صقلیہ کے قریب پہنچی تو ایک طرف مسلمانوں اور یوفیموس کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور دوسری طرف مسلمانوں اور رومی گورنر صقلیہ کی فوجوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی ۔ ان معرکوں کا خاتمہ روم کی شکست کی صورت میں ہوا، لیکن ان جنگوں میں مسلمانوں کو بھی بہت نقصانات اٹھانا پڑے ان میں ایک بڑا نقصان اسد بن فرات کی وفات تھی ، جب وہ شہر سرقوسہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ۔ اس وقت انہوں نے داعئی اجل کو لبیک کہا ۔ یہ ۲۱۳ھ کا واقعہ ہے ۔ ان کی وفات کے بعد مسلمانوں نے محمد بن ابی الجواری کو اپنا سپہ سالار بنا لیا

---

۱ المکتبة الصقلیه جلد ۲ صفحات ۴۲۷ - ۴۲۹ (بحوالۂ نہایة النویری)

محمد بن الجواری کی قیادت میں مسلمانوں نے بہت سے قلعوں پر تسلط قائم کر لیا ان میں میناو اور جریجند کے قلعے قابل ذکر ھیں ۔ یوفیموس قصریانہ کے شہر تک مسلمانوں کے ساتھ رہا ، وھاں پہنچکر اس نے مسلمانوں سے سرکشی اختیار کی ۔ مسلمانوں کو اس کی غداری پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے اسے قتل کردیا ۔ لیکن مسلمان اپنے محدود جہازوں کی وجہ سے صقلیہ کے اندر داخل نہ ھوسکے ۔ خوش قسمتی سے اس وقت اندلس کے کچھ جہاز وھاں پہنچ گئے جو بلاد روم جارہے تھے یہ جہاز فرغلوش کی کمان میں تھے۔ مسلمانوں نے اس سے مدد کی درخواست کی ۔ فرغلوش نے اسے منظور کر لیا اور ان جہازوں کی مدد سے وہ شہر میناو پر قابض ھوگئے مگر چند روز بعد اسے چھوڑنے پر مجبور ھوگئے کیونکہ وھاں وبا پھوٹ پڑی تھی جس سے اندلسی کپتان فرغلوش اور بہت سے مسلمان لقمہ اجل ھوگئے، اپنے کپتان کی موت کے بعد اندلسی بیڑا اپنے بلاد کی طرف واپس لوٹ گیا یہ ۲۱۵ھ کا ذکر ہے[1]

مسلمانوں نے ایک زمانے تک شہر بلرم کا محاصرہ کیا ، یہ محاصرہ جمادی الاخریٰ ۲۱۵ھ میں شروع ھوا اور ۲۱۶ھ میں اس کی تسخیر پر ختم ھوا[2] ۲۱۹ھ میں مسلمانوں نے قصریانہ کی طرف پیش قدمی کی لیکن وہ اس پر قبضہ نہ کر سکے مسلمان اس پر بار بار حملے کرتے تھے ، جب اس کی تسخیر مشکل نظر آتی تو اسے چھوڑ کر دوسرے شہروں مثلاً طبرمین اور فسطلیاسہ اور جبل‌نار

---

۱ ۔ ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۲ صفحات ۹۶ ۔ ۹۷ ۔
۲ ۔ ابن‌الاثیر : جلد ٦ صفحہ ۱۲۴ ۔

وغیرہ کے ارد گرد کے قلعوں پر حملہ کر دیتے تھے، اس کے بعد پھر نئے سرے سے قصریانہ پر چڑھائی کر دیتے ۔ مسلمان ان سہموں میں مصروف تھے کہ زیادۃاللہ کا انتقال ہوگیا ۔ یہ ۲۲۳ھ کا ذکر ہے[1] ۔ مسلمان اس وقت پورے جزیرۂ صقلیہ پر تسلط قائم نہ کر سکے تھے، باوجودیکہ افریقہ سے انہیں بہت کچھ کمک پہنچ رہی تھی ۔ جزیرۂ صقلیہ میں سرقوسہ آخری اہم قلعہ تھا جس پر ابراہیم ثانی اغلبی کے دور حکومت میں مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا یہ ۲۶۴ھ کا واقعہ ہے ۔

محمد الاول (۲۲۶ھ — ۲۴۲ھ) :

۲۲۳ھ میں زیادۃ اللہ الاول کے انتقال کے بعد اس کا بھائی ابوعقال اس کا جانشین ہوا ابراہیم بن اغلب کا یہ تیسرا بیٹا تھا جو اپنے دو بھائیوں کے بعد اغالبہ کی حکومت کا وارث ہوا تھا ۔ ابوعقال سیرت اور کردار میں اپنے دونوں بھائیوں سے بلند تھا ۔ اس نے اپنے بلاد کے بڑے بڑے حکام اور خاندان کے ممتاز افراد کو بڑے بڑے وظیفے اور بے شمار عطیات دئے اور رعایا کو ان کی دستبرد سے محفوظ رکھا ۔ ابوعقال نے قیروان میں نبیذ کی بندش کر دی تھی اور اس کا پینا اور بیچنا دونوں ممنوع قرار دیا تھا ۔ اس کے عہد میں بربر قبائل لواتہ، مکناسہ، زواغہ نے بغاوت کی تھی ۔ لیکن اغالبہ کے جرنل عیسیٰ بن ریعان ازدی نے قفصہ اور قسطیلیہ کے درمیان ایک شدید جنگ کے بعد ان کا قلع قمع کر دیا تھا ۔ ابوعقال نے

---

۱ ۔ ابن الاثیر : جلد ٦ صفحہ ۱۲۷ ۔

ربیع آلاخر ۲۲۶ھ میں وفات پائی ۔ اس کی حکومت کی مدت ۲ سال نو ماہ اور چند روز تھی ، انتقال کے وقت ابو عقال کی عمر ۵۳ سال تھی[1] ۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا ابو العباس محمد الاول ہوا ۔

ابو العباس (۲۲۶ھ - ۲۴۲ھ) کا عہد حکومت بہت طویل تھا البتہ شورشوں سے معمور تھا ۔ ان میں سب سے بڑی شورش وہ تھی جو اس کے بھائی احمد نے اس سے حکومت چھیننے کے لئے برپا کی تھی ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احمد نے تمام غلاموں سے ساز باز کی اور انہیں ایک خاص جگہ جمع ہونے کی ھدایت کی ، یہ سب لوگ دوپہر تک اس جگہ جمع ہوگئے اس کے بعد دارالحکومت مدینۂ قصر قدیم کی طرف پیش قدمی کی اور شہر پناہ کے ایک پھاٹک کو پاسبان سے خالی دیکھ کر قصر قدیم میں گھس گئے اور پھاٹک کو اندر سے بند کر دیا ۔ اس کے بعد شہر کے تمام پھاٹکوں کو بند کر دیا پھر ابو علی ابن عبداللہ بن علی بن محمد (محمد کے وزیر) پر حملہ بول دیا اور احمد کے حکم سے اس کی گردن اڑادی گئی ۔ شہر کے اندر محمد بن اغلب کے مددگاروں اور اس کے بھائی احمد بن اغلب کے مددگاروں میں لڑائی شروع ہوگئی ۔ احمد کے مددگاروں نے محمد کے مددگاروں سے یہ کہنا شروع کیا ”آخر تم ہم سے کیوں جنگ کر رہے ہو ، ہم محمد بن اغلب کے تابعدار ہیں ، ہم تو علی بن حمید اور اس کی اولاد کے خلاف کھڑے ہوئے ہیں ، جنھوں نے تمہیں قلاش کر دیا اور تمہارے آقا کی ساری

---

۱ - ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۱ صفحات ۹۹ - ۱۰۰ -

دولت پر قبضہ کر لیا ۔ در حقیقت ہم محمد کے اطاعت مند ہیں ۔ محمد کے مددگاروں نے جب یہ سنا تو لڑائی بند کر دی ۔ محمد نے جب اس ناگہانی مصیبت کو دیکھا تو اس نے دربار عام کیا اور اپنے بھائی احمد اور اس کے مددگاروں کو باریابی کی اجازت دی ۔ احمد اور اس کے مددگار ہتھیار لگا کر دربار میں داخل ہوئے ۔ کچھ دیر دونوں بھائیوں کے درمیان بحث و مباحثہ ہوتا رہا پھر دونوں بھائیوں نے حلف اٹھایا کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ نہیں کرینگے اور دونوں میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ حکومت کے آئینی اختیارات کو چھوڑ کر باقی سارے معاملات احمد بن اغلب کے سپرد کر دئے جائیں ۔ اس صلح کے بعد احمد کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اس نے جسے چاہا گرفتار کر لیا جسے چاہا ختم کر دیا ، جسے چاہا سزائیں دیں ، اپنے آدمیوں کو بڑے بڑے عطئے دئے اور نصر بن حمزہ کو اپنا وزیر بنا لیا ۔ ۲۳۲ھ میں محمد بن اغلب نے احمد پر قابو پالیا اور اسے نظر بند کر دیا ۔ اس کے بعد اس کا کھویا ہوا اقتدار اسے واپس مل گیا ۔ اس سلسلے میں اس کے چچا زاد بھائیوں اور اس کے غلاموں نے اس کی بڑی مدد کی تھی ۔ محمد کے مددگاروں نے دربانوں کو کوئی نشہ آور چیز پلا دی تھی ۔ اس تدبیر سے محمد اور اس کے مددگار شہر قیروان میں داخل ہو گئے تھے ۔ محمد اپنے بھائی اور اس کے مددگاروں سے رات بھر لڑتا رہا تھا اور جن لوگوں کو اس کے بھائی نے قید کر دیا تھا انہیں آزاد کر دیا اور اہل قیروان کو اتنے صلے اور خلعت دئے کہ خزانہ میں جو کچھ مال و دولت اور کپڑے تھے وہ سب ختم ہو گئے ، اس کے بعد محمد بن اغلب نے اپنے بھائی احمد بن اغلب

کو عراق کی طرف جلا وطن کر دیا - جہاں کچھ عرصہ بعد اس کا انتقال ہو گیا [1] -

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن ابی عقال بن اغلب نے اپنے بھائی محمد کی حکومت پر قبضہ کر لیا تھا جو اپنے باپ کا جانشین ہوا تھا - حکومت پر قبضہ کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس کے وزیر ابن حمید سے ناخوش تھا اور اس کے اقتدار کی وجہ سے اس سے جلتا تھا بلکہ در حقیقت اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے حکومت کی ہوس تھی وہ سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا - اگر محمد اس پر قابو نہ پا لیتا تو یہ حکومت مستقل طور پر اس کے بھائی احمد کی طرف منتقل ہو جاتی جو ایک سال سے زیادہ اس پر قابض رہا تھا (۲۳۱ھ — ۲۳۲ھ) -

احمد کی بغاوت کے استیصال کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اگلے سال زاب کے حاکم سالم ابن غلبون نے محمد الاول کے خلاف بغاوت کر دی - محمد نے اسے اس کے عہدے سے معزول کر دیا تھا جس کی وجہ سے اسے محمد سے دشمنی پیدا ہو گئی تھی اور وہ خاموشی سے اس کے خلاف فوج تیار کرتا رہا تھا - جب اس نے قوت مجتمع کر لی تو قیروان کی طرف پیش قدمی کر دی اور اس کے مددگاروں اور محمد الاول کی فوج کے درمیان جنگ شروع ہو گئی - اس جنگ میں سالم بن غلبون مارا گیا - ۲۳۴ھ میں عمر بن سلیم تجیبی نے محمد الاول کے خلاف بغاوت کر دی اور بڑی سرعت سے اس کا خطرہ بہت بڑھ گیا - محمد الاول مسلسل

---

۱ - ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۱ صفحات ۱۰۱ - ۱۰۲ -

جد و جہد کے بعد ۲۳۶ھ میں اس کی بغاوت کا استیصال کر سکا ۔ ۲۳۶ھ میں نجیبی مارا گیا اور محمد الاول شہر ٹیونس میں داخل ہو گیا اور نجیبی کے مددگاروں کو نکال باہر کیا [1] ۔

محمد الاول جب ان بغاوتوں کے استیصال سے فارغ ہوا تو اسے جزیرہ صقلیہ پر پوری طرح تسلط قائم کرنے کے لئے یکسوئی سے جد و جہد کرنے کا موقع ملا ۔ اس نے اس جنگ کے لئے بڑے انتظامات کئے اور اس جنگ کو روم کے خلاف جہاد قرار دیا ۔ اس نے عباس بن فضل فزاری کو اس فتح کو مکمل کرنے کے لئے مامور کیا ۔ عباس نے ۲۳۷ھ اور ۲۳۸ھ کے درمیان قصریانہ [1] اور قطانیہ اور سرقوسہ فتح کر لئے ۔ ان شہروں پر مسلمانوں نے پہلے تسلط قائم کر لیا تھا ۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد رومیوں کے دباؤ کی وجہ سے انہیں خالی کرنا پڑا تھا ۔ دراصل اس جزیرہ میں مسلمانوں کی جنگ استمراری تھی [2] ۔

۲۴۲ھ میں ابو العباس محمد بن اغلب نے وفات پائی اس نے پندرہ سال آٹھ مہینے اور بارہ دن حکومت کی ۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا ابوابراہیم احمد (۲۴۲ھ — ۲۴۹ھ) ہوا ۔

غرض افریقہ میں اغالبہ کی سلطنت کی اساس ابراہیم بن اغلب نے رکھی تھی اس نے شہر قیروان کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا ۔ یہ سلطنت شروع میں برائے نام خود مختار تھی ۔ لیکن زمانے کے

---

۱ - ابن الاثیر : جلد ۷ صفحات ۱۵ - ۱۶ -
۲ - النویری : کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب - المکتبہ الصقلیۃ جلد ۱ صفحات ۴۳۱ - ۴۳۳ -

ساتھ ساتھ قریب قریب خود مختار ہوگئی تھی اور خلیفہ عباسی کا محض نام خطبے میں لیا جاتا تھا اور اس کے نام کا سکہ جاری تھا ۔ یہ سلطنت ایک زمانے تک قائم رہی ۲۹۶ھ میں فاطمیوں نے اس پر قبضہ کر لیا [1] ۔

1. Muir ; The Caliphate p. 478 - 479.

دولت ادارسہ [1]

(مراکش میں) :

(۱۷۲ھ - ۳۷۵ھ = ۷۸۸ء - ۹۸۵ء)

امرائے ادارسہ

	امراء کے نام	عہد حکومت ہجری	عہد حکومت عیسوی
۱	ادریس	۱۷۲	۷۸۸
۲	ادریس الثانی	۱۷۷	۷۹۳
۳	محمد بن ادریس الثانی	۲۲۱	۸۳۶
۴	علی بن محمد	۲۱۳	۸۲۸
۵	یحییٰ الاول بن محمد	۲۳۴	۸۴۹
٦	یحییٰ الثانی بن محمد		
۷	علی الثانی بن عمر بن ادریس الثانی ...		
۸	یحییٰ الثالث بن القاسم بن ادریس الثانی		
۹	یحییٰ الرابع بن ادریس بن عمر ...	۲۹۲	۹۰۴
۱۰	الحسن بن محمد بن القاسم بن ادریس ...	۳۱۰	۹۲۲

(بربر مکناسہ)

1. Stanley Lane—Poole : Muhammdan Dynesties p. 35.

ادریس بن عبداللہ (۱۷۲ھ — ۱۷۷ھ) :

علویوں کی تاریخ میں ”واقعہ فخ“ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ جنگ علویوں اور عباسیوں کے درمیان خلیفہ ہادی کے دور میں ۱۶۹ھ میں واقع ہوئی تھی اور اس کے دوررس اثرات پڑے تھے۔ اس جنگ سے دو شخص زندہ بچکر بھاگ گئے تھے جو مستقبل میں عباسیوں کے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی بن گئے تھے۔ ان میں سے ایک یحیٰی بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی تھے جنہوں نے ہارون رشید کے دور میں بلاد دیلم میں شورش برپا کی تھی۔ دوسرا ان کا بھائی ادریس بن عبداللہ تھا جس نے مغرب اقصیٰ کے باشندوں کو عباسیوں کے خلاف مشتعل کیا تھا اور وہاں بہت قوت حاصل کر لی تھی۔ سلاوی[1] کا بیان ہے ادریس، جو ”فخ“ کی جنگ، کے بعد فرار ہوگئے تھے، مصر پہنچے اس وقت مصر میں ڈاک کے محکمہ کا افسر صالح بن منصور کا آزاد کردہ غلام ”واضح“ تھا، جو مسکین کے نام سے مشہور تھا۔ واضح آل علیؓ سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اسے ادریس کی آمد کا علم ہوا تو وہ ان سے ملنے کے لئے اس جگہ گیا جہاں وہ چھپے ہوئے تھے۔ حالات کا اندازہ کرنے کے بعد اس نے ادریس کے حق میں خیر خواہی اس میں دیکھی کہ انہیں ڈاک کے گھوڑے کے ذریعہ بلاد مغرب پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا

۱۔ استقصاء الاخبار دول المغرب الاقصیٰ جلد ۱ صفحہ ۶۷۔

اور ادریس اور ان کا غلام راشد ڈاک گھوڑے کے ذریعے مغرب اقصیٰ روانہ ہو گئے - ۱۷۲ھ میں وہ مدینہ ولیلی[1] پہنچے اس وقت اسحاق بن محمد بن عبدالحمید برانس بربر کے قبیلے ”اوربہ“ کا امیر تھا اس نے ادریس کو پناہ دی اور ان کا بہت اعزاز و احترام کیا اسحاق نے بربر کو ان کی دعوت کے قیام کے لئے جمع کیا اور عباسیوں کے خلاف بغاوت کرنے پر انہیں برانگیختہ کیا - واضح کی اس کارروائی کی خبر جب ہارون رشید کو پہنچی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور عبرت کے لئے سولی پر لٹکا دیا -

اسحاق بن محمدؐ بن عبدالحمید نے پہلے اپنے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور ان سے ادریس کے نسب اور رسول اللہؐ سے ان کی قرابت کا ذکر کیا اور ان کے تقدس اور علم و فضل کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا - یہ خاندان بہت متاثر ہوا اور اس نے ادریس کی بیعت کر لی - یہ ۴ رمضان ۱۷۲ھ یوم جمعہ کا ذکر ہے اس کے بعد قبیلہ ”اوربہ“ نے بھی ان سے بیعت کر لی - یہ قبیلہ مغرب اقصیٰ میں سب سے بڑا اور با اثر قبیلہ تھا اور عباسیوں سے بے پناہ عداوت رکھتا تھا - پھر زناتہ، زواغہ، سکناسہ وغیرہ بربر قبائل کے وفد آئے اور انہوں نے ادریس کی بیعت کر لی - ان واقعات کی وجہ سے ادریس کو بڑی قوت حاصل ہو گئی اور ان کی عقیدت اور اثر و اقتدار کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا - اس حلقے میں وہ علاقے بھی

---

۱ - یہ شہر جبل زرعون کا صدر مقام تھا جو ایک مستحکم شہر تھا جہاں پانی، درختوں، خصوصاً زیتون کے درختوں کی کثرت تھی اور بڑی اونچی شہر پناہ تھی- الاستقصاء فی اخبار دول المغرب الاقصیٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸ -

شامل تھے جہاں قبائل زناتہ سکونت پذیر تھے جن کی آبادی مغربی قیروان سے لے کر بحر اٹلانٹک تک پھیلی ہوئی تھی ۔ اس علاقے میں مغرب الاوسط اور مغرب اقصیٰ بھی شامل تھے [1] ۔

ہارون رشید کو ادریس کی طرف سے بڑا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کیونکہ مغرب اقصیٰ کے باشندے ادریس سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے ۔ ہارون کو یہ بھی پتہ چلا تھا کہ ادریس نے افریقہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے اس اندیشے سے اس نے ادریس سے نجات حاصل کرنے کے لئے عملی اقدامات شروع کر دئے اور ایک جرار لشکر اس کے استیصال کے لئے روانہ کرنے کا ارادہ کیا ۔ لیکن اس کے بعد اپنا یہ ارادہ بدل دیا کیونکہ بلاد مغرب بہت دور تھے اور راستہ بہت کٹھن تھا ، یحییٰ برمکی نے ہارون رشید کو یہ مشورہ دیا کہ ادریس کے پاس ایک ایسے شخص کو روانہ کیا جائے جو جوڑ توڑ اور مکر و فریب میں ید طولیٰ رکھتا ہو یہ شخص ان کا تقرب حاصل کرنے کے بعد دھوکہ سے انہیں قتل کر دے ۔ ہارون رشید نے اس مشورے کو سراہا اور اس مقصد کے لئے سلیمان بن جریر کو روانہ کیا جو شماخ کے نام سے مشہور تھا ۔ یہ مہدی کا آزاد کردہ غلام تھا ۔ ہارون رشید نے اسے افریقہ کے عباسی گورنر کے نام ایک خط دیا جسے پڑھ کر وہاں کے گورنر نے شماخ کو مغرب اقصیٰ میں داخل ہونے اور افریقہ کی حدود میں آزادی سے نقل و حرکت کی اجازت دے دی ۔ شماخ، ادریس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آپ کو طبیب ظاہر کیا اور اہل بیت کا شیدائی بتایا ۔ ادریس نے اسے اپنے خاص لوگوں میں شامل کر لیا

---

۱ - الاستقصاء جلد ۱ صفحات ۶۸ - ۶۹ -

اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور اسے اپنا مقرب بنا لیا ۔ تقرب حاصل کرنے کے بعد شماخ ، ادریس کا خاتمہ کرنے کا موقع تلاش کرنے لگا ، کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک عطر کی شیشی ادریس کو پیش کی جس میں زہر ملا ہوا تھا یہ بھی بیان کیا گیا ہے اس نے منجن میں زہر کی آمیزش کر دی تھی، ادریس کو دانتوں اور مسوڑھوں کی تکلیف کی شکائیت تھی یہ منجن دانتوں کی تکلیف دور کرنے کے لئے پیش کیا تھا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شماخ نے انگوروں میں زہر کی آمیزش کر دی تھی اور انہیں ادریس کی خدمت میں پیش کیا تھا ۔ ان انگوروں کو ادریس نے کھا لیا تھا اور داعئی اجل کو لبیک کہا تھا ۔ شماخ ، ادریس کو زہر دینے کے بعد وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور ابراهیم بن اغلب کے پاس پہنچا اور اسے پورا واقعہ سنایا ، شماخ کے افریقہ پہنچنے کے بعد ادریس کی موت کی خبر پھیل گئی ۔ ابراهیم بن اغلب نے اس کی اطلاع هارون رشید کو دی ۔ هارون رشید نے اس صلے میں شماخ کو مصر کی ڈاک اور اطلاعات کا افسر مقرر کر دیا ۔

ادریس ثانی (۱۷۷ھ—۲۱۳ھ)

ادریس کی ایک باندی تھی ۔ جس کا نام کنزہ تھا ۔ یہ باندی ادریس کی موت کے وقت حاملہ تھی ۔ ادریس کے مدد گاروں نے اس کے وضع حمل کا انتظار کیا ۔ دو ماہ بعد اس باندی سے ایک لڑکا پیدا ہوا ، جس کا نام ادریس رکھا گیا ۔ ادریس کے مددگاروں نے اس کی بیعت کرلی ، دراصل دولت ادارسه کا حقیقی بانی یہی ادریس تھا ۔

جب ادریس ثانی کی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو بربر قبائل نے مدینہ ولیلی میں اس کی بیعت کر لی - یہ شروع ربیع الاول ۱۸۸ھ کا ذکر ہے - ادریس ثانی نے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا، اس خطبہ کے بعد جب وہ منبر سے اترا تو لوگوں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اس کی بیعت کر لی - پھر تمام مغرب اقصیٰ کے قبائل نے اس کی بیعت کر لی ان قبائل میں زناتہ، اوربہ، صنہاجہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ۱۹۲ھ میں ادریس ثانی نے مدینۂ فاس کی تعمیر شروع کی - اگلے سال اس کی تعمیر مکمل ہو گئی اور ادریس ثانی نے اسے اپنا دارالسلطنت قرار دیا - ادریس ثانی کے خلاف خوارج کے فرقۂ صفریہ نے شورش برپا کی تھی، لیکن اس نے ان شورشوں کا استیصال کر دیا تھا [1] - اس نے اپنی قلمرو میں سکہ اپنے نام سے جاری کر دیا - ابن الاثیر[2] کا بیان ہے کہ ابراہیم بن اغلب نے ادریس ثانی سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے ارکان حکومت نے اسے منع کیا اور یہ کہا کہ جب تک وہ آپ کے خلاف جارحانہ اقدام نہ کرے اس وقت تک آپ بھی اسے نہ چھیڑئیے نے اس کے بعد ابراہیم نے اپنا ارادہ ترک کر دیا - ادریس ثانی ابراہیم اغلب کو ایک خط بھی لکھا تھا جس میں اس سے جارحانہ اقدام سے باز رہنے کی استدعا کی تھی اور آنحضرت ؐ سے اپنی قرابت کا واسطہ دیا تھا، یہ خط پڑھ کر ابراہیم بن اغلب نے جارحانہ اقدام کا خیال چھوڑ دیا تھا -

ادریس ثانی نے جمادی الآخر ۲۱۳ھ میں وفات پائی، اس وقت اس کی عمر ۳۶ برس تھی اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد بن ادریس

---

۱ - استقصاء : جلد ۱ صفحات ۷۲ - ۷۳ -

۲ - جلد ٦ صفحہ ٥٦ -

ھوا اس کے دور میں اس خاندان کے امراء میں آپس میں اختلافات پیدا ھو گئے اس خاندان کے ایک فرد عیسیٰ بن ادریس نے مدینہ آزمور میں اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اپنی امامت کا دعویٰ کیا ۔ محمد نے اپنے بھائی قاسم سے مدد مانگی جو اس وقت طنجہ کا حاکم تھا لیکن اس نے انکار کر دیا، اس کے بعد محمد نے اپنے دوسرے بھائی عمر کو اپنی مدد کے لئے لکھا، جو اس وقت تکساس کا حاکم تھا، اس نے اثبات میں جواب دیا اور بربر کا ایک زبردست لشکر لے کر عیسیٰ بن ادریس سے مقابلہ کے لئے نکلا اور اسے بری طرح شکست دی ۔ عیسیٰ بن ادریس کو شہر سے نکال باھر کیا اور اپنے بھائی محمد کی حکومت وھاں بحال کر دی، اس کے بعد محمد نے عمر کو قاسم کی سرکوبی کے لئے مامور کیا، طنجہ کے باھر عمر سے اس کا مقابلہ ھوا ۔ عمر نے اسے شکست دی اور ان شہروں پر تسلط قائم کر لیا جن پر قاسم قابض تھا اور جو سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ طنجہ تک پھیلے ھوئے تھے ۔ ربیع الثانی ۲۲۱ھ میں محمد نے وفات پائی اور اس کا بیٹا علی بن محمد (۲۲۱ھ ــ ۲۳۴ھ) اس کا جانشین ھوا ۔ اس وقت اس کی عمر نو سال تھی ۔ علی نے اپنا لقب حیدر رکھا جو حضرت علیؓ کا لقب تھا مؤرخین نے علی بن محمد کے دور حکومت کے بارے میں کچھ زیادہ لکھا نہیں ہے۔ علی بن محمد نے رجب ۲۳۴ھ میں وفات پائی، اس کا بھائی یحییٰ بن محمد اس کا جانشین ھوا جس کے بارے میں ابن خلدون نے لکھا ہے[۱] ”یحییٰ بن محمد بن ادریس نے حکومت سنبھال لینے کے بعد اپنی سلطنت کا دائرۂ عمل بہت وسیع کر لیا۔ اس کی سلطنت سہتم باالشان تھی، اس کے دور کے کارنامے تاریخی اھمیت رکھتے تھے ، فاس کو اس نے آباد و خوشحال بنا دیا ، تاجروں کے

---

۱ ۔ العبر و دیوان المبتداء والخبر جلد ۴ صفحہ ۱۵ ۔

لئے حمام اور سرائیں بنوائیں ، فاس کے باھر تفریحی مقامات بنوائے، اس زمانے میں فاس کی اھمیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ دور دراز ملکوں سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے آتے تھے -

(اموی خلفاء قرطبہ میں)[1]

(۱۳۸ھ - ۴۲۲ھ = ۷۵۶ء - ۱۰۳۱ء)

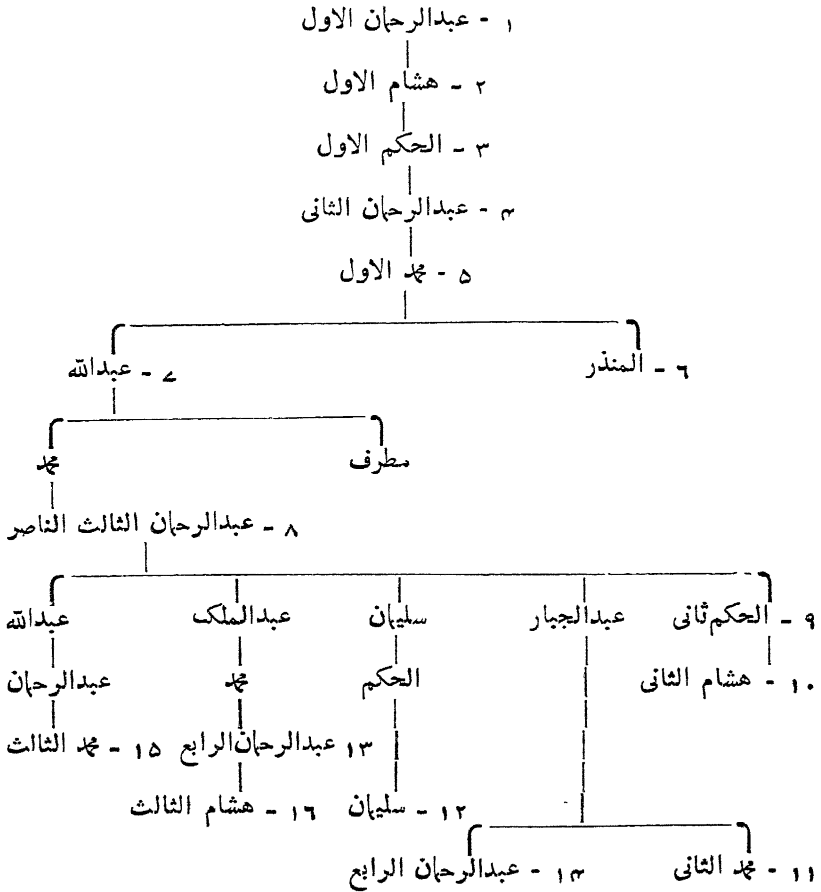
	خلفاء کے نام	عہد خلافت ہجری	عیسوی
۱	عبدالرحمان الاول	۱۳۸	۷۵۶
۲	ہشام الاول	۱۷۲	۷۸۸
۳	الحکم الاول	۱۸۰	۷۹۶
۴	عبدالرحمان الثانی	۲۰۶	۲۲۲
۵	محمد الاول	۲۳۸	۸۵۲
۶	المنذر	۲۷۳	۸۸۶
۷	عبداللہ	۲۷۵	۸۸۸
۸	عبدالرحمان الثالث (خلیفہ الناصر	۳۰۰	۹۱۲
۹	الحکم الثانی المستنصر	۳۵۰	۹۶۱
۱۰	ہشام الثانی المزید	۳۶۶	۹۷۶
۱۱	محمد الثانی المؤید	۳۹۹	۱۰۰۹
۱۲	سلیمان المستعین	۴۰۰	۱۰۰۹
۱۳	محمد الثانی (دوسری بار)	۴۰۰	۱۰۱۰
۱۴	ہشام الثانی (دوسری بار)	۴۰۰	۱۰۱۰
۱۵	سلیمان (دوسری بار)	۴۰۳	۱۰۱۳
۱۶	علی بن حمود	۴۰۷	۱۰۱۶

1. Stanlay Lane-Poole : Muhammadan Dynesties p. 21 - 22 - 23.

۱۷	عبدالرحمان الرابع المرتضیٰ	...	۴۰۸	۱۰۱۸
۱۸	القاسم بن حمود ...	...	۴۰۸	۱۰۱۸
۱۹	یحییٰ بن علی ...	...	۴۱۲	۱۰۲۱
۲۰	القاسم (دوسری بار) ـ	...	۴۱۳	۱۰۲۲
۲۱	عبدالرحمان الخامس المستظہر	...	۴۱۴	۱۰۲۳
۲۲	محمد الثالث المستکفی	...	۴۱۴	۱۰۲۴
۲۳	یحییٰ (دوسری بار) ...	...	۴۱۶	۱۰۲۵
۲۴	ہشام الثالث المعتد ...	...	۴۱۸	۱۰۲۷
			۴۲۲	۱۰۳۱

(چھوٹی چھوٹی حکومتیں)

قرطبہ کے اموی حکمرانوں کا شجرۂ نسب



۳ - اندلس اور بلاد فرنگ سے :

عبدالرحمان الداخل (۱۳۸ھ - ۱۷۲ھ) :

دمشق میں امویوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد بلاد اندلس میں عباسیوں کا اثر و نفوذ گھٹنا شروع ہوگیا تھا - ان بلاد میں مضریوں اور یمنیوں میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے - ۱۲۵ھ میں ابوالخطار ان بلاد کا گورنر مقرر کیا گیا ، صمیل بن حاتم نے اس کے خلاف بغاوت کر دی جو مضریوں کا ایک ممتاز شخص تھا ، اس نے ابوالخطار کو معزول کردیا اور اسے قید کر دیا اور مضریوں میں سے ایک شخص کو گورنر مقرر کردیا (۱۲۷ھ) یہ جدید گورنر دو سال کے بعد وفات پا گیا اسکی وفات کے بعد یمنیوں نے کوشش کی کہ ابوالخطار کو دوبارہ گورنر مقرر کردیا جائے لیکن صمیل نے شدید مخالفت کی ، اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ دونوں فریقوں میں نبرد آزمائی شروع ھوگئی اور بلاد اندلس کا شیرازہ منتشر ھوگیا اور چار مہینے تک وھاں انارکی قائم رھی اور بلاد اندلس کا کوئی حاکم نہ تھا - جب حالات بہت زیادہ خراب ھو گئے تو دونوں فریقوں نے اتفاق رائے سے یوسف بن عبدالرحمان بن حبیب ابی عبیدہ فہری کو گورنر بنا لیا ، یہ ۱۲۹ھ کا ذکر ھے یوسف بن عبدالرحمان مضریوں سے تعلق رکھتا تھا اسے اس شرط پر گورنر بنایا گیا تھا کہ ایک سال بعد یمنی اپنے میں سے

---

۱ - العبر و دیوان البتداء و الخبر : جلد ۴ صفحہ ۱۰ -

۲ - ابن لاثیر : جلد ۵ صفحات ۱۹۸ - ۱۹۹ -

جسے چاھیں گورنر مقرر کرینگے۔ جب ایک سال ختم ھوگیا تو یمنیوں نے مطالبہ کیا کہ حسب معاھدہ یمنیوں میں سے کسی کو گورنر مقرر کیا جائے ۔ صمیل نے اس مطالبہ کی سخت مخالفت کی، نتیجہ یہ ھوا کہ دونوں فریقوں میں سخت جنگ ھوئی ، جس مین یمنیوں میں سے ایک خلق کثیر قتل ھوئی ، اس جنگ کے بعد یمنی عنصر کمزور پڑگیا اور یوسف بن عبدالرحمان اندلس کی گورنری کے منصب پر متمکن رھا ۔ یوسف اس وقت تک اس منصب پر فائز تھا جب عبدالرحمان بن معاویہ بن ھشام اندلس میں داخل ھوا اور اس نے بلاد اندلس پر اپنا تسلط قائم کر لیا ۔

عباسیوں نے امویوں کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد اموی خاندان کے افراد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کیا اور انہیں لرزہ خیز سزائیں دینا شروع کیں ، اس خاندان کا ایک فرد عبدالرحمان بن معاویہ بن ھشام بن عبدالملک عباسیوں کی داروگیر سے بچکر ، بلاد اندلس پہنچ گیا، جہاں اس نے اس عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی جس کی تہذیب و تمدن ، موجودہ یورپ کی تہذیب و تمدن کے لئے سر چشمہ بنی ۔

عبدالرحمانؒ نے عباسیوں کی داروگیر سے بچ نکلنے اور بلاد اندلس پہنچنے کے حالات ان الفاظ میں بیان کئے ھیں[1] ۔ ''عباسیوں کی طرف سے ھمیں امان دی گئی لیکن پھر دریائے ابی الفطرس پر ھمارے خاندان کا قتل عام کرکے اسے توڑا گیا ، اس قتل عام کی خبر میرے پاس پہنچی ، میں دل شکستہ اور مایوس اپنے گھر لوٹا ، میں نے غور کیا کہ میرے اھل و اعیال اور خود میرے لئے بھلائی

---

۱ - ابن الاثیر : جلد ۵ صفحات ۱۹۸ - ۱۹۹ -

کس چیز میں ہے ؟ سوچنے کے بعد میں نے بہتری اسی میں خیال کی
کہ گھر سے نکل جاؤں چنانچہ خوف زدہ گھر سے نکل کھڑا ہوا
اور چلتے چلتے فرات کے ساحل پر ایک گاؤں میں پہنچا جو سرسبز اور
شاداب تھا ، ایک دن میں اسی گاؤں میں تھا ، میرا بچہ سلیمان
میرے سامنے کھیل رہا تھا ، وہ اس وقت چار سال کا تھا ، کھیلتے
کھیلتے وہ باہر نکل گیا ، باہر سے وہ روتا ہوا اور گھبرایا ہوا اندر
داخل ہوا اور مجھ سے لپٹ گیا، میں اسے تسلیاں دیتا اور اپنے جسم سے
الگ کرنے کی کوشش کرتا لیکن وہ مجھ سے چمٹا جاتا تھا ، یہ کیفیت
دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا اور میں باہر نکلا کہ دیکھوں کیا بات ہے ؟
میں نے دیکھا ، پورے گاؤں پر خوف و دہشت چھائی ہوئی ہے ،
سیاہ جھنڈے گاؤں کی فضا پر لہرا رہے ہیں اور میرا کم سن بھائی
یہ کہہ رہا ہے ” خدایا بچالے ! خدایا بچالے ! ! یہ سیاہ جھنڈے ہیں ،
ان سے ہمیں بچالے ! ! “ اس خوف و ہراس کے عالم میں ، میں نے کچھ
دینار اپنے ساتھ لئے اور اپنے بھائی اور اپنے آپ کو بچانے کی فکر کی
اور اپنی بہنوں کو بتا دیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور ہدایت
کی کہ وہ بدر غلام کے ساتھ میرے پاس آجائیں ، اس وقت
عباسی فوج نے سارے گاؤں کو گھیر لیا تھا ۔ لیکن انہیں اب
تک میرا کوئی پتہ نہ چلا تھا۔ میں ایک اپنے شناسا کے پاس آیا
اور اس سے کہا کہ وہ میرے لئے ایک گھوڑا اور کچھ ضروری
چیزیں خرید دے ، لیکن اس نے اس علاقے کے سردار عبداللہ کو
میرا پتہ بتا دیا ، عبداللہ فوج کا ایک دستہ لیکر میرے تعاقب
میں نکلا ، مجھے جب یہ معلوم ہوا تو ہم پیدل بھاگ کھڑے
ہوئے ۔ فوج ہمارا پیچھا کر رہی تھی اور ہم اسکی نگاہوں کے سامنے
تھے ۔ ہم دریائے فرات کے باغوں میں گھس گئے اور فوج

سے پہلے دریائے فرات پر پہنچ گئے اور اس میں کود پڑے اور ہم نے تیرنا شروع کر دیا ، فوج کنارے پر کھڑی ہوئی چیخ چیخ کر ہمیں جان کی امان دے رہی تھی ۔ لیکن میں واپس نہ لوٹا ۔ میرا بھائی جب فرات کے بیچ میں پہنچا تو وہ آگے بڑھنے سے عاجز ہوگیا اور فوج کی طرف جان کی امان کے لئے واپس لوٹ گیا ، انہوں نے اسے پکڑ لیا اور ذبح کر دیا ۔ میں یہ دردناک منظر دیکھ رہا تھا ۔ میرا بھائی تیرہ سال کا تھا میں نے اسکی دردناک موت پر صبر و ضبط کی کوشش کی اور ماتم کناں آگے بڑھ گیا ۔ دریا پار کرنے کے بعد گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گیا ۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ فوج نے میرا تعاقب چھوڑ دیا ہے اسوقت میں نکلا اور بلاد مغرب کی راہ لی اور افریقہ پہنچ گیا ۔''

عبدالرحمان نے اندلس کے راستہ میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں گورنر افریقہ ، عبدالرحمان بن حبیب فہری اور ابو یوسف فہری گورنر بلاد اندلس نے اسے گرفتار کرنے کی بڑی کوششیں کیں ۔ افریقہ میں عبدالرحمان نے بربر کے قبیلہ مکناسہ کی پناہ لینی چاہی لیکن اس قبیلے نے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اسکے بعد وہ زناتہ قبیلہ میں پہنچا ۔ اس قبیلے نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا پھر وہ اپنی ننھیال قبیلہ نفزاوہ میں چلا گیا ۔ اس قبیلے نے بڑی عزت اور خاطر تواضع کی یہیں سے عبدالرحمان نے ان امویوں سے خط و کتابت کی جو اندلس میں موجود تھے انہیں اپنی خلافت کے قیام کی دعوت دی اور بڑی بڑی توقعات دلائیں ۔ اس سلسلے میں اس کے غلام بدر نے اس کی بہت مدد کی، عبدالرحمان نے بلاد اندلس کی سیاسی حالت کا جائزہ لیا ۔ اس زمانے میں باھمی

اختلافات نے اندلس کے باشندوں کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا مضریوں اور یمنیوں میں شدید اختلافات تھے ، ان اختلافات سے عبدالرحمان نے فائدہ اٹھایا اور ربیع الاول ۱۳۸ھ میں بلاد اندلس میں داخل ہوگیا ۔ اس نے یمنی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا جو گورنر اندلس یوسف فہری سے للٰہی بغض رکھتے تھے ۔ اس کے بعد اس نے بلاد اندلس پر یکے بعد دیگرے تسلط قائم کرنا شروع کردیا اور ایک دن قرطبہ میں داخل ہوگیا اور اس کے گورنر یوسف فہری کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا[1] ۔

ابو جعفر منصور کو عبدالرحمان الداخل کی طرف سے شدید اندیشہ پیدا ہو گیا اور اس نے اس کا خاتمہ کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں ابن اثیر[2] نے ۱۴۶ھ کے حوادث میں بیان کیا ہے کہ ۱۴۶ھ میں علاء بن مغیث یحصبی افریقہ سے روانہ ہوا اور اندلس کے ایک شہر بناحیہ پہونچا عباسیوں کا قومی شعار سیاہ لباس پہنا اور خلافت عباسیہ کے لئے پروپیگنڈے کی سہم شروع کردی اور منصور کا خطبہ پڑھا ۔ علاء بن مغیث کے ارد گرد ایک خلق کثیر جمع ہو گئی ۔ عبدالرحمان الداخل اس کی سر کوبی کے لئے نکلا اشبیلیہ کے علاقے میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور چند روز تک جنگ جاری رہی جسمیں علاء اور اس کے مددگاروں کو بری طرح شکست ہوئی ۔ اس معرکے میں علاء بن مغیث اور اسکے سات ہزار ساتھی مارے گئے ۔ عبدالرحمان الداخل نے چند تاجروں کو حکم دیا کہ وہ علاء اور اسکے ممتاز ساتھیوں کے سر لے جا کر، چپکے سے قیروان کے بازاروں میں ڈال

---

۱ ۔ المقری ۔ نفح الطیب جلد ۱ صفحات ۱۰۵ ۔ ۱۰۶ ۔

۲ ۔ ابن الاثیر : جلد ۵ صفحہ ۲۳۲ ۔

دیں ۔ ان تاجروں نے ایسا ھی کیا ، عبدالرحمان الداخل نے چند سر مکہ بھیج دئے جہاں ان دنوں منصور موجود تھا، ان سروں کے ساتھ سیاہ جھنڈا اور وہ خط بھی تھا جو منصور نے علا کو لکھا تھا ۔

سلطنت عباسیہ کے دائرۂ اقتدار سے بلاد اندلس کے نکل جانے کا مطلب یہ تھا کہ اس کا دایاں بازو کٹ گیا ۔ ابو جعفر منصور نے ان بلاد پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن اس میں وہ ناکام رھا ۔ منصور نے جب دیکھا کہ طاقت سے کام نہیں چلے گا تو اسنے حکمت عملی سے کام لینا شروع کیا اورعبدالرحمان الداخل کے پاس خیر سگالی کے طور پر قاصد بھیجے ، خطوط روانہ کئے، جن میں بلاد اندلس پر اسکی حکومت کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا ۔ اس کے اس عزم اور حوصلے کی ستائش کی گئی تھی کہ اس نے اتنے دور دراز ملک میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی مؤرخین کا بیان ھے کہ ایک بار ابو جعفر منصور نے اپنے ارکان خلافت سے پوچھا کہ قریش کا شاھین کون ھے؟ انھوں نے جواب دیا ''امیرالمومنین، (منصور) جنھوں نے ملک کو خوشحال بنا دیا، خرابیوں کو دور کردیا، دشمنوں کو برباد کر دیا ، شورشوں کو دبا دیا'' منصور نے کہا تم نے صحیح جواب نہیں دیا ۔ ارکان خلافت نے عرض کیا، امیرمعاویہ رض منصور نے کہا : نہیں ، امیر معاویہ رض ، بھی نہیں ۔ انھوں نے کہا عبدالملک بن مروان ، منصور نے نفی میں جواب دیا ۔ ارکان خلافت نے عرض کیا پھر امیرالمومنین وہ کون ھے ؟ منصور نے جواب دیا عبدالرحمان بن معاویہ، جسنے سمندر عبور کیا، چٹیل میدان طے کئے ور دور دراز ایک عجمی ملک میں داخل ھوا ، اس کے شہروں کو باد کیا ، فوجوں کو تیار کیا ، دفاتر قائم کئے اور اپنی اولوالعزمی

اور حسن تدبیر سے امویوں کا ایک عظیم الشان ملک بنا دیا ، جن کی شان و شوکت اور اقتدار کا خاتمہ ہوگیا تھا ۔ امیر معاویہ رض نے اسی گھوڑے پر سواری کی تھی، جس پر عمر رض اور عثمان رض سواری کر چکے تھے اور جسے انہوں نے سدھا دیا تھا ۔ عبدالملک بن مروان کے لئے ولی عہدی کی بیعت لی جاچکی تھی اس لئے وہ تخت خلافت پر متمکن ہوگیا امیرالمومنین (منصور) نے کٹھن مرحلوں پر اپنے مددگاروں سے مدد لی ، لیکن عبدالرحمان تن تنہا تھا ، صرف اس کی اولوالعزمی اور عقل و دانش اس کے ساتھ تھی [1] ۔

ابوجعفر منصور ، عبدالرحمان الداخل کی ہمیشہ تعریف کرتا تھا اور اپنے اور اس کے درمیان مواز نہ کیا کرتا تھا ، وہ کہتا تھا کہ ہماری سلطنت کی وسعت پر تعجب نہ کرو کیونکہ ہمارے پاس اسے حاصل کرنے اور ترقی دینے کے لئے وسائل موجود تھے، تعجب کے قابل قریش کا وہ ذہین اور بیدار مغز نوجوان ہے جو تن تنہا تھا، اپنے اہل و عیال اور خاندان سے بہت دور تھا ، ان حالات میں اس نے اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا سہارا لیا ، اپنے نصب العین کے لئے جد و جہد کی اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے مصائب کے بھنور میں اپنے آپ کو ڈال دیا اور اس جزیرہ میں داخل ہو گیا جو بہت دور تھا جہاں پہنچنے کی کوئی شخص خواہش بھی نہیں کر سکتا تھا ، جہاں کی فوج کی عصبیت ضرب المثل تھی ، عبدالرحمان اس جزیرہ میں پہنچا اور اپنی حکمت عملی سے اس فوج کو آپس میں لڑا دیا ، رعایا کے دلوں کو اپنے برتاؤ سے موہ لیا ، اپنی سیاست سے

---

۱ ۔ ابن عبدربہ العقد الفرید : جلد ۳ صفحات ۲۰۱ - ۲۰۲ ۔

سرکش افراد کو فرمانبردار بنا لیا اور ناک والے اس کے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور ھوگئے اور ایک دن وہ اندلس کے تخت حکومت پر متمکن ھو گیا ، اس کی سر زمین پر قابض ھو گیا ، اپنے دشمنوں کے لئے سخت اور دوستوں کے لئے موم بن گیا ، اپنی سلطنت پر پوری طرح پنجے جما لئے اس کی شخصیت رعب و دبدبہ اور آس و امید دونوں کی حامل ھے ، وہ کامل نوجوان ھے اس کی جو بھی تعریف کی جائے ، وہ غلط نہ ھو گی [1] ۔

منصور نے عبدالرحمان الداخل کی مدح و ستائش کی جو پالیسی اختیار کی تھی ، جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو اس نے عبدالرحمان کے خلاف فرنگیوں کے بادشاہ پیپن (Pepin) سے ساز باز کی اور اس کے پاس اپنے سفیر روانہ کئے ، جو کئی سال تک اس کی قلمرو میں ٹھہرے تھے اور ارکان سلطنت سے ملاقاتیں کی تھیں ، جب یہ سفیر واپس لوٹے تھے تو ان کے ساتھ فرنگیوں کے سفیر بھی آئے تھے ۔ اپنے ان سفیروں کو منصور نے دوبارہ پیپن (Pepin) کے پاس روانہ کیا تھا اور ان کے ساتھ مشرق کے نفیس ترین تحفے بھیجے تھے ۔ اس سفارتی گفت و شنید اور ریشہ دوانیوں کا یہ اثر ھوا کہ عبدالرحمان الداخل کے دل میں اندیشہ پیدا ھو گیا کہ کہیں فرنگی اس کے شہروں پر حملہ نہ کر دیں [2] ۔ اس اندیشے سے عبدالرحمان الداخل نے خلیفہ عباسی سے بگاڑنے اور بلا وجہ دشمن بنانے سے گریز کیا ۔ بحث و نظر کے اس مرحلے پر یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں رھتا کہ منصور

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۲۷۵ ۔

2. Muir : The Caliphate p. 460.

اگرچہ جارحانہ کارروائیوں سے عبدالرحمان الداخل کی حکومت کا خاتمہ نہ کر سکا لیکن کسی حد تک اپنی سیاسی حکمت عملی میں کامیاب ہوا اور اس نے عبدالرحمان الداخل کی سیاسی سر گرمیوں کو بلاد اندلس تک محدود رکھا اور مشرق میں سلطنت بنی امیہ کی نشاۃ ثانیہ کا خیال اس کے ذہن سے نکال دیا ۔ منصور نے اندلس کی سلطنت کے ساتھ جو پالیسی اختیار کی تھی ، مابعد کے عباسی خلفاء اسی پالیسی پر چلے تھے ۔

مہدی کے دور میں عباسی سلطنت ، شان و شوکت اور قوت و عظمت کے لحاظ سے بام عروج پر تھی اور دنیا کی حکومتیں اس سے ڈرتی تھیں ۔ اس دور میں بھی خلافت عباسیہ اور اندلس کی اموی حکومت کے درمیان تعلقات خوشگوار نہ تھے اور مہدی بھی اپنے باپ منصور کی طرح عبدالرحمان الداخل کے ساتھ دلی بغض رکھتا تھا اور اس کی سلطنت کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا ۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ اپنی فوجوں کو اس کی سلطنت پر حملہ کرنے کے لئے بھیج بھی نہ سکتا تھا کیونکہ وہ بہت دور واقع تھی ، راستہ کٹھن تھا اور اس کی فوجوں کو صحرائے افریقہ جیسے سخت علاقے میں سے گزرنا پڑتا ۔ دوسرے وہ عبدالرحمان کی غیر معمولی قوت سے بھی واقف تھا ، مہدی کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ عبدالرحمان اپنی قوت کے بل بوتے پر عباسیوں سے بلاد شام چھیننے کا منصوبہ تیار کر رہا ہے ۔ ان باتوں کے باوجود بلاد اندلس پر برابر مہدی کی نگاہ تھی اور اس پر حملے کے زاوئیے بناتا تھا مگر سوءِ اتفاق سے اسکے داخلی حالات خراب ھوگئے ، اسلئے وہ اس ارادہ سے باز رہا ۔ عبدالرحمان کو پتہ چلا تھا کہ خلیفہ عباس شہنشاہ فرنگ سے ساز باز کر رہا ہے ، اسے خطرہ پیدا ھوگیا تھا کہ کہیں شہنشاہ

فرنگ اس کی سرحدوں پر حملہ نہ کر دے ۔ اس اندیشہ سے اس نے بلاد شام پر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا ۔ ان حالات میں مہدی اور عبدالرحمان نے ایک دوسرے سے خاموش دشمنی پر اکتفا کیا اور اسے ظاہر نہ ہونے دیا ۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ مہدی نے گورنر افریقہ عبدالرحمان بن حبیب فہری کو بلاد اندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ افریقہ سے روانہ ہوا اور سمندر عبور کیا ، اس نے برشلونا کے حاکم سلیمان بن یقظان کو لکھا کہ وہ عباسیوں کی اطاعت اختیار کرے ۔ سلیمان نے اس کا جواب نفی میں دیا ۔ فہری اس سے مشتعل ہو گیا اور اس کے شہر پر بربر کی ایک زبردست فوج سے حملہ کر دیا لیکن سلیمان کے مقابلے میں فہری کو شکست اٹھانا پڑی ۔ اس شکست نے اسے اپنی فوج کے خلاف برانگیختہ کیا اور اپنی فوج کے بزدل افراد کو نکال باہر کیا اور جہازوں کو آگ لگا دی تاکہ فوج کے لئے بھاگنے کے وسائل ختم ہو جائیں ۔ اس کے بعد بلنسیہ میں قلعہ بند ہو گیا اور امویوں کے خطرے سے مامون ہو گیا اور اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے اندلس کے امویوں کے دلوں میں ہیبت پیدا کر دی ۔ یہ حالات سن کر عبدالرحمان الداخل نے اعلان کیا کہ جو شخص فہری کا سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک ہزار دینار انعام میں دئے جائیں گے ۔ اس انعام کے لالچ میں بربر قوم کا ایک فرد فہری کی گھات میں نکلا اور اس کے قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا اس کے تعاقب میں روانہ ہوا اور اس کا پتہ چلا لیا پھر اسے دھوکے سے قتل کر دیا اور اس کا سر عبدالرحمان الداخل کی خدمت میں پیش کیا اور مہدی کی یہ آرزو خاک میں مل گئی کہ بلاد اندلس کو عباسی قلمرو میں شامل کر لیا

جائے [۱] -

عبدالرحمان الداخل نے تھوڑے ھی عرصے میں قرطبہ میں اپنی سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر لیں ، وھاں ایک سہتمم باالشان قصر بنوایا اور ایک یادگار جامع مسجد تعمیر کرائی ، اندلس کی مسجدوں کے منبروں پر عباسی خلفاء کا نام لینا موقوف کر دیا اور امویوں کی ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی ، مشرق میں اموی خلافت کا جو جاہ و جلال اور شان و شکوہ مٹ گیا تھا ، اندلس میں اس کی تجدید کر دی اور اس راہ میں بڑی بڑی مشکلات پر اپنی اولوالعزمی سے قابو پالیا [۲] - عبدالرحمان الداخل اپیلیں خود سنتا تھا اور قوی کے مقابلے میں ضعیف سے انصاف کرتا تھا - اس کا معمول تھا کہ جب کھانے کے لئے دسترخوان بچھتا تھا تو نہ صرف اپنے ارکان دولت کو بلکہ اس وقت جو اھل حاجت جمع ھوتے تھے ، ان سب کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا لیتا تھا [۳] -

بلاد اندلس پر عبدالرحمان الداخل نے ۳۳ سال ۴ ماہ حکومت کی ۱۷۲ھ میں اس کا انتقال ھو گیا - عبدالرحمان الداخل نے اپنے بعد بیس لڑکے اور لڑکیاں چھوڑیں ، ان میں گیارہ لڑکے تھے اور نو لڑکیاں تھیں - خلفاء عباسیہ میں منصور ، مہدی ، ھادی اور ھارون رشید اس کے ھم عصر تھے -

---

۱ - ابن اثیر : جلد ٦ صفحات ۲٦ - ۲۹ -
۲ - المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵٦ -
۳ - المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ -

هشام الاول (۱۷۲ھ — ۱۸۰ھ) :

عبدالرحمان کے بعد اس کا بیٹا هشام الاول اس کا جانشین ہوا ۔ هشام کی ماں ام ولد تھی اس کا نام حلل تھا ۔ عبدالرحمان نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا اور اسے اپنی زندگی میں حکومت کے نظم و نسق کی تربیت دی تھی ۔ عبدالرحمان نے هشام میں اولوالعزمی اور پختہ کاری کے آثار محسوس کئے تھے اور اسے اس کی غیر معمولی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا ۔

مقری[1] نے هشام کو عدل و انصاف اور مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے کاموں میں شیفتگی کے لحاظ سے ، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا شبیہ بتایا ہے ، هشام نے فقہاء کو تقرب بخشا تھا ۔ اس کی وجہ سے اس کے عہد میں فقہاء کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا تھا اور سلطنت کے نظم و نسق میں ان کی مؤثر آواز تھی ۔ ان فقہاء میں سب سے مشہور یحییٰ بن یحییٰ لثی تھے جو بربر کے قبیلہ مصامدہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ انہوں نے عراق میں امام مالکؒ بن انس سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور ان کی کتاب مؤطاء ان سے روایت کی تھی، اندلس میں وہ فقہ و حدیث کے امام الائمہ تھے[2] ۔ هشام نے اپنے معتمد افراد کو سلطنت کے کونے کونے میں بھیجا تھا تاکہ وہ عوام سے ان کے حکام کے بارے میں حالات دریافت کر لیں کہ وہ کسی پر جبر و استبداد تو نہیں کرتے ہیں ۔ جب کبھی هشام کو اپنے کسی حاکم کے ظلم و جور کا پتہ چلتا تھا ، اسے فوراً معزول کر دیتا تھا اور

---

۱ ۔ نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱٦۰ ۔
۲ ۔ ستینلی لین پول : ترجمہ علی جازم بک صفحہ ٦۷ ۔

مظلوم کے ساتھ انصاف کرتا تھا ۔ شہروں میں اس نے محتسب مقرر کئے تھے جو تاجروں کی نگرانی کرتے تھے اور ان کی بے ایمانی کے خلاف فوری تادیبی کارروائیاں کرتے تھے ۔ ان کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ شرارت پسندوں پر عائد کی ہوئی جرمانوں کی رقمیں وصول کرتے اور انہیں غریب پرہیزگاروں میں تقسیم کر دیتے تھے ۔

ہشام کا معمول تھا کہ وہ مریضوں کی عیادت کے لئے جاتا تھا ۔ اندلس کے شمالی علاقوں کے عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے جو فوج جاتی تھی اس کی قیادت خود کرتا تھا ۔ عوام نے اسے شفیق اور عادل کا لقب دیا تھا [۱] ۔

ہشام نہائت صالح اور پرہیزگار حکمران تھا اس نے اپنے عہد حکومت کو ان کاموں میں صرف کیا جو ملک کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کے ضامن تھے ہشام نے مدینہ قرطبہ کی تجدید کی اور مہتمم باالشان عمارات سے اسے زینت بخشی، ہرے بھرے باغات لگوائے ، اس پل کو از سر نو بنوایا جسے سمح بن مالک خولانی نے تعمیر کیا تھا جو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دور میں اندلس کا گورنر تھا، ہشام نے اس پل کی بنیادوں کو اتنا مستحکم کر دیا تھا کہ وہ بنیادوں کی مضبوطی کے لحاظ سے دنیا میں ضرب المثل بن گیا [۲] ۔

اسی طرح ہشام نے اس جامع مسجد کی تکمیل کی جس کی بنیاد اس کے باپ نے رکھی تھی ۔ اس کے علاوہ بلاد اندلس کی مساجد

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ ۔
۲ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ ۔

کو مستحکم اور مضبوط کیا، ھشام نے عربی زبان کی ترویج کی طرف خاص توجہ دی، یہاں تک کہ وہ یہودیوں کے مدارس میں بھی پڑھائی جاتی تھی ۔ اس کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ وہ شاھراھوں پر گھومتا اور اپنی عام رعایا سے ملتا جلتا تھا اور ان کی شادی غمی میں شریک ھوتا تھا ۔ اپیلیں خود سنتا تھا اور عوام کے جنازوں میں شرکت کرتا تھا [1] ۔

۱۸۰ھ میں ھشام نے داعئی اجل کو لبیک کہا، اس نے سات سال اور نو مہینے حکومت کی۔ مقری[2] کے الفاظ میں "ھشام ارباب خیر اور ارباب صلاح میں سے تھا اور جہاد کا شیفتہ تھا" ۔

الحکم الاول (۱۸۰ھ—۲۰٦ھ) :

الحکم الاول اپنے باپ ھشام کے بعد اس کا جانشین ھوا ۔ فقہاء کے بارے میں اس کی پالیسی اپنے باپ سے مختلف تھی ۔ اس کا کہنا تھا کہ فقہاء کا کام سلطنت کے معاملات میں دخل دینا نہیں ھے، ان کا کام شعائر اسلام کا قیام اور قضیوں کا فیصلہ کرنا ھے ۔ اس کا رد عمل یہ ھوا کہ فقہاء مشتعل ھوگئے اور انہوں نے اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور عوام کو اس کے خلاف برانگیختہ کیا ۔ الحکم نے اپنا باڈی گارڈ غلاموں کو مقرر کیا تھا، اس بات پر فقہاء اس سے اور بگڑ گئے تھے اور سربازار اس کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے [3] ۔ نو مسلم اسبان غلاموں نے فقہاء کے اکسانے پر قرطبہ اور طلیطلہ میں الحکم کے خلاف ھنگامے شروع کر دئے اور قرطبہ میں

1. Dozy : Histoire Des Musulmans d' Espange Trans by Stokes (London 1913) p. 242.

۲ - نفح الطیب : جلد ۱ صفحہ ١٦ -

3. Dozy : The Moslems in Spain p. 250 - 251.

الحکم کے خلاف شورش کی قیادت فقہاء کر رہے تھے - ان شورش پسندوں کے سردار یحییٰ بن یحییٰ لثی اور طالوت فقیہہ تھے۔ ان فقہاء نے الحکم کی معزولی کا اعلان کردیا اور اس کے خاندان کے ایک فرد کی بیعت کر لی۔ یہ لوگ قرطبہ کے مغربی نواحی حصے میں تھے الحکم نے ان فقہاء اور ان کے مدد گار شورش پسندوں کا مقابلہ کیا اور ان کی شورش کا استیصال کردیا۔ شورہ پشتوں کے گھروں اور ان مسجدوں کو منہدم کرادیا جہاں وہ مجتمع تھے یہ شورش پسند منتشر ہو گئے اور عزوہ کے شہر فاس اور مشرق میں اسکندریہ چلے گئے۔ وہاں اپنے مدد گاروں کو جمع کیا اور نئے سرے سے شورش برپا کردی، گورنر مصر عبداللہ بن طاہر نے ان پر یورش کردی اور انہیں تتر بتر کردیا - اس کے بعد انہیں جزیرہ اقریطش میں جلا وطن کر دیا گیا جہاں وہ آباد ہو گئے اور اس وقت تک وہیں آباد تھے جب فرنگیوں نے اس پر قبضہ کیا تھا [1] -

الحکم کے دور کا ایک اہم واقعہ وادی الحجارہ کی جنگ ہے - عباس شاعر کا بیان ہے کہ میں وادی الحجارہ میں اترا تھا مجھے ایک عورت کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہی تھی - ''الحکم مدد ! مدد ! تو نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ رکھا ہے - دشمن کتوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے، ہمارے مردوں کو قتل کر دیا اور ہمیں بیوہ بنا دیا ہے اور ہمارے بچوں کو یتیم کر دیا ہے'' - میں نے اس عورت سے پوچھا کہ تم پر کیا بپتا پڑی ہے اس نے جواب دیا میں بادیہ سے رفقہ جا رہی تھی کہ اچانک دشمنوں کی فوج نے ہم پر حملہ کر دیا - ہم میں سے بہتوں کو قتل کر دیا اور بہتوں کو گرفتار کر لیا - اس شاعر کا بیان ہے - کہ

---

۱ - المقری : نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب جلد ۱ صفحہ ۱٦۰ -

میں نے یہ واقعہ ایک قصیدہ کی شکل میں نظم کیا اور الحکم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے سنایا ۔ اس قصیدہ میں اس خوف و ہراس کا بیان تھا ، جو اس علاقے کے لوگوں پر چھایا ہوا تھا اور الحکم سے اس عورت کی دکھ بھری فریاد کا تذکرہ تھا ۔ یہ قصیدہ سن کر الحکم نے فوراً جہاد کا حکم دیدیا اور تین روز کے اندر وادی الحجارہ روانہ ہو گیا ۔ اس کے ساتھ میں (عباس شاعر) بھی تھا ۔ الحکم نے مجھ سے موقع واردات معلوم کیا پھر دشمن سے جہاد کیا ، اس کے قلعوں پر قبضہ کر لیا ۔ اس کے شہروں کو برباد کر دیا اس کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد گرفتار کی ، بے شمار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ، پھر وادیالحجارہ واپس آیا اور روسی قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا ۔ جب قیدی لائے گئے تو ان کی گردنیں اڑا دینے کا اشارہ کیا ۔ اس کے بعد اس عورت کی تلاش میں آدمی بھیجے گئے جس نے الحکم سے فریاد کی تھی ۔ جب وہ عورت حاضر کی گئی تو مجھ (عباس شاعر) سے الحکم نے مخاطب ہو کر کہا ''اس خاتون سے پوچھو کہ الحکم نے اس کی فریاد رسی کی یا نہیں'' ۔ عورت نے جواب دیا ، خدا کی قسم آپ نے ہمارے کلیجوں میں ٹھنڈک ڈال دی اور دشمنوں کو خون کے آنسو رلائے، آپ نے مظلوم کی فریاد رسی کی، خدا آپ کی فریاد رسی کرے اور اپنی مدد سے سرفراز کرے ۔ عورت کی یہ باتیں سن کر الحکم کے چہرے پر بشاشت اور انبساط کے آثار نمایاں ہوگئے [۱] ۔

الحکم کے خلاف اس کے دو چچا بھی اٹھے تھے اور انہوں نے طلیطلہ اور بلنسیہ پر تسط قائم کر لیا تھا ۔ ان میں سے ایک نے

---

۱ - المقری : جلد ۱ صفحہ ۱٦۲ -

شارلیمان سے مدد کی درخواست کی تھی ۔ الحکم نے ان کی بغاوت کا استیصال کر دیا تھا اور جن شہروں پر انہوں نے قبضہ کرلیا تھا ، وہ ان سے واپس لے لئے تھے ۔ شمال کے مسیحی امراء نے بلاد اندلس کے مسلمانوں کی ان داخلی جنگوں سے موقع غنیمت خیال کیا اور ارغونہ کے صوبے پر غارت گری شروع کردی لیکن الحکم نے ان کا مقابلہ کیا اور وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہوئے ، اسی طرح برشلونہ کے حاکم نے الحکم کے خلاف بغاوت کردی تھی برشلونہ بلاد اندلس میں مسلمانوں کا سب سے مستحکم قلعہ تھا ۔ برشلونہ کے حاکم نے شارلیمان سے مدد کی درخواست کی تھی ۔ الحکم نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی جس نے اسے نکال باہر کیا اور برشلونہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا ۔

ابن خلدون کا بیان ہے ۔ ”الحکم نے سب سے پہلے اندلس میں تنخواہ دار فوج بنائی تھی اور بے شمار اسلحہ ، ساز و سامان اور حشم و خدم جمع کئے تھے ۔ گھوڑوں کو اپنے قصر کے دروازے پر باندھا تھا، غلاموں کو اپنا باڈی گارڈ بنایا تھا، جنہیں عجمی ہونے کی وجہ سے خرس (گونگے) کہا جاتا تھا ، ان کی تعداد پانچہزار تھی حکومت کے فرائض وہ خود انجام دیتا تھا ۔ ان میں کسی کو دخیل نہ کرتا تھا ، اس کے جاسوس مقرر تھے ، جو اسے رعایا کے حالات سے باخبر رکھتے تھے ۔ اس نے فقہاء ، علماء اور پرھیزگار لوگوں کو تقرب بخشا تھا ۔ دراصل الحکم ھی کی شخصیت تھی جس نے اس زمانے میں اندلس کی شورشوں اور مشکلات کو اپنی ایڑیوں سے روند ڈالا تھا[1] “ ۔

---

۱ ۔ العبر و دیوان المبتداء و الخبر : جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ ۔

شہنشاہ فرنگ چارلس مارٹل Charles Martil نے عباسیوں اور اندلس کے امویوں کے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور خلیفہ مہدی عباسی کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کی ، تاکہ اس تقرب کی وجہ سے اپنے حریف شہنشاہ بیزنطینی پر رعب ڈالے - چارلس مارٹل کی اس خارجی پالیسی کا فائدہ شہنشاہ شارلیمان نے اٹھایا - اس نے ہارون‌الرشید کا تقرب حاصل کیا اور ہارون‌الرشید اور اس کے درمیان دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات قائم ہوگئے ، اس کے برعکس شہنشاہ، بیزنطینیہ سے ہارون کے تعلقات معاندانہ تھے- شارلیمان نے ہارون الرشید کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کا خوب ڈھنڈورا پیٹا تھا - اس نے ہارون کے پاس ایک وفد بھی بھیجا تھا جو دو عیسائیوں اور ایک یہودی پر مشتمل تھا ، اس وفد کا مقصد یہ تھا کہ وہ بیت المقدس کے حج کے لئے سہولتیں حاصل کرنے کے بارے میں گفتگو کرے - دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کو وسیع کرنے کے ذرائع پر غور کرے اور علوم مشرق کی تحصیل میں فرنگی طلبہ کے لئے آسانیاں بہم پہنچانے کے بارے میں درخواست کرے- شارلیمان سے دوستانہ تعلقات سے ہارون الرشید کا مقصد یہ تھا کہ وہ شہنشاہ بیزنطینیہ اور اندلس کے اموی فرمانروا کے خلاف ان سے کام لے - ان سفیروں کا تبادلہ اور مراسلت سے ہارون الرشید کو کوئی مادی فائدہ حاصل نہ ہوا تھا- ہارون‌الرشید نے بیت‌المقدس کے گرجا کی کنجیاں شارلیمان کو بھیج دی تھیں اور دونوں کو ایک دوسرے کو ھدایا اور سوغات بھیجی تھیں - کنجیاں بھیجنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ شارلیمان ان مسیحیوں کا حامی بن بیٹھا جو بیت‌المقدس حج ادا کرنے کےلئے آتے تھے

اگرچه اس وقت اس بات کو کوئی خاص اھمیت نہیں دی گئی تھی ، لیکن مستقبل میں اس کے نتائج بڑے خطرناک ثابت ھوئے اور ما بعد کے فرنگی شہنشاھوں نے سوروثی طور پر فلسطین کے مقامات مقدسہ کے تحفظ کے حق کا دعویٰ کیا تھا ۔

ھارون الرشید نے شارلیمان کو جو نادر تحفے بھیجے تھے۔ ان تحفوں نے بلاد فرنگ کے باشندوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا ۔ ان تحفوں میں ایک ھاتھی بھی تھا ، جو شارلیمان کے دارالحکومت اکس لا شایل میں بھیجا گیا جس کا نام ابوالعباس تھا اور ایک پانی کی گھڑی تھی جسے وھاں کے باشندوں نے جادو کا آله خیال کیا تھا ان کے علاوہ مشرق کے اور بہت سے نادر تحفے تھے[1]۔

عبدالرحمان الاوسط (۲۰٦ھ - ۲۳۸ھ):

۲۰٦ھ میں الحکم کا انتقال ھوگیا، اسکی حکومت کی مدت ۲۷سال تھی۔ اسکے بعد اسکا بیٹا عبدالرحمان الثانی جانشین ھوا عبدالرحمان ۱۷٦ھ میں طلیطله میں پیدا ھوا تھا ۔ اس کے باپ نے اس کی نشؤونما اور تعلیم و تربیت میں بڑی توجه سے کام لیا تھا ۔ وہ اسلامی علوم اور فلسفے میں ماھر تھا اسے عبدالرحمان الاوسط اسلئے کہا جاتا ھے که وہ عبدالرحمان الداخل اور اور عبدالرحمان الناصر کے وسط میں گذرا ھے، اس کا عہد امن و امان اور خوشحالی کے لحاظ سے ممتاز ھے ۔ اسکا خزانه مال و دولت سے معمور تھا ۔ اس نے سہتمم باالشان محل تعمیر کرائے ، تفریح گاھیں بنوائیں ۔ جن میں پہاڑوں سے پانی لایا جاتا تھا پل تعمیر کرائے ، قرطبه کی شاھراھوں کو ترقی دی ، جامع قرطبه

1. Muir : The Calipahte p. 485.

میں توسیع کی ، اندلس کے شہروں میں کثرت سے مساجد بنوائیں ، ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور ایک شفاخانہ قائم کیا ، رومانیہ کی قدیم سڑکوں کو از سر نو بنوایا ، علوم و فنون ادب اور فلسفہ کی تعلیم و ترویج کی حوصلہ افزائی کی ، یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں اندلس میں ہر علم و فن کے ماہر پیدا ہوئے[1]۔

عبدالرحمان الاوسط اندلس کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد ملکی اصلاحات کے کاموں میں مصروف ہوگیا اس کے دور میں اندلس کی ثروت و دولت عظمت و جلال اورعلوم و فنون کی ترقی میں اسقدر اضافہ ہوگیا کہ وہ دولت عباسیہ سے جاہ و جلال اور علمی ارتقاء میں مقابلہ کرنے لگا۔ عبدالرحمان الاوسط اندلس کے اکثر اموی فرمانرواؤں میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اسکی زندگی اور سیرت کی تشکیل عربوں کے شریفانہ اوصاف اور بلند کردار سے ہوئی تھی ۔ اندلس کے فنون لطیفہ کی ترقی میں زریاب کا بہت بڑا حصہ ہے ۔ زریاب ۲۰۶ھ میں عراق سے اندلس پہنچا تھا عبدالرحمان الاوسط نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ اسکی بے حد عزت و تکریم کی، اس پر نوازشات کی بارش کردی اور رہنے کے لئے ایک عظیم الشان محل دیا ۔

عبدالرحمان الاوسط اور اس کے پیش رو اندلس کے اموی فرمانرواؤں نے اندلس کے باشندوں کو کامل مذھبی آزادی دی تھی ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسیحیوں کی بہت بڑی تعداد مسلمانوں کے پہلو به پہلو جنگوں میں لڑتی تھی ۔ اس کے زمانے میں مسیحی بڑے بڑے فوجی اور انتظامی عہدوں پر مامور تھے ۔ مساوات کے اس برتاؤ کی وجہ سے مسیحوں کی بہت بڑی تعداد مسلمان ہو گئی تھی

---

1. Dozy : The Moslems in Spain p. 260.

لیکن اس مساوات اور مذہبی آزادی کے باوجود ، جو اندلس کے مسیحوں کو حاصل تھی ، بعض پادریوں نے عبدالرحمان الاوسط کے آخری عہد میں فتنے اٹھائے تھے - ان پادریوں نے مسیحیوں کو آنحضرتؐ کی شان میں سب وشتم پر اکسایا تھا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس زمانے میں مذہب پر سب وشتم بہت بڑا جرم تھا - اور اس کی سزا موت تھی - قانون کے مطابق عبدالرحمان الاوسط نے اس جرم کے مرتکب پادریوں اور دوسرے لوگوں کو ، موت کی سزائیں دی تھیں ، ان پادریوں میں سے ایک یولو جیوس (Eulogius) تھا، جس نے عبدالرحمان الاوسط کے خلاف خاص طور پر مسیحیوں میں قربانی کا جذبہ مشتعل کیا تھا - اس کا مددگار قرطبہ کا ایک متمول نوجوان تھا جس کا نام الفارو (Alvaro) تھا ان میں ایک اور پادری تھا جس کا نام پرفکٹس تھا (Perfectus) تھا - ان کے علاوہ اس جرم کے مرتکب اور بہت سے پادری ، راهب اور عورتیں تھیں، عورتوں میں قابل ذکر فلورا(Flora) تھی جسکا باپ مسلمان تھا اور ماں نصرانی تھی[1] -

سٹینلی لین پول لکھتا ہے ” مسیحیت یہ تعلیم نہیں دیتی ہے کہ اس کے پیرو اور مبلغ بلا وجہ اپنی جانوں کو مصیبتوں میں ڈال دیں اور موت کے منہ میں چلے جائیں لیکن اندلس کے مسیحیوں نے بلا کسی محرک کے اپنے آپ کو سزاؤں اور موت کا ہدف بنایا تھا ، اندلس میں ان کے اور ان کے مذھبی شعائر کی آزادی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی - مسلمان مسیحیت کی تعلیم سے واقف تھے انہیں اس کی احتیاج نہ کہ کوئی انہیں مسیحیت کی تعلیات سے باخبر

1. Stanley Lane Poole The Moors in Spain p. 83 -89.
Dozy ; The Moslems in Spain, P. 278-281.

کرے، مسلمانوں کو کتاب انجیل المقدس پر اندلس کے نصاریٰ سے زیادہ عبور تھا۔ وہ حضرت عیسیٰ کا نام بغیر علیہ السلام کے نہیں لیتے تھے کیونکہ حضرت مسیح کی قدسیت کا اعتراف اور عزت و احترام سے ان کا نام لینا مسلمانوں کے اساسی معتقدات میں داخل ہے[1]۔

کلیسائیوں کو جب یہ یقین ہوگیا کہ ان کی یہ تحریک ان کے لئے مصیبت عظمیٰ بن جائیگی تو انہوں نے ایک کانفرنس منعقد کی، جس میں یہ طے کیا گیا کہ محمدؐ اور قرآن پر علی الاعلان سب و شتم بند کر دی جائے، اس کے بعد حالات اعتدال پر آگئے تھے اور مسیحیوں کا یہ فتنہ دب گیا تھا۔

اندلس کے مسیحی عربی میں گفتگو کرتے تھے اور اسی زبان میں کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ مسیحی شعراء عربی میں اشعار کہتے تھے۔ اسی طرح اندلس کے مسیحوں نے عربوں کا لباس اور ان کے اخلاق و آداب اختیار کر لئے تھے۔ یولوجیوس کہتا تھا کہ مسیحی اپنی زبان بالکل بھول گئے ہیں، یہاں تک کہ ہزار میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ایک کلمہ لاطینی کا صحیح لکھ سکے۔

عبدالرحمان الاوسط کے دور میں شمال مغربی اندلس کے علاقے لیون کے حاکم فونس نے بلاد اسلامی پر غارت گری کی اور شمالی اندلس کے مسیحیوں نے شمالی بلاد اسلامیہ پر حملے کئے۔ عبدالرحمان الاوسط نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی، جس نے ان کے شہروں کو تاراج کیا اور انہیں جزیہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ عبدالرحمان الاوسط کے عہد میں اندلس

۱۔ لین پول: صفحہ ۸۰۔ ترجمہ علی جارم بک صفحہ ۷۷۔

میں مسلمانوں کی قوت اور شان و شوکت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ۲۲۲ھ — ۸۳۶ء میں شہنشاہ قسطنطنیہ نے اپنے قاصد اس کے پاس بھیجے تھے جو بہت سے تحفے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان قاصدوں کے ذریعہ ایک معاہدے کی درخواست کی گئی تھی اور عبدالرحمان الاوسط کو مشرق میں اپنے آباء و اجداد کی سلطنت دوبارہ حاصل کرنے پر اکسایا گیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب سلطنت عباسیہ شہنشاہ فرنگ شارلیمان اور اس کے بعد اس کے بیٹے لوئس کی حلیف تھی اس بین الاقوامی ماحول میں یہ امر عبدالرحمان الاوسط کی سیاسی بصیرت اور بیدار مغزی پر روشن دلیل ہے کہ اس نے صوبہ نافار (Navarre) (شمالی برانس میں) کے حاکم سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور اسے اپنا حلیف بنا لیا۔ مقصد یہ تھا کہ اندلس اور بلاد فرنگ کے درمیان ایک سلطنت حائل رہے۔

عبدالرحمان الاوسط، لین پول کے الفاظ میں[1] "بڑا پاکیزہ ذوق رکھتا تھا اور ایک نیک طینت انسان تھا۔ قیادت کی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا تھا۔ اس کی حکومت کے نظم و نسق میں چار اشخاص کا بہت کچھ دخل تھا۔ ان میں ایک مغنی تھا، دوسرا ایک فقیہہ تھا، تیسری ایک خاتون تھی اور چوتھا ایک حبشی غلام تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اقتدار فقیہہ کو حاصل تھا۔ یہ فقیہہ "یحیٰی بن یحیٰی لیثی[2]" تھے۔ یہ وہی یحیٰی تھے جنہوں نے اس کے باپ الحکم کے خلاف فقہاء کو اکسایا تھا۔ عبدالرحمان الاوسط کے دور میں یحیٰی کو اتنا اثر و نفوذ حاصل تھا کہ وہ ان کی کوئی بات رد نہیں کرتا تھا۔ خاتون

---

1. The Moorse ın Spain p. 80 - 81 -
2. Dozy : The Moslems in Spain p. 260.

" ملکه طروب " تھی ، جشی غلام " نصر " تھا جسے سلطنت کے معاملات میں بہت بڑا دخل حاصل تھا - مغنی " زریاب " تھا، علوم و فنون کو ترقی دینے کے معاملات میں اس کی مؤثر آواز تھی - اس سلسلے میں عبدالرحمان اسی کے مشورے پر عمل کرتا تھا - زریاب نے سلطنت کے نظم و نسق میں دخل دینے سے احتراز کیا تھا ، اس کا کہنا تھا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ھوتا ھے -

طبری [1] نے ۲۱۰ھ کے حوادث میں بیان کیا ھے کہ عبداللہ بن طاھر نے اندلس کے لوگوں کے ایک گروہ کو مصر سے جلا وطن کر دیا تھا ، جن کی عادت تھی کہ وہ مصر میں شورشیں برپا کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رھتے تھے - یہ لوگ اندلس سے اسکندریہ آئے تھے اور وھیں آباد ھو گئے تھے - اس واقعہ کی تفصیل یہ ھے کہ عبداللہ بن طاھر جب مصر میں داخل ھوا تھا، اس وقت اس نے ان اندلسیوں اور ان کے مددگاروں کو بلایا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اپنی سرکشی سے باز آجاؤ ورنہ تلوار سے تمہیں سیدھا کر دیا جائیگا - ان لوگوں نے اطاعت مندی کا اظہار کیا تھا اور امان طلب کی تھی - عبداللہ بن طاھر نے اس شرط پر انہیں امان دی تھی کہ وہ اسکندریہ سے بلاد روم کے کسی غیر اسلامی علاقے میں چلے جائیں - یہ لوگ بحیرۂ روم کے ایک جزیرہ اقریطش میں چلے گئے تھے ، جسے انہوں نے اپنا وطن بنا لیا تھا اور وھیں آباد

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۵ -

ہو گئے تھے - اس جزیرہ میں ان کی اولاد اس وقت تک موجود ہے -

نیکن عباسی خلفاء کے دلوں میں اندلس فتح کرنے اور اسے دوبارہ سلطنت عباسیہ میں شامل کرنے کی خواہش ہمیشہ بیدار رہی - معتصم نے بقول سیوطی[۱] "مغرب اقصیٰ کی طرف روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا تاکہ ان بلاد پر دوبارہ قبضہ قائم کرے جو امویوں کے تسلط کی وجہ سے سلطنت عباسیہ کے اقتدار سے نکل گئے ہیں" کہا جاتا ہے کہ معتصم نے اس کا تخمینہ بھی لگا لیا تھا کہ اس جنگ کے لئے کتنی فوج اور کتنے ساز و سامان کی ضرورت ہوگی اور اس مہم کے لئے تیاری بھی شروع کر دی تھی - لیکن اس اثناء میں وہ شدید بیمار ہو گیا اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا -

۴ - بیز نطینیوں سے :

عربوں اور رومیوں میں جنگ کا سلسلہ ظہور اسلام کے بعد سے برابر جاری رہا تھا - عربوں نے تین بار قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی، پہلی بار حضرت عثمانؓ کے دور میں، دوسری بار امیر معاویہؓ کے عہد میں اور تیسری بار سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں -

امویوں کے آخری دور حکومت میں داخلی جنگوں نے عربوں کی اجتماعی قوت کو منتشر کر دیا تھا - شہنشاہ بیزنطینیہ، قسطنطین چہارم نے اس انتشار سے فائدہ اٹھایا تھا اور مسلمانوں کے

---

۲ - تاریخ الخلفاء : صفحات ۲۲۳ - ۲۲۴ -

سرحدی علاقوں پر غارتگری شروع کر دی تھی ۔ امویوں کے بعد جب عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو بیز نطینیوں اور عربوں کے درمیان جنگ کا زاویۂ نگاہ بدل گیا تھا ۔ اس دور میں عربوں کے خیال میں یہ جنگیں شہروں کی بربادی اور جان و مال کی تباھی کے مترادف تھیں ۔ امویوں کے دور میں عربوں کا زاویۂ نگاہ اس سے مختلف تھا ۔ اس وقت ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ بیز نطینیوں سے جنگ کی جائے اور قسطنطنیہ پر تسلط قائم کیا جائے ۔ ان دونوں عہدوں میں زاویۂ نگاہ کے اختلاف کے دو اھم سبب تھے ۔

پہلا سبب یہ تھا کہ بلاد شام کے باشندے عباسیوں کے ساتھ بغض و عداوت رکھتے تھے اور امویوں کے ساتھ ان کے خلوص اور وفاداری کے جذبات اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی غیر متزلزل تھے ۔ اسی اعتماد پر عبدالرحمان الداخل نے ان بلاد پر دوبارہ اموی اقتدار قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ امویوں کی طرح عباسیوں نے بحیرۂ روم میں کوئی زبردست بحری بیڑا تیار نہیں کیا تھا ۔ عباسیوں نے محض اپنی بری فوجوں پر اعتماد کیا تھا اور بحری قوت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی ۔

بیز نطینیوں نے ابو جعفر منصور کے دور خلافت میں بلاد اسلامیہ پر غارت گری شروع کی تھی ۔ ۱۳۷ھ میں قسطنطین چہارم نے بلاد شام کے بعض سرحدی علاقوں پر حملہ کر دیا ، ملطیہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے قلعوں کو برباد کر دیا ۔

لیکن عربوں نے بیز نطینیوں سے اگلے سال اسے واپس چھین لیا اس کے قلعوں کی مرمت کرا دی اور وہاں ایک زبردست محافظ فوج متعین کر دی ۔ ابن اثیر[1] نے ۱۳۹ھ کے حوادث میں بیان کیا ہے کہ اس جنگ میں صالح بن علی عباسی کے ساتھ اس کی دو بہنیں ام عیسیٰ اور لبابہ بھی شریک تھیں ۔ ان دونوں نے نذر مانی تھی کہ جب امویوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا تو وہ خدا کے راستہ میں جہاد کرینگی ۔ اس جنگ میں شہنشاہ روم نے منصور کو جزیہ دینا منظور کیا تھا ۔ منصور نے قالیقلا کے قیدیوں اور دوسرے رومی قیدیوں کا جزیہ وصول کیا اور اس سے جزیرۂ ملطیہ کی دوبارہ تعمیر کی اور اسے مستحکم کیا ، پھر اسے اس کے باشندوں کے حوالے کر دیا اور جزیرہ کے باشندوں کی ایک فوج تیار کی، جسے اس کے تحفظ اور دفاع کے لئے متعین کر دیا ۔ اس کے بعد ایک زمانے تک رومیوں کو اس پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی ۔ ۱۴۶ھ میں جب منصور محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی بغاوتوں کی سرکوبی میں مصروف تھا، اس وقت رومیوں نے اس پر پھر حملہ کر دیا تھا ۔

عباسیوں اور بیزنطینیوں کے درمیان ۱۵۵ھ تک جنگ کی آگ برابر مشتعل رہی ۔ ۱۵۵ھ میں قسطنطین چہارم مصالحت پر مجبور ہوا اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا[2] ۔ طبری کا بیان ہے کہ ۱۵۶ھ — ۱۵۷ھ اور ۱۵۸ھ میں مسلمانوں اور بیزنطینیوں کے درمیان موسم گرما میں جنگیں ہوئی تھیں یہ منصور کی خلافت

---

۱ ۔ جلد ۶ صفحہ ۲۲ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۶ ۔

کا آخری زمانہ تھا [1] ۔

۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی ایک بہت بڑی فوج لے کر بلاد روم پر حملہ کرنے کے لئے نکلا اور بردان پہنچ کر وہاں اپنی فوج ڈال دی، اس جگہ سے عباس بن محمد کو روانہ کیا، جو انقرہ [2] تک پہنچ گیا ، ۱۶۱ھ میں موسم گرما کی جنگوں کی قیادت ثمامہ بن ولید کے سپرد کی گئی، ثمامہ ایک فوج لے کر نکلا اور دابق میں پڑاؤ ڈال دیا ، جہاں رومی فوج سے اس کا مقابلہ ھوا ۔ جسکی تعداد اسی هزار تھی ۔ ثمامہ ، رومیوں کی قوت اور فوج کی کثرت سے بالکل دهشت زدہ نہ هوا اور مرعش کے قریب اس نے رومیوں کو شکست دی ۔ لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کی فوج کی بہت بڑی تعداد شہید هوئی ۔

اس تھوڑی سی کامیابی سے رومی بہت دلیر هو گئے اور انہوں نے ۱۶۲ھ میں ''حدث'' پر غارت گری کی اور اس کی شہر پناہ کو گرا دیا ۔ مہدی نے موسم گرما کی لڑائیوں کا سپہ سالار حسن بن قحطبہ کو مقور کیا ، لیکن اس وقت وہ رومیوں کی سرگرمیوں کا استیصال نہ کر سکا [3] اور واپس آ گیا ۔ ۱۶۳ھ میں رومیوں نے سلطنت عباسیہ کی سرحدوں پر پھر حملہ کیا اور مرعش پر قبضہ کر لیا اور اسے آگ لگا دی ۔ مہدی نے ایک زبردست فوج حسن بن قحطبہ کی قیادت میں روانہ کی ۔ لیکن رومی اس کی آمد کی خبر سن کر اپنے شہروں کو واپس لوٹ گئے ، اس کے بعد رومیوں نے

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۸ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۲۶ -
۳ - جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ -

نئے سرے سے عباسی سرحدوں پر حملے شروع کئے ۔ ان غارتگریوں کا استیصال کرنے کے لئے اب خود مہدی ایک جرار لشکر لے کر نکلا ، جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی اور اپنی جگہ بغداد میں اپنے بیٹے (ہادی) کو اپنا جانشین مقرر کیا ۔ مہدی نے حلب کے شہر کو اپنی جنگی کارروائیوں کا مرکز بنایا اور اپنے بیٹے ہارون کو رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، ہارون کی مدد کے لئے سلطنت عباسیہ کے مشہور ترین افراد اس کے ساتھ بھیجے گئے ۔ ان میں یحییٰ بن خالد برمکی، عبداللہ بن صالح، عیسیٰ بن موسیٰ اور حسن بن قحطبہ شامل تھے ۔ جیحان تک مہدی بھی اپنے بیٹے ہارون کے ساتھ ساتھ گیا تھا اور وہاں ایک شہر کی بنا ڈالی ، جس کا نام مہدیہ رکھا تھا ۔

ہارون رشید بلاد روم کی طرف برابر پیش قدمی کرتا رہا یہاں تک کہ قلعہ سہالو تک جا پہنچا ۔ اس پر منجنیق نصب کر دی اسے برباد کیا اور اس پر تسلط قائم کر لیا [1] ۔ رومیوں نے اس جنگ کے قیدیوں کے بدلے میں فدیہ ادا کیا اور مصالحت کر لی ۔

لیکن تھوڑے ھی عرصے بعد رومیوں نے صلح کی شرطیں توڑ دیں اور از سر نو دولت عباسیہ کے مقبوضات پر حملے شروع کر دئے ۔ مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کو پھر رومیوں سے جنگ کرنے پر مامور کیا اور اسے موسم گرما کی جنگوں کا سپہ سالار مقرر کیا ، اور اس کی مدد کے لئے اپنے غلام ربیع بن یونس کو مامور کیا ۔

۱۶۵ھ میں مہدی نے بلاد بیزنطینیہ پر حملے کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور تقریباً ایک لاکھ فوج اس مقصد کے لئے جمع کی، اس کے بعد یہ فوج اپنے بیٹے ہارون کی قیادت میں روم کی

---

۱ - ابن الاثیر : جلد ۷ صفحہ ۲۲ ۔

مہم پر روانہ کی ۔ ہارون نے بلاد روم پر چڑھائی کر دی اور باسفور کے ساحلوں تک پہنچ گیا ملکہ أیرینی ۔ Irene (بیوہ لیو چہارم) مصالحت پر مجبور ہوئی اور ستر ہزار دینار سالانہ جزئے کے طور پر دو قسطوں میں ادا کرنا منظور کیا، ملکہ آرینی اپنے نابالغ بیٹے قسطنتین ششم کی طرف سے حکومت کے فرائض انجام دےرہی تھی ملکہ آئرینی نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ واپسی پر مسلمانوں کے لئے راستے میں کھانے پینے کی چیزوں کی سہولتوں کے لئے بازاروں اور پانی کی سبیلوں کا انتظام کردےگی ۔ اس نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ مسلمان قیدی واپس کر دئے جائینگے ، یہ جنگ ایک صلحنامے پر ختم ہوئی ، جسکی مدت تین سال تھی ۔

مسلمانوں اور بیزنطینیوں کے درمیان ان جنگوں کی ہلاکت انگیزی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق ان جنگوں میں بیزنطینی مقتولوں کی تعداد چون (۵۴) ہزار تھی اور ان کے قیدیوں کی تعداد پانچہزار تھی [۱]۔

بیزنطینیوں پر مہدی کی ان فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ اس زمانے کے سلاطین کے دلوں میں مہدی کی ہیبت اور دبدبہ بیٹھ گیا ۔ مہدی نے اس دور کے سلاطین کے پاس اپنے قاصد روانہ کئے جو ان کے پاس خلافت عباسیہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہونے کا پیغام لے کر گئے تھے ان میں سے اکثر سلاطین نے خلیفہ عباسی کے حلقۂ اطاعت میں شامل ہونا منظور کر لیا ، تھا ان سلاطین میں کابل ، طبرستان ، طخارستان فرغانہ ، اشروسہ سجستان ، ترکی ، تبت سندھ ، چین اور متحدہ ہند کے بادشاہ شامل تھے [۲] ۔

---

1. Finlay : History of the Byzantine Empire p. 104 - 107.
Muir : The Caliphate p. 470 - 461.

۲ - تاریخ یعقوبی : جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ ۔

مختصر یہ ہے کہ مہدی کا عہد خلافت بیزنطینیوں کےساتھ جنگوں کی کثرت کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے ۔ ان جنگوں میں زیادہ تر کامیابیاں مسلمانوں کو ہوئی تھیں ۔

ہارون الرشید جب تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے ان بلاد اسلامی کے دفاع اور سلامتی کے زبردست اور مستحکم انتظامات کئے جو بیزنطینی سرحدوں سے ملحق تھے ۔ ۱۸۱ ھ میں ہارون الرشید خود ایک زبردست فوج لے کر ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوا اور بہت سے معرکوں میں بیزنطینیوں پر فتح پائی، ہارون برابر پیش قدمی کرتا رہا یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہنچ گیا ۔ بیزنطینیوں پر مسلمانوں کی ان فتوحات سے دہشت بیٹھ گئی اور مجبوراً ملکہ أیرینی Irene نے مسلمانوں سے مصالحت کرلی اور جزیہ دینا منظور کر لیا ۔ أیرینی کے بعد جب نقفور بیزنطینی تخت پر متمکن ہوا تو اس نے ۱۸۷ ھ میں ہارون کے پاس ایک خط بھیجا جس کے ذریعہ اس مصالحت کو فسخ کردیا اور ملکہ ایرینی جو جزیہ دے چکی تھی اس کی واپسی کا مطالبہ کیا ۔ خط یہ تھا : روم کے بادشاہ نقفور کی طرف سے عربوں کے بادشاہ ہارون کے نام ! ملکہ أیرینی نے جو مجھ سے پہلے اس تخت پر متمکن تھی بساط سیاست پر تمہیں رخ اور اپنے آپ پیدل بنا دیا تھا ۔ اس نے تمہارے پاس بہت سا مال و دولت (جزیہ) روانہ کیا ، جسکے تم کسی طرح مستحق نہ تھے ۔ یہ محض عورتوں کی کمزوری اور حماقت تھی ۔ جب تم میرا یہ خط پڑھو فوراً وہ سب مال و دولت لوٹا دو ۔ جو تمہارے پاس ملکہ أیرینی نے بھیجا تھا ۔ یہ تمہاری جان کے لئے فدیہ ہوگا ، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے ۔

ہارون الرشید نے جب یہ خط پڑھا تو جوش غضب میں

آپے سے باہر ہوگیا ۔ اس وقت کسی شخص میں اس کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ تھی، گفتگو تو بڑی بات تھی ۔ خوف و دہشت کی وجہ سے پاس بیٹھے ہوئے ارکان منتشر ہوگئے ۔ وزیر کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ ہارون الرشید نے اسی وقت دوات منگوائی اور شہنشاہ روم کو ان الفاظ میں جواب لکھا : ''امیرالمومنین ہارون الرشید کی طرف سے روم کے کتے نقفور کے نام! میں نے تیرا خط پڑھا، اسکا جواب تو کانوں سے نہیں سنے گا، آنکھوں سے دیکھے گا فقط '' اس کے بعد فوراً شہنشاہ روم کے خلاف جنگ کرنے کےلئے تیار ہو گیا اور ایک جرار لشکر لے کر روانہ ہوا اور ایشیائے کوچک کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ شہنشاہ روم اس کے مقابلے کے لئے نکلے، ہارون نے ہرقلہ پر تسلط قائم کر لیا اس وقت شہنشاہ روم ان شورشوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا، جو اسکے شہروں میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ۔ ہارون الرشید کا یہ تسلط شہنشاہ روم کی نخوت و رعونت کے لئے اتنی شدید ضرب تھی کہ وہ مصالحت کے لئے ناک رگڑنے پر مجبور ہوا ۔ اور نئے سرے سے جزیہ دینا منظور کیا [۱] ۔

نقفور کی فرعونیت، اس کا صلحنامے کی شرطوں کو توڑنا اور ہارون رشید کی روم پر یورش اور ان پر مصائب و آلام کی بارش کر دینا، ان باتوں کو شعراء نے اپنا موضوع سخن بنایا اور طویل اور بلند پایہ قصائد لکھے [۲] ۔

لیکن بیزنطینیوں نے کچھ عرصہ کےبعد یہ معاہدہ بھی توڑدیا اور

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۹۲ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحات ۹۳ ۔ ۹۲ ۔

اگلے سال بلاد عباسیہ کی طرف پیش قدمی شروع کردی اورجنوبی ایشائے کوچک کے مسلمانوں پر سخت مصائب ڈھائے، خصوصاً مرعش اور طرسوس کے باشندوں پر مصائب کے پہاڑ توڑ دئے۔ اس وقت رومیوں کو اس پیش قدمی کا موقع اس لئے مل گیا تھا کہ ہارون داخلی شورشوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا۔ ان خبروں کے سننے کے بعد ہارون رشید خود ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج لے کر بلاد روم پر حملہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور رومیوں سے بڑا خوفناک انتقام لیا اور ان کے اہم شہروں پر قبضہ کر لیا۔ جن میں ہرقلہ اور ٹوانہ (Tivana) نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ دس ہزار آدمیوں کو قید کر لیا اور بیس ہزار سونے کے سکے [1] جزئے میں وصول کئے۔

طبری [2] کا بیان ہے کہ اسی معاہدے میں نقفور کی شرط یہ تھی کہ ہارون رشید، ذوالکلاع، سملہ اور قلعۂ ستان کو برباد نہیں کرے گا اور ہارون رشید کی شرط یہ تھی کہ نقفور ہر قلہ کو آباد اور مستحکم نہیں کرے گا اور تین لاکھ دینار جزیہ ادا کرے گا۔

رومیوں کے ساتھ ہارون رشید کی جنگیں ایشیائے کوچک تک محدود نہ تھیں بلکہ ان کا دائرہ بحیرۂ روم تک وسیع ہو گیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰ھ میں عباسیوں نے جزیرہ قبرس پر حملہ کیا اور سولہ ہزار آدمیوں کو قید کیا۔ ان قیدیوں میں جزیرے کا اسقف (بشپ) بھی شامل تھا [3]۔

---

1. Muir : The Caliphate p. 488.

۲۔ جلد ۱۰ صفحہ ۹۹۔

۳۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۹۹۔

امین کے عہد میں عباسیوں نے رومیوں پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا وجہ یہ تھی کہ امین اس ہنگامے میں مصروف تھا جو اس کے اور اس کے بھائی مامون کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مامون کے عہد میں ان دونوں سلطنتوں میں پھر معرکے شروع ہو گئے۔ مامون نے ٹامس صقلبی کو اکسایا تھا جس نے ایشیائے کوچک میں شہنشاہ تھیو فیلس (Theo Philus) کے خلاف بغاوت کی تھی۔ مامون نے اسے مالی اور فوجی امداد بھی دی۔ لیکن شہنشاہ تھیوفیلس کو اس ساز باز کا پتہ چل گیا اور مامون اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ شہنشاہ روم نے مامون کی حکمت عملی کو مامون کے خلاف استعمال کیا اور بلاد روم کو بابک خرمی اور اس کے پیرووں کے لئے ماویٰ و ملجا بنا دیا تھا۔ یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ بابک خرمی نے ۲۰۱ھ میں مامون کے خلاف بغاوت کی تھی اور منطقۂ حران کے، شمالی مشرقی پہاڑی شہروں میں اپنے قدم مضبوطی سے جالئے تھے اور یہ علاقے دولت عباسیہ سے ۲۲ سال تک منقطع اور خود مختار رہے تھے۔ (۲۰۱ھ — ۲۲۳ھ)۔

ان علاقوں میں بابک خرمی اور اس کے پیرو اس عرصے میں آزادی سے اپنے مذہب کا پرچار کرتے رہے تھے اور شہنشاہ روم انہیں اکساتا رہا تھا، لیکن آخر کار شہنشاہ روم، مامون سے مصالحت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے مامون کو خط[1] لکھا تھا جس میں جنگ کے ضرر اور مصالحت کے فوائد پر بحث کی تھی۔ لیکن آخر میں مامون کو تہدید

۱۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳۔

بھی کی تھی اور اس پر اپنی فوجی قوت کا رعب ڈالنے کی کوشش کی تھی -

شہنشاہ روم کے اس خط نے مامون کے غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا اور اس نے مصالحت کی پیشکش کو مسترد کر دیا - وجہ یہ تھی کہ اس نے اس خط میں مامون کو دھمکی بھی دی تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ مامون قسطنطنیہ فتح کرنا[1] چاھتا تھا -

۲۱۸ھ میں مامون رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے نکلا لیکن راستے ھی میں اس نے داعئی اجل کو لبیک کہا اور طرسوس میں دفن کیا گیا -

معتصم کے دور (۲۱۸ھ — ۲۲۷ھ) میں عباسیوں اور رومیوں کے تعلقات بہت خراب ہو گئے تھے. لیکن معتصم کی دور اندیشی نے سب سے پہلے بابک خرمی کا استیصال ضروری خیال کیا، جو شہنشاہ بیزنطینیہ کا کھڑا کیا ہوا تھا - معتصم نے بابک کے فتنے کا قلع قمع کرنے کی طرف پوری توجہ مرکوز کر دی - شہنشاہ بیزنطینیہ نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور شہر زپطرہ (Zapetra) پر حملہ کر دیا اور اسے نذر آتش کر دیا - اس سے درپردہ شہنشاہ بیزنطینی کا مقصد یہ تھا کہ وہ معتصم کی توجہ بابک خرمی کی طرف سے پھیر دے اور اس طرح اس کی مدد کرے تھیوفیلتس نے ایک لاکھ فوج سے شہر زپطرہ پر چڑھائی کی تھی - مسلمان عورتوں کو قید کر لیا، مسلمان مردوں کو گرفتار کر کے مثلہ کیا، ان کی آنکھیں پھوڑ دیں اور ان

---

۱ - طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳ - ۲۸۴ -

کے ناک کان کاٹ دئے۔ شام اور الجزیرہ کے مسلمانوں کے جذبات رومیوں کی اس غارت گری اور بہیمانہ حرکتوں سے بہت مشتعل ہو گئے اور وہ ان رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ابن الاثیر[1] کا بیان ھے کہ جب شہنشاہ روم کے خروج اور اس کے جبر و استبداد کی خبر معتصم کو پہنچی تو اس کے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ھو گیا۔ معتصم سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ رومی اس دار و گیر میں ایک ھاشمی عورت کو گرفتار کئے لئے جا رہے تھے۔ اس وقت وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی اور اس کی زبان پر یہ فریاد تھی ''معتصم مجھے بچاؤ! معتصم مجھے بچاؤ!! معتصم یہ الفاظ سنتے ھی جوش غضب میں اپنے تخت خلافت سے اٹھ کھڑا ھوا اور بولا لبیک۔ لبیک۔ (ابھی پہنچتا ہوں) اور جوش حمیت میں اپنے قصر میں چیخا جہاد! جہاد! اور اسی وقت اپنے گھوڑے پر سوار ھو گیا۔

رومیوں کے اس انسانیت سوز جبر و استبداد نے مسلمانوں کی غیرت کو بہت برانگیختہ کردیا تھا اور مختلف شہروں میں مسلمانوں کو رومیوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا گیا۔ مسجدوں میں اور ایک ایک گھر میں ان کے خلاف نفرت کے مظاھرے کئے گئے اور مسلمان اجتماعی طور پر ان کی سرکوبی کے لئے تیار ھو گئے انہیں دنوں میں ابراھیم بن مہدی، معتصم کی خدمت میں حاضر ھوا اور ایک قصیدہ سنایا، جس میں رومیوں کے ان مظالم کا تذکرہ کیا گیا جو رومیوں نے زبطرہ کے مسلمانوں پر ڈھائے تھے۔ اس قصیدے میں معتصم کو رومیوں کے خلاف جہاد کے لئے

---

۱ - جلد ٦ صفحہ ۱۷٦ -

اکسایا گیا تھا [۱] ۔

معتصم ، بابک خرمی کا استیصال کرنے کے بعد فوراً ایک لشکر جرار لے کر انقرہ روانہ ہو گیا ۔ وہاں بیزنطینی شہنشاہ کو بری طرح شکست دی اور انقرہ پر تسلط قائم کر لیا ۔ اس کے بعد معتصم نے عموریہ پر چڑھائی کرنے کا عزم کیا ۔ جہاں شہنشاہ تھیوفیلس نے نشؤ و نما پائی تھی ۔ معتصم نے دجلہ کے مغربی ساحل پر فوجوں کا اجتماع کیا اس فوج میں اس کے مشہور اور منتخب جرنیل شامل تھے مثلاً ترک جرنلوں میں افشین ، اشفاس ، بغاالکبیر اور عرب جرنلوں میں عجیفہ بن عفبہ اور محمد بن ابراھیم شامل تھے ۔

بعض مؤرخین کا بیان ھے کہ معتصم کی یہ فوج پانچ لاکھ تھی بعض دوسرے مؤرخین کا بیان ھے جنھوں نے شاید مبالغہ سے کام نہیں لیا ھے" کہ یہ فوج دو لاکھ تھی ۔ معتصم یہ فوج اپنی قیادت میں لے کر روانہ ھوا اور ایشیائے کوچک سے گزرتا ھوا عموریہ پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا اور وھاں کے باشندوں کا قتل عام شروع کر دیا ۔ کہا جاتا ھے کہ اس نے یہاں کے تیس ہزار باشندوں کو قتل کیا تھا ۔ معتصم نے اپنی فوج کو عموریہ کو لوٹنے اور برباد کرنے کے لئے پورے چار روز کی اجازت دے دی تھی ۔ عموریہ کے ممتاز اور متمول اشخاص نے اپنی جان کے فدیے میں بڑی بڑی رقمیں پیش کی تھیں ۔

معتصم عموریہ کی تسخیر کے بعد ۲۲۳ھ میں جب

---

۱ - المسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۳۵۳ -

دارالخلافت سامرا واپس لوٹا تو اس کے خیر مقدم میں ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی گئی، اسی میں ابو تمام شاعر نے معتصم کی شان میں اپنا مشہور قصیدہ پڑھا تھا [۱] ۔

۵ ۔ متحدہ ہندوستان سے :

متحدہ ہند پر مسلمانوں کے حملوں کا سلسلہ بہت قدیم زمانہ سے شروع ہو چکا تھا ۔ مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ آنحضرت ص کے وصال کے کچھ عرصے بعد ۱۵ھ میں کیا تھا ۔ اس کے بعد سے حملوں کا یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی عیسوی تک برابر جاری رہا ۔ اس عرصے میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے بلاد ہند میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور انہوں نے اہم شہر آباد کئے، جن کا اسلامی تمدن کے فروغ اور ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے ۔

حضرت معاویہ رض کے عہد میں مہلب بن ابی صفرہ نے بلاد سندھ پر حملہ کیا اور پیش قدمی کرتا ہوا ان علاقوں تک پہنچ گیا جو کابل اور ملتان کے درمیان واقع ہیں اور ان سب علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا ، پھر ان فتوحات میں اور توسیع ہوئی اور بوقان ، قیقان اور دیبل بھی ان میں شامل ہو گئے ۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے بلاد ہند کا رخ کیا تھا اور وہ دریائے سندھ تک پہنچ گیا ، جو اس زمانہ میں دریائے مہران کے نام سے مشہور تھا۔ دریائے سندھ پر سندھ کے راجہ داھر اور اس کی فوج سے سامنا ہوا ، جو ھاتھیوں پر سوار تھی ۔ راجہ داھر سے مسلمانوں کا سخت مقابلہ

۱ ۔ الفخری : صفحات ۲۰۱ - ۲۱۱ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳ -

ہوا ، آخر کار راجہ داہر مارا گیا اور اس کی فوج کو بری طرح ہزیمت ہوئی[1] ۔

عباسیوں کے دور میں ابو جعفر منصور نے ہشام بن عمر و تغلبی کو بلاد سندھ کی مہم پر روانہ کیا اس عہد میں مسلمانوں نے بلاد کشمیر کو دوبارہ فتح کر لیا تھا اور بد کو منہدم کر دیا گیا تھا ، جو غیر مسلموں کا مشہور معبد تھا اور عیسائیوں کے گرجوں اور یہودیوں کے معبدوں سے بہت ملتا جلتا تھا ۔ اس معبد کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی ۔ بلاذری[1] کا بیان ہے کہ ملتان کے اس معبد میں چڑھاوے اور نذریں چڑھائی جاتی تھیں اور سندھ کے باشندے اس کے تیرتھ کے لئے جاتے تھے، اس کا طواف کرتے تھے اور وہاں سر اور داڑھیاں منڈواتے تھے ۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اس معبد میں جو بت ہے، وہ حضرت ایوب علیہ‌السلام کا مجسمہ ہے ملتان بلاد پنجاب کے ہندؤں کا مشہور تیرتھ ہے، یاقوت[3] کا بیان ہے کہ ملتان میں ایک بت تھا جس کی ہندو بڑی عزت کرتے تھے ۔ اور دور دور شہروں سے اس کے درشن کے لئے آتے تھے اور اس پر نذرانے اور بڑے بڑے چڑھاوے چڑھاتے تھے ۔ ان نذرانوں کی دولت اس بتکدے اور اس کے رہنے والے پنڈتوں پر خرچ کی جاتی تھی ۔ ملتان شہر کا نام اسی بت کے نام پر رکھا گیا تھا ، اس بت کو ایک کھال پہنائی گئی تھی - جو سرخ بکری کے بچہ کی کھال سے بہت ملتی چلتی تھی اور اس کی دونوں آنکھوں کو چھوڑ کر اس کا سارا حصہ اس سے ڈھکا ہوا تھا ۔ اس بت کی دونوں

---

۱ ۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۴۵ ۔
۲ ۔ دیکھئے فتوح البلدان : صفحہ ۴۴۵ ۔
۳ ۔ دیکھئے مغجم البلدان لفظ ملوتان (ملتان) ۔

آنکھیں ہیرے کی تھیں ، اس کے سر پر سونے کا تاج تھا اور وہ ایک تخت پر چار زانو بیٹھا تھا اور اپنی دونوں باھیں اپنے دونوں گھٹنوں پر دراز کر رکھی تھیں - عرب اسے سولتان یعنی سونے کا گھر کہتے تھے کیونکہ وہ اسلام کے آغاز میں فتح ھو گیا تھا اور اس وقت عرب اقتصادی مشکلات میں مبتلا تھے - ملتان کی تسخیر سے انہیں سونے کی بہت بڑی مقدار مل گئی اور اس کی وجہ سے انہیں بڑی فراغت حاصل ھو گئی تھی -

مہدی کے دور خلافت میں مسلمانوں نے ۱۵۹ھ میں بلاد ھند پر حملہ کیا تھا اور شہر باربد کا محاصرہ کر لیا تھا اور منجنیقیں نصب کر دی تھیں اور آخرکار اسے فتح کر لیا تھا اور گوتم بدھ کے بت کو نذر آتش کر دیا تھا لیکن یہ فتح ، عباسیوں کی فوج کے لئے بہت مہنگی پڑی تھی کیونکہ ان کی فوج میں وبا پھیل گئی تھی اور ایک ھزار سے زیادہ آدمی اس میں مر گئے تھے اور واپسی پر خلیج فارس میں ان کے جہاز طوفان سے تباہ ھو گئے تھے اور فوج کی بہت بڑی تعداد غرق ھو گئی تھی - مامون کے عہد خلافت میں بلاد سندھ اور بلاد ھند میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ اور وسیع ھو گیا تھا - معتصم کے عہد میں کابل سے لے کر کشمیر اور ملتان تک اسلام پھیل گیا تھا - بلاذری کا بیان ھے ''ایک شہر جسے عیسفان کہا جاتا ھے اور کشمیر، ملتان اور کابل کے درمیان واقع ھے، اس کا بادشاہ بڑا دانشمند تھا ، اس شہر کے باشندے ایک بت کی پوجا کرتے تھے جس کے لئے ایک مہتمم بالشان مندر تعمیر کیا گیا تھا اتفاق سے اس شہر کے بادشاہ کا بیٹا بیمار ھو گیا - اس نے اس بتکدہ کے پنڈتوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ بت سے پرارتھنا کرو کہ وہ میرے بیٹے کو اچھا کر دے - پنڈت بادشاہ کے پاس

سے چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد آ کر عرض کیا ، ہم نے دیوتا سے پرارتھنا کی تھی، انہوں نے راجکمار کو اچھا کر دینے کا وعدہ کر لیا ھے لیکن چند روز کے بعد بادشاہ کا بیٹا مر گیا، بادشاہ کو جلال آ گیا اور وہ اس بتکدے میں پہنچا اور اسی وقت اسے منہدم کرا دیا، بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور پنڈتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اس کے بعد مسلمان تاجروں کے ایک گروہ کو بلایا، جو اس زمانے میں وھاں موجود تھا ان تاجروں نے اس بادشاہ کے سامنے اسلام پیش کیا جسے اس نے قبول کیا اور مسلمان ھو گیا یہ معتصم کے عہد خلافت کا واقعہ ھے'' [1] ۔

---

۱ ۔ فتوح البلدان : صفحہ ۴۴۵ ۔ ابن الاثیر : جلد ۶ صفحہ ۱۷ ۔ دیکھئے مجلۃ کلیۃ الآداب جلد ۷ جولائی ۱۹۴۴ مقالہ ''انتشار الاسلام فی الھند'' از قلم حسن ابراھیم حسن صفحات ۳ ۔ ۵ ۔ ۷ ۔

باب پنجم

نظام حکومت

۱ - سیاسی نظام

(الف) خلافت:

ابو جعفر منصور نے جس سیاسی نظام کی بنیاد رکھی تھی، اسی پر دور اول کے خلفاء عباسیہ چلے تھے - یہ سیاسی نظام ایک زمانہ سے مشرق میں رائج تھا اور ایرانی، اکزر کیس (Xerxex) کے عہد سے اس سے مانوس تھے - اس کی وجہ سے، عباسی خلفاء اسی جاہ و جلال کے ساتھ ان بلاد پر حکومت کر سکے، جس جاہ و جلال سے ان سے پہلے آل ساسان کرچکے تھے -

خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد، خلافت کا نظام بھی بدل گیا تھا - وجہ یہ تھی کہ خلافت عباسیہ کی اساس ایرانیوں کے کاندھے پر رکھی گئی تھی جو بنی امیہ سے اس لئے ناراض تھے کہ انہوں نے ایرانیوں اور عربوں میں امتیاز قائم کیا تھا اور قرآن اور حدیث کی تعلیم کے باوجود مساویانہ حقوق سے انہیں محروم کردیا تھا - اسویوں کی طرح عباسیوں نے بھی اپنے بعد اپنے بیٹوں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا - ایرانی اپنے شہنشاہوں کے خداداد حق فرمانروائی(The Divine Right of King) کے قائل تھے - اس نظرئیے کا مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو شاہی خاندان سے کوئی نسلی تعلق نہ ہو، اسے حکومت کا کوئی

حق حاصل نہیں تھا - اگر وہ حکومت پر قابض ہوگیا تو اسے غاصب سمجھا جائیگا - اس سازگار ماحول میں منصور نے اسی نظریۂ حکومت کی ترویج کی تھی اور وسیع پیمانہ پر یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ اسے فرمانروائی کا حق خدا نے دیا ہے ، قوم کا دیا ہوا نہیں ہے ، منصور کے یہ الفاظ اس دعویٰ کی دلیل ہیں " میں خدا کی طرف سے خدا کی زمین پر حکمران ہوں " یہ نظریۂ حکومت خلافت راشدہ کے نظریۂ حکومت سے مختلف تھا - خلفائے راشدین کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قوم نے انہیں فرمانروائی کا حق دیا ہے - حضرت ابوبکرؓ کے یہ الفاظ اس دعویٰ کی واضح دلیل ہیں جو انہوں نے بیعت خلافت کے بعد اپنے خطبہ میں فرمائے تھے "اگر میں اچھے کام کروں تو میری ہمت افزائی کرنا اگر سیدھے راستے سے بھٹک جاؤں تو مجھے راہ راست پر کر دینا" - حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بیعت خلافت کے بعد اپنی سیاسی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا، "میں تم میں سے کسی سے بہتر نہیں ہوں ، اتنا ضرور ہے کہ تم سب سے زیادہ مجھ پر بار گراں ڈال دیا گیا ہے "-

عباسیوں نے اپنے استحقاق حکومت کی اساس اس امر پر قائم کی تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے وارث ہیں ، انہوں نے اپنی حکومت کو دینی حکومت قرار دیا تھا ، جس میں اقتدار اعلیٰ مذہبی پیشواؤں کو حاصل ہوتا ہے - دراصل یہ سیاسی حکمت عملی تھی ، ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی حکومت اور بنی امیہ کی حکومت کے درمیان ایک امتیاز قائم کرسکیں[1] اسی غرض سے عباسی خلفاء نے حکومت کے ساتھ مذہبی تقدس کے مظاہر بھی اپنی ذات کے ساتھ

---

1. Sanhonry Le. Califat p. 303 - 304.

وابستہ کردئے تھے تاکہ ان کی خلافت کے استحقاق پر کوئی زد نہ بڑھ سکے ۔ ان خلفاء کو یہ گوارا نہ تھا کہ انہیں سلاطین کہا جائے، بلکہ انہوں نے عام لوگوں میں یہ شعور پیدا کیا تھا کہ وہ مذھبی حکمران ھیں ان کی حکومت مذھبی حکومت ھے اس سے مدعا یہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت اور اپنی حکومت میں ایک حد فاصل قائم کریں ، جن کے خلاف متقی اور پرھیزگار لوگوں نے فتویٰ دیا تھا ۔ کہ وہ ارباب دنیا ھیں ، اور ان کی حکومت ، دینوی حکومت ھے۔ یہ بیان کرنا بےمحل نہ ھوگا کہ بنی امیہ نے اپنے دارالحکومت دمشق اور اپنے صحراً کے محلوں میں قدیم عربوں کی روایات اور نظام کو رواج دیا تھا اور ان چیزوں کا بہت خیال رکھا تھا[1] اس کے برعکس عباسیوں نے جمہور میں یہ شعور پیدا کیا تھا کہ ان کی حکومت ربانی حکومت ھے جو تمام دینی مظاھر کی حامل ھے ۔

سید امیر علی کا بیان[2] ھے ''عباسیوں میں ھارون رشید کے عہد تک نظام حکومت استبدادی رھا ، خلیفہ مطلق فرمانروا ھوتا تھا ، حکومت کے چھوٹے بڑے تمام امور میں آخری فیصلہ کرنے کا اختیار اسی کو حاصل تھا ۔ نجی طور پر محکموں کے افسروں اور شاھی گھرانے کے ممتاز افراد سے کبھی کبھی مشورہ ضرور لے لیا جاتا تھا ، لیکن اس کی حیثیت غیر سرکاری تھی ''۔

ایرانیوں کی طرف خلفاء عباسیہ کے رجحان کا نتیجہ یہ ھوا کہ نظام حکومت آل ساسان کے نظام حکومت میں ڈھل گیا ۔ پامر،

---

۱ - العقیدہ و الشریعہ فی الاسلام : صفحہ ۴۸۔

2. A Short History of Saracens p. 405 - 406.

عباسیوں کے نظام حکومت پرتبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "عباسی فرمانرواؤں نے اپنے استحکام کے لئے ایرانیوں کا اثر و نفوذ بڑھا دیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حکومت کے نظم و نسق میں ایرانی نظریے کار فرما تھے، چنانچہ ایک ایرانی النسل وزیر حکومت کے نظم و نسق میں پورےطور پر دخیل تھا اور نظام حکومت وہی تھا جو آل ساسان نے اپنے دور شہنشاہیت میں قائم کیا تھا۔ خلیفہ عام رعایا کی نگاہوں سے اوجھل رہتا تھا، وزیروں کے تقرر کی رسم اسی دور میں پڑی، ہیبت و دبدبہ اور تقدس کے تمام مظاہر اختیار کئے گئے، دربار میں ہیبت و جلال کے مظاہر کے لئے باڈی گارڈ ارد گرد ننگی تلواریں لئے کھڑے رہتے تھے، امرائے دولت نے ایرانی لباس اور ایرانی رسم و رواج اختیار کر لئے تھے۔ نو روز، مہر جان اور رام[1] کے موقعوں پر شاہانہ جشن مسرت منائے جاتے تھے، غرض، عباسی خلفاء نے اپنی زندگی اور اپنے ماحول کو بالکل ساسانی فرمانرواؤں کی زندگی اور ماحول میں تبدیل کردیا تھا۔ ان کے گرد و پیش جاہ و جبروت کے وہ تمام مظاہر موجود تھے جو ساسانیوں کا طرہ امتیاز تھے۔ ان کے دربار میں‌باریاب ہونے والوں کا فرض تھا کہ وہ جھک کر زمین بوس ہوں اور جب قریب پہنچیں تو خلیفہ کی چادر کو بوسہ دیں مگر یہ شرف صرف حکومت کے ممتاز افراد کوحاصل تھا[2]۔"

عبّاسیوں کے دور اول میں اسلامی نظام پر ساسانی نظام کا کتنا اثر تھا اس موضوع پر ڈاکٹر عبدالرزاق سہنوری پاشا[3] نے

---

۱ - ایرانیوں کی خوشی کا دن تھا جو وہ ہر فارسی مہینہ کی ۲۱ تاریخ کو مناتے تھے - رام کے معنی ہیں راحت اور خوشی -

2. Palmar : Haroon-Al-Rashid p. 37 - 38.
3. Le Caliphate : p. 301 - 302.

ان الفاظ میں بحث کی ہے ، ”اس دور میں حکومت اسلامیہ موروثی اور استبدادی حکومت میں تبدیل ہو گئی تھی ۔ ولی عہدی کا سلسلہ برابر جاری رہا ، مقصد یہ تھا کہ حکومت خاندان عباسی میں محدود رہے ۔ خلفاء عباسیہ کی ذات کو شان و شکوہ اور ہیبت و دبدبہ کے تمام مظاہر محیط تھے یہ مظاہر عربوں کی روایات اور معاشرت سے متضاد تھے اس لحاظ سے خاندان اموی ، خاندان عباسی سے بالکل مختلف تھا ۔ اموی خاندان کے فرمانرواؤں نے عربوں کی قدیم روایات کو مطلق ترک نہیں کیا تھا ، بلکہ وہ ہمیشہ ان کے تحفظ کا خیال رکھتے تھے ۔ استبدادی حکومت سفاح کے عہد خلافت میں پورے عروج پر تھی ، ان دونوں خاندانوں میں ایک اور مایہ الامتیاز فرق تھا اور وہ یہ تھا کہ عہد بنی امیہ میں اقتدار عربی عنصر کو حاصل تھا اور عباسیوں کے دور میں اقتدار پر ایرانیوں کا تسلط تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عباسیوں کی حکومت ایرانیوں کی پشت پناہی سے قائم ہوئی تھی ، اس لئے قدرتی طور پر قیام حکومت کے بعد ایرانی عنصر کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا تھا ، خاص طور پر برامکہ کا اثر و نفوذ بہت ترقی کر گیا تھا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ برامکہ ایک ایرانی خاندان تھا اور اس میں ایرانی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اس خاندان کا اثرونفوذ منصور کے عہد سے شروع ہوا تھا اور ہارون رشید کے دور میں نقطۂ کمال تک پہنچ گیا تھا، اسی دور میں اس خاندان کا استیصال کر دیا گیا تھا ۔ ساتویں عباسی خلیفہ مامون کی ماں ایک ایرانی خاتون تھی، اس کی بیوی بھی ایک ایرانی خاتون تھی، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ مامون کے دور میں ایرانیوں کو غلبہ حاصل تھا ، ان واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عباسیوں کی حکومت کا قیام دراصل کسریٰ

کی شہنشاھی کی نشأۃ ثانیہ تھی اور بغداد ایرانی عنصر کے اثر و نفوذ کے لحاظ سے سچ پوچھئے تو کسریٰ فرمانرواؤں کا دارالحکوت تھا ''

خلفاء عباسیہ نماز میں لوگوں کی امامت نہیں کرتے تھے اور نہ جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ مزید برآں عباسی خلفاء کے ارد گرد جاہ و جلال اور شان و شوکت کے مظاھر محیط تھے، جو اس سادہ طرز زندگی سے بالکل متضاد تھے، جو دور اول میں اسلام کی امتیازی خصوصیات تھے۔ دراصل جاہ و جبروت کے یہ مظاھر ساسانی فرمانرواں کے جلال و جبروت کے مظاھر کی نشأۃ ثانیہ تھی۔

ایک طرف ساسانی جاہ و جبروت کے یہ مظاھرے تھے، دوسری طرف عباسی خلفاء خلافت کی تاجپوشی یا مذھبی مجالس میں شرکت کے موقعوں پر آنحضرتؐ کی ردائے اقدس زیب تن کرتے تھے، آنحضرتؐ کی نیابت کی حیثیت کو اور نمایاں کرنے کے لئے عباسی خلفاء نے امام کا لقب بھی اختیار کر رکھا تھا، خلفائے راشدین اور عہد بنی امیہ میں اس لقب کا اطلاق صرف اس شخص پر کیا جاتا تھا، جو نماز میں لوگوں کی امامت کرتا تھا، شیعہ البتہ دور بنی امیہ سے اھل بیت کو امام کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ شیعہ اھل بیت کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے۔ عباسیوں نے اپنی حکومت کی بنیاد، خدا داد حق فرمانروائی پر قائم کی تھی اور اس نظریے کی نشر و تبلیغ کے لئے علماء اور ممتاز افراد کو آلۂ کار بنایا تھا اور ان کی جد و جہد سے اس دور کی سیاسی زندگی میں یہ نظریہ غیر متزلزل طور پر کار فرما تھا [۲]۔

---

1. Sanhoury : Le. Califate p, 304.

۲۔ النظم الاسلامیہ : ڈاکٹر حسن ابراھیم و علی حسن صفحات ۶۳ - ۶۵۔

امویوں کی طرح عہد عباسیہ میں بھی ایک سے زیادہ ولی عہد بنانے کی رسم نہ صرف جاری رہی بلکہ اس سلسلے میں وہ بنی امیہ سے بھی دو چار قدم آگے تھے ۔ سفاح (۱۳۲ھ — ۱۳۶ھ) نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ — ۱۵۸ھ) اور اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ جب منصور خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے بیٹے مہدی کی ولی عہدی کی بیعت لی اور عیسیٰ بن موسیٰ کو اس کے بعد ولی عہد مقرر کر دیا [1] ۔

جب مہدی (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ) خلیفہ ہوا تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے معزول کر دیا اور اپنے دو بیٹوں ہادی اور ہارون کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا ۔ جب ہادی (۱۶۹ھ — ۱۷۰ھ) خلیفہ ہوا تو اس نے ہارون رشید کو معزول کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد مقرر کرنے کا قصد کیا اور ہارون پر امراء سلطنت کی طرف سے طرح طرح کا دباؤ ڈالا اور اس کی زندگی اجیرن کر دی ۔ ہارون ان روحانی اذیتوں سے گھبرا کر دستبردار ہونے کے لئے قریب قریب آمادہ ہو گیا تھا مگر اسی زمانہ میں ہادی کی ناگہانی موت نے اس کی خلافت بال بال بچا لی ۔

ہارون رشید (۱۷۰ھ — ۱۹۳ھ) نے اپنے تینوں بیٹوں ، امین ، مامون اور مؤتمن کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنی زندگی میں عباسی سلطنت کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ کا گورنر تینوں کو مقرر کر دیا تھا ۔ ہارون کا

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۵۵ ، ۱۵۶ ۔

مطمح نظر یہ تھا کہ اگر تینوں بھائیوں میں سے کوئی کسی کو ان کے حق سے محروم کرنے کی کوشش کرے تو وہ طاقت سے اس کا دفاع اور تحفظ[1] کر سکے ۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ ھارون کی وفات کے بعد تینوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ھو گیا اور داخلی جنگیں شروع ھو گئیں ۔ دور اول کے خلفاء میں واثق (۲۲۷ھ — ۲۳۲ھ) نے اس روش سے انحراف کیا اور اپنے بیٹے محمد کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کیا ۔ جب مرض الموت میں واثق سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی وصیت کر دے ، اس وقت اس نے جواب دیا : "خلافت کے بارگراں کو میں نے اپنی زندگی میں اٹھایا ، اس کی ذمہ داریاں مرنے کے بعد اپنے سر لینا نہیں چاھتا" اس سلسلے میں اس نے حضرت عمرؓ اور معاویہ ثانی کی اقتداء کی تھی ۔

ولی عہدی کے اس نظام نے خاندان خلافت کے افراد میں رقیبانہ کشمکش اور باھمی بغض و عداوت پیدا کر دی تھی اور کامیاب رقیب اپنے حریف کے حامیوں کو ، جو اسے ولی عہدی سے محروم کرنے کی کوششوں میں حصہ لیتے تھے ، نہائت لرزہ خیز سزائیں دیتا تھا ۔ رفتہ رفتہ ان رقابتوں نے پورے خاندان خلافت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور یہ رقابتیں دولت عباسیہ کی بربادی کے لئے شدید خطرہ بن گئی تھیں ۔

(ب) وزارت :

یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ اسویوں کے بعد جب عباسیوں

---

۱ ۔ مسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحات ۲۱۵ ۔ ۲۱۶ ۔

کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ایرانیوں کا نظام حکومت اختیار کر لیا تھا ۔ اس میں ایک وزارت کا نظام بھی تھا ۔ عباسیوں کے دور اول میں ، عہد ساسانیوں کی طرح وزیر خلیفہ کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا اور نظم و نسق حکومت کا محور خیال کیا جاتا تھا ، خلیفہ کے نائب کی حیثیت سے وہ گورنروں کا عزل و نصب ، سالیات کا انتظام اور دوسرے اہم ملکی انتظامات کرتا تھا ، بالفاظ دیگر وہ فوج اور سول دونوں کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا ، خلیفہ سے وفادای اور اس کی خیر خواہی اس کا منصبی فرض تھا ۔

ابن خلدون[1] کا بیان ہے ”جس وقت خلافت عباسیہ کا آفتاب اقبال جاہ و جلال اور عظمت و شان میں نصف النہار پر تھا ، اس وقت وزارت کا اثر و اقتدار اور مرتبہ بہت بلند تھا ۔ وزیر نظم و نسق میں خلیفہ کا قائم مقام اور مملکت کا سب سے بڑا حاکم اور مالیات کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا ۔ اس کی ہدایات کے مطابق فوجوں کی تنخواہوں کا بجٹ تیار کیا جاتا تھا ۔ اس کے سامنے بڑے بڑے باوقار لوگوں کی گردنیں جھکتی تھیں ۔ وزارت خارجہ کی ذمہ داری بھی اسی کے سپرد تھی تاکہ خارجی پالیسی کے رازوں کا افشا نہ ہو سکے ۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس منصب پر مامور نہائت بلند پایہ ادیب اور سیاست دان ہوتا تھا ۔ اس لئے وزیر سے زیادہ اسے اور کوئی بہتر طور پر انجام نہیں دے سکتا تھا ۔ مہر خلافت ثبت ہو جانے کے بعد شاہی کاغذات وزیر کی تحویل میں دیدئے جاتے تھے اور مہر خلافت

---

۱ - مقدمہ : صفحہ ۲۰۷ -

بھی اس کے پاس رکھدی جاتی تھی ۔ غرض ، وزیر کی شخصیت سیف و قلم دونوں کی حامل تھی اور خارجی اور داخلی کوئی شعبہ اس کے حیطۂ اقتدار سے خارج نہ تھا ۔ اسی لئے جعفر بن یحییٰ برمکی ہارون رشید کے دور میں سلطان کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ۔ نظم سلطنت اسی کے اشارہ سے گردش کرتا تھا ۔ حجابت کے سوا حکومت کے تمام فرائض و اختیارات اس کی ذات میں مجتمع تھے ۔ حجابت میں دروازہ پر کھڑا ہونا پڑتا تھا تھا اس لئے اسے اس نے اپنے لئے باعث ننگ خیال کیا تھا " ۔

وزارت کے اس وسیع اقتدار کے باوجود عباسیوں کے دور عروج میں وزراء خلفاء سے لرزتے رہتے تھے ۔ انہیں اپنی جان کی طرف سے ہر وقت اندیشہ لگا رہتا تھا ۔ منصور نے جب سے اپنی سیاسی مصلحت کی بنا پر ابو جہم کو قتل کرا دیا تھا اس وقت سے وزراء اپنے آپ کو وزیر کہلاتے ہوئے بھی ہچکچاتے تھے ۔ خالد بن برمک وزیر تھا لیکن اس واقعہ کے بعد وہ اپنے آپ کو وزیر کہلانے سے گریز کرتا تھا حالانکہ اسے بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا ۔ یہ تذکرہ خلیفہ منصور کے عہد کے وزراء کا ہے ، لیکن سچ پوچھئے تو یہی حال عباسیوں کے دور اول کے سارے وزراء کا تھا ۔ خلیفہ منصور نے خالد بن برمک کے بعد ابو ایوب ماریانی کو وزیر مقرر کیا گیا تھا ، منصور نے اسے بچپن میں خریدا تھا اور نہائت اعلیٰ تعلیم و تربیت دی تھی ۔ ایک بار اس نے ابو ایوب کے ہاتھ اپنے بھائی خلیفہ سفاح کو کوئی ہدیہ بھیجا تھا ۔ سفاح نے جب اسے دیکھا تو اس کی فصاحت و بلاغت اور غیر معمولی صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہوا اور منصور سے

لے کر اسے آزاد کر دیا اور اپنے ممتاز مقربین بارگاہ میں جگہ دی اور بے شمار مال و دولت سے سرفراز کیا ۔ سفاح کی موت تک وہ برابر ان عنایات کا مرکز رہا ۔ سفاح کی موت کے بعد منصور نے اسے اپنے عہد خلافت میں قلمدان وزارت تفویض کیا تھا ۔ لیکن ابو ایوب ماریانی کو وزارت کا منصب ساز گار نہ آیا اور اس کا بھی وھی حشر ھوا جو خالد بن برمک کو چھوڑ کر دوسرے وزراء کا ھوا تھا [1] ۔ یعنی وہ قتل کرا دیا گیا اس کے اھل و عیال موت کے گھاٹ اتار دئے گئے اور اس کا سارا مال و دولت ضبط کر لیا گیا ۔

ابو ایوب ماریانی کی عبرت انگیز موت کے بعد منصور نے ربیع بن یونس کو اپنا وزیر مقرر کیا لیکن ھادی کے دور خلافت میں اس کا بھی وھی انجام ھوا جو دوسرے وزراء کا ھوا تھا ، ربیع بن یونس پختہ کار ، بیدار مغز ، صاحب فہم و فراست ، سیاستدان ، حکومت کا اھل ، نیک کاموں کا شیفتہ ، ریاضیات کا ماھر اور سلاطین کی نفسیات سے واقف تھا ۔ ایک بار منصور اپنے باغیچہ میں ٹہل رہا تھا کہ اس نے ربیع سے ایک پودے کی طرف اشارہ کرتے ھوئے کہا ، اس کا کیا نام ھے ۔ ربیع نے جواب دیا ”اجماع و وفاق“ ۔ اس پودے کا نام ”خلاف“ تھا لیکن اس نے لفظ خلاف کی بد شگونی سے احتراز کیا ، وہ منصور کی نفسیات اور طبعیت کی افتاد سے واقف تھا ۔

منصور کی وفات تک ربیع وزارت کے منصب پر فائز رہا ۔ منصور کی موت کے بعد ربیع نے مہدی کے لئے بیعت لی تھی ۔

---

۱ ۔ النظم الاسلامیہ : صفحات ۱۳۸ - ۱۳۹ ۔

مہدی کے دور میں یہ حاجب کے منصب پر فائز تھا ۔ ہادی کے ابتدائی دور خلافت میں وہ اس کا وزیر تھا لیکن کچھ عرصہ بعد ہادی نے اسے قتل کرا دیا ۔

مہدی کے دور خلافت میں وزیروں کے اختیارات منصور کے عہد سے زیادہ وسیع ہو گئے تھے ۔ وجہ یہ تھی کہ مہدی نے وزراء پر حکومت کی ذمہ داریاں چھوڑ دی تھیں اور خود لہو و لعب میں منہمک رہتا تھا ۔ مہدی کا پہلا وزیر ابو عبیدہ معاویہ بن یسار تھا جو خلافت سے قبل مہدی کا سیکریٹری تھا ۔ منصور اس کے علم و فضل کا بہت معترف تھا اور اسے اپنا وزیر بنانے کا ارادہ کیا تھا ۔ لیکن پھر اس نے اپنے بیٹے مہدی کے ساتھ ایثار سے کام لیا تھا اور اس کا سیکریٹری مقرر کر دیا اور مہدی کو نصیحت کی کہ وہ ابو عبیدہ کی رائے اور مشورے پر عمل کرے ۔ جب مہدی خلیفہ ہوا تو اس نے ابو عبیدہ کو سلطنت کے تمام امور سونپ دئے ۔

ابو عبیدہ معاویہ بن یسار نہائت متکبر انسان تھا حاجب ربیع بن یونس اس سے انتہائی نفرت کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے ساتھ بڑے کبر و غرور سے پیش آتا تھا اور اسے نہائت حقارت سے دیکھتا تھا ۔ ربیع نے اس کے خلاف سازش[1] کی اور مہدی کو اس کے بیٹے کے خلاف مشتعل کر دیا ، جس پر زندیقیت کا الزام تھا ۔ اس جرم میں مہدی نے اس کے بیٹے کو قتل کرا دیا اور ابو عبیدہ معاویہ بن یسار کو روپوش ہو جانے کا حکم دیا اور اسے وزارت سے موقوف کر دیا ۔ معاویہ بن یسار اپنے گھر میں

---

۱ ۔ الفخزی : صفحات ۱۳۴ ۔

روپوش ہو گیا ، ۱۷۰ھ میں اس کا انتقال ہو گیا [1] -

ابو عبیدہ معاویہ بن یسار کے بعد مہدی نے ابو عبداللہ یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد اسے جیل میں ڈال دیا - مہدی اور ہادی کا دور اور ہارون کا ابتدائی عہد خلافت اس کا جیل میں گزرا - مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کی نکبت کی وجہ اس کے شیعی معتقدات تھے - اس نے محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراھیم کی امداد کی تھی - یعقوب بن داؤد کے بعد مہدی نے فیض بن صالح کو اپنا وزیر مقرر کیا ، یہ نیشاپور کا باشندہ تھا اور پہلے عیسائی تھا - حکومت عباسیہ کے قیام کے اوائل میں مسلمان ہوا تھا - نہائت اولوالعزم اور غیر معمولی ذھین تھا ، جود و سخا میں بہت مشہور تھا - یحیٰی بن خالد بن برمک کا قول تھا ” اگر میری جود و سخا غیر معمولی دکھائی دے تو فیض کی سخاوت دیکھ لو - میری سخاوت کم نظر آنے لگے گی “ فیض بن صالح کے مزاج میں کبر و غرور اور نخوت بہت تھی ، اس کی وجہ سے بہت سے شعراء نے اس کی مذمت کی تھی -

فیض بن صالح ، مہدی کی وفات تک قلمدان وزارت سنبھالے رہا - مہدی کے بعد جب ہادی خلیفہ ہوا تو اس نے اسے وزیر نہیں بنایا ، ۱۷۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا -

ہادی نے اپنی خلافت کے شروع میں ربیع بن یونس کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا - اس کے بعد ابراھیم بن ذکوان حرانی کو اپنا وزیر بنا لیا تھا - ہادی تک ابن ذکوان کی رسائی اس کے اتالیق

---

۱ - المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ -

خاص کی وساطت سے ہوئی تھی ۔ ہادی کے پاس جب اس کا اتالیق خاص آتا تھا تو ابن ذکوان اس کے ساتھ آتا تھا ، نو عمر ہادی کے دل و دماغ پر ابن ذکوان کا گہرا اثر ہو گیا اور وہ اس سے اتنی شدید محبت کرنے لگا تھا کہ اسے پل بھر اس کی جدائی گوارا نہیں تھی ۔ یہ باتیں مہدی تک پہنچیں، اس نے اپنے بیٹے ہادی کو اس کی صحبت سے سختی کے ساتھ منع کیا اور یہاں تک دھمکی دی کہ اگر وہ باز نہ آیا تو اسے ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے گا اور ابن ذکوان کو تنبیہ کی کہ اگر اس نے ہادی سے ملنا نہ چھوڑا تو اسے قتل کر دیا جائے گا ۔ لیکن ان دھمکیوں سے جب کوئی فائدہ نہ ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے سے ملنا جلنا ترک نہ کیا، تو مہدی نے ابن ذکوان کو بلوایا، جب وہ حاضر کیا گیا تو حسن اتفاق سے اس وقت مہدی گھوڑے پر سوار شکار کے لئے تیار کھڑا تھا اس نے ابن ذکوان کو دیکھ کر تین بار قسم کھائی کہ شکار سے واپسی پر تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا اور اس کی نظر بندی کا حکم دے کر شکار کے لئے روانہ ہو گیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس عرصے میں ابن ذکوان بڑی الحاح و زاری سے مہدی کی موت کے لئے بد دعا کرتا رہا ۔ اس کی بد دعا لگ گئی اور مہدی شکار سے جب واپس آ رہا تھا، اس وقت راستہ میں اس کا انتقال ہو گیا ۔ مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی خلیفہ ہوا اور اس نے ابن ذکوان کو اپنا وزیر بنا لیا ۔ لیکن اس کی وزارت کی مدت زیادہ طویل نہیں ہوئی کیونکہ کچھ عرصہ بعد ہادی کا انتقال ہو گیا [1] ۔

عباسیوں کے دور میں وزارت کی دو قسمیں تھی ۔ وزارت

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۴۲ ۔ ۱۴۳ ۔

تفویض اور وزارت تنفیذ ۔ ان دونوں میں فرق یہ[1] تھا کہ وزیر تفویض کو مملکت کے انتظامی اور عدالت کے پورے اختیارات حاصل تھے ۔ گورنروں کا عزل و نصب اس کے ھاتھ میں تھا ، فوجی اور جنگی معاملات میں اسے کلی اختیارات حاصل تھے ۔ مالیات کے سارے معاملات کے حل و عقد کا مالک تھا ۔

وزیر تنفیذ کو ان میں سے کسی قسم کے اختیارات حاصل نہ تھے ، وہ محض خلیفہ کے پیش کار کی حیثیت رکھتا تھا ۔

وزیر تفویض کے منصب کے لئے چار شرطیں تھیں ۔ آزاد ھونا مسلمان ھونا، احکام شریعت اسلامی سے واقف ھونا ۔ جنگ اور مالیات کے معاملات سے پوری طرح باخبر ھونا ، بہ الفاظ دیگر مسلمانوں کی امامت کے لئے جو شرطیں تھیں وھی شرطیں وزیر تفویض کے منصب کے لئے ضروری تھیں ، وزیر تنفیذ کے لئے یہ شرطیں نہیں تھیں ، اسی لئے اس منصب پر ایک ذمی بھی مامور کیا جا سکتا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں مشہور ترین وزرائے تفویض آل برمک گزرے ھیں ھارون رشید نے یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر تفویض مقرر کیا تھا اور تقرری کے وقت اس سے کہا تھا "رعایا کے معاملات میں نے اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں ڈال دئے ھیں ، اب تم جس طرح درست سمجھو ، انجام دو ۔ جسے چاھو گورنر مقرر کرو ، جسے چاھو معزول کرو اور سلطنت کا نظم و نسق جس نہج پر مناسب خیال کرو انجام دو" ھارون نے اپنی مہر خاص، بھی یحییٰ بن خالد کے حوالے کر دی تھی ۔ اس کے بعد مہر خلافت بھی اسے سونپ دی تھی ، حتیٰ کہ سلطنت کے

---

۱ - ماوردی : کتاب الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۷ -

حل و عقد کے تمام معاملات اس کے قبضۂ اختیار میں دے دئے تھے ۔ خالد کے بعد ھارون نے اس کے بیٹے جعفر بن یحییٰ بن خالد برمکی کو اس کا جانشین مقرر کیا تھا ۔ جعفر کے دور وزارت میں برامکہ سلطنت عباسیہ کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تھے اور سلطنت کی ساری آمدنی ان کے قبضے میں چلی گئی تھی ۔ ان کا جاہ و جلال اور اثرات بہت بڑھ گئے تھے ۔ دور دور تک ان کا شہرہ پھیل گیا تھا ۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر برامکہ کی اولاد اور ان کے حاشیہ نشینوں کا قبضہ تھا ۔ بڑی بڑی جاگیروں پر برامکہ اور برامکہ کے حواریوں کا تسلط ھو گیا تھا ۔ برامکہ کے سوا، سب کو وزارت، فوجی قیادت اور کتابت (وزارت خارجہ) سے محروم کر دیا گیا تھا ۔

مامون نے، فضل بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا اور اسے ''ذوالریاستین'' اور ''الوزیرالامیر'' کا لقب دیا تھا ۔ اس کے بعد اس کے بھائی حسن بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اس کی بیٹی بوران سے شادی کر لی ۔ ان دونوں بھائیوں کی وزارت کا عہد فخری [1] کے الفاظ میں ''جبین دھر پر امتیازی نشان اور زمانے کی مانگ پر موتیوں کا ھار تھا اور برامکہ کے شاندار کارناموں کا خلاصہ تھا'' ۔ حسن بن سہل کے بعد مامون نے احمد بن ابو داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا جو بہترین انشا پرداز اور نہائت خوشخط انسان تھا ۔ احمد بن ابو داؤد کے بعد مامون نے جن لوگوں کو قلمدان وزارت سونپا ان میں بعض فقہ و حدیث کے بہت بڑے ماھر تھے اور بعض نہائت خوشخط

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۶۵ - ۱۶۶ ۔

اور زریں رقم تھے ، یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ماموں نے فضل اور حسن کے بعد جن لوگوں کو وزراء مقرر کیا ، وہ وزرائے تفویض نہ تھے بلکہ وزراء تنفیذ تھے ۔ انہیں سلطنت کے کوئی اختیارات حاصل نہ تھے ۔ ان کا کام محض ماموں کے احکام کا نفاذ تھا ۔ اس زمانے میں ماموں نے سلطنت کے سارے معاملات اپنے ھاتھ میں لے لئے تھے ۔ مقصد یہ تھا کہ وزراء کا اقتدار بڑھ نہ سکے ۔ جس طرح اس کے باپ ھاروں کے دور میں برامکہ کا اقتدار بڑھ گیا تھا یا اس کے بھائی امین کے دور میں فضل بن ربیع کا اثر و نفوذ بڑھ گیا تھا اور خود اس کے عہد میں فضل اور حسن کا اثر و اقتدار ترقی کر گیا تھا ۔

ماموں کے عہد میں اور اس کے مابعد دور اول کے خلفاء عباسیہ کے عہد میں وزراء تنفید میں سب سے مشہور احمد بن ابو خالد تھا ۔ یہ ایک آزاد کردہ غلام تھا اور بے پناہ ذھین اور غضب کا انشا پردار تھا ۔ وہ نہائت فصیح و بلیغ شخص تھا اور امور سلطنت میں غیر معمولی بصیرت رکھتا تھا ۔ ماموں نے طاھر بن حسین کو خراسان کا گورنر مقرر کرنے کے بارے میں اس سے مشورہ کیا تو اس نے ماموں کے خیال کی تائید کی اور اسے بہت سراھا اور اس کے تقرر کی ضمانت لی ۔ کچھ عرصے کے بعد طاھر بن حسین نے خراسان میں ماموں کا خطبہ موقوف کر دیا تھا ، وجہ یہ ھوئی کہ ماموں نے طاھر بن حسین کو کچھ احکام بھیجے تھے جو اسے ناگوار گزرے تھے اور اس نے ماننے سے انکار کر دیا تھا ۔ ماموں کو جب اس تمرد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے وزیر احمد بن ابو داؤد کو بلوایا اور اس سے کہا کہ میں نے تمہارے مشورے سے اسے گورنر مقرر کیا

تھا ، اگر تم نے اس باغی کا خاتمہ نہ کیا تو میں تمہارا خاتمہ کر دوں گا ۔ احمد سہم گیا اور اس نے طاھر بن حسین کے پاس ایک چٹنی ھدیہ کے طور پر بھیجی ، جس میں زھر ملا ھوا تھا ۔ طاھر نے اسے کھا لیا اور کھاتے ھی دم دے دیا ۔ احمد بن ابو داؤد نے ۲۱۰ھ میں وفات پائی تھی ۔ یہ ماسون کا عہد خلافت تھا ۔

مامون کے عہد میں وزراء تنفیذ میں ایک ممتاز وزیر احمد بن یوسف تھا ۔ یہ بھی ایک آزاد کردہ غلام تھا اور بہت بڑا انشا پرداز ، بلند پایہ ادیب اور شاعر تھا ۔ وہ امور سلطنت سے واقف اور سلاطین کے آداب سے باخبر تھا ۔ ایک بار ماسون نے اس سے ایک ایسے شخص کے بارے میں مشورہ لیا جس سے احمد نفرت کرتا تھا ۔ لیکن اس نے ماسون کے سامنے اس کی تعریف کی اور اس کے محاسن بیان کئے ۔ ماسون نے کہا احمد ! تم نے ایسے شخص کی تعریف کی جس کے بارے میں ، میں جانتا ھوں کہ تمہاری رائے اچھی نہیں ھے ۔ مزید برآں وہ تم سے عداوت رکھتا ھے ۔ احمد نے جواب دیا ، ”امیرالمومنین ! جب مجھ سے کسی کے بارے میں مشورہ لیں اس وقت میرا فرض ھے کہ ذاتی دشمنی اور دوستی سے الگ ھٹ کر صحیح مشورہ دوں “ ۔

واثق نے اپنے باپ کے وزیر محمد بن عبدالملک زیات کو اپنا وزیر مقرر کیا ۔ خلافت پر متمکن ھونے سے قبل واثق اس کا سخت مخالف تھا لیکن خلافت کے بعد جب اس نے اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالی تو زیات سے زیادہ اسے اور کوئی لائق

نظر نہ آیا ۔ اس لئے اس نے زیات کو منصب وزارت سونپ دیا ۔ اس واقعے کی تفصیل فخری نے ان الفاظ میں بیان کی ہے ۔

"معتصم نے اپنے بیٹے واثق کے لئے کچھ رقم کا حکم دیا تھا اس میں ابن زیات حائل ہوا اور معتصم کو یہ رقم دینے سے باز رکھا ۔ واثق کو اس کی شرارت کی خبر ہوئی تو اس نے ایک تحریر اپنے قلم سے لکھی اور اس میں سخت قسموں کے بعد تحریر کیا کہ اگر میں خلیفہ ہوگیا تو زیات کو درد ناک طریقے سے قتل کروں گا ۔ معتصم کے انتقال کے بعد جب واثق تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اسے ابن زیات کی شرارت یاد آگئی اور اس نے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کا ارادہ کر لیا لیکن پھر اس نے سوچا کہ زیات جیسا لائق اور قابل انسان نہیں ملے گا ، اس پس و پیش کی حالت میں واثق نے اپنے حاجب کو حکم دیا کہ دس کاتبوں (انشا پردازوں) کو پیش کیا جائے ۔ جب کاتب پیش کئے گئے تو واثق نے ان کا امتحان لیا ۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جس کی قابلیت سے وہ متاثر ہوتا ۔ اس کے بعد حاجب سے کہا محمد بن عبدالملک زیات کو حاضر کرو ۔ ابن زیات جب واثق کے سامنے حاضر کیا گیا تو وہ تھر تھر کانپنے لگا ۔ واثق نے اپنے خادم سے کہا کہ فلاں تحریر نکال لاؤ ۔ خادم وہی تحریر نکال لایا جو واثق نے ابن زیات کے بارے میں لکھی تھی ۔ واثق نے وہ تحریر ابن زیات کی طرف بڑھا دی اور اس سے کہا اسے پڑھ لو ۔ ابن زیات نے اسے پڑھ کر عرض کیا ، "امیرالمؤمنین ! میں غلام ہوں اگر آپ سزا دیں تو آپ حاکم ہیں اور اگر آپ اپنی قسم کو توڑ دیں اور میری جان بخشی کریں تو یہ آپ کی علو شان کے زیادہ

لائق ہے''۔ واثق نے کہا خدا کی قسم میں تجھے کبھی زندہ نہ چھوڑتا لیکن خیال یہ ہے کہ تجھ جیسے لائق انسان سے سلطنت محروم ہو جائے گی ۔ اسی خیال سے اپنی قسم توڑتا ہوں ۔ مال سے قسم کا کفارہ دیا جاسکتا ہے ۔ لیکن تجھے مارنے کے بعد تیرا بدل مجھے کسی قیمت میں بھی نہیں مل سکیگا ۔ اس کے بعد واثق نے اپنی قسم کا کفارہ دیدیا اور ابن زیات کو اپنا وزیر بنا لیا [1] ''۔

وزارت اندلس میں :

اندلس کے اموی فرمانرواؤں کے دور میں لفظ وزارت کا اطلاق اس مفہوم میں نہیں کیا جاتا تھا جس مفہوم میں سلطنت عباسیہ اور دولت فاطمیہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس کے بر عکس جو شخص وزارت کے فرائض انجام دیتا تھا اسے ''حاجب'' کہا جاتا تھا ۔ یہ صحیح ہے کہ بعض دوروں میں اسے وزیر اور ذی الوزاتین بھی کہا جاتا تھا ۔ اندلس کے اموی دور میں حاجب کا کام یہ نہیں تھا کہ وہ خاص و عام کو بغیر اجازت کے سلطان سے ملنے نہ دے ۔ یہ کام مشرق کی دولت بنی امیہ اور سلطنت عباسیہ اور مصر کی حکومت فاطمیہ کے حاجبوں کا تھا ۔ اندلس میں حاجب کا مفہوم وزیر تھا اور اس کے وھی فرائض اور اختیارات تھے جو عباسیوں کے دور میں وزیر تفویض کے اختیارات و فرائض تھے ۔ مقری[2] کا بیان ہے ۔ ''اندلس میں اموی حکومت

---

۱ ۔ الفخری: صفحات ۱۷۵ - ۱۷۶ ۔
۲ ۔ نفخ الطیب : جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ ۔

کے دور میں وزارت کے فرائض و اختیارات کی حامل ایک کابینہ ہوتی تھی جس سے فرمانروا مختلف حیثیت سے مدد لیتا تھا اور فرماں روا انہیں اپنے دربار میں خصوصی جگہ دیتا تھا۔ ان میں سے ایک شخص کو فرمانروا اپنا نائب بنا لیتا تھا اور وہ مشہور معنی میں وزیر کا درجہ رکھتا تھا لیکن اسے وزیر نہیں کہا جاتا تھا بلکہ اس کا لقب ''حاجب'' تھا، یہ منصب اندلس میں معروف تھا، اور مہتمم باالشان خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے فرائض و اختیار سے عام لوگ واقف تھے۔ اندلس کی طوائف الملوکی کے دور میں جب چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں اس وقت بھی حاجب کے لقب کی غیر معمولی قدر و منزلت، تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے فرمانرواؤں نے حاجب کا لقب اختیار کیا تھا اور اسے اپنے لئے وجہ صد افتخار خیال کرتے تھے۔ حاجب کا منصب اندلس میں سب سے بڑا منصب تھا۔ اس کے حصول کے لئے رقیبانہ کشمکش ہوتی تھی۔ شعراء نے حاجبوں کی شان میں بڑے بلند پایہ قصائد لکھے تھے۔ غرض اندلس کی تاریخ میں حاجب کے منصب کو زبردست اھمیت حاصل ہے۔ وزیر کا مفہوم عام تھا، ہر اس شخص کو وزیر کہتے تھے جسے سلاطین کی مجلس میں رسائی حاصل تھی اور وہ سلطنت کا خاص رکن سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جو رکن سلطنت، نائب السلطنت کے فرائض انجام دیتا تھا اسے حاجب اور کبھی ذوالریاستین کہا جاتا تھا۔ یہ حاجب یا ذوالریاستین علم و ادب میں ممتاز ترین فرد ہوتا تھا، امور سلطنت میں خصوصی بصیرت رکھتا تھا اور انہیں انجام دینے کی غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہوتا تھا۔

ابن خلدون نے اندلس کی وزارت کے بارے میں ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے ، ''اندلس میں حاجب کا وهی درجه تھا جو سلطنت عباسیه اور دولت فاطمیه میں وزیر کا مقام تھا ۔ محکموں کے افسر اعلیٰ کو وزیر کہا جاتا تھا اور ان وزیروں کے افسر اعلیٰ کا نام حاجب تھا جو موجوده دور کے رئیس الوزراء یا وزیر اعظم کی حیثیت رکھتا تھا ۔ سلطنت کے مختلف محکموں کا نظم و نسق وزراء کے سپرد تھا اور وزیر اعظم سلطنت کے پورے نظم و نسق کی نگرانی کرتا تھا ۔ ابن خلدون کے الفاظ یه هیں[1] : اندلس کی دولت بنی امیه میں وزیر کے معنی کو اپنے اصل معنی میں استعمال کرنا ترک کر دیا گیا تھا اور اس کے فرائض کو مختلف محکموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ۔ هر محکمه کا ایک افسر اعلیٰ هوتا جسے وزیر کہا جاتا تھا چنانچه دیوانی مالیات کا ایک الگ وزیر تھا ۔ محکمه خارجه ایک الگ وزیر کے سپرد تھا ۔ مظلوموں اور مصیبت زده لوگوں کے امدادی محکمه کا ایک مستقل وزیر تھا ۔ سرحدی علاقوں کے تحفظ اور دفاع کا ایک الگ وزیر مقرر تھا ۔ ان وزراء کے لئے ایک الگ سیکریٹریٹ تھی جہاں وہ وزراء مخصوص فرش پر بیٹھتے تھے اور سرکاری فرائض انجام دیتے تھے ۔ هر محکمه کا وزیر اپنے محکمه کے نظم و نسق کی نگرانی کرتا تھا ۔ ان وزراء میں سے ایک وزیر فرمانروا کی خدمت میں حاضر هوتا رهتا تھا ۔ اسے یه اعزاز حاصل تھا که وه هر وقت فرمانروا سے ملاقات کر سکتا تھا ۔ اس کی مجلس تمام وزراء کی مجلسوں سے بلند هوتی تھی ۔ اسے حاجب کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ۔ اندلس میں وزارت

---

۱ - مقدمه : صفحه ۲۰۸ -

کا یہ نظام اموی حکومت کے زوال تک برابر قائم رہا ۔ اس دور میں حاجب کا منصب تمام دوسرے منصبوں سے بلند اور مہتمم بالشان خیال کیا جاتا تھا حتیٰ کہ اندلس کے طوائف الملوکی کے دور میں چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے اکثر فرمانروا سلطان کی بجائے حاجب کے لقب سے انتساب کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے ۔ اندلس میں حاجب کی مجلس یا بالفاظ دیگر مجلس وزراء سلطنت کا نظم و نسق کرتی تھی ۔ اس مجلس کے علاوہ ایک اور مجلس بھی تھی جسے مجلس شوریٰ کہا جاتا تھا ۔ اس کا صدر خلیفہ یا امیر ہوتا تھا ۔ یہ مجلس ، سلطنت کے خاص ارکان اور اموی خاندان کے ممتاز امراء پر مشتمل ہوتی تھی ۔

(ج) کتابت :

عباسیوں کے دور اول میں وزیر کی ذمہ داریاں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ انہیں انجام دینا تنہا وزیر کے امکان سے باہر تھا ۔ اس لئے مختلف محکموں کی نگرانی اور انتظام میں وزیر کا ھاتھ بٹانے کے لئے دوسرے عہدے قائم کئے گئے ۔ ان میں ایک عہدہ کاتب (سیکریٹری) کا بھی تھا ۔ اس زمانے میں اھم محکموں کے کاتب یا سیکریٹری یہ تھے ۔ کاتب رسل و رسائل ، کاتب خراج ، فوجی معاملات کا کاتب ، آئی ، جی ، پولس کا کاتب اور قاضی کا کاتب، ان کاتبوں میں مرتبہ کے لحاظ سے کاتب رسل و رسائل کا درجہ سب سے اونچا تھا ۔ کاتب رسل و رسائل کے اھم فرائض میں سرکاری احکام و قوانین کی تشہیر اور ان کا نفاذ اور سیاسی خطوط کی تحریر ، داخل تھے ۔ کاتب رسل و رسائل خطوط کے

بارے میں خلیفہ کو اطمینان کرا دینے یا انہیں دکھا دینے کے بعد مہر خلافت ثبت کرتا تھا اور سرکاری خطوط کے جواب اپنی مہر ثبت کرنے کے بعد ریکارڈ آفس میں حفاظت سے رکھ دیتا تھا۔ عدالت میں اس کی نشست خلیفہ کے قریب ہوتی تھی اور وہ مدعی، مدعا علیہ کے بیانات اور ان کے بارے میں خلیفہ کے فیصلے تحریر کرتا تھا اور ان پر مہر خلافت ثبت کرتا تھا[1] کاتب رسل و رسائل خلیفہ کی طرف سے امراء اور سلاطین سے خط و کتابت کرتا تھا۔ بسا اوقات یہ خط و کتابت خلیفہ خود بھی کرتا تھا۔ مثلاً ابو جعفر منصور کے پاس جب محمد نفس زکیہ کا خط آیا تھا اس وقت اس کے کاتب نے اس کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا تو منصور نے اسے منع کرتے ہوئے کہا "نہیں! اس کا جواب میں خود لکھونگا نفس زکیہ نے ہم سے حسب نسب میں مقابلہ کیا ہے۔ مجھے اور انہیں چھوڑ دو، میں ان سے نپٹوں گا"۔

عباسیوں کے دور اول میں ممتاز کاتبوں کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جن کی نظیر زمانہ پیدا نہ کر سکا۔ ان میں یحیٰی بن خالد برمکی اور فضل بن ربیع ہارون رشید کے عہد میں ممتاز کاتب گزرے ہیں۔ فضل بن سہل، حسن بن سہل اور احمد بن یوسف مامون کے عہد میں مشہور کاتب گزرے ہیں اور محمد بن عبدالملک زیات، حسن بن وہب اور احمد بن مدبر، معتصم اور واثق کے عہد مین ممتاز کاتب گزرے ہیں۔

خلفاء، کاتب کے منصب پر معزز خاندان کی بلند پایہ ادیب

۱۔ مقدمہ ابن خلدون : صفحات ۲۰۵ - ۲۰۶ -

۱۳ - جرجان : ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ۱۲۰۰۰۰۰۰ -
ریشم ایک ہزار من ۱۰۰۰ -

۱۴ - قومس : پندرہ لاکھ درہم ۱۵۰۰۰۰۰ -
خالص چاندی ایک ہزار نقرہ ۱۰۰۰ -
کپڑے کے تھان ستر ۷۰ -
انار چالیس ہزار عدد ۴۰۰۰۰ -

۱۵ - طبرستان، رویان اور دنباوند تریسٹھ لاکھ درہم
۶۳۰۰۰۰۰ -
طبری فرش چھ سو ۶۰۰ -
خاص کپڑے کے تھان دو سو ۲۰۰ -
کپڑے کے تھان پانچ سو ۵۰۰ -
رومال تین سو عدد ۳۰۰ -
پیالے چھ سو ۶۰۰ -

۱۶ - ری بارہ ہزار درہم ۱۲۰۰۰ -
انار دس کروڑ عدد ۱۰۰۰۰۰۰۰۰ -
شفتالو ایک ہزار رطل ۱۰۰۰ -

۱۷ - اصفہان : (خمتش اور عیسیٰ رادیس کے علاقوں کے سوا)
ایک کروڑ دس لاکھ درہم ۱۱۰۰۰۰۰۰ -
شہد بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -
موم بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

۱۸ - ہمدان اور دستبی : ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ درہم
۱۱۸۰۰۰۰۰ -

رب الرمانین (کھٹے میٹھے انار کا جوس) ایک ہزار من
۱۰۰۰ -

اروندی شہد بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

۱۹ - بصرہ او کوفہ : دو کروڑ سات لاکھ درہم ۲۰۷۰۰۰۰۰ -

۲۰ - شہر زور اور اس کے مفصلات : دو کروڑ چالیس لاکھ درہم
۲۴۰۰۰۰۰۰ -

۲۱ - موصل اور اس کے مضافات : دو کروڑ چالیس لاکھ درہم
۲۴۰۰۰۰۰۰ -

سفید شہد بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

۲۲ - الجزیرہ ، دیارات اور فرات : تین کروڑ چالیس لاکھ درہم
۳۴۰۰۰۰۰۰ -

۲۳ - آذر بائیجان چالیس لاکھ درہم ۴۰۰۰۰۰۰ -

۲۴ - موقان اور کرخ : تین لاکھ درہم ۳۰۰۰۰۰ -

۲۵ - جیلان : غلام ایک سو ۱۰۰ -
ریشم (مقدار نہیں دی گئی) -
شہد بارہ مشکیزے ۱۲ -
باز دس عدد ۱۰ -
کپڑے کے تھان بیس ۲۰ -

۲۶ - ارمینیا : ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ۱۲۰۰۰۰۰۰ -
فرش بیس عدد ۲۰ -
منقش کپڑے پانچسو اسی تھان ۵۸۰ -
نمک منبوذ ماھی(ایک قسم کی مچھلی)دس ہزار رطل۱۰۰۰۰-

مچھلیاں دس هزار رطل ۱۰۰۰۰ -
باز تیس عدد ۳۰ -
خچر دو سو ۲۰۰ -

۲۷ - قنسرون اور العواصم : چار لاکھ ستر هزار دینار
۴۷۰۰۰۰ -

۲۸ - حمص : تین لاکھ بیس هزار دینار ۳۲۰۰۰۰ -
منقے ایک هزار گاڑیاں ۱۰۰۰ -

۲۹ - دمشق چار لاکھ بیس هزار دینار ۴۲۰۰۰۰ -

۳۰ - اردن : چھہتر هزار دینار ۷۶۰۰۰ -

۳۱ - فلسطین تین لاکھ بیس هزار دینار ۳۲۰۰۰۰ -
مختلف قسم کے منقے تین لاکھ رطل ۳۰۰۰۰۰ -

۳۲ - مصر دس لاکھ درهم ۱۰۰۰۰۰۰ اور تین لاکھ دینار
۳۰۰۰۰۰ -
اس میں ٹیونس ، دمیاط اور اشمونین کے علاقوں کی آمدنی شامل نہیں هے کیونکه ان کی آمدنی فلاح عامه کے لئے وقف تھی -

۳۳ - برقه : دس لاکھ درهم ۱۰۰۰۰۰۰ -

۳۴ - افریقه : ایک کروڑ تیس لاکھ درهم ۱۳۰۰۰۰۰۰ -
فرش ایک سو بیس عدد ۱۲۰ -

۳۵ - یمن : آٹھ لاکھ ستر هزار دینار ۸۷۰۰۰۰ -
اس کے علاوہ کپڑے کے تھان بھی آتے تھے -

۳۶ ـ مکه و مدینه : تین لاکھ دینار ـ

دینار کی میزان کل : پچاس لاکھ دینار ہوئی، ان دیناروں کو اگر دراہم میں تبدیل کیا جائے (بحساب ایک دینار ــ ۲۲ درہم ـ جو ہارون رشید کے عہد میں شرح تبادلہ تھی) تو بارہ کروڑ پچاس لاکھ بتیس ہزار ، پانچسو درہم ہوتے ہیں [1] ـ

دراہم کی میزان کل : چالیس کروڑ سینتالیس لاکھ آٹھ ہزار درہم ہوئی ـ اب اگر اس رقم میں دراہم کی شکل میں تبدیل کی ہوئی دینار کی قیمت جمع کر دی جائے تو مجموعی رقم تریپن کروڑ تین لاکھ بارہ ہزار درہم ہوتی ہے ـ

ابن خلدون[2] نے ماسون کے دور خلافت کے خراج کی آمدنی کا ایک چارٹ تیار کیا تھا جسے جرجی زیدان نے اپنی تاریخ [2] میں نقل کیا ہے ـ وہ چارٹ یہ ہے :ــ

اقلیم	زر نقد	غلہ اور دوسری اشیاء
ارض سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰ درہم	نجرانی پارچے ۲۰۰ ، سہر لگانے کی مٹی ۲۴۰ رطل ـ
حلوان	۴۸۰۰۰۰۰ "	
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰ "	
دجلہ کے اضلاع	۲۰۸۰۰۰۰۰ "	

۱ ـ بائیس درہم فی دینار کے حساب سے یہ رقم صرف گیارہ کروڑ بنتی ہے ـ(م)
۲ ـ قدمہ ابن خلدون : صفحات ۱۵۶ ـ ۱۵۸ ـ
۳ ـ التمدن الاسلامی : جلد ۲ صفحات ۵۳ ـ ۵۵ ـ

اقلیم	زر نقد	غلہ اور دوسری اشیاء
اھواز	۲۵۰۰۰۰۰۰ ”	شکر ۳۰۰۰۰ رطل ۔
فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰ ”	عرق گلاب کی بوتلیں ۳۵۰۰۰ عدد ۔ روغن زیتون سیاہ ۲۰۰۰۰ رطل
کرمان	۴۲۰۰۰۰۰ ”	یمنی کپڑے کے تھان ۵۰۰ کھجور ۲۰۰۰۰ رطل ۔
مکران	۴۰۰۰۰۰ ”	
سندھ کا علاقہ	۱۱۵۰۰۰۰۰ ”	عود ھندی ۱۵۰ رطل ۔
سجستان	۴۰۰۰۰۰۰ ”	خاص وضع کے تھان ۳۰۰ خاص قسم کا حلوہ ۲۰ رطل ۔
خراسان	۳۸۰۰۰۰۰۰ ”	چاندی ۲۰۰۰ نقرہ ، ۴۰۰۰عدد ترکی گھوڑے، ۱۰۰۰ غلام ۔ ۲۰۰۰۰ کپڑے کے تھان ، ۳۰۰۰۰ رطل ھلیلہ ۔
جرجان	۲۰۰۰۰۰۰ ”	ریشمی کپڑے کے تھان ۱۰۰۰ ۔
قومس	۱۵۰۰۰۰۰ ”	۱۰۰۰ نقرہ چاندی ۔
طبرستان، ریان اور	۶۳۰۰۰۰۰ ”	طبرستانی فرش ۶۰۰ ،

اقلیم	زر نقد	غلہ اور دوسری اشیاء
دماوند		چادریں ۲۰۰ ، کپڑے کے تھان ۵۰۰، رومال ۳۰۰، جام (پیالہ) ۳۰۰،
ری	۱۲۰۰۰۰۰۰ ،،	۲۰۰۰۰ رطل شہد -
همدان	۱۱۳۰۰۰۰۰ ،،	رب الرمانین (میٹھے کھٹے اناروں کا جوس) ۱۰۰۰ رطل، ۱۲۰۰۰ رطل -
بصرہ اور کوفہ کا وسطی علاقہ	۱۰۷۰۰۰۰۰ ،،	
ماسبذان اور ریان	۴۰۰۰۰۰۰ ،،	
شہر زور	۶۷۰۰۰۰۰ ،،	
موصل اور اس کے علاقے	۲۴۰۰۰۰۰۰ ،،	شہد ۲۰۰۰۰ رطل -
آذر بائیجان	۴۰۰۰۰۰۰ درهم	
الجزیرہ اور فرات کے اضلاع	۳۴۰۰۰۰۰۰ ،،	غلام ۱۰۰۰، شہد ۱۲۰۰۰ مشکیزے ، کپڑے کے تھان ۲۰، باز ۱۰ -
آرمینیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰ ،،	فرش خاص قسم کے ۲۰، زقم (ایک پھل) ۵۳۰ رطل، سورماهی ۱۰۰۰ رطل -

اقلیم	زر نقد	غله اور دوسری اشیاء
		صونج ۱۰۰۰۰ رطل، خچر ۲۰۰، بچھیرے ۳۰ عدد -
برقه	۱۰۰۰۰۰۰ "	
افریقه	۱۳۰۰۰۰۰۰ "	فرش ۱۲۰ -
میزان	۳۱۸٦۰۰۰۰۰ درهم	
قنسرین	۴۰۰۰۰۰ دینار	روغن زیتون ۱۰۰۰ رطل
دمشق	۴۲۰۰۰۰ "	
اردن	۹۷۰۰۰ "	
فلسطین	۳۱۰۰۰۰ "	روغن زیتون ۳۰۰۰۰۰ رطل -
مصر	۲۹۲۰۰۰۰ "	
یمن	۳۷۰۰۰۰ "	
حجاز	۳۰۰۰۰۰ "	
میزان	۴۸۱۷۰۰۰ دینار	یا ۷۲۲۵۵۰۰۰ درهم
(دینار کو درهم میں تبدیل کی هوئی رقم)	۷۲۲۵۵۰۰۰ "	بحساب ایک دینار = ۱۵ درهم (جو مامون کے دور میں شرح تبادله تهی) -
	۳۱۸٦۰۰۰۰۰ درهم	
کل میزان	۳۹۰۸۵۰۰۰۰ "	

اس چارٹ پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی صوبوں کا خراج دراہم کی شکل میں اور مغربی صوبوں کا خراج دینار کی صورت میں آتا تھا (برقہ اور افریقہ کے ما سوا) اگلے دو چارٹوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرقی صوبوں میں چاندی کی کانیں مغربی صوبوں سے زیادہ تھیں۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں سونے کی کانیں مشرقی صوبوں سے زیادہ تھیں۔

مشرقی صوبوں کی خراج کی مجموعی آمدنی (معہ برقہ اور افریقہ) اکیس کروڑ چھیاسی لاکھ دراہم تھی اور مغربی صوبوں کی مجموعی آمدنی اڑتالیس لاکھ ستر ہزار دینار تھی۔ اس دینار کی رقم کو اگر دراہم میں تبدیل کیا جائے تو سات کروڑ بائیس لاکھ پچپن ہزار دراہم ہوتے ہیں۔ دراہم کی شکل میں تبدیل کی ہوئی دیناروں کی یہ رقم اگر مشرقی صوبوں کی آمدنی میں جمع کی جائے تو مجموعی رقم انتالیس کروڑ آٹھ لاکھ پچپن ہزار دراہم ہوتی ہے۔ اس رقم میں کرخ کے خراج کی آمدنی شامل نہیں ہے جو تین لاکھ دراہم تھی اور جیلان کی آمدنی بھی شامل نہیں ہے جس کی مقدار پچاس لاکھ دراہم تھی۔ ان دونوں علاقوں کی آمدنی بھی شامل کر دی جائے تو عہد مامون میں سلطنت عباسیہ کی مجموعی آمدنی تقریباً چالیس کروڑ دراہم ہوتی ہے۔ غلہ اور دوسری اشیاء اس کے علاوہ تھیں۔ معمول یہ تھا کہ غلے کی قیمت کا تخمینہ نقد کی شکل میں لگایا جاتا۔ جس طرح سلطنت عباسیہ کے پیمائش کے افسر نے ارض سواد کے غلوں کی قیمت کا اندازہ لگایا تھا جس کی پیداوار زیادہ تر گندم پر مشتمل تھی، یہ قدامہ بن جعفر بن خرداذبہ کے اگلے دو چارٹوں سے ظاہر ہے۔

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ وہ رقم تھی جو فوجی اخراجات، نہروں کی اصلاح کے مصارف، محکموں کے اخراجات اور وقتاً فوقتاً خلیفہ، وزراء کاتبوں اور سلطنت کے ارکان کے مطالبات پورا کرنے کے بعد بغداد کے بیت المال میں پہنچتی تھی[۱] -

قدامہ[۲] بن جعفر نے معتصم کے عہد خلافت کے خراج کا ایک چارٹ بنایا تھا، جس میں مشرق اور مغربی سواد کے علاقوں کے گندم اور جو کی پیداوار کا تفصیلی تذکرہ کیا تھا - وہ چارٹ یہ ہے -

۱ - سواد کے مغربی علاقے :

علاقوں کا نام	گندم کی مقدار کر میں	جو کی مقدار کر میں	دراهم
انبار و نہر عیسیٰ	۱۱،۸۰۰	۶،۳۰۰	۳۰۰،۰۰۰
مسکن	۳،۰۰۰	۱،۰۰۰	۱۵۰،۰۰۰
قطربل	۲،۰۰۰	۱،۰۰۰	۳۰۰،۰۰۰
بادوریا (بادرایا)	۳،۵۰۰	۱،۰۰۰	۱،۰۰۰،۰۰۰
نہر سیر	۱،۷۰۰	۱،۷۰۰	۱۵۰،۰۰۰
رومقان	۳،۳۰۰	۳،۳۰۰	۲۵۰،۰۰۰
کوثی	۳،۰۰۰	۲،۰۰۰	۳۵۰،۰۰۰

۱ - جرجی زیدان : کتاب التمدن الاسلامی جلد ۲ صفحات ۵۵ - ۵۶ -

۲ - کتاب الخراج : (مطبوعہ لیڈن ۱۳۰۶ھ) صفحات ۲۳۷ - ۲۴۰ جرجی زیدان کتاب التمدن الاسلامی : جلد ۲ صفحات ۵۷ - ۵۹ -

علاقه کا نام	گندم کی مقدار کر میں	جو کی مقدار کر میں	دراهم
نهر درقیط	۲،۰۰۰	۲،۰۰۰	۲۰۰،۰۰۰
نهر جویر	۱،۵۰۰	٦،۰۰۰	۱۵۰،۰۰۰
باروسما و نهر الملک	۳،۵۰۰	۴،۰۰۰	۱۲۲،۰۰۰
الزوابی الثلاثة	۱،۴۰۰	۷،۲۰۰	۲۵۰،۰۰۰
بایل و خطرینه	۳،۰۰۰	۵،۰۰۰	۳۵۰،۰۰۰
فلوجة العليا	۰،۵۰۰	۰،۵۰۰	۷۰،۰۰۰
فلوجة السفلی	۲،۰۰۰	۳،۰۰۰	۲۸۰،۰۰۰
نهرین	۰،۳۰۰	۰،۴۰۰	۴۵،۰۰۰
عین التمر	۰،۳۰۰	۴۰۰	۴۵،۰۰۰
الحیة والیداة	۱،۵۰۰	۱،٦۰۰	۱۵،۰۰۰
سورا و بریسما	۱،۵۰۰	۴،۵۰۰	۲۵۰،۰۰۰
برس الاعلی والاسفل	۵۰۰	۵،۵۰۰	۱۵۰،۰۰۰
فرات باد قلی	۲،۰۰۰	۲،۵۰۰	٦۲،۰۰۰
سیلحین	۱،۰۰۰	۱،۵۰۰	۱۴۰،۰۰۰
روزمستان و هرمز جرد	۵۰۰	۵۰۰	۲۰،۰۰۰
تستر	۲،۲۰۰	۲،۰۰۰	۳۰۰،۰۰۰
ایغار یقطین	۱،۲۰۰	۲،۰۰۰	۲۰۴،۸۰۰
کسکر	۳۰،۰۰۰	۲،۰۰۰	۲۷۰،۰۰۰

سواد کے مشرقی علاقے

علاقه کا نام	گندم کی مقدار کر میں	جو کی مقدار کر میں	دراهم
بزر جسا پور	۲,۵۰۰	۲,۲۰۰	۳۰۰,۰۰۰
راذانین	۴,۸۰۰	۴,۸۰۰	۱۲۰,۰۰۰
نہر بوق	۲۰۰	۱,۰۰۰	۱۰۰,۰۰۰
کلوزی و نہر بین	۱,۶۰۰	۱,۵۰۰	۳۳۰,۰۰۰
جازر مدیینۃالعتیقه	۱,۰۰۰	۱,۵۰۰	۲۴۰,۰۰۰
روستقباذ	۱,۰۰۰	۱,۴۰۰	۲۴۶,۰۰۰
سلسلی و سهروذ	۲,۰۰۰	۱,۵۰۰	۱۵۰,۰۰۰
جلولا و جللتا	۱,۰۰۰	۱,۰۰۰	۱۰۰,۰۰۰
ذیبین	۱,۹۰۰	۱,۳۰۰	۴۰,۰۰۰
الدسکرة	۱,۸۰۰	۱,۴۰۰	۶۰,۰۰۰
بندنیجین	۶۰۰	۵۰۰	۳۵,۰۰۰
برازالروذ	۳,۰۰۰	۵,۱۰۰	۱۲۰,۰۰۰
نہروان الا علی	۱,۷۰۰	۱,۸۰۰	۳۵۰,۰۰۰
نہران الاوسط	۱,۰۰۰	۵۰۰	۱۰۰,۰۰۰
بادرایا و با کسایا	۴,۷۰۰	۵,۰۰۰	۳۳۰,۰۰۰
کور دجله	۹۰۰	۴,۰۰۰	۴۳۰,۰۰۰
نہرالصلة	۱,۰۰۰	۳,۱۲۱	۵۹,۰۰۰
تہروان الاسفل	۱,۷۰۰	۱,۳۰۰	۵۳,۰۰۰
سواد کے خراج کی مجموعی آمدن	۱۱۵,۶۰۰	۱۲۳,۹۲۱	۸,۸۲۱,۸۰۰

مغربی اور مشرقی سواد کے علاقوں کی آمدنی کی میزان یہ ھے گندم ایک لاکھ پندرہ ھزار چھ سو کر[1] جو ایک لاکھ تیئیس ھزار نو سو اکیس کر اور دراھم اٹھاسی لاکھ اکیس ھزار آٹھ سو لیکن یہ میزان قدامہ بن جعفر کی میزان سے مختلف ھے ۔ قدامہ نے ان علاقوں کی خراج کی تفصیل بیان کرنے کے بعد میزان لگاتے ھوئے کہا ھے ، "سواد کے خراج کی آمدنی کا میزان بصرہ کے صدقات کی آمدنی کو چھوڑ کر یہ ھوئی : گندم ایک لاکھ ستتر ھزار دو سو کر ، جو ، ننانوے ھزار سات سو اکیس کر اور درھم اسی لاکھ پچانوے ھزار آٹھ سو ۔ غالباً اس فرق کی وجہ یہ ھے کہ بعض اعداد کے پڑھنے میں غلطی ھوئی ھے اور پھر اتنے لمبے اعداد اور شمار میں یہ کوئی بڑا فرق بھی نہیں ھے ۔ گندم اور جو کی قیمت کا تخمینہ ابن جعفر نے دراھم کی شکل میں (بحساب دو کر گندم اور جو = ۶۰ دینار) لگایا تھا ۔ ان دیناروں کی رقم اگر (بحساب ایک دینار = ۱۵ درھم جو اس عھد میں شرح تبادلہ تھی) دراھم کی شکل میں تبدیل کی جائے تو دس کروڑ تین لاکھ اکسٹھ ھزار آٹھ سو پچاس درھم ھوتے ھیں ۔ قدامہ بن جعفر کا بیان ھے کہ بصرے کے صدقات کی سالانہ آمدنی ساٹھ لاکھ درھم تھی اب اگر ان سب رقموں کو دراھم کی شکل میں جمع کیا جائے تو مجموعی رقم گیارہ کروڑ چوالیس لاکھ ستاون ھزار چھ سو پچاس درھم ھوتی ھے ۔

دراھم کی شکل میں آمدنی	۸,۰۹۵,۸۰۰
گندم اور جو کی قیمت دراھم میں	۱۰۰,۳۶۱,۸۵۰

---

۱ ۔ ایک کر ۶۰ اردب ، ایک اردب ۳۰ صاع اور ایک صاع ۲۳۴ تولہ ۔

بصرے کے صدقات کی آمدنی دراھم میں ۶,۰۰۰,۰۰۰

میزان ۱۱۴,۴۵۷,۶۵۰

مشرقی اور مغربی صوبوں کی آمدنی معه سواد :

۱ - مشرقی صوبے

مشرقی صوبے	درہم	مشرقی صوبے	درہم
سواد	۱۱۴۴۵۷۶۵۰	قم و قاشان	۳۰۰۰۰۰۰
اهواز	۲۳۰۰۰۰۰۰	آذر بائیجان	۴۵۰۰۰۰۰
فارس	۲۴۰۰۰۰۰۰	ری و دماوند	۲۰۰۸۰۰۰۰
کرمان	۶۰۰۰۰۰۰	قزوین و زنجان	
مکران	۱۰۰۰۰۰۰	و ابہر	۱۸۲۸۰۰۰
اصبہان	۱۰۵۰۰۰۰۰	قومس	۱۱۵۰۰۰۰
سجستان	۱۰۰۰۰۰۰	جرجان	۴۰۰۰۰۰۰۰
خراسان	۳۷۰۰۰۰۰۰	طبرستان	۴۲۸۰۷۰۰
حلوان	۹۰۰۰۰۰	تکریت والطیرہان	۹۰۰۰۰۰
ماه الکوفه	۵۰۰۰۰۰۰	شہر زوروالصامغان	۲۷۵۰۰۰۰
ماهالبصره	۴۸۰۰۰۰۰	موصل اور اس کے	
ہمدان	۱۷۰۰۰۰۰	علاقے	۶۳۰۰۰۰۰
ماسبذان	۱۲۰۰۰۰۰	قردی بذیدی	۳۲۰۰۰۰۰
مہرجان قذق	۱۱۰۰۰۰۰	دیار ربیعه	۹۶۳۵۰۰۰
الیفارین	۳۸۰۰۰۰۰	آرذن وسیافارقین	۴۲۰۰۰۰۰
		طرون	۱۰۰۰۰۰

مشرقی صوبے	درہم	
آمد	٢٠٠٠٠٠٠	
دیار مضر	٦٠٠٠٠٠٠	
فرات کے ساحلی علاقے	٢٩٠٠٠٠٠	
میزان	٣١١٥٨١٣٥٠	درہم

٢ - مغربی صوبے

مغربی صوبے	دینار	مغربی صوبے	دینار
قنسرین والعواصم	٣٦٠٠٠٠	الحرمین	١٠٠٠٠٠
جند حمص	٢١٨٠٠٠	یمن	٦٠٠٠٠٠
جند دمشق	١١٠٠٠٠	یمامه والبحرین	٥١٠٠٠٠
جندالاردن	١٠٩٠٠٠	عمان	٣٠٠٠٠٠
جند فلسطین	٢٩٥٠٠٠		
مصر والا سکندریه	٢٥٠٠٠٠٠	میزان کل دینار	٥ ٠٢٠٠٠

ان دیناروں کو دراھم کی شکل میں تبدیل کیا جائے (بحساب ایک دینار = ١٥ درہم) تو ٧٦٧١٠٠٠٠ درہم ہوتے ہیں -

مشرقی صوبوں اور الجزیرہ کی آمدنی کو اس میں شامل کیا جائے تو میزان کل تینتیس کروڑ بیاسی لاکھ اکیانوے ہزار

تین سو پچاس دراهم هوتی هے ۔ خراج کی آمدنی کا یه تخمینه قدامه بن جعفر کے تخمینه کے مطابق هے ۔

اس تفصیلی جائزے سے معلوم هوتا هے که مامون کے عهد میں خراج کی آمدنی انتالیس کروڑ اکسٹھ لاکھ پچپن هزار دراهم تهی اور معتصم کے عهد میں اڑتیس کروڑ بیاسی لاکھ اکانوے هزار تین سو پچاس دراهم تهی[1] ۔

مملکت کی یه آمدنی رعایا اور سلطنت کی فلاح و بهبودی پر صرف کی جاتی تهی ، اهم مصارف یه تهے ۔

۱ ۔ قاضیوں ، گورنروں ، خراج کے افسروں ، بیت المال کے افسر اور دوسرے عهدیداروں کی تنخواهیں ۔

۲ ۔ فوجوں کی تنخواهیں، جو سال کے معین اوقات میں ادا کی جاتی تهیں ۔

۳ ۔ نهروں کا اجراء ، ان کی اصلاح ، بڑی بڑی نهروں مثلاً دجله اور فرات کی نهروں سے چهوٹی چهوٹی نهریں نکالنا تاکه دور دراز علاقوں میں پانی پهنچایا جا سکے ۔

۴ ۔ مسلم اور غیر مسلم قیدیوں کے خورد و نوش ، لباس اور تجهیز و تکفین کے اخراجات ۔

۵ ۔ سامان جنگ کی خرید ۔

۶ ۔ علماء اور ادباء وغیره کے وظائف[2] ۔

اندلس میں مالیات کا نظام :

اندلس میں مالیات کا نظام تین حصوں میں تقسیم تها ۔

---

۱ ۔ قدامه بن جعفر کتاب الخراج : صفحات ۲۴۹ ۔ ۲۵۱ ۔
۲ ۔ النظم الاسلامیه : صفحه ۲۹۵ ۔

(۱) خزانۂ عامہ - (۲) بیت المال - (۳) خلیفہ کا خزانۂ خاص -

خزانۂ عامہ کا نگران سلطنت کا ایک ممتاز عہدہ دار خیال کیا جاتا تھا جسے خازن المال کہتے تھے - خزانۂ عامہ قصر سلطانی میں قائم کیا گیا تھا، جس میں مملکت کے مختلف علاقوں کی آمدنی امانت رکھی جاتی تھی - خزانۂ عامہ کی آمدنی کی اہم مدات یہ تھیں :—

۱ - لاوارث متروکہ مال و دولت -
۲ - بازاروں کے ٹیکس کی آمدنی -
۳ - جہازوں پر ٹیکس کی آمدنی -
۴ - خراج -
۵ - جزیہ -
۶ - عشر -

مؤرخین کا بیان ہے کہ عبدالرحمان الناصر نے اپنے انتقال کے بعد بیت لمال میں پچاس کروڑ کی رقم چھوڑی تھی - یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ رقم دینار تھی یا درہم - اغلب خیال یہ ہے کہ یہ درہم کی رقم ہو گی کیونکہ اگر دینار مانی جائے تو اس میں بہت مبالغہ ہو گا - مقری[1] کا بیان ہے کہ عبدالرحمان الناصر نے خراج کی آمدنی تین حصوں میں تقسیم کی تھی- ایک تہائی وہ فوج پر خرچ کرتا تھا، ایک تہائی تعمیرات پر صرف کرتا تھا اور ایک تہائی جمع رکھتا تھا - اس کے دور میں مملکت کے ضلعوں اور دیہات کے خراج کی آمدن چون لاکھ اسی ہزار دینار تھی اور بازاروں اور تجارتی اشیاء پر ٹیکسوں کی آمدنی سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھی

---

[1] لمقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ -

اور مال غنیمت کے $\frac{1}{5}$ حصہ سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اس کا کوئی شمار نہ تھا ۔

ابن حوقل کا بیان ہے ، عبدالرحمان الناصر نے ۳۴۰ھ تک دو کروڑ دینار جمع کر لئے تھے ۔ اس زمانے میں کوئی ایسا فرمانروا نہ تھا، جس نے اتنی بڑی رقم جمع کی ہو ۔ صرف ابو اغلب غضنفر ابن ناصر الدولہ حسن بن عبداللہ حمدانی (۳۵۸ھ — ۳۶۹ھ) اس کلیئے سے مستثنیٰ تھا [1] ۔

اندلس میں بیت المال کے ذرائع آمدنی اوقاف کی آمدنی پر منحصر تھے ۔ اس کا مستقر قرطبہ کی جامع مسجد تھا ۔ بیت المال کی آمدنی مذہبی امور کی ترقی اور تحفظ پر صرف کی جاتی تھی ۔ مساجد کے ملازمین کو تنخواہیں دی جاتیں اور مقامات خاصہ میں صدقات بھیجے جاتے تھے ۔ بیت المال کا انتظام خلیفہ کی نگرانی میں قاضی القضاۃ یا اس کا نائب کرتا تھا ۔ اس لحاظ سے اندلس کا بیت المال موجودہ زمانہ کی وزارت اوقات اور معاشرتی فلاح و بہبود کی وزارت کے بعض محکموں سے بہت ملتا جلتا تھا ۔

خلیفہ کے خزانۂ خاص کا انتظام ایک ممتاز عہدیدار کے سپرد تھا جسے ''صاحب دیت'' کہتے تھے ۔ یہ عہدہ دار خلیفہ کی خاص زمینوں کی نگرانی کرتا تھا اور کاشتکاروں کی ایک جماعت سے ان پر کاشتکاری کراتا تھا جنہیں معاوضہ میں پیدا وار کی ایک معمولی مقدار دی جاتی تھی ۔

---

۱ ۔ المسالک و الممالک : صفحہ ۷۷ ۔

٥ - عدالت کا نظام :

(الف) دولت عباسیہ میں عدالت کا نظام :

عباسیوں کے دور اول میں عدالت کے نظام میں بہت تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں - اس دور میں فقہ کے مذاہب اربعہ کے ظہور کی وجہ سے اجتہادی روح میں ضعف و انحطاط پیدا ہوگیا تھا اور قاضیوں کے فکر و نظر کا دائرہ انہی مذاہب میں سے کسی نہ کسی مذہب تک محدود تھا - اس دور میں عراق کے قاضی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب ، شام اور بلاد مغرب کے قاضی امام مالکؒ کے مذہب اور مصر کے قاضی امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے - اگر مدعی اور مدعا علیہ کسی ایسے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، جو عام طور پر اس شہر میں رائج نہ ہوتا تھا، اس وقت ان کے فیصلے کے لئے قاضی کسی ایسے فقیہہ کو اپنا نائب مقرر کر دیتا تھا، جو انہیں کے مذہب کا پیرو ہوتا تھا -

اس دور کے قاضی ، خلفاء کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ تھے - بات یہ تھی کہ عباسی خلفاء اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے - اس غرض کے لئے قاضیوں کو اپنا آلۂ کار بناتے تھے اس لئے قاضی کے انتخاب میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ وہ آلۂ کار بننے کی صلاحیت رکھتا ہو یہی وجہ تھی کہ عموماً ایسے شخص کو اس منصب پر مامور کیا جاتا تھا جس کی طرف سے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ ان کے رجحانات اور خواہشات سے انحراف کرے گا - اسی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے فقہاء قضا کے منصب سے دامن بچاتے تھے - وہ یہ

جانتے تھے کہ انہیں شریعت اسلامی اور ضمیر کے خلاف فتویٰ دینے پر مجبور کیا جائیگا ۔ حضرت امام ابو حنفیہؒ سے منصور نے جب منصب قضا قبول کرنے کی استدعا کی تھی ، اس وقت آپ نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا تھا : ''مجھے اپنے اوپر یہ اعتماد نہیں ہے کہ آپ کی مرضی اور خواہشات کا لحاظ رکھوں گا ۔ پھر آپ کے غیظ و غضب سے بچنے کی صورت ؟'' اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد امام ابو حنفیہؒ اور منصور کے قاضی محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلی کے درمیان کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی تھی ۔ وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہؒ نے باوجود عمر میں کم ہونے کے ابن عبدالرحمان کے فیصلوں پر نکتہ چینی کی تھی ۔ ابن عبدالرحمان نے اس بات کی شکائت منصور سے کی ، نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کی طرف سے حکم زبان بندی جاری کر دیا اور امام ابو حنفیہ کو فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی گئی[1] ۔ اس زمانے کے خلفاء نے بہت سے جرنلوں اور علویوں کے ممتاز افراد اور دوسرے اشخاص سے امان کا وعدہ کیا تھا ، اس کے بعد قاضیوں کے فتووں کی آڑ لے کر اپنے وعدوں کی صریح خلاف ورزی کی تھی سفاح نے ابن ہبیرہ ، منصور نے ابو مسلم خراسانی اور اپنے چچا عبداللہ بن علی اور ہارون رشید نے یحییٰ بن عبداللہ بن حسن علوی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ اس دعویٰ کی دلیل ہے ۔

ابن ہبیرہ کو سفاح کی طرف سے امان دی گئی تھی ۔ لیکن چند روز بعد اسے قتل کرا دیا گیا، منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی اور ابو مسلم خراسانی کو امان دی تھی ، مگر پھر انہیں

---

۱ - التمدن الاسلامی : جلد ۲ صفحات ۱۸۵ - ۱۸٦ -
۲ - النظم الاسلامیه : صفحات ۲۳۵ - ۲۳٦ -

موت کے گھاٹ اتار دیا - اسی واقعہ کی طرف محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) نے منصور کے ایک خط کے جواب میں اشارہ کیا تھا ، "مجھے کون سی امان دیجئے گا ، اپنے چچا عبداللہ کی طرح یا ابو مسلم خراسانی کی طرح ؟" محمد نفس زکیہ کے بھائی یحیٰی بن عبداللہ نے بلاد دیلم میں ہارون رشید کے خلاف بغاوت کی تھی - ہارون رشید نے فضل بن یحیٰی برمکی کو اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا تھا -

فضل بن یحیٰی نے اپنے غیر معمولی تدبر اور بے مثل سیاسی بصیرت سے یحیٰی بن عبداللہ کو مصالحت پر آمادہ کر لیا تھا یحیٰی بن عبداللہ کی شرط یہ تھی کہ ہارون رشید اپنے قلم سے امان کا پروانہ لکھے اس پر فقہا ، قضاۃ اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی شہادتیں ثبت کی جائیں - ہارون رشید نے اس شرط کو منظور کر لیا اور حسب خواہش امان کا پروانہ لکھ دیا تھا - اس کے بعد جب یحیٰی بن عبداللہ فضل کے ساتھ بغداد آیا تو اس وقت ہارون رشید نے نہائت عزت و احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا - لیکن ابھی بغداد پہنچے ہوئے چند روز ھی گزرے تھے کہ ہارون رشید نے اسے قصر خلافت میں نظر بند کر دیا اور فقہاء سے نقض امان کے متعلق فتویٰ پوچھا ، کچھ فقہاء نے امان کو برقرار رکھنے کا فتویٰ دیا ، لیکن بعض فقہاء نے نقض امان کے جواز کا فتویٰ دے دیا - ہارون رشید نے اس گروہ کے فتویٰ پر عمل کیا اور یحیٰی بن عبداللہ کو قتل کرا دیا -

عباسیوں نے اپنے دور اقتدار میں قاضی القضاۃ [1] (چیف جسٹس)

---

۱ - قاضی القضاۃ کو اقضی القضاۃ بھی کہا جاتا تھا -

کا منصب قائم کیا تھا ۔ اس کا تقرر خلیفہ کرتا تھا ۔ قاضی القضاۃ دارالخلافت میں قیام کرتا تھا اور اپنی طرف سے عالم اسلامی میں قاضیوں کا تقرر کرتا تھا جو اس کے نائب کی حیثیت سے عدالت کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ سب سے پہلے اس منصب پر کتاب الخراج کے مصنف امام ابو یوسفؒ مامور کئے گئے تھے ۔ یہ ہارون رشید کے عہد کا واقعہ ہے ۔

عباسیوں کے دور اول میں قاضیوں کے اختیارات بہت وسیع ہو گئے تھے ۔ اس سے پہلے ان کے اختیارات کا دائرہ فوجداری کے مقدمات تک محدود تھا ۔ لیکن اس دور میں فوجداری کے ساتھ انہیں دیوانی کے اختیارات بھی حاصل تھے ۔ اس دور میں امام ابو یوسفؒ کے علاوہ دوسرے ممتاز قاضی القضاۃ یحیٰی بن اکثم (جنہوں نے مامون کے عہد میں رومیوں کے خلاف ایک فوج کی قیادت کی تھی) اور احمد بن داؤد تھے جو یحیٰی بن اکثم کے شاگرد تھے اور واثق کے دور میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے ۔

عباسیوں کے دور میں ہر صوبے میں مذاہب اربعہ کی نمائندگی کے لئے چار قاضی مقرر کئے جاتے تھے تاکہ ہر مذہب کا مقلد اپنے مذہب کے قاضی کے پاس مقدمہ پیش کرے اور اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرا سکے[1] ۔ اس سے پہلے ایک صوبے میں صرف ایک قاضی مقرر کیا جاتا تھا ۔

(ب) مصر میں عدالت کا نظام :

مصر کے عدالتی نظام کی ایک اہم امتیازی خصوصیت یہ

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحہ ۲۳۶ -

تھی کہ مصر کے قاضی گواھوں کی صداقت اور کیرکٹر کی تحقیق اور چھان بین میں بڑی کوشش کرتے تھے ۔ کندی کا بیان ھے "مصر کے قاضیوں کا معمول تھا کہ وہ ایسے گواھوں کی شہادت قبول کرتے تھے جو بے داغ کیرکٹر میں مشہور ہوتے تھے اور اگر گواھوں کا کیرکٹر نا معلوم ھوتا تھا اس صورت میں اس وقت تک ان کی گواھی کے بارے میں توقف کیا جاتا تھا جب تک ان کے پڑوسیوں سے ان کے کیرکٹر کی تحقیق نہیں کر لی جاتی تھی ، تحقیق کے بعد ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاتی تھی ۔ منصور کے دور خلافت کے قاضی غوث بن سلیمان مصر کے پہلے قاضی تھے جنہوں نے گواھوں کے بارے میں خفیہ تحقیقات شروع کی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں جھوٹی گواھیوں کا بہت رواج ھو گیا تھا ۔ قاضی مفضل بن فضالہ نے گواھوں کے کیرکٹر کی چھان بین کے لئے ایک شخص کو مامور کیا تھا جسے "صاحب مسائل" کہا جاتا تھا ، اس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ گواھوں کے بارے میں پوری تحقیق کرتا ۔ قاضی عمری نے ، جنہیں ھارون رشید نے ۱۸۵ھ میں مصر کا قاضی مقرر کیا تھا ، عادل گواھوں کے نام ایک رجسٹر میں درج کر لئے تھے ۔ انہیں کے نقش قدم پر مابعد کے مصر کے قاضی چلے تھے قاضی عیسیٰ بن منکدر ، جو ۲۱۲ھ میں مصر کے قاضی مقرر کئے گئے تھے ، گواھوں کے بارے میں بڑی چھان بین سے کام لیتے تھے ۔ ان کا معمول تھا کہ وہ رات کو بھیس بدل کر نکلتے ، سڑکوں پر گشت لگاتے اور گواھوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے تھے ۔ قدامہ بن جعفر نے اپنی کتاب الخراج میں ان کے زمانہ کے عدالت کے نظام کا تذکرہ کرتے ھوئے لکھا ھے ،

"اس زمانے میں گواھوں کے بارے میں پوری طرح پوچھ گچھ ان کی صداقت کے مختلف پہلوؤں کا تجسس اور ان کے حالات کی کرید ، یہ باتیں قاضی کے اھم فرائض میں شمار کی جاتی تھیں [1] ۔

دور عباسیه کے قاضیوں نے مصر کے عدالتی نظام میں بہت سی مفید اصلاحات کی تھیں ۔ قاضی غوث (۱۳۵ھ — ۱۴۰ھ) نے محکمۂ عدلیه کی ان تمام خرابیوں کو دور کر دیا تھا جو اس زمانے میں پیدا ھو گئی تھیں ۔ ان خرابیوں میں سر فہرست جھوٹی شہادتوں کا رواج تھا ۔ قاضی غوث ، جھوٹی اور سچی گواھی میں امتیاز کرنے کے لئے پہلے گواھوں کے کردار اور چال چلن کے متعلق نہائت خفیه طور پر معلومات حاصل کر لیتے تھے اور جب ان کی نیک کر داری اور سلامت روی کا یقین ھو جاتا تھا ، اس وقت ان کی گواھی قبول کی جاتی تھی ۔ کندی کے الفاظ میں "قاضی غوث قانونی نکات اور ان کی پیچیدگیاں سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے اور عدل و انصاف اور اعتدال پسندی میں مشہور تھے" ۔ قاضی غوث کی عدل پروری کا یه ایک مشہور واقعه ھے که عباسی خلیفه مہدی پر ایک عورت نے دعوی دائر کیا تھا ، آپ نے عدالت کے اندر عورت اور خلیفه کے نمائندہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا اور دونوں کو ایک صف میں کھڑا کیا ۔

قاضی ابو خزیمه (۱۴۴ھ — ۱۵۴ھ) کے زھد و تقوی کا یه حال تھا که اپنے کپڑے دھونے یا کسی جنازہ میں شرکت

---

۱ ۔ کندی : کتاب القضاۃ : صفحات ۴۲۳ - ۴۲۴ ۔

کی وجه سے کسی دن عدالت کا اجلاس کرنے کا موقع نه ملتا تو اس دن کی تنخواہ نہیں لیتے تھے ۔ اس واقعے سے اس دور کے قاضیوں کی تواضع اور تقویٰ کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ یه قاضی، تواضع و خاکساری میں آنحضرت ؐ کی اقتداء کرتے تھے اور اپنے اکثر کام اپنے ہاتھ سے خود کر لیتے تھے ۔

مفضل بن فضاله (١٦٨ھ — ١٦٩ھ - ١٧٣ھ — ١٧٧ھ) نے عدالت کے نظام میں بہت سی اصلاحات کی تھیں ۔ وہ سب سے پہلے قاضی تھے جنھوں نے عدالتی کارروائیوں کی مثلوں کے فائل مرتب کرائے تھے اور وصایا و دیون کے متعلق تمام معاملات ان میں مدون کئے گئے تھے ۔ ان کا ایک کارنامه یه تھا که انہوں نے گواہوں کی عدالت اور صداقت کی تحقیق اور چھان بین کرنے کے لئے ایک شخص کا تقرر کیا تھا جسے ”صاحب مسائل“ کہا جاتا تھا ۔ لیکن سچ پوچھئے تو یه اصلاح صرف ظاہری ثابت ہوئی اور اس میں کوئی معنوی خوبی پیدا نه ہو سکی ۔ یه عہدیدار رشوتیں لے کر جھوٹے گواہوں کی عدالت و صداقت کی تصدیق قاضی کے سامنے کر دیتا تھا ۔ قاضی مفضل بن فضاله نے اس افسر کی بے اعتدالیوں کو بہت جلد محسوس کر لیا لیکن جھوٹی شہادتوں کے عام رواج کے سامنے وہ بے بس بھی تھے ۔ اس لئے شہادت کے فرائض انجام دینے کے لئے انہوں نے پوری تحقیق کے بعد دس اشخاص کو مخصوص کر دیا تھا ۔ لیکن جمہور کی نگاہوں میں قاضی کی یه اصلاح کچھ جچی نہیں ۔ اس کی ایک وجه یه تھی که اس طرح شہادت چند اشخاص میں محدود ہو کر رہ گئی تھی ۔ دوسرے یه ایک نیا طریقه تھا جسے اس سے پہلے کسی اور قاضی نے جاری نه کیا تھا ۔

لہیعہ بن عیسیٰ (۱۹۶ھ - ۱۹۸ھ—۱۹۹ھ - ۲۰۴ھ) نے اوقاف کے نظام کی تنظیم کی تھی اور اس میں چند اہم اصلاحات کی تھیں - انہوں نے اوقاف کے مال کو جمع کیا اور اس میں مصر کے باشندوں کے لئے ایک حصہ مخصوص کر دیا - ان اوقاف سے ان رضا کاروں کے وظائف مقرر کر دئے جو سرحدی مقامات پر مسلمانوں کی رضا کارانہ خدمات انجام دئے تھے - لہیعہ سب سے پہلے قاضی تھے - جنہوں نے اوقاف کی تنظیم کے قوانین بنائے تھے ان قوانین کو ان کے بعد کے قاضیوں نے اپنا لائحۂ عمل بنایا یہ قوانین "فروض لہیعہ" کے نام سے مشہور تھے - کچھ عرصہ کے بعد مصر کے باشندے لہیعہ کے خلاف ہو گئے تھے - وجہ یہ تھی کہ انہوں نے تیس اشخاص کو اپنا مخصوص راز دار بنا لیا تھا - یہ بات عام لوگوں کو بہت ناگوار گزری تھی -

اس زمانہ کا نظام عدالت اپنی خوبیوں کے ساتھ عیوب و نقائص سے بھی خالی نہ تھا - اس کی وجہ اس زمانہ میں مصر کے سیاسی نظام کی پراگندگی تھی - اس وقت قضاۃ رشوتیں لینے سے نہ جھجکتے تھے، اس کا لازمی نتیجہ تھا، کہ عدالت کے وقار اور اس کی ہیبت کو ٹھیس پہنچی تھی - قاضی عبدالرحمان بن عبداللہ عمری کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ایک لاکھ دینار رشوت سے جمع کئے تھے- مزید برآں شراب نوشی اور رقص و سرور کی محفلوں سے بھی انہیں کوئی احتراز نہ تھا - ان باتوں نے انہیں عام لوگوں کی نظروں سے گرا دیا تھا - لیکن ان اخلاقی کمزوریوں کے ساتھ انہوں نے ایک نیک کام یہ کیا تھا کہ عادل گواہوں کی ایک خاص فہرست تیار کرائی تھی شہادت دینا صرف ان گواہوں کا کام

تھا ، مابعد کے قاضی اس سلسلے میں ان کے نقش قدم پر چلتے رہے -

اس دور کے قاضیوں میں ابن مسروق کندی (۱۷۷ھ - ۱۸۴ھ) سب سے مشہور قاضی گزرے ھیں - انہوں نے عدالت کے اعزاز و وقار کی سطح کو بہت بلند کر دیا تھا اور گورنر کے اثر و اقتدار سے عدالت کو آزاد کر دیا تھا - وہ کبھی گورنر کے پاس نہ جاتے تھے ھالانکہ ان کے پیش رو قاضی، گورنر کے حضور میں جبیں سائی باعث فخر سمجھتے تھے - ان کے اس رویہ کا اثر یہ ھوا کہ ان کے مابعد کے قاضیوں نے گورنر کے دربار میں حضوری کو ترک کر دیا تھا قاضی ابن مسروق کندی نے محکمۂ عدالت میں ایک اھم اصلاح کی تھی اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے ایک مضبوط الماری بنوائی تھی ، جس میں عدالت کے فیصلے مہر شدہ حالت میں بند کر دئے جاتے تھے اور جب وہ عدالت کا اجلاس کرتے اس وقت وہ فیصلے نکالے جاتے اور ان کے سامنے ان کی مہریں توڑ کر کھولا جاتا تھا -

سناتلی لین پول نے اموی دور اور عباسیوں کے دور اول کے مصر کے قاضیوں کے بارے میں لکھا ھے[1] ”فقہ اسلامی میں انہماک کی وجہ سے وہ غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے - رائے عامہ میں استقامت اور بلندیٔ اخلاق کے لحاظ سے مشہور تھے - ان کے مرتبہ اور عہدے کو بڑی اھمیت حاصل تھی اور اثر و نفوذ کے اعتبار سے ان کی شخصیت بہت بلند تھی ، اسی لئے ان کے ساتھ مصر کے گورنروں کا وہ برتاؤ نہ تھا جو دوسرے سرکاری عہدیداروں کے ساتھ

1. History of Egypt in the Middle Ages p. 39 - 40.

روا رکھا جاتا تھا ۔ قاضی عموماً متعدد گورنروں کے دور میں اپنے عہدہ پر فائز رہتا تھا ۔ نیا گورنر اپنے پیش رو گورنر کے زمانے کے افسروں کو بدل دیتا تھا ۔ لیکن قاضی کو اس کے منصب سے ہٹانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا ۔ اس دور میں اگر قاضی کی شرعی کارروایوں میں کوئی بالادست اقتدار دخل دیتا تو وہ فوراً قضا کے منصب سے استعفاء دے دیتا تھا۔ قاضیوں کے ساتھ عوام کی غیر معمولی محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ کوئی گورنر اگر کسی قاضی کو معزول کرنے کا ارادہ کرتا ، تو اسے ایک مدت تک پس و پیش رہتا تھا اور عموماً جمہور میں ہیجان و اشتعال کے اندیشہ سے اس اقدام سے گریز کیا کرتا تھا ۔ عباسیوں کے دور میں قاضیوں کو معزول کرنے کا اختیار گورنر کو حاصل نہ تھا بلکہ معمولاً اس کا تعلق مرکزی خلافت سے تھا اور وہیں سے اس کا تقرر کیا جاتا تھا ۔ ان کی تنخواہوں کی تحدید و تعیین اور ادائیگی کا تعلق بھی باب خلافت ھی سے تھا'' ۔

(ج) اندلس میں عدالت کا نظام :

اندلس میں عدالت کو بہت بلند درجہ حاصل تھا ۔ پوری اموی قلمرو میں اس منصب کو بڑے احترام و وقار کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا ۔ فرمانروا یا خلیفہ محکمۂ عدالت کا سب سے بڑا قاضی ہوتا تھا ۔ کیونکہ عدالت کے فرائض کا تعلق مذھبی امور سے تھا اور خلیفہ مذھبی معاملات کا محور خیال کیا جاتا تھا ۔ عدالت کے اجلاس کے وقت خلیفہ کے پاس قاضی موجود رہتا تھا تا کہ اگر کسی معاملے میں اسے کچھ پوچھنا ہو تو قاضی سے پوچھا جا سکے ۔ قاضی القضاۃ کو اندلس میں ''قاضی الجماعہ'' کہا جاتا تھا وجہ یہ

تھی کہ دارالسطنت میں قیام کے باوجود اس کے اختیارات کا دائرہ پوری سلطنت تک وسیع تھا ۔ قاضی کے منصب کے لئے ضروری تھا کہ وہ فقہ اسلامی پر گہری نظر رکھتا ہو ۔ پاکیزگیٔ اخلاق اور استقامت میں مشہور ہو ۔ اس منصب کے لئے یہ شرط نہیں تھی کہ وہ خالص عربی النسل بھی ہو ، چنانچہ اندلس میں بہت سے ایسے اشخاص اس منصب پر مامور کئے گئے تھے جو عربی النسل نہیں تھے بلکہ غیر عربی النسل تھے ۔ مثلاً اندلس کے ممتاز ترین قاضی یحییٰ بن یحییٰ لیثی بربر قبائل سے تعلق رکھتے تھے ۔ قاضی القضاۃ کا انتخاب عموماً تمام صوبوں کے مختلف قاضیوں میں سے کیا جاتا تھا ۔ جو ان میں عدالت کے معاملات میں سب سے ممتاز ہوتا تھا ۔ قاضی الجماء قرطبہ میں قیام پذیر رهتا تھا ۔ اس کا تقرر خلیفہ کرتا تھا، قاضی القضاۃ تمام اسلامی ملک کے صوبوں میں قاضیوں کا تقرر کرتا تھا جنہیں ''مسدد خاصہ'' کہا جاتا تھا ۔

قرآن و سنت اندلس میں اسلامی قانون و احکام کے ماخذ تھے ۔ وہاں کے قاضی اپنے فیصلوں میں قرآن و سنت کے احکام اور امام مالکؒ کے مذهب پر چلتے تھے ۔ گورنر اور حکام قاضیوں کے فیصلوں کا نفاذ کرتے تھے۔ اموی خلفاء اور عباسی خلفاء کی طرح اندلس کے اموی خلفاء بھی اپنے قاضیوں کو اپنی نیابت کے طور پر کبھی کبھی فوجوں کی قیادت سونپ دیتے تھے ۔ ابن خلدون [1] کا بیان ھے : جہاد کے لئے جو فوجیں بھیجی گئی تھیں ، ان کی قیادت بعض اوقات قاضیوں نے کی تھی ۔ مثلاً مامون کے عہد میں رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی جو فوجیں بھیجی گئی تھیں ان میں

---

۱ ۔ مقدمہ ابن خلدون : صفحہ ۱۹۳ ۔

سے مامون نے ایک فوج کا سپہ سالار قاضی یحیٰی بن اکثم کو مقرر کیا تھا ۔ اسی طرح اندلس کے اموی فرمانروا عبدالرحمان الناصر نے اپنے قاضی منذر بن سعید کو ایک فوج کی قیادت پر مامور کیا تھا ۔ فوجی قیادت کے فرائض عموماً خلفاء خود انجام دیتے تھے یا وزیر تفویض اور طاقتور گورنر کے سپرد کرتے تھے ۔ اوقاف کی آمدنی کی نگرانی ، فتاویٰ کے فائلوں کی حفاظت کا انتظام بھی قاضیوں کے فرائض میں داخل تھا[1] ۔ قرطبہ کی جامع مسجد یا یا مسجد زھرا میں جمعے اور عیدین کی نمازوں کے انتظامات کی نگرانی قاضی کے سپرد تھی ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ھوگا کہ مسجد زھرا کی تعمیر عبدالرحمان الناصر نے کی تھی ۔ نماز استسقاء کا بندوبست بھی قاضی ھی کرتا تھا ۔

عدالت عظمیٰ کا نظام :

اب عدالت عظمیٰ کے نظام پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جاتی ھے ، ''قاضی مظالم'' یا عدالت عظمیٰ کا قاضی ان مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا جو عدالت عالیہ کے اختیارات اور امکان سے خارج تھے ۔ اس لئے اس منصب پر انتہائی دبدبہ وھیبت اور غیر معمولی قوت کا حامل فرد مامور کیا جاتا تھا ۔ بعض خلفاء عباسی عدالت عظمیٰ کے فرائض خود انجام دیتے تھے ۔ ماوردی نے قاضیوں اور عدالت عظمیٰ کے قاضیوں کے فرائض و اختیارات میں مایۂ الامتیاز فرق بیان کئے ھیں ، ان میں

---

۱ - یہ فائل ۲۹۱ھ سے شروع کی گئی تھی، قاضی القضاۃ بعض پیچیدہ معاملات میں فقہاء سے فتویٰ لیتا تھا ۔ ان فتووں کی فائل بنا دی گئی تھی ۔ جو اندلس کے ما بعد کے قاضیوں کے لئے ایک اھم نظائر اور حوالے کی چیز تھی ۔

سے سب سے نمایاں فرق یہ ہے کہ قاضی مظالم کو، جو جاہ و جلال، رعب و دبدبہ اور غیر معمولی قوت حاصل تھی ، وہ عام قاضیوں کو حاصل نہ تھی ، قاضی مظالم اپنی قوت سے بڑے بڑے مدعی ، مدعا علیہ کے قضیوں کا تصفیہ کر دیتا تھا اور اپنے اقتدار و طاقت سے کمزور کے مقابلے میں طاقتور کے بل نکال دیتا تھا ، قاضی مظالم کی شخصیت بے پناہ رعب و دبدبہ اور فہم و فراست کی حامل ہوتی تھی ، وہ قرائن و شواہد سے حق و باطل میں امتیاز کر لیتا تھا ۔ اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ کو ثالثوں کے ذریعہ آپس میں راضی نامہ کرنے پر مجبور کرے ، قاضی کو یہ اختیار حاصل نہ تھا۔ قاضی صرف اسی صورت میں راضی نامہ کرا سکتا تھا جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں اس پر آمادگی کا اظہار کریں ، قاضی مظالم کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ وہ گواہوں کی صداقت میں شبہ ہونے کی صورت میں ان کی شہادتوں کے خلاف فیصلہ صادر کرے اور مدعی کے پیش کئے ہوئے گواہوں کے علاوہ اپنی طرف سے جنہیں مناسب خیال کرے شہادت کے لئے طلب کرے ۔ وہ مقدمات میں اپنی طرف سے سمن جاری کرکے گواہوں کو شہادت کے لئے طلب کر سکتا تھا ، لیکن قاضیوں کے اختیارات کا دائرہ اس امر میں محدود تھا کہ وہ مدعی سے گواہ پیش کرنے کے لئے کہتے تھے اور گواہوں کی سماعت اسی صورت میں کرتے تھے جب مدعی ان سے درخواست کرتا تھا ۔

قاضی مظالم کے فرائض عموماً خلیفہ یا گورنر انجام دیتے تھے بعض اوقات خلیفہ اور گورنر ان فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنی طرف سے کسی ممتاز فرد کو نائب مقرر کر دیتے تھے ۔ یہ منصب اگر ضمنی طور پر کسی بڑے عہدیدار کے سپرد کیا جاتا تھا تو وہ

ایک دن اس کے فرائض انجام دینے کے لئے مخصوص کرلیتا تھا تاکہ اس کے اصل فرائض منصبی میں خلل پیدا نہ ہو اگر مستقل طور پر اس عہدے پر کسی شخص کا تقرر کیا جاتا تھا تو وہ روزانہ اس کے فرائض انجام دیتا تھا ۔ عدالت عظمیٰ کا اجلاس مسجد میں ہوتا تھا اور اس وقت قاضی مظالم کے ارد گرد پانچ گروہ موجود ہوتے تھے ۔

(۱) مسلح پولیس اور فوج ، مقصد یہ تھا کہ مجرموں کو سرکشی کی جرأت نہ ہوسکے اور وہ عدالت کے فیصلے سے سرتابی نہ کرسکیں ۔

(۲) حکام ۔ یہ فریقین کے بارے میں واقعات کی تحقیقات پیش کرتے تھے اور قاضی مظالم ان تحقیقات سے استفادہ کرتا تھا ۔

(۳) فقہاء ، ان سے قاضی مظالم شرعی مسائل دریافت کرلیتا تھا جب اسے کسی معاملے میں شک و شبہ ہوتا تھا ۔

(۴) محررین ۔ یہ فریقین کے بیانات اور قاضی مظالم کے فیصلے قلمبند کرتے تھے ۔

(۵) گواہ ۔ ان کا کام ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے بارے تائیدی یا تردیدی شہادتیں دینا تھا ۔

قاضی مظالم کے فرائض و اختیارات میں یہ چیزیں بھی داخل تھیں :

(۱) ان مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلے جو جماعتوں یا افراد کی طرف سے گورنروں کے جبر و استبداد ، خراج کے افسروں کی سختی و زیادتی اور محکموں کے سیکریٹریوں کے غبن اور خورد برد

کے بارے میں دائر کئے جاتے تھے -

(۲) تنخواھوں اور وظائف میں تخفیف یا تاخیر سے متعلق مقدمات اور ان کے فیصلے -

(۳) ان فیصلوں کا نفاذ ، جو قاضی اور محتسب نافذ نہ کرا سکے تھے -

(۴) حج ، عیدین جمعه اور جہاد اور دوسری عبادات کا قیام[1] اور تحفظ کے معاملات -

نظام احتساب :

منصب قضا کے اختیارات و فرائض ، قاضی محتسب اور قاضی مظالم کے درمیان منقسم تھے ، قاضی کا کام ان مقدمات اور قضیوں کا فیصلہ کرنا تھا جو عام طور پر مذھی معاملات سے تعلق رکھتے تھے، محتسب کے اختیارات و فرائض کا دائرہ امن عامه کے تحفظ کی عملی کارروائیوں تک محدود تھا، اسے بسا اوقات امن و امان کے تحفظ کے لئے فوری تدابیر اختیار کرنا پڑتی تھیں - قاضی مظالم کا کام ان مقدمات کے فیصلے اور ان کا نفاذ تھا جو قاضی اور محتسب کے اختیارات یا امکان سے خارج تھے - عدالت اور احتساب کے فرائض بعض دفعه ایک هی شخص کے سپرد کردئے جاتے تھے - اس وقت نہائت باوقار اور غیر معمولی بیدار مغز فرد کا انتخاب کیا جاتا تھا ان دونوں عہدوں کے فرائض میں بعدالمشرقین تھا کیونکه قاضی کی کارروائیوں کے لئے تحقیقات اور ضبط و وقار کی ضرورت ھوتی تھی اور محتسب کے فرائض شدت پسندی اور عجلت کے متقاضی تھے[2] -

---

۱ - ماوردی : الاحکام السلطانیه صفحات ۷۳ - ۸۱ -
۲ - ماوردی : الاحکام السلطانیه صفحات ۶۱ - ۷۲ -

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے احتساب کا نظام قائم کیا تھا اور وہ بذات خود محتسب کے فرائض انجام دیتے تھے لیکن محتسب کا لفظ سب سے پہلے خلیفہ مہدی عباسی کے عہد (۱۵۸ھ–۱۶۹ھ) میں استعمال کیا گیا، تھا محتسب کے فرائض میں امر باالمعروف نہی عن المنکر، معاشرتی زندگی کے آداب کا تحفظ اورنگرانی عزت و ناموس اور دیانتداری کے معاملات کی حفاظت؛ احکام شرعی کا تحفظ اور ان کی پابندی کرانا - بازاروں اور منڈیوں کے نظام کی نگرانی، شارع عام پر دوکانیں لگانے کی روک تھام کرنا، یہ سب امور داخل تھے وہ قرضوں کو ادا کراتا تھا، وزنوں اور پیمانوں کی جانچ پڑتال کرتا رهتا تھا [1]، جو شخص شریعت کے خلاف کوئی نازیبا حرکت کرتا تھا، اسے وہ اسی وقت سزا دے دیتا تھا - ضروریات زندگی کی چیزوں کا بھاؤ بڑھانے والوں کے ساتھ بڑی سختی کا سلوک کرتا تھا، پڑوسیوں پر زیادتی سے روکتا تھا اور مسلمانوں کی عمارتوں کی بنیادوں پر ذمیوں کو اپنے مکانات تعمیر کرنے سے باز رکھتا تھا. ابن خلدون[2] نے محتسب کے فرائض کو اجمالی طور پر ان الفاظ میں بیان کیا ھے -

---

۱ - اوزان اور پیمانوں کی جانچ پڑتال کے لئے باقاعدہ ایک آفس قائم تھا - جہاں تمام دوکانداروں کو معین اوقات میں حاضر ھونا پڑتا تھا اور وہ اپنے اوزان اور پیمانے ساتھ لاتے تھے - ان کی باقاعدہ جانچ کی جاتی تھی - اگر وہ کم نکلتے تھے تو انھیں نئے خریدنا پڑتے تھے یا ان کی اصلاح کرنا پڑتی تھی - یہ آفس مصر میں فاطمیوں اور ایوبیوں دونوں عہدوں میں قائم تھا - المقری : خطط جلد ۱ صفحات ۴۶۳ - ۴۶۴ -

۲ - مقدمہ صفحہ ۱۹۶ -

"محتسب ناشائستہ باتوں کی کھوج میں لگا رہتا تھا اور پوری طرح ان کا تدارک کرتا تھا ۔ عام لوگوں کو شہر میں مفاد عامہ کا خیال رکھنے پر مجبور کرتا تھا ۔ راستوں میں غیر مہذب حرکتوں سے روکتا تھا ۔ جانوروں اور جہازوں پر زیادہ بوجھ لادنے سے روکتا تھا ۔ مکانات کے مالکوں کو ایسے مکانات گرا دینے کا حکم دیتا تھا جن کے گرنے کا خطرہ ہوتا ۔ مکتبوں وغیرہ میں بچوں کو بے دردی سے مار پیٹ کرنے سے معلموں کو روکتا تھا۔ لڑائی جھگڑے کی صورت میں محتسب اس بات کا انتظار نہیں کرتا تھا کہ لوگ اس کے پاس آکر رپورٹ کریں، بلکہ ایسے موقعوں پر وہ خود پہنچکر تدارک کرتا تھا جن مقدموں کا تعلق جعل سازی دھوکہ دھی اور پیمانوں اور وزنوں میں کمی زیادتی سے ھوتاتھا ان کے بارے میں اسے اپنا فیصلہ نافذ کرنے کے اختیارات حاصل نہ تھے بلکہ اس قسم کے معاملات قاضی کی عدالت میں پیش کرنا پڑتے تھے ، محتسب بلا وجہ قرض کی ادائیگی میں دیر کرنے والوں کو قرض کی ادائیگی پر مجبور کرتا تھا ، اسی طرح بہت سے ایسے معاملات کے بارے میں اسے اختیارات حاصل تھے ، جن میں شہادتوں ان کے پیش کرنے اور عدالتی کارروائیوں کے بعد احکام نافذ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ۔ محتسب کو ایسے معاملات میں پورے اختیارات حاصل تھے، جو عمومی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے حق و باطل میں امتیاز کرنے کیلئے کسی تحقیق کی ضرورت نہ ھوتی تھی ، اسی وجہ سے قاضی یہ فرائض اپنے ذمہ نہیں لیتا تھا ، بلکہ انہیں محتسب کے سپرد کر دیتا تھا ۔ اور محتسب، منصب قضا کے ایک خادم کی حیثیت سے انہیں انجام دیتا تھا ۔ مسلمانوں کی اکثر حکومتوں کے زمانے میں ، مثلاً مصر کے طولونیہ اور اخشدیہ

دور میں بلاد مغرب کے فاطمی عہد میں اوراندلس کی اموی حکومت کے زمانہ میں محتسب کا تقرر قاضی کے اختیارات میں داخل تھا''۔

اندلس کے اموی دور حکومت میں ہر شہر میں ایک محتسب یا صاحب سوق مقرر تھا، اسے ''صاحب سوق'' اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی کارروائیوں کی جولانگاہ زیادہ تر بازار اور منڈیاں ہوتی تھیں، جس شخص کو اس منصب پر ماسور کیا جاتا تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ فہم و درائت اور ذہانت میں غیر معمولی درجہ رکھتا ہو، یہ عہدہ دار قاضیوں میں سے منتخب کیا جاتا تھا کیونکہ اس کی کارروائی قضا اور عدالت سے تعلق رکھتی تھی۔ مقری[1] نے اندلس کے اموی عہد حکومت کے محتسب کے اختیارات تفصیل سے بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام نے اندلس میں بڑی ترقی کی تھی، ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمتیں مقرر تھیں اور فروخت کرنے والوں پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی کہ کہیں وہ مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر تو فروخت نہیں کر رہے ہیں۔ احتساب کے قوانین اور قواعد وضع کئے گئے تھے، جن کا پرچار کیا جاتا تھا اور مدرسوں میں فقہ کے احکام کی طرح وہ پڑھائے جاتے تھے۔

۱۔ مقری: نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۔

باب ششم

اقتصادی حالت:

تمہید:

عباسیوں کے خزانے ٹیکسوں کی آمدنی سے معمور تھے۔ ہارون رشید کے دور میں یه آمدنی تقریباً چار کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ اس آمدنی میں اس غلے کی قیمت شامل نہیں ھے جو زمین کی پیدا وار پر ایک معین مقدار میں لیا جاتا تھا۔ ہارون رشید کو اپنی سلطنت کی خوش بختی پر اتنا اعتماد تھا که وہ جب گزرتے ہوئے بادلوں کو دیکھتا تھا تو بڑے اطمینان سے کہتا تھا ”جہاں دل چاھے جاؤ تمہارا خراج میرے ھی پاس آئے گا[1]“۔

لیکن سلطنت عباسیه کی آمدنی رفته رفته گھٹتی رھی، یہاں تک که چوتھی صدی ھجری (دسویں صدی عیسوی) میں گھٹتے گھٹتے ہارون رشید کے عہد کی آمدنی کا $\frac{1}{21}$ حصه سے بھی کم رہ گئی تھی، دوسری طرف آئے دن کی جنگیں خزانه پر ایک بار گراں بن گئی تھیں، خزانه کی آمدنی ان کی متحمل نه ھو سکتی تھی۔ اس کی وجه سے سلطنت کی قوت بہت مضمحل ھو گئی تھی۔ عباسیوں کے دور خلافت میں زراعت اور تجارت کی غیر معمولی ترقی اور فروغ کا جائزہ لینے کے بعد اس امر پر کوئی تعجب نہیں ھوتا که ہارون رشید

۱۔ صبح الاعشیٰ القلقشندی: جلد ۳ صفحه ۲۷۰۔

کے عہد میں سلطنت عباسیہ کی سالانہ آمدنی ۲۷۲ ملین[1] درہم اور ۴½ ملین دینار تھی اور خلیفہ مامون کا یومیہ خرچ چھ ہزار دینار یا ۲۱ لاکھ نوے ہزار دینار سالانہ تھا[2] ۔

ہارون رشید کے عہد میں سلطنت کی آمدنی تقریباً پانچ لاکھ درہم اور ایک کروڑ دینار تھی ۔ سلطنت کی یہ آمدنی ملک کی فلاح و بہبودی پر خرچ کی جاتی تھی ۔ اسی آمدنی سے قاضیوں، گورنروں، عاملوں، بیت المال کے افسر اور دوسرے عہدیداروں کی تنخواہیں دی جاتی تھیں ۔ فوجیوں کو تنخواہیں اس رقم سے سال کے معین اوقات میں ادا کی جاتی تھیں ۔ مختلف نہریں جاری کرنے اور ان کی مرمت کرنے پر اسی آمدنی سے صرف کیا جاتا تھا ۔ بڑی بڑی نہروں سے دور دراز زمینوں کی آبپاشی کے لئے چھوٹی چھوٹی نہریں جاری کرنے پر جو خرچ ہوتا تھا اس کا بار بھی خزانہ اٹھاتا تھا ۔ تفریحی مقامات کی شادابی اور شہروں کی رونق بڑھانے کے لئے جو چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی جاتی تھیں، اس کے مصارف بھی سلطنت کا خزانہ ادا کرتا تھا ۔ مسلم اور غیر مسلم قیدیوں کے کھانے پینے، ان کے لباس اور ان کے کفن و دفن کے اخراجات بھی سرکاری خزانہ برداشت کرتا تھا ۔ اسی آمدنی سے سامان جنگ خریدا جاتا تھا ۔ سرکاری آمدنی کا ایک مصرف علماء اور ادباء کے وظائف بھی تھا ۔

عباسیوں کے دور میں ان کثیر مصارف کے باوجود خزانہ

---

۱ - ایک ملین = دس لاکھ ، ایک درہم = چار آنے ، ایک دینار = پانچ روپیہ ۔

2. Syed Amir Ali : A Short History of the Saracens p. 426 et. seq.

ٹیکسوں کی آمدنی سے معمور تھا ۔ خوشحالی عام تھی اور ضروریات زندگی کی چیزوں کے بھاؤ بہت گرے ہوئے تھے ۔ خطیب [1] بغدادی کا بیان ہے کہ ابو جعفر منصور کے زمانے میں ایک سینڈھا ایک درہم میں بکتا تھا اور ایک بار شتر غلہ $\frac{۲}{۳}$ درہم میں ملتا تھا ۔ کھجوریں ایک درہم میں ٦۰ رطل (پونڈ) ملتی تھیں ۔ زیتون کا تیل ایک درہم میں ١٦ رطل اور گھی ایک درہم میں ۸ رطل ملتا تھا ۔ گائے کا گوشت ایک درہم میں ۹۰ رطل قصائی آوازیں لگا کر بیچتے تھے ۔ بکری کا گوشت ایک درہم میں ٦۰ رطل بکتا تھا ۔ شہد ایک درہم میں ١۰ رطل آتا تھا اور بعد میں گھی ایک درہم میں ١٢ رطل تک پہنچ گیا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں سلطنت کی آمدنی میں اضافے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عباسی خلفاء نے اقتصادی حالات کو ترقی دینے کے لئے خاص توجہ مبذول کی تھی اور سلطنت کی آمدنی بڑھانے کے لئے عملی جدوجہد سے کام لیا تھا ۔ انہوں نے زراعت ، صنعت اور تجارت کی ترقی و فروغ کے لئے تمام وسائل اختیار کئے تھے اور موجودہ حکومتوں کی طرح اقتصادی حالات کو بہتر بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا ۔

١ ۔ زراعت :

دور اول کے خلفاء عباسیہ نے زراعت کی ترقی کی پوری حوصلہ افزائی کی تھی، اس مقصد کے لئے نہریں جاری کی تھیں، ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی تھیں ، پل تعمیر کرائے تھے ، دجلہ اور فرات کا دوآبہ زرخیزی کے لحاظ سے پوری عباسی قلمرو میں

---

١ ۔ تاریخ بغداد : جلد ١ صفحہ ۷۰ ۔

امتیازی حیثیت رکھتا تھا ۔ اس دوآبہ کی زراعت اور اس کی ترقی کے معاملات کی نگرانی عباسی حکومت براہ راست کرتی تھی ۔ اس علاقے میں زراعت کی ترقی اور پیدا وار بڑھانے کے لئے حکومت نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا ۔ اس دوآبہ میں حکومت کی طرف سے بڑی نہروں اور چھوٹی نہروں کا ایک جال سا بچھا دیا گیا تھا ۔ اس کی وجہ سے یہ دوآبہ زرخیزی میں غیر معمولی طور پر ترقی کر گیا تھا اور ھرے بھرے کھیتوں اور باغات کی کثرت سے لہلہا اٹھا تھا ، اسی لئے یہ دوابہ ارض سواد[۱] (سرسبز زمین) کے نام سے مشہور تھا کیونکہ وہ درختوں کی کثرت اور لہلہاتے کھیتوں کی وجہ سے بے حد سرسبز و شاداب علاقہ تھا ۔ یہ دوآبہ طول میں موصل سے عبادان تک پھیلا ھوا تھا اور مغرب میں عذیب (قادسیہ میں ایک مقام) سے حلوان تک وسیع تھا اس کا رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تھا[۲] ۔

دریائے فرات کا پانی دجلہ و فرات کے وسیع دوآبہ کی سیرابی اور اس کی زرخیزی کی ترقی کے لئے ناکافی تھا اس لئے منصور نے اس علاقے کی آبپاشی کے لئے مختلف دریاؤں سے اس علاقے میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا تھا چنانچہ دجلہ کے پانی سے اس علاقے کو سیراب کرنے کا انتظام کیا تھا جو دجلہ کے مغربی ساحل اور خلیج فارس کے ساحل پر واقع تھا ، اس کی وجہ

---

۱ - عرب سواد کو سبز کے معنی میں استعمال کرتے تھے کیونکہ سبزی گہری ہو تو مائل بہ سیاھی ھو جاتی ھے ۔ یہ علاقہ زرخیزی کی وجہ سے نہایت سر سبز تھا اس لئے ارض سواد کہا جاتا تھا ۔

۲ - تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحات ۱۱ - ۱۲ - ۲۴ - (ایک جریب ۱۰ ھزار مربع فٹ کے برابر ھے) ۔

سے اس سارے علاقه کی آبپاشی کا بندوبست ہو گیا تھا ، جو صحرائے عرب اور کردستان کے پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا تھا اور تھوڑے ھی عرصه میں وہ ایک زرخیز رقبے میں تبدیل ہو گیا تھا، جس کا اثر وھاں کے باشندوں کی خوشحالی اور ترقی پر بہت خوشگوار پڑا تھا - منصور نے ایک نہر دجیل کے مقام سے نکالی تھی، جس کا پانی دجله سے لیا جاتا تھا - ایک دوسری نہر کرخایا کے پاس سے نکالی تھی جس کا پانی فرات سے لیا جاتا تھا - ان دونوں کا پانی شہر بغداد میں پہنچایا گیا تھا - اندرون بغداد ان نہروں کی گزرگاھیں سمینٹ اور اینٹوں سے پخته بنوائی گئی تھیں - ان نہروں کا پانی بغداد کی شاھراھوں ، محلوں ، چھوٹی سڑکوں اور گلی کوچوں میں برابر جاری رھتا تھا اور گرمی سردی کسی موسم میں منقطع[1] نه ھوتا تھا - اس طرح منصور نے دریائے فرات کا پانی نہروں کے ذریعه کرخ کے علاقه تک پہنچایا تھا چنانچه اس علاقه میں تین نہریں - نہر فلائین[2] ، نہر بزازیں[3] اور نہر دجاج جاری تھیں[4] -

بغداد میں نہر عیسیٰ اعظم جاری تھی جسے دریائے فرات سے نکالا گیا تھا - یه نہر فیروز سابور کے علاقے سے گزرتی ہوئی بغداد سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر محول کے مقام تک پہنچتی تھی - اسی نہر سے مختلف چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی تھیں جو بغداد

---

۱ - کتاب البلدان : یعقوبی صفحه ۲۵۰ -
۲ - یه ایک بڑا محله تھا جو کرخ کی مشرقی جانب واقع تھا -
۳ - اس نہر کے آس پاس بزازوں کی دوکانیں تھیں -
۴ - یه نام رکھنے کی وجه یه تھی که اس کے آس پاس مرغی فروش رھتے تھے -

کے مختلف حصوں میں بہتی تھیں ۔ یہ نہر قصر عیسیٰ (بن علی عباسی) کے قریب دجلہ میں گرتی تھی ۔ اس نہر پر مختلف مقامات پر پل تعمیر کئے گئے تھے جن کے ارد گرد بازار تھے اور ان کے قریب باغات اور تفریحی مقامات تھے ۔ نہروں کا جال بغداد کے تمام حصوں میں پھیلا ھوا تھا ۔ ان کے قریب کے بسنے والے لوگوں نے وھاں کھجور کے درخت لگا لئے تھے جن کی شجر کاری پہلے بصرہ ، کوفہ اور سواد کے علاقوں میں محدود تھی ، اس کے علاوہ لوگوں نے وھاں اور مختلف قسم کے درخت ، باغات اور باغیچے لگا لئے تھے ۔ نہر صراۃ محول کے مقام کے پاس سے نہر عیسیٰ سے نکالی گئی تھی جو بادرایا کے علاقے کو سیراب کرتی تھی اور بغداد پہنچ کر دجلہ میں گرتی تھی ۔ بغداد کی نہروں میں ایک اھم نہر کرخایا تھی جو محول کے جنوب سے نہر عیسیٰ سے نکالی گئی تھی ۔ نہر کرخایا سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی تھیں جو کرخ کے بازاروں میں جاری تھیں ۔ بغداد کی نہروں میں ایک مشہور نہر رفیل بھی تھی، یہ نہر بھی نہر عیسیٰ سے نکالی گئی تھی اور دجلہ میں گرتی تھی ۔

عباسیوں نے اپنے دور اول میں زراعت کی ترقی اور باغات لگانے کی طرف خاص توجہ مبذول کی تھی ۔ زراعت کی تعلیم کے لئے بہت سے اسکول جاری کئے گئے تھے اور عملی تجربوں کے لئے زراعتی فارم قائم کئے گئے تھے ۔ ان اسکولوں اور فارموں نے مسلمانوں کے ذھنوں کو جلا دی تھی اور زراعت کی ترقی اور فروغ میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ ان اداروں سے فکر و نظر میں وسعت پیدا ھو گئی تھی اور تحقیق و تجسس کے لئے سہمیز ثابت ھوئے

تھے - زراعتی اسکولوں میں مختلف نباتات کی زراعت کی تعلیم دی جاتی تھی اور بڑی تفصیل سے یہ پڑھایا جاتا تھا کہ کون سی زمین کس چیز کی زراعت کے لئے سوزوں ہے - زراعتی فارموں میں ان باتوں کی عملی تعلیم دی جاتی تھی - اس زمانہ میں مختلف فصلوں اور نباتات کے لئے مختلف کھادیں استعمال کی جاتی تھیں -

عباسی خلفاء نے زراعت کے بارے میں بڑی مآل اندیشانہ پالیسی اختیار کی تھی - وہ ھمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کاشتکاروں پر لگان کا بوجھ زیادہ نہ پڑنے پائے - بعض عباسی خلفاء نے خراج کی مختلف قسموں کے مستقل قوانین مقرر کر دئے تھے - ان قوانین کی تدوین کے وقت پیداوار کی نوعیت اور زمین کی زرخیزی کا لحاظ رکھا گیا تھا - اگر کسی وجہ سے پیداوار میں کمی ھو جاتی تھی تو لگان گھٹا دیا جاتا تھا [1] -

خلفاء عباسیہ زراعت کی ترقی کا بہت خیال رکھتے تھے - ان کی کوشش تھی کہ کاشتکاروں پر بوجھ کم سے کم پڑے - منصور نے گندم اور جو کا لگان نقدی کی صورت میں ختم کر دیا تھا اور اس کی جگہ بٹوارے کا طریقہ رائج کر دیا تھا یعنی لگان نقدی کی بجائے پیداوار کی ایک مناسب مقدار کی شکل میں لیا جاتا تھا - صرف کھجوروں، میوے اور اس قسم کی دوسری چیزوں پر نقدی کی صورت میں لگان باقی رکھا گیا تھا - لیکن اس جدید طریقے میں جب ٹیکس وصول کرنے والے عملے نے بے اعتدالیاں شروع کر دیں تو خلیفہ مہدی (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ) نے اپنے باپ منصور کے بٹوارے کے طریقے کو عام کر دیا اور تمام چیزوں کا لگان

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحہ ۲۸۹ -

پیداوار کی مناسب مقدار کی شکل میں لیا جانے لگا ۔ زمین اگر زرخیز ھوتی اور کاشتکار کو آبپاشی وغیرہ کے لئے زیادہ محنت نہ کرنا پڑتی، اس صورت میں پیداوار کا نصف حصہ حکومت کو دینا پڑتا تھا اور اگر زمین کو زرخیز بنانے اور آبپاشی وغیرہ کے لئے کاشتکاروں کو محنت کرنا پڑتی تو اس وقت پیداوار اور کاشتکار کی محنت کا لحاظ رکھتے ھوئے پیداوار کا $\frac{1}{3}$ ، $\frac{1}{4}$ یا $\frac{1}{5}$ لگان لیا جاتا تھا ۔

انگوروں ، کھجوروں اور دوسرے پھلوں کی قیمت کا تخمینہ لگایا جاتا تھا اور نصف یا تہائی قیمت ٹیکس کی صورت میں لے لی جاتی تھی ۔ پیداوار کی شکل میں لگان وصول کرنے کا نام بٹوارے کا طریقہ تھا ۔ اس کے برعکس پیمائش کا طریقہ تھا جس میں زمین کی پیمائش کرنے کے بعد لگان کی ایک خاص رقم مقرر کر دی جاتی تھی ۔ حکومت کو اس سے غرض نہ ھوتی تھی کہ کیا بویا گیا اور کتنا پیدا ھوا ۔

۲۰۴ھ میں خلیفہ مامون (۱۹۸ھ — ۲۱۸ھ) نے زرخیز زمین کے لگان میں اور تخفیف کر دی تھی اور نصف پیداوار کی جگہ $\frac{1}{5}$ حصہ مقرر کر دیا تھا ۔

بابل ، عراق ، الجزیرہ اور فارس میں بڑے بڑے زمیندار تھے، یہ زمیندار ان شرائط کے مطابق لگان دیتے تھے جو ان بلاد کی فتح کے وقت ان سے طے ھوئی تھیں ۔ اس نظام میں کوئی تبدیلی ممکن نہ تھی ۔ اسی وجہ سے یہ زمیندار جبر و زیادتی سے مامون تھے ۔ شمالی فارس اور خراسان میں خاص طور پر اس قسم کے بڑے بڑے زمیندار پائے جاتے تھے ۔

ابو جعفر منصور نے اپنے بعض ارکان سلطنت کو جاگیر کے طور پر بڑی بڑی زمینیں دی تھیں اور ان سے کہا تھا کہ وہ انہیں آباد کریں اور وھیں سکونت پذیر ھوں - یہ جاگیریں ان ارکان کی خدمات جلیلہ کا صلہ تھیں - یہ جاگیریں بڑی تیزی سے آباد ھو گئی تھیں - ان کی خوشحالی بہت بڑھ گئی تھی اور وہ آبادی سے معمور ھو گئی تھیں - ھر جاگیر کا نام جاگیردار کے نام یا اس گروہ کے نام پر رکھا گیا تھا جو اس علاقے میں آباد تھا - ان جاگیروں میں سے جاگیر عباس بن محمد بن عبداللہ بن عباس اور جاگیر ربیع بن یوسف امتیازی حیثیت رکھتی تھیں - ان دونوں جاگیروں میں خراسانی بزاز اور سوداگر آباد تھے - اس زمانہ میں جاگیر صالح بن منصور کو بھی امتیازی درجہ حاصل تھا [۱] -

خلافت عباسیہ میں ترکوں کے اقتدار کے بعد جاگیرداری کا نظام بہت عام ھو گیا تھا - عباسی خلفاء نے ترکوں کو بڑے بڑے صوبے جاگیر کے طور پر دے دئے تھے - یہ ترک ان جاگیروں کے عوض کچھ ھدایا اور نقدی کی صورت میں رقم دارالخلافت کو بھیجتے تھے - اس سلسلے میں خلفاء عباسیہ نے اس جاگیرداری نظام کی پیروی کی تھی جو دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں یورپ میں رائج تھا - جاگیرداری کے نظام پر معتصم سے پہلے بھی خلفاء عباسیہ چل رہے تھے ، مثلاً ھارون رشید نے عبدالملک بن صالح کو مصر کے خراج کا جاگیردار بنایا تھا اور مامون نے عبداللہ بن طاھر بن حسین کو مصر کا جاگیردار مقرر

---

۱ - کتاب البلدان یعقوبی : صفحات ۶۴۲ - ۲۵۴ تفصیل کے لئے دیکھئے ساتواں باب بغداد کی جاگیریں -

کیا تھا (۲۱۱ھ — ۲۱۳ھ) - معتصم بھی ھارون رشید اور مامون رشید کے نقش قدم پر چلا اور اس نے اشناس ترکی (۲۱۹ھ — ۲۲۹ھ) کو مصر کا جاگیردار گورنر مقرر کیا - اسی طریق کار پر واثق نے عمل کیا اور ایتاخ (۲۳۰ھ — ۲۳۵ھ) کو مصر کا جاگیردار گورنر مقرر کیا تھا [1] -

گندم، قلمرو عباسیہ کے ان سب علاقوں میں کاشت کیا جاتا تھا جہاں پانی کی افراط تھی - جوار کی کاشت جزیرۂ عرب کے جنوبی علاقوں میں ھوتی تھی - عباسی حدود مملکت میں جو اور چاول کی کاشت بھی کی جاتی تھی - کھجور کے درخت اور پھلوں کے دوسرے درخت بھی لوگ کثرت سے لگاتے تھے -

انگور، دولت عباسیہ کے تمام اطراف میں کثرت سے پیدا ھوتے تھے - یمن کے انگور کے خوشے اپنے طول میں بہت مشہور تھے - بیان کیا جاتا ھے کہ یمن کے حاکم نے ھارون کی خدمت میں یمن کے انگوروں کے دو خوشے پیش کئے تھے جب وہ حج کرنے کے لئے مکے گیا ھوا تھا - یہ دونوں خوشے اتنے بھاری تھے کہ ایک خچر پر لاد کر لے جائے گئے تھے -

ابن حوقل نے اپنے سفر نامہ "المسالک والممالک میں بیان کیا ھے کہ بحر مردار (Dead Sea) کے ساحلی شہر زغر کے باشندے مقامی انگور اور فلسطین کے انگور کے پیوند لگاتے ھیں اور طلع کے علاقے میں کھجور کے پیوند لگائے جاتے ھیں -

مملکت عباسیہ میں جن پھلوں کے درخت لگائے جاتے تھے

---

۱ - الکندی : کتاب الولاۃ و القضاۃ صفحات ۱۶۳ - ۱۳۷ - ۱۸۰ - ۱۹۵ - ۱۹۷ - ۲۰۲ -

Corbit : J. R. A. S. (1861) p. 528.

ان میں نارنگی کا درخت خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ پھل ہندوستان سے لایا گیا تھا اور اس کے پودے عمان ، بصرہ ، عراق اور شام میں لگائے گئے تھے مقدسی نے اپنی کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفة الاقلیم'' میں بیان کیا ہے کہ فلسطین کی نارنگیاں دوسرے شہروں سے زیادہ خوش ذائقہ ہوتی ہیں ۔

بلاد شام میں سیب کثرت سے پیدا ہوتے تھے اور وہ لطافت اور حسن صورت میں ضرب‌المثل تھے ۔ فلسطین میں زیتون کے درخت کثرت سے ہوتے تھے خصوصاً نابلس میں، جہاں کے باشندے اس کا تیل نکالتے تھے ۔

گنے کی کاشت بصرہ اور صور میں خاص طور پر کی جاتی تھی، صور کی زمین گنے کی کاشت کے لئے مشہور تھی، اسی لئے بندقیہ کے بعض باشندوں نے گنے کی کاشت کے لئے صلیبی جنگوں کے زمانے میں اسے منتخب کیا تھا ۔ عباسیوں کے دور اول میں گنے کی کاشت مصر میں بھی بڑی کثرت سے ہوتی تھی ۔

عرب میں بھینس کی نسل ہندوستان سے لائی گئی تھی جو اس کا اصلی وطن تھا ۔ اسویوں کے دور میں یہ نسل عراق لائی گئی تھی ۔ کہاجاتا ہے کہ اس عہد میں اہل شام نے شکایت کی تھی کہ ان پر آئے دن جنگلی درندے حملے کر دیتے ہیں ۔ اس وقت حکومت نے چار ہزار بھینسے بلاد شام کی شمالی سمت میں چھوڑ دئے تھے ۔ یہ بیان کرنے کی شاید حاجت نہیں کہ بھینسے شیروں کے جانی دشمن خیال کئے جاتے ہیں ۔

فلسطین کے باشندے بھینسوں کی نشؤ و نما میں بہت دلچسپی

میں کنویں کھدوائے تھے، سرائیں تعمیر کرائی تھیں، سرحدوں پر مینارے بنوائے تھے ۔ ساحلوں پر بحری قزاقوں کی غارت گری سے تحفظ کے لئے بحری بیڑے متعین کئے تھے ۔ ان اقدامات کی وجه سے داخلی اور خارجی تجارت کو غیر معمولی فروغ حاصل ھوگیا تھا، اور مسلمانوں کے تجارتی قافلے دور دراز ملکوں تک پہنچتے تھے اور ان کے تجارتی جہاز بڑے بڑے سمندروں کو عبور کرتے رھتے تھے ۔

تجارت کے مرکز :

دور عروج کے خلفائے عباسیه کے دور میں تعیشات کی چیزیں شاھی ماحول اور قلمرو میں معاشرتی زندگی کا جزولا ینفک بن گئی تھیں، یه تجارت کی بالواسطه حوصله افزائی تھی۔ ان خلفاء نے تجارت کی ترقی اور فروغ کے لئے عملی تدبیروں میں بھی کوئی دقیقه اٹھا نہیں رکھا تھا ۔ اس مقصد کے لئے تجارتی راستوں میں سہولتیں پہنچائی گئی تھیں ۔ شہر بغداد کی تاسیس کی گئی تھی، جس کی وجه سے ملکی تجارت کو بہت فروغ پہنچا تھا کیونکه محل وقوع کے اعتبار سے بغداد میں تجارت کا مرکز بننے کی غیر معولی صلاحیتیں موجود تھیں ۔ دمشق اس زمانه میں ان تجارتی قافلوں کے لئے بہت بڑا مرکز تھا جو ایشیائے کوچک سے آتے تھے ۔ دمشق اس دور میں ان تجارتی قافلوں کا بھی مستقر تھا جو فرات کے ساحلی علاقوں سے اور بلاد مغرب سے آتے جاتے تھے ۔ دجله اور فرات عباسیوں کے داخلی تجارت کے فروغ کے لئے شه رگ کا کام دیتے تھے [1] ۔

عباسیوں نے دجله کے کنارے شہر بغداد کی تاسیس کے بعد

1. Heyd : Histoire du Commerse au Moyen Age p. 26.

دریائے فرات سے نہریں جاری کیں جو عراق سے گزرتی ہوئی بغداد پہنچتی تھیں ۔ اس کی وجہ سے جدید دارالخلافت کے ڈانڈے ایشیائے کوچک، بلاد غرب اور مصر سے مل گئے تھے ۔ اس زمانہ میں ایشیائے وسطیٰ سے تجارتی قافلے بخارا اور فارس سے گزرتے ہوئے بغداد پہنچتے تھے [1] ۔

خطیب بغدادی[2] اور یاقوت کا بیان ہے[3] کہ ایک دھقانی بغداد میں وارد ہوا اور منصور سے ملا دوران گفتگو میں اس نے بغداد کے محل وقوع کی تعریف کرتے ہوئے کہا "آپ چاروں طرف سے مامون ہیں ، دو سمتیں مغربی جانب ہیں اور دو مشرقی جانب ہیں، اس کی وجہ سے دارالخلافت بغداد بالکل محفوظ ہے۔ مغربی سمتوں میں قطربل اور بادرایا ہیں ، مشرقی سمتوں میں نہر بوق اور نہر کلواذی واقع ہیں ۔ اگر ایک طرف سوکھا پڑ جائے تو دوسری سمت کی خوشحالی اس کی تلافی کر دے گی ۔ امیرالمومنین ! آپ کا دارالحکومت بغداد صراۃ اور دجلہ کے ساحل پر آباد ہے ۔ تجارتی سامان مغربی ملکوں سے آپ کے پاس آتا ہے ، اور فرات کی بندرگاہ کے ذریعہ شام الجزیرہ اور مصر سے سامان تجارت کی درآمد ہوتی ہے اور دجلہ کی بندرگاہ کے ذریعے ہندوستان، بصرہ اور واسط کی نفیس اشیاء پہنچتی ہیں ۔ اسی بندرگاہ سے ایک طرف ارمینیہ اور آذر بائیجان سے اور دوسری طرف موصل، دیار بکر اور دیار ربیعہ سے سامان تجارت بغداد پہنچتا ہے اور آپ دریاؤں کے درمیان محفوظ ہیں ۔ دشمن آپ تک صرف پل کے ذریعہ

---

1. A bid p. 27.

۲ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۲۳ ۔

۳ ۔ یاقوت : معجم البلدان " لفظ بغداد " ۔

پہنچ سکتا ہے لیکن آپ پل توڑ دینگے تو دشمن کے پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ آپ خشکی سے، سمندروں سے، اور پہاڑوں سے، سب سے قریب ہیں ''۔

منصور نے شہر بغداد کی تاسیس کے بعد اس کی جنوبی سمت نہر صراۃ اور نہر عیسیٰ کے درمیان، کرخ کے علاقہ کی تعمیر کی اور بغداد کے بازار وہاں منتقل کر دئے۔ اس علاقے میں ہر صنعت و حرفت کے الگ الگ بازار تھے چنانچہ عطر فروشوں، لوہاروں، بڑھئیوں، بزازوں۔ گل فروشوں اور قصائیوں کے الگ الگ بازار تھے۔ قصائیوں کا بازار سب سے آخر میں تھا کیونکہ منصور نے حکم دیا تھا ''قصائیوں کا بازار سب سے آخر میں قائم کیا جائے کیونکہ ان نادانوں کے ہاتھوں میں دھار دار لوہا ہوتا ہے[1]''۔

عباسیوں کے دور اول میں بصرہ ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ سید حسن حسنی عبدالوہاب تونسی لکھتے[2] ہیں ''بصرہ بغداد میں داخل ہونے کا بڑا دروازہ تھا۔ بصرے کی بندرگاہ دجلہ پر طرح طرح کا سامان تجارت ساری دنیا سے پہنچتا تھا۔ دنیا کے کونے کونے سے تجارتی قافلے بصرے کا رخ کرتے تھے اور چین سے لے کر صحرائے اعظم تک کے تاجر بصرے کے تجارتی مرکز میں پہنچتے تھے اس کی وجہ سے بصرے میں غیر معمولی خوشحالی پیدا ہوگئی تھی۔ کثرت سے وہاں کارخانے اور صنعت

۱۔ خطیب بغدادی: تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۸۰۔ امین زکی: عمران بغداد صفحہ ۱۰۸۔

۲۔ کتاب النصر بالتجارۃ: تالیف ابی عثمان عمرو بن عمر حافظ نشر کردہ سید حسن حسنی عبدالوہاب (قاہرہ ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء) مقدمہ صفحہ ۳۔

گاھیں قائم تھیں اور وہ عرب اور عجم کا سنگھم تھا ۔ حضرت عمر رض نے اس کا نام ''قبۃالاسلام'' بالکل صحیح رکھا تھا'' ۔

شام کے حاجیوں کے بڑے بڑے قافلے جو مکے جاتے تھے ان کے لئے بیت‌المقدس کا بحری راستہ اگرچہ کچھ دور پڑتا تھا لیکن بیت‌المقدس کی مسجد اقصیٰ اور حضرت ابراھیمؑ کی قبر کی زیارت مسلمانوں کے لئے بڑی مقدس چیزیں تھیں ، اسلئے ان حاجیوں کی بڑی تعداد مکہ میں فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بیت‌المقدس جاتی تھی ۔ بیت‌المقدس میں ان کا ملنا جلنا ان مسیحیوں سے ھوتا تھا، جو مغربی ملکوں سے بیت‌المقدس کے حج کے لئے آتے تھے ۔ اس موقع پر یہ مسلمان اور مسیحی، سامان تجارت کا تبادلہ کرتے تھے ۔ ھر سال ۱۵ ستمبر کو بیت‌المقدس میں ایک بہت بڑا بازار لگتا تھا جہاں مختلف ملکوں کے تاجر سامان تجارت لے کر پہنچتے تھے ۔ اس زمانہ میں دمشق ایک اھم تجارتی منڈی تھی ۔ وجہ یہ تھی کہ دمشق میں حاجیوں کی بہت بڑی تعداد کا اجتماع ھو جاتا تھا کیونکہ دمشق کئی اھم راستوں کا سنگھم تھا ۔ دمشق سے یہ حاجی بڑے بڑے قافلوں کی صورت میں مکے روانہ ھوتے تھے اور حج کرنے کے بعد دمشق ھی کے راستے سے مختلف ملکوں کو واپس جاتے تھے ۔ نقل و حرکت کا یہ سلسلہ مستقل تھا اور اس کی وجہ سے دمشق کی منڈی میں چیزوں کی بڑی بہتات ھو گئی تھی ۔ دمشق کی تجارت کے فروغ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ طرابلس، بیروت، صور، عکاء، دمشق سے صرف چند روز کی مسافت پر واقع تھے، اس لئے ان شہروں کے باشندے اپنی ضرورت کی چیزیں دمشق کی منڈی سے خریدنے آتے تھے ۔ شام میں تاجروں کے پہنچنے کا ایک اور اھم راستہ تھا اور وہ فرات کا راستہ تھا ۔ یہ راستہ خلیج فارس سے شروع

ہوتا تھا اور ایک ایسے نقطے پر ختم ہوتا تھا جو بحیرۂ روم سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔

بلاد شام میں بہت سے ایسے بازار تھے جن کی دکانوں کا سلسلہ بڑی سڑکوں کے دونوں طرف پھیلا ہوا تھا اور ہر بڑی سڑک کے دونوں سمت مخصوص چیزوں کی دکانیں ہوتی تھیں۔ ان بازاروں میں غیر ملکی تاجروں کے لئے دو منزلہ ہوٹل تھے جہاں نیچے کی منزل میں وہ اپنا تجارتی سامان رکھ دیتے تھے اور اوپر کی منزل میں سو جاتے تھے۔

عربوں نے مصر کے مغربی حصہ میں مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کی تھیں جن کا سلسلہ شمالی افریقہ کے پورے ساحل پراور بلاد اندلس اور جزیرۂ صقلیہ میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی اشیاء کے تبادلہ کا ایک اہم ذریعہ تھیں کیونکہ قیروان، قرطبہ اور بلرم کے قصروں میں ایشیائی مصنوعات کی بہت مانگ تھی۔

بحیرۂ روم کو عربوں کے جہاز ۳۶ روز میں طے کر لیتے تھے۔ یہ جہاز انطاکیہ کی بندر گاہ سے روانہ ہوتے اور جبرالٹر تک پہنچتے تھے۔ اس زمانہ میں انطاکیہ کی بندرگاہ جسے معتصم نے بہت مستحکم کر دیا تھا، بلاد شام کی تجارت کے فروغ کا اہم ذریعہ تھی۔ اس دور میں صور بہت اہم جنگی بندر گاہ تھی، جہاں جنگی جہازوں کی ایک صنعت گاہ قائم تھی، جس میں بیزنطینیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے جہاز تیار کئے جاتے تھے۔

<u>عرب تاجروں کا چین تک پہنچنا :</u>

سند باد جہازی نے ہارون رشید کے دور میں بحری سفر کئے [1]

گئے تھے جو الف لیلہ کی شکل میں تقریباً دنیا کی ہر زبان میں موجود ہیں - ان سفروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے دور میں عرب طویل سمندری سفر کرتے تھے - یہ سفر وہ بغداد سے شروع کرتے تھے اور خلیج فارس سے گزرتے ہوئے جزیرہ نمائے ملایا تک پہنچتے تھے - یہ تاجر دوسرے لوگوں کے دلوں میں سفر کا شوق و ولولہ پیدا کرتے تھے - اس زمانے میں وہ برعظیم ہند و پاک سے گرم مسالہ اور عطریات اور چین سے ریشم لاتے تھے -

خیال یہ ہے کہ عرب تاجر دوسری صدی ہجری میں چین پہنچ گئے تھے اور جن غیر ملکیوں نے کانتوں کی بندرگاہ اور اس کی منڈی پر قبضہ کیا تھا (۸۲ھ—۷۰۰ء) ان میں عرب بھی شامل تھے - اس شہر میں ۱۴۱ھ ۷۵۸ء میں جو شورشیں اٹھی تھیں ان کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عرب وہاں موجود تھے -[1]

عرب تاجر جزیرۂ سیلون میں متعدد بار گئے تھے - عباسیوں کے دور اول کے اوائل تک بحر ہند اور خلیج فارس کے ساحلی علاقوں میں چینی تاجروں کی آمد و رفت کثرت سے تھی ، لیکن اس کے بعد تاریخ میں خلیج فارس پر ان چینی تاجروں کا وجود شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے - وجہ یہ تھی کہ عربوں نے طویل بحری سفر شروع کر دئے تھے ، حتیٰ کہ وہ چین کے شہروں تک پہنچتے تھے - عرب اور فارس کے تاجر بصرہ، عمان اور ان سمتوں کی دوسری بندرگاھوں سے سامان تجارت ، جہازوں میں لاد کر لاتے تھے اور سیراف کی بندرگاھوں میں لنگر ڈالتے تھے پھر وہاں سے روانہ ہوتے

1. Arnold : The Preaching of Islam p. 363 - 364.

تھے اور یہ سامان تجارت بلاد چین تک لے جاتے تھے [1] ۔

تیسری صدی ھجری میں ابوالقاسم بن خرداذبہ [2] نے بحری مسافروں کی رھنمائی کے لئے بحری راستے کا ایک چارٹ تیار کیا تھا ۔ اس چارٹ میں دریائے دجلہ کے دھانے سے لے کر ھندوستان اور بلاد چین تک بحری راستے کی تفصیل بیان کی تھی ۔

ابن خرداذبہ کا بیان ھے کہ عربوں کے جہاز خلیج فارس اور بحر ھند کے ساحل کے ساتھ ساتھ مالابار تک پہنچتے تھے ۔ یہ راستہ اختیار کرنے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ عرب گہرے سمندروں میں داخل ھونے سے ڈرتے تھے بلکہ دراصل ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ وہ سامان تجارت مختلف بندرگاھوں پر اتار اور چڑھا سکیں ۔ عربوں کے یہ جہاز ، کرماندل Cramandel کے ساحل سے روانہ ھونے کے بعد خط مستقیم کے ساتھ ساتھ خلیج بنگال عبور کرتے تھے ، جس طرح عام طور پر چینی جہازوں کا معمول تھا ۔

عرب دوسری صدی ھجری میں خانفو Khanfou کی بندرگاہ میں آباد ھو گئے تھے ، جو موجودہ شہر شنگھائی کے جنوب میں واقع تھی، یہ عرب اس ملک کے بادشاہ کی رواداری اور مہربانیوں سے متاثر ھو کر وھاں آباد ھوئے تھے ۔ اس ملک میں ان عرب مسلمانوں کا ایک قاضی مقرر تھا جو شریعت اسلامیہ کے مطابق ان کے قضیوں کے فیصلے کرتا تھا اور نماز میں ان کی امامت کرتا تھا ۔ یہ عرب چین سے تجارتی اشیاء کا تبادلہ کرتے تھے

1. Heyd : Historic du Commerse du Levant au Moyen Age v. 1, p. 72.

۲ ۔ کتاب المسالک و الممالک : (مطبوعہ لیڈن ١٣٠٦ھ) ۔

اور پاسپورٹ حاصل کرنے کے بعد اندرون ملک میں دور دور تک تجارت کے لئے جاتے تھے - کچھ عرصے کے بعد چین میں شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں، جن کی وجہ سے ان عرب تاجروں کے لئے حالات ناساز گار ہو گئے تھے، اس لئے وہ چین چھوڑ کر جزیرہ نمائے ملقا میں منتقل ہو گئے اور شہر کلہ[1] (Kalah) کو اپنا مستقر بنا لیا تھا -

کلہ، جہازوں کی آمد و رفت کا مرکز بن گیا اس بندرگاہ پر مغربی اور مشرقی ایشیا سے تجارتی اشیاء لے کر جہاز لنگر ڈالتے تھے - اس کی وجہ سے عرب تاجروں کے لئے ہند چینی کے سامان کے لئے ایک نئی منڈی مل گئی یہ سامان تجارت کافور، لونگیں، عود کی لکڑی، صندل، ناریل، چائے، پھل اور سیسہ تھا -

اس تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا، حتیٰ کہ جزیرہ نمائے ملایا کا سفر دسویں صدی عیسوی میں ان عرب تاجروں کے لئے آسان ترین بحری سفر بن گیا تھا جو سیراف کی بندرگاہ سے سفر شروع کرتے تھے - اس زمانہ میں ان عرب تاجروں نے جزیرۂ جاوا بھی معلوم کر لیا تھا -

ہند چینی اور چین میں عرب تاجروں کی آمد و رفت ایک زمانے تک جاری رہی، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر کوریا تک پہنچ گئے تھے[2] -

عرب تاجر خلیج فارس کے مغربی ساحل سے لے کر بحر ہند

---

۱ - کلہ ہندوستان کی ایک بندرگاہ تھی جو عمان اور چین کے وسط راستے پر خط استوا کی سمت واقع تھی - معجم البلدان یاقوت -

2. Heyd. Historic du Commerce vol. 1, p. 30 - 32.

کے مغربی ساحل تک کا راستہ دو اور تین ماہ کے درمیان طے کر لیتے تھے اور اگر ھوا موافق ھوتی تھی تو ایک مہینہ میں یہ راستہ طے کر لیا جاتا تھا ۔ اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ھے کہ عرب تاجر سیلون میں ۸۰ھ سے قبل سکونت پذیر ھو گئے تھے ۔

مؤرخین کا بیان ھے کہ عرب تاجر تیسری اور چوتھی صدی ھجری میں سیلون آئے تھے اور یہاں آباد ھو گئے تھے ۔ ان سے ھند کے بعض راجاؤں نے بڑی مہربانی اور روا داری کا برتاؤ کیا تھا ۔ اس دوران میں مالابار کے امراء کی ایک جماعت مسلمان ھو گئی تھی ۔ ان شہروں میں عربوں کو مساجد تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی تھی ۔ عربوں نے ھند کے ساحلوں اور بعض شہروں میں اپنی نو آبادیاں قائم کر لی تھیں ۔ اس اثناء میں مسلمانوں کی فوجوں نے آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل سے حدود فارس سے آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا اور کچھ عرصے میں ان کی فوجیں بلاد سندھ پر قابض ھو گئی تھی ۔ اس ماحول کا اثر یہ ھوا کہ عربوں کی تجارت میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور اس کا سلسلہ ملتان اور دیبل (کراچی) تک دراز ھو گیا ۔ اس زمانہ میں فارس اور بلاد عرب کے جہاز اسی علاقے سے گزرتے تھے اور ھندوستان کے دور دراز شہروں سے ھوتے ھوئے چین تک پہنچتے تھے اور واپسی پر سامان تجارت لے کر اسی راستے سے لوٹتے تھے[1] ۔

اس دور میں بلاد یمن ، حجاز ، حبشہ ، مصر اور مشرق

1. Abid : p. 32 - 33. Arnold The Preaching of Islam p. 363.

ایشیا کے درمیان بھی تجارتی تعلقات قائم تھے۔ اس زمانہ میں مشرقی ساحل ہند کا زمرد، عدن اور مکے کے راستہ سے جزیرۂ عرب پہنچتا تھا۔ مشرق بعید کے امراء میں مصر علیا کے زمرد اور حبشہ کے ھاتھی دانت کی بہت مانگ تھی، اس لئے عدن کی بندرگاہ اس سامان کی بہت بڑی منڈی تھی۔ جہاں ایشا کے چاروں طرف سے اور افریقہ کے مشرقی ساحل سے جہاز پہنچتے تھے اور لنگر ڈالتے تھے [1]۔

اس زمانہ میں مکے کی بندرگاہ جدہ، مصر اور شام کی بندرگاہ قلزم کی طرح نہائت اهم بندرگاہ تھی۔ هارون رشید نے ایک نہر کھودنے پر غور و فکر کیا تھا جو بحیرۂ روم اور بحر احمر کو ایک دوسرے سے ملا دے، لیکن جب اس سے یہ کہا گیا کہ یونانی اس نہر کے ذریعے بحر احمر میں داخل هو کر مکہ اور مدینہ پر حملہ کر سکیں گے اور حاجیوں کا راستہ خطرناک بنا دینگے، اس وقت هارون رشید نے نہر سویز کھودنے کا ارادہ ترک کر دیا [2]۔ اس لئے اس زمانہ میں بحر احمر کے راستے سے جو تجاتی سامان آتا تھا، اسے مغربی جانب کے شہروں میں منتقل کرنے کے لئے صحرا عبور کرنا ناگزیر تھا۔ یہ سامان تجارت اونٹوں پر لاد کر دریائے نیل پر لایا جاتا تھا اور وهاں سے آگے روانہ کر دیا جاتا تھا۔ اگر یہ سامان خشکی کے راستے سے بھیجا جاتا تھا تو اس وقت نہر سویز کے خلا کو عبور کرنا پڑتا تھا۔ پہلے راستے سے سامان تجارت سیدھا اسکندریہ کی بندرگاہ پر پہنچ جاتا تھا۔ اس زمانہ میں اسکندریہ کی بندرگاہ کی شہرت بغداد کی

1. Heyd : p. 35.

۲ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۹ -

تجارتی شہرت سے کسی طرح کم نہ تھی - طولونیوں کے عہد میں اس بندرگاہ سے غیر معمولی آمدنی تھی ، اس آمدنی نے مصر کی ترقی کے لئے نشأة ثانیہ کا کام دیا تھا - بحر احمر سے آنے والا جو سامان خشکی کے راستے روانہ کیا جاتا وہ نہر سویز کا خلا عبور کرنے کے بعد فرما کی بندرگاہ پر پہنچایا جاتا تھا، جو اس زمانہ میں آمدنی اور اہمیت کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتی تھی - اس راستہ کی دوسرے راستوں کے اعتبار سے اس وجہ سے بہت اہمیت تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ چار پانچ روز میں طے کر لیا جاتا تھا [1] - لیکن مشرق سے جو سامان تجارت جدے لایا جاتا تھا اسے موسم حج میں مکے بھیجا جاتا تھا - مکے سے یہ سامان مصری تاجروں کے ذریعے خشکی کے راستہ سے مغربی ملکوں میں پہنچتا تھا - مغربی ملکوں میں پہنچنے کا دوسرا ذریعہ شامی تاجر تھے جو یہ سامان اپنے ساتھ دمشق لے جاتے تھے اور وہاں سے مغربی ملکوں میں پہنچتا تھا -

عربوں نے جب دریائے سندھ کے دھانے کے منطقے پر اپنی حکومت قائم کر لی، اس وقت ایک اور تجارتی راستہ پیدا ہو گیا تھا جو اس منطقے سے شروع ہوتا تھا اور سجستان سے ہوتا ہوا فارس کے اندر چلا جاتا تھا - شمال کی طرف اس راستہ سے پنجاب کے قافلے بہت سا سامان لے کر افغانستان کی گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے کابل ، غزنی وغیرہ پہنچتے تھے - ان قافلوں کی آمد و رفت کی وجہ سے یہ شہر بڑے بڑے تجارتی مرکز بن گئے تھے - ان تجارتی مرکزوں سے تجارتی قافلے مغرب میں خراسان

1. Heyd : Historic du Commerce du Levant Au Moyen Age p. 41.

تک اور شمال میں بخارا تک پہنچتے تھے - ان اقلیموں میں ہند کا گرم مسالہ انہیں قافلوں کے ذریعہ پہنچتا تھا - تجارتی قافلے ، بخارا سے اس سامان تجارت کو لاتے تھے جو وسطی ایشیا کے راستے چین سے وہاں تک پہنچتا تھا -

بخارا اور چین کے درمیان ایک مدت سے تجارتی تعلقات قائم تھے - عربوں کی حکومت کا دائرہ جب دریائے سیحوں تک وسیع ہو گیا، اس وقت عرب تاجروں کے چین جانے کے لئے پاسپورٹ لینے کی ضرورت نہ تھی اور مشرق میں دریائے سیحوں عبور کرنے کے بعد قبیلہ تغزغز کے علاقے میں داخل ہوتے تھے جو ترکوں کا ایک اہم قبیلہ تھا اور کوہ تیان شان کے دامن میں آباد تھا - اس مقام سے دو راستے نکلتے تھے ، ایک طویل راستہ تھا جو بار بردار جانوروں کی پشت پر چار ہفتوں میں طے کیا جاتا تھا اور دوسرا راستہ مختصر تھا ، لیکن بہت پیچدار تھا اسی لئے وہ چالیس روز میں طے ہوتا تھا - ایک راستہ اور بھی تھا جو تبت سے گزرتا تھا ، مگر یہ راستہ بڑا دشوار اور خطرناک تھا [۱] -

عربوں کے یہ قافلے چین کا دور دراز سفر دراصل ریشم حاصل کرنے کے لئے کرتے تھے - اسی لئے جب شمالی فارس میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش شروع کر دی گئی تھی اور ریشم کی صنعت میں شمالی فارس نے بہت ترقی کر لی تھی اس وقت سے ان قافلوں کی آمد و رفت چین کے لئے بہت کم ہو گئی تھی [۲] -

---

1. Heyd : p. 36 - 37.
2. Abid : p. 37 - 38.

"بغداد میں تمدن اسلام[1] " کا مصنف لکھتا ہے :

"عباسیوں کے خزانے جب مال و دولت سے معمور ہو گئے اور ہارون رشید نے بری اور بحری راستوں کو بالکل محفوظ کر دیا، اس وقت دنیا کے کونے کونے سے سامان تجارت عراق پہنچنے لگا چنانچہ ہندوستان سے برتن آتے تھے خراسان سے لوہا آتا تھا، کرمان سے سیسہ درآمد ہوتا تھا، رنگین کپڑے کشمیر سے آتے تھے - چین سے عود، مشک، گھوڑے کی زینیں اور دار چینی درآمد ہوتی تھی - یمن سے عطر اور دوسری خوشبودار اشیاء آتی تھیں - فارس سے اسلحہ اور ڈھلی ہوئی چیزیں درآمد ہوتی تھیں - عیذاب سے موتی، ہند اور سندھ سے بید، کافور، عود، ناریل، سوتی کپڑے اور ہاتھی درآمد ہوتے تھے - یاقوت اور الماس سراندیپ سے آتے تھے - بلاد روم سے کھالیں اور غلام آتے تھے - بلاد شام سے میوے، اسلحہ اور لوہا درآمد ہوتا تھا اور روس سے لوسڑی کی کھالیں درآمد کی جاتی تھیں "-

ہارون رشید نے تجارت کی ترقی پر خاص توجہ دی تھی - اس نے محتسب کا عہدہ قائم کیا تھا جس کے ذمے بازاروں کی دیکھ بھال اور اوزان اور پیمانوں کی نگرانی تھی - ضروریات زندگی کی چیزوں کے بھاؤ[2] کا خیال رکھنا، بھاؤ بڑھنے نہ دینا اور چور بازاری پر کڑی نگاہ رکھنا - یہ سب باتیں محتسب کے منصبی فرائض میں داخل تھیں[2] -

عباسیوں کے دور اول میں مسلمان تاجر دوسرے ملکوں میں گیہوں، جو، میوے، چاول، مازندان کے مشہور پھول،

---

۱ - جمیل نخلۃ المدور: صفحات ۱۱۶ - ۱۱۷ -

۲ - جمیل نخلۃ المدور صفحہ ۱۱۸ -

شکر ، شیشه ، ریشم ، اونی ، ٹسری اور ریشمی کپڑے ، زیتون کا تیل ، عرقیات مثلاً عرق گلاب ، عرق زعفران ، عرق سوسن اور عرق بنفشه ، عرق انگور اور بہت سی دوسری چیزیں برآمد کرتے تھے [۱] -

مختصر یه ہے کہ خلفاء عباسیه نے تجارت کی ترقی اور فروغ کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی - مختلف ملکوں سے تبادلۂ تجارت سے غیر معمولی دلچسپی لی تھی - بحری اور بری راستوں میں سہولتیں سہیا کی تھیں اور انہیں محفوظ بنا دیا تھا - ان باتوں سے تجارت کو بے حد ترقی ہو گئی تھی - یه تجارت ، محصولوں کے تبادلے کی بنیاد پر قائم تھی اور وہ سلطنت کی آمدنی کا بہت اہم ذریعه تھے - تجارت کی ترقی اور تجارتی سفروں کی کثرت کی وجه سے سیر و سیاحت کے شوق میں بڑی ترقی ہو گئی تھی اور لوگوں میں عجائبات عالم دیکھنے کا بے خودانه جذبه پیدا ہو گیا تھا - ان سیاحوں اور تاجروں نے اپنے سفروں میں دنیا کے مختلف ملکوں کا بہت گہری نگاہ سے مطالعه کیا تھا اور ان ملکوں کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ ان کے مشاہدات پر مبنی تھے -

---

۱ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب : صفحه ۳۲٦ -

باب ہفتم

ثقافت اور فنون لطیفہ

۱ - ثقافت :

عجمیوں میں علمی انہماک :

مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ علمی کاموں میں منہمک تھے ، ان میں بڑی تعداد عجمیوں ، خصوصاً ایرانیوں کی تھی اور ساتویں صدی ہجری تک، جب تاتاریوں نے بغداد میں خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا تھا، مسلمانوں کی قومی زبان عربی تھی اور یہی باہمی افہام و تفہیم کا ذریعہ تھی - ابن خلدون[1] کا بیان ہے ''یہ عجیب واقعہ ہے کہ ملت اسلامیہ میں علوم و فنون کے حامل زیادہ تر عجمی تھے، شرعی علوم کے بھی اور عقلی علوم کے بھی، اگرچہ ان میں سے بعض لوگ نسلی اعتبار سے عرب تھے، لیکن اپنی زبان اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے عجمی تھے - لطف یہ تھا کہ مذہب اسلام عرب میں پیدا ہوا تھا اور صاحب شریعت عربی النسل تھے لیکن علوم شرعیہ اور علوم عقلیہ کے حامل عجمی تھے اس کا سبب یہ تھا کہ شروع میں مسلمانوں میں علوم و فنون کا رواج نہ تھا کیونکہ عربوں کا ماحول بڑا سادہ اور بدوی قسم کا تھا، اور شرعی احکام ، جو خدا کے اوامر اور نواہی پر مشتمل تھے، انہیں مسلمان اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور وہ محض یہ

---

۱ - مقدمہ ابن خلدون : (مطبوعہ کٹر میر Quatremere) صفحات ۲۷۰—۲۷۴

جانتے تھے کہ ان احکام کا ماخذ قرآن و احادیث ہے جو آنحضرت ص اور صحابہ رض کی وساطت سے پہنچے تھے، اس وقت ملت اسلامی عرب قوم تھی جو تعلیم سے بے بہرہ اور تالیف و تدوین کے فن سے نا واقف تھی سچ پوچھئے تو اسکی انہیں ضرورت بھی نہ پڑی تھی اور نہ حالات نے انہیں ان باتوں پر مجبور کیا تھا - یہی صورت حال صحابہ رض اور تابعین کے زمانے تک قائم رہی - قرآن کے حفاظ اس دور میں قراء کے نام سے موسوم تھے ، یہ قراء پڑھے لکھے تھے، اگرچہ اس وقت عام طور پر عرب ان پڑھ تھے - یہ حضرات شرعی احکام کو قرآن و حدیث سے اخذ کرتے تھے - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ حدیث عام طور پر قرآن کی تفسیر اور شرح کے کام دیتی تھی - رسول اللہ ص نے فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے تم گمراہ نہ ہوگے - ایک قرآن دوسری میری سنت ، آنحضرت ص کی وفات کے کے بعد حدیث سینہ بسینہ نقل ہوتی رہی، ہارون رشید کے زمانے میں اور اس کے بعد اس امر کی طرف توجہ مبذول کی گئی کہ قرآن کی تفسیریں لکھی جائیں اور احادیث کی تدوین کی جائے تاکہ وہ ضائع ہو جانے سے محفوظ رہیں، اس کے بعد حدیث کے راویوں کی چھان بین اور صحیح اور غیر صحیح حدیث کی تحقیق کا مرحلہ پیش آیا اور نئے نئے حالات اور ضرورتوں کے لئے قرآن و حدیث سے احکام اخذ کئے گئے - نئے حالات اور اسلامی سلطنت کی غیر معمولی وسعت کی وجہ سے عربی زبان خراب ہوگئی تھی ، اس لئے اس بات کی ضرورت پڑی کہ نحوی قواعد مرتب کئے جائیں، اس زمانہ میں علوم نے شہروں میں پروان چڑھنا شروع کیا اور عرب اپنی فوجی زندگی کی وجہ سے ان سے دور ہوتے گئے - یہ بیان کر دینا ضروری

ھے کہ اس زمانے میں سب سے زیادہ متمدن عجمی خیال کئے جاتے تھے کیونکہ عجمی ، تمدن کی ترقی میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور اس دور میں وھی لوگ متمدن شمار کئے جاتے تھے جو تمدن اور صنعت و حرفت میں عجمیوں کے تمدن کی پیروی کرتے تھے اور یہ تمدن ساسانی شہنشاھیت کے زمانہ سے ان کے رگ و ریشے میں پیوست تھا ۔ علم نحو کا بانی سیبویہ تھا اس کے بعد الزجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کا مقام تھا ۔ ان دونوں کے بعد ، علم نحو میں سب سے بلند مرتبہ الفارسی (متوفی ۳۷۷ھ) کا تھا یہ تینوں نحوی نسلی اعتبار سے عجمی تھے ۔ انہوں نے عربی زبان کو سیکھا تھا اور اپنی نشؤ و نما، تربیت اور عربوں سے اختلاط سے عربی زبان پر غیر معمولی مہارت حاصل کی تھی اور عربی زبان کے قوانین بنائے تھے اور ان قوانین کو ایک فن کی حیثیت دی تھی ان قوانین پر ان کے مابعد کے لوگ چلے تھے ۔ اسی طرح ممتاز محدثین کی اکثریت اپنی زبان اور نشؤ و نما کے اعتبار سے عجمی یا نیم عجمی تھی، وجہ یہ تھی کہ عراق میں علوم و فنون کا دائرہ بہت وسیع ھوگیا تھا اور عجمیوں کو فوجی زندگی سے مستثنیٰ کر دئے جانے کی وجہ سے علوم و فنون میں انہماک کا موقع ملا تھا چنانچہ علماء اصول فقہ ، سب کے سب عجمی تھے ۔ متکلمین اور مفسرین کی اکثریت عجمی نسل سے تعلق رکھتی تھی ، دراصل اس دور میں علوم و فنون کے تحفظ اور ان کی تدوین کے لئے صرف عجمیوں نے اپنی توجہات مرکوز کی تھیں ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اگر علم آسمان کی گردن میں بھی معلق ھو تب بھی قوم فارس اسے اتار لائیگی ۔ عجمیوں نے اپنی علمی جد و جہد سے آنحضرتؐ کا یہ قول صحیح ثابت کردیا تھا ۔ عربوں نے اپنی بدوی زندگی

سے نکل کر عجمیوں کے ترقی یافتہ تمدن اور اور اس کی نیرنگیوں میں قدم رکھا تھا، لیکن وہ ریاست اور امور سلطنت میں منہمک تھے نظم و نسق سلطنت نے انہیں یہ موقع نہ دیا کہ وہ علوم و فنون کے حصول اور ترقی کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہوتے۔ وہ آرباب حکومت تھے اور سلطنت کے دفاع اور اس کا انتظام ان کا اولین فرض تھا ۔ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ علم کی تحصیل اپنے لئے باعث عار خیال کرتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں دوسری صنعت و حرفت کی طرح علم کو بھی ایک صنعت کا درجہ دیا جاتا تھا اور امراء اور رؤساء صنعت و حرفت اور محنت کے کاموں کو اپنے لئے وجہ ننگ خیال کرتے تھے، اس ماحول میں ان کاموں میں عجمی اور نیم عجمی لگ گئے تھے ۔ وہ علوم و فنون کی حفاظت اور ترقی اپنا قومی فرض خیال کرتے تھے کیونکہ یہ علوم و فنون ان کی میراث تھے اور ان کی حفاظت ان کا دین و مذہب تھا ۔ وہ علوم و فنون کی تحصیل کو وجہ افتخار سمجھتے تھے ۔ جب حکومت عربوں کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس پر عجمیوں کا تسلط قائم ہو گیا ۔ اس وقت عجمی حکمرانوں کے نزدیک علوم شرعیہ غیر ملکی علوم کی حیثیت رکھتے تھے، وجہ یہ تھی کہ عجمی حکمران قومی اعتبار سے ان علوم کو بدیشی علوم خیال کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ارباب علوم شرعیہ سخت مصیبتوں میں پھنس گئے تھے کیونکہ یہ عجمی حکمران انہیں قومی اعتبار سے غیر ملکی خیال کرتے تھے اور وہ جن علوم میں مشغول تھے ان عجمی فرمانراوں کے خیال میں وہ ملک و سیاست کے لئے غیر مفید تھے"۔

نکلسن[1] کا بیان ہے، ”سلطنت عباسیہ کی وسعت، دولت و ثروت کی فراوانی اور تجارت کے غیر معمولی فروغ کا تہذیبی ترقی میں بہت بڑا دخل تھا ۔ اس دور میں تہذیبی ترقی اوج کمال پر تھی، مشرق میں اس تہذیبی ترقی کی کوئی نظیر پہلے موجود نہ تھی ، تمام لوگ، خلیفہ سے لے کر معمولی آدمی تک تحصیل علم کے بے حد شیفتہ تھے یا کم سے کم علم و ادب کے پشت پناہ تھے ۔ دور عباسیہ میں لوگ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے علم و عرفان کے مرکزوں کی طرف جاتے تھے اور شہد کی مکھیوں کی طرح علوم و فنون سے بوجھل لوٹتے تھے اور علم کے شوقین لوگوں کی علمی تشنگی بجھاتے تھے اور جو علوم و فنون اپنی مسلسل کوششوں سے حاصل کئے تھے ، ان کی بنیاد پر تصنیفات کرتے تھے، یہ تصنیفات اس وقت بھی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ اس زمانے کے جدید علوم ہم تک پہنچانے میں ان تصنیفات کا بہت بڑا دخل ہے ۔ اگر یہ تصنیفات نہ ہوتیں تو ان علوم کے ہم تک پہنچنے کے لئے اور کوئی صورت نہ تھی “۔

یہ عباسیوں کے دور عروج میں مشرقی اسلامی ملکوں کا تذکرہ تھا، مغرب میں قرطبہ علوم و فنون کی ترقی میں بغداد، بصرہ کوفہ، دمشق اور فسطاط کا حریف تھا ۔ اندلس کا دارالسطنت قرطبہ، علوم و فنون کا گہوارہ تھا ، علماء اور ادباء کا مرکز تھا حتیٰ کہ قرطبہ کی مسجدیں یورپ والوں کو کھینچ لائی تھیں جو وہاں علوم و فنون حاصل کرتے تھے اور اسلامی تہذیب کے اثرات اپنے ساتھ لے جاتے تھے ۔ علوم و فنون کی قدر و منزلت کی وجہ سے

1. Nicholson : Lit. Histroy of the Arabs p. 281.

اندلس میں علماء ، شعراء، ادباء ، فلاسفر، مترجمین اور فقہاء کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا ۔

قرطبہ[1] اس زمانے میں لوگوں کا مطمح نظر، علوم کا مرکز، ام القریٰ، ارباب علم اور ارباب زھد و تقویٰ کا مستقر، اھل علم و عقل کا وطن، اقالیم کا قلب ، جس میں علوم و فنون کے چشمے بہتے تھے، اسلام کا قبہ تھا ، مسلمان فرمانروا کا دارالسلطنت تھا ، جہاں علوم و فنون کی موسلا دھار بارش ھوتی تھی ، تحقیق و ریسرچ کا چمن زار ، گراں بہا موتیوں کا سمندر، جس کے افق سے زمین کے علمی ستارے اور دھر کے تاسور طلوع ھونے تھے ، نظم و نثر کے شہسوار جنم لیتے تھے، اس سر زمین میں بلند پایہ تصنیفات لکھی گئیں اور غیر فانی تالیفات وجود میں آئیں ۔ اھل اندلس قدیم اور جدید قوموں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے ۔ قرطبہ کے افق پر مختلف علوم و فنون کی تحقیق و ریسرچ اور انہماک و طلب کی سرخی سب سے زیادہ گہری تھی[2] ۔

علوم کی قسمیں :

مسلمانوں نے علوم کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا ، ایک وہ علوم جن کا تعلق قرآن کے سمجھنے سے تھا ، انہیں علوم نقلیہ کہا جاتا تھا ۔ دوسرے وہ علوم تھے جنہیں مسلمانوں نے دوسری قوموں سے اخذ کیا تھا ، انہیں علوم عقلیہ کہا جاتا تھا ۔ دوسری قسم کے علوم کو علوم قدیمہ اور عجمی قوموں کے علوم بھی کہتے تھے ۔

علوم نقلیہ یہ تھے ، علم تفسیر، علم قرأت، علم فقہ، علم کلام

---

١ ۔ نفح الطیب : جلد ١ صفحہ ٢١٨ ۔

٢۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب کی تیسری جلد صفحات ٥٢١ - ٥٢٢ ۔

علم نحو، علم لغت، علم بیان اور علم ادب -
علوم عقلیہ، یہ تھے، فلسفہ، ہندسہ، نجوم، موسیقی، طب، سحر، کیمیا، تاریخ اور جغرافیہ -

عباسیوں کے دور اول میں لوگ مذہبی علوم میں مشغول تھے - اسی زمانے میں متکلمین کا گروہ پیدا ہوا اور لوگوں نے خلق قرآن کے مسئلے پر بحث شروع کی - مامون نے اس مسئلے میں خاص طور پر دلچسپی لی، اس نے اپنے دربار میں علماء کے درمیان مناظرے کی مجلسیں منعقد کرائیں، اسی وجہ سے لوگوں نے مذہبی امور میں دخل دینے کا الزام مامون پر لگایا ہے، مامون، حضرت علیؓ کو تمام خلفاء راشدین اور خلفاء بنی امیہ میں سب سے افضل سمجھتا تھا - لوگوں نے اس کے اس زاویہ نگاہ پر بھی سخت نکتہ چینی کی تھی - بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ مناظرے کی ان مجلسوں کے انعقاد سے مامون کا مقصد یہ تھا کہ علماء کے درمیان مذہبی مسائل میں جو اختلافات ہیں انہیں دور کیا جائے اور عقائد میں جو شبہات پیدا ہو گئے ہیں انہیں رفع کیا جائے تاکہ مذہبی مسائل میں مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع ہو جائے کیونکہ مامون کے خیال میں مسلمانوں کے شیرازہ کے بکھرنے کا سب سے بڑا سبب مذہبی مسائل میں مسلمانوں کا اختلاف تھا - مامون، معتزلہ کے مذہب کی طرف مائل تھا - وجہ یہ تھی کہ اس میں آزادی رائے زیادہ تھی اور نقل کے مقابلے میں عقل پر اعتماد کیا گیا تھا - اس میلان کی وجہ سے اس مذہب کے پیرووں کو مامون کے دربار میں تقرب حاصل ہو گیا اور قصر خلافت میں ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا -

(الف) علوم نقلیه:

(۱) علم قرأت :

عباسی دور میں مسلمان جن علوم میں مشغول ہوئے، ان میں ایک علم قرأت بھی تھا ، اس علم کو تفسیر قرآن کے لئے پہلا مرحلہ خیال کیا جاتا تھا ، کیونکہ تفسیر کرنے سے پہلے لفظوں کی مختلف شکلوں پر غور کرنا ضروری تھا تاکہ صحیح طور پر اس کا مفہوم سمجھا جا سکے ۔ ان قرأات کے پیدا ہونے کی اصل وجہ عربی رسم‌الخط تھا، سبب یہ تھا کہ عربی کا ایک لفظ نقطوں کے اوپر نیچے کر دینے سے کئی طرح پڑھا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں عام طور پر نقطے کا رواج نہ تھا ۔

امتداد زمانہ سے قرأت کے سات طریقے پیدا ہو گئے ہر طریقے کا امام اپنا ایک الگ زاویہ نگاہ رکھتا ہے اور اس کی قرأت اسی امام کی طرف منسوب ہے ۔ وہ اپنے طریقہ کو معتمد احادیث سے ثابت کرتا ہے ۔ ہارون بن موسیٰ بصری نے ، جو یہودی‌النسل تھا، سب سے پہلے علم قرأات کی طرف توجہ کی تھی ، یہ ازد کا آزاد کردہ غلام تھا ۔ اس نے ۱۷۰ھ اور ۱۸۰ھ کے درمیان وفات پائی تھی ، ہارون بن موسیٰ نے ، سب سے پہلے، مختلف قرأتوں کے درمیان چھان بین کی اور ان نظریات پر بحث کی جن پر ان کی بنیادیں قائم تھیں ، اس نے ان اسناد کی بڑی سختی سے جانچ کی جن پر مختلف قرأتوں کی بنیاد رکھی گئی تھی حالانکہ ہارون بن موسیٰ معتزلی مشہور تھا ۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اس کو قدری بیان کیا ہے اور یحییٰ بن معین نے اسے قابل اعتماد بتایا ہے ۔ قرأتوں

میں اختلافات کا سبب در اصل ان مستند شخصیتوں کی قرأت کا اختلاف تھا جو قرن اول میں گزری تھیں ، مثلاً ابن عباسؓ ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عثمانؓ اور ان کے فرزند ابان، ان کے علاوہ قرن اول کے مشہور قاریوں کی قرأت کا اختلاف بھی قرأت کے اختلافات کا سبب بن گیا تھا ۔ مثلا عبداللہؓ ابن مسعود اور ابیؓ بن کعب کی قرأت، ان حضرات کے مابعد کے لوگوں نے ان اختلافات کو اور بڑھا دیا تھا [1] ۔

عباسیوں کے دور اول کے قاریوں میں یحیٰی بن حارث ذماری (متوفی ۱۴۵ھ) اور حمزہ بن حبیب زیات (متوفی ۱۵۶ھ) تھے یہ دونوں قاری منصور کے دور خلافت میں گذرے ھیں ۔ عباسیوں کے دور اول میں ابو عبدالرحمان مقری (متوفی ۲۱۳ھ) اور خلف ابن هشام بزاز (متوفی ۲۲۹ھ) بھی مشہور قاریوں میں گزرے ھیں [2] ۔

۲ ۔ تفسیر :

مفسرین نے قرآن کی تفسیر کی طرف دو طرح سے توجه کی، پہلی قسم کی تفسیر کو تفسیر منقول کہتے ھیں یعنی قرآن کی جو تفسیر آنحضرتؐ اور صحابہؓ سے منقول ھے انھوں نے اسی کو بیان کر دیا ھے ۔ دوسری قسم کی تفسیر کو تفسیر بالرائے کہتے ھیں، یعنی وہ تفسیر جس میں نقل سے زیادہ عقل پر اعتماد کیا گیا ھے اس قسم کی تفسیر کے مشہور مفسر معتزله اور باطنیه فرقوں میں گذرے ھیں ۔

---

۱ ۔ جولڈزھیر : المذاھب الاسلامیه فی تفسیر القرآن (ترجمه) صفحات ۳۶ ۔ ۳۷ ۔
۲ ۔ ابن قتیبه : کتاب المعارف صفحات ۲۳۰ ۔ ۲۳۱ ۔
۳ ۔ ابن الندیم : کتاب الفهرست صفحات ۴۲ ۔ ۴۵ ۔

تفسیر منقول میں، زمانے کے ساتھ ساتھ ان اهل کتاب کے نظریات بھی داخل ھوگئے تھے، جو مسلمان ھوگئے تھے، ان نو مسلموں نے اپنے وہ خیالات بھی تفسیر میں داخل کردئے جو انہوں نے تورات اور انجیل سے اخذ کئے تھے، مثلاً کعب احبار یہودی اور عبداللہ بن سلام اور ابن جریج - یہ بیان کر دینا ضروری ھے کہ ان حضرات کا اسلام تہمت و دروغ سے بالاتر خیال کیا گیا ھے اور ان کا شمار باوثوق اھل علم میں کیا جاتا ھے[1] - اسی طرح مفسرین، عربی اشعار کو لغوی طور پر قرآن کی تفسیر کی بنیاد بناتے تھے - حضرت ابن عباسؓ کا قول تھا ''جب کسی لفظ کے معنی کا ابہام، قرآن سمجھنے میں دشواری پیدا کرے تو عربی اشعار پر نظر ڈالو'' - یہی وجہ تھی کہ یہ مفسرین قرآن کی بہت سی آیتوں کی تفسیر الفاظ کے ان معانی کی روشنی میں کرتے تھے جو دور جاھلیت کے شعراء نے اپنے کلام میں استعمال کئے تھے[2] -

اسلام کے ابتدائی دور میں، مسلمانوں کی توجه کا مرکز حدیث تھی، اس زمانے میں تفسیر کو حدیث کا ایک جز یا اس کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ خیال کیا جاتا تھا - اس عہد میں مختلف آیات کی تفسیر الگ الگ موجود تھی اور سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا- تفسیر ابن عباسؓ اس کلیه سے مستثنیٰ تھی، یه تفسیر سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے مطابق تھی اگرچه اس تفسیر کا انتساب حضرت عبداللہؓ بن عباس کی طرف

---

۱ - کتاب المذاهب الاسلامیه فی تفسیر القرآن صفحه ٦٦ -
۲ - کتاب المذاهب الاسلامیه فی تفسیر القرآن صفحات ٦٨ - ٦٩ -

بہت سے لوگوں نے مشکوک خیال کیا ہے - سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن کی تفسیر کا رواج دور عباسیہ میں ہوا تھا - ابن ندیم کا بیان ہے[1] کہ فراء (کتاب معانی القرآن کے مصنف متوفی ۲۰۷ھ) کے تلمیذ رشید (حسین بن سہل کے مصاحب خاص) عمر بن بکیر نے فراء کو لکھا "امیر حسن بن سہل بسا اوقات قرآن کے معنی و تفسیر کے متعلق یکے بعد دیگرے سوالات کرتے ہیں اور بعض اوقات میں جواب دینے سے قاصر رہتا ہوں میری درخواست ہے کہ آپ میرے لئے تفسیر کے کچھ اصول جمع کردیں یا کوئی تفسیر لکھ دیں تاکہ ضرورت کے وقت میں ان اصولوں یا تفسیر کی طرف رجوع کروں" اس درخواست پر فراء نے اپنے شاگردوں سے کہا، تم سب جمع ہو جاؤ، میں قران کے بارے میں ایک کتاب لکھواؤں گا اور اس مقصد کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا - جب وہ سب جمع ہوگئے تو فراء نے مسجد کے مؤذن اور امام سے کہا کہ تم قران پڑھو میں تفسیر بیان کروں گا اس نے "الحمد" پڑھی فراء نے اس کی تفسیر بیان کی، اسی طرح روزانہ یہ معمول تھا کہ وہ شخص قرآن پڑھتا اور فراء اس کی تفسیر بیان کرتے، اس طریقہ سے رفتہ رفتہ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر لکھوا دی - ابوالعباس کا قول ہے کہ فراء سے پہلے یہ اہم کام کسی نے انجام نہ دیا تھا اور میرا خیال ہے کہ فراء کی تفسیر میں کوئی شخص اضافہ نہیں کر سکے گا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ فراء نے قرآن کی تفسیر آیات کی ترتیب کے لحاظ سے کی تھی - یہ تفسیر چار جلدوں[2] میں تھی -

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۹۹ -

۲ - کتاب الفہرست : صفحہ ۱۰۰ -

عبداللہ رض بن عباس کے بعد مشہور ترین مفسرین میں ابن جریح تھے لیکن انہوں نے قرآن کی تفسیر کے متعلق تمام رطب و یابس کو جمع کر دیا تھا اور تفسیر میں دقت نظر سے کام نہیں لیا تھا ۔ دوسرے مشہور مفسر سدی (متوفی ۱۲۷ ھ) تھے، انہوں نے اپنی تفسیر میں عبداللہ رض بن عباس ، عبداللہ رض بن مسعود اور دوسرے ممتاز صحابہ رض کی تفسیر قرآن پر اعتماد کیا تھا ۔ تیسرے ممتاز مفسر مقاتل بن سلیمان (متوفی ۱۵۰ ھ) تھے، یہ اپنی تفسیر میں تورات کی تفسیر اور اس کے نظریوں سے متاثر تھے ، جو انہوں نے یہودیوں سے اخذ کئے تھے، امام ابو حنیفہ رح نے ان پر کذب کا اتہام لگایا ہے ۔ محمد بن اسحاق بھی ایک ممتاز مفسر گذرے ہیں لیکن انہوں نے اپنی تفسیر میں یہودیوں اور نصرانیوں کے بہت سے وہ خیالات اور نظریات جمع کر دئے تھے، جو انہوں نے وہب بن منبہ اور کعب الاحبار سے اخذ کئے تھے ، لیکن یہ سب کی سب تفسیریں ضائع ہوگئیں اور ان میں سے کوئی تفسیر ہم تک نہیں پہنچی ۔ صرف محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ھ) کی مشہور تفسیر ہم تک پہونچ سکی جو تیس جلدوں[1] میں ہے ۔ ابو حامد اسفرائینی کا قول ہے، "اگر کوئی شخص چین تک اس غرض سے سفر کرے کہ محمد بن جریر طبری کی تفسیر حاصل کر سکے تو اس نے کوئی بڑا سفر نہیں کیا" جولڈ زھیر کا قول ہے کہ ابن جریر کی تفسیر انسائیکلو پیڈیا ہے ۔ اورتفسیر منقول میں سب سے بہتر[2] ہے ۔ طبری اپنی تفسیر میں اس لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ص صحابہ ض اور تابعین رح سے روایات نقل کرنے میں بڑی احتیاط اور دقت نظر سے کام لیا ہے اور بڑے

---

۱ ۔ مطبوعہ القاہرہ ۱۹۰۳ء ۔
۲ ۔ کتاب المذاہب الاسلامیہ فی تفسیر القران صفحات ۸۵ - ۸۶

بڑے اصحاب رائے کے خیالات کو بڑے غور وفکر سے پرکھا ہے کیونکہ ان میں سے اکثر نے قرآن کی تفسیر میں اپنے ذاتی خیالات کو جگہ دے دی تھی - ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اجماع امت کو بہت اہمیت دی ہے - انہوں نے ایک ایک آئت کی تفسیر بیان کی ہے ، ان کا طریقہ یہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں صرف ان روائتوں کو بیان کرتے ہیں جو مستند علماء سے منقول ہیں اور ان روایات کی تائید میں مختلف سندیں پیش کرتے ہیں جو ان راویوں کے ثقہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں - انہوں نے یہ کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ ایک زمانے سے علماء اس طریقہ پر چل رہے تھے اور راویوں کے بارے میں بڑی چھان بین اور جرح و تعدیل سے کام لیتے تھے - ابن جریر طبری اپنے پیشرو مفسرین میں اس لحاظ سے بھی امتیازی درجہ رکھتے ہیں کہ وہ یہودی الاصل مفسرین سے مثلاً کعب الاحبار اور وھب بن مبنہ سے جو کچھ اخذ کرتے ہیں ، اسے اپنے پیشرو مفسرین کی طرح بلا قید و شرط تسلیم نہیں کر لیتے[1] ہیں -

عباسیوں کا دور اول ، اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ اس دور میں معتزلہ کی جماعت بہت ابھر گئی تھی جو تفسیر منقول کی پابند نہ تھی بلکہ تفسیر قرآن میں عقل پر اعتماد کرتی تھی - معتزلہ نے بعض قرآنی آیات کی تفسیر میں اپنے مخالفین کی تردید میں بڑا زور صرف کیا ہے اور ان آیات کی ایسی تفسیر بیان کی جو ان کے عقلی نظریات کی ہم آھنگ تھی - جولڈ زھیر کا بیان ہے[2] ''معتزلہ ، اس وقت کے محدثین کے مذھبی نظریات سے متضاد نظریات کے

---

۱ - المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن صفحات ٩٦ - ٨٧ -
۲ - المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن صفحات ٩٩ - ١٠٠ -

قائل تھے ، اس کی وجہ سے متقی اور پرہیز گار علماء میں (جو مذہبی نظریات میں بڑی دقت نظر سے کام لینے کے خوگر تھے) اور معتزلہ کے درمیان مخالفت کی ایک خلیج حائل ہو گئی - یہ عباسیوں کے دور اول کا ذکر ھے ، کچھ عرصہ کے بعد اس گروہ نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کرلی اور ان مذھبی نظریات کی مخالفت بڑی آزادی سے شروع کر دی ، جو آغاز اسلام سے مسلمانوں میں رائج چلے آتے تھے - اس ماحول میں معتزلہ نے اپنے استحکام کے لئے یہ ضروری خیال کیا کہ وہ اپنے حریفوں سے مقابلہ کے لئے اپنی تعلیمات کی بنیاد قرآن کی تعلیمات پر رکھیں اور اپنے مخالفین کی دلیلوں کی تردید قرآن ھی کی تفسیر کے ذریعہ کریں اور قرآن کی تفسیر ایک ماھر مفسر قرآن کے انداز میں کریں تا کہ آسانی سے قرآن کو اپنے معتقدات ثابت کرنے کے لئے ایک آلۂ کار بنالیں -

جولڈ زھیر نے معتزلہ کے طریقۂ تفسیر کو سراھا ھے اور تفسیر قرآن اور مذھبی حقائق کے لئے عقل کو معیار بنانے پر معتزلہ کی تعریف کی ھے ان کا خیال ھے کہ معتزلہ نے اس طریقہ سے ان خرافات اور خلاف عقل و فطرت تصورات و نظریات کا مقابلہ کیا ھے جو اس وقت اسلام میں داخل ھوگئے تھے [1] -

معتزلہ کی مشہور تفسیروں میں ، تفسیر ابوبکر الاصم (متوفی ۲۴۰ھ) اور تفسیر ابن جرو الاسدی (متوفی ۳۸۷ھ) ھے کہا جاتا ھے کہ ابن جرو الاسدی نے بسم اللہ کی تفسیر ۱۲۰ طریقہ سے لکھی تھی -

---

۱ - کتاب المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القران صفحہ ۱۳۷ -

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن بہت سے ان علوم کا سر چشمہ تھا ، جن میں عباسیوں کے دور میں مسلمان مشغول تھے چنانچہ علماء نحو نے قرآن کو عربی زبان کے قواعد اخذ کرنے کے لئے اپنا ماخذ بنایا تھا ، حروف کے اعراب نے صحیح تفسیر کرنے اور بعض آیات کی باریکیوں کو حل کرنے میں بڑی مدد کی تھی۔ اس موضوع پر بعض نحویوں نے مثلاً کسائی، مبرد ، فراء، اور خلف نحوی نے کتابیں لکھیں اور ان کا نام معانی القرآن رکھا[1] ، اسی طرح فقہاء نے اپنی فقہی آراء میں قرآن پر اعتماد کیا اور مختلف فقہی مذاہب پر کتابیں لکھی تھیں اور ان کا نام احکام القرآن رکھا تھا ، ان فقہاء میں امام شافعیؒ ، ابوبکر رازی کلبی اور یحیٰی بن اکثم نمایاں حیثیت رکھتے ہیں[2] اس کے علاوہ مؤرخین نے ان آیات قرآنی کی تفسیر لکھی جو مختلف اقوام کے تاریخی واقعات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قرآن کریم تاریخی واقعات کا اہم اور سب سے مستند ماخذ ہے، آنحضرتؐ اور آپ کے حالات و سیرت کا قرآن سب سے جامع اور با وثوق ماخذ ہے، قرآن سے آنحضرتؐ کی زندگی کے مختلف پہلو ہم معلوم کر سکتے ہیں مثلاً حضورؐ نبی تھے ، سیاسی شخصیت تھے، صاحب شریعت تھے ، اور اجتماعی مصلح تھے ان سب پہلوؤں کے بارے میں قرآن میں ایک واضح صورت موجود ہے۔ قرآن دوسری قوموں کی تاریخ کا ماخذ بھی ہے ، مثلاً یمن کی دولت سبا (سورۂ نمل اور سورۂ سبا) یہود کی تاریخ (سورۂ بقرہ) رسولؐ سے ان کا مقابلہ اور تصادم (سورۂ احزاب) اور موسیٰؑ سے ان کے تعلقات (سورۂ بقرہ،

---

۱ - ابن الندیم : کتاب الفہرست صفحات ۵۱ - ۵۲ -

۲ - ابن الندیم: کتاب الفہرست صفحہ ۵۷ -

نمل ، قصص وغیرہ) -

اسی طرح متکلمین نے اپنے اصولوں سے قرآن کی تفسیر کی ، جو عام مسلمانوں کے معتقدات کے ہم آہنگ تھی ، چنانچہ قرآنی دلائل سے انہوں نے خدا تعالیٰ کی ذات سے الگ صفات کی نفی کی ہے اور ان خرافات کو مذہب سے دور کیا ہے جو اس وقت اسلام میں قرآن کی تفسیر کے راستہ سے داخل ہوگئے تھے -

۳ - حدیث :

شریعت اسلامیہ کے ماخذوں میں سے ایک ماخذ حدیث بھی ہے - حدیث آنحضرتؐ کا قول، فعل اور کسی بات میں آپؐ کی رضامندانہ خاموشی ہے - قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے - امام بخاریؒ نے تقریباً ۷۲۷۵ احادیث جمع کی تھیں ، ان میں بہت سی احادیث مکرر بھی ہیں ، اگر ہم ان مکرر احادیث کو حذف کر دیں تو ان کی تعداد تقریباً چار ہزار رہ جاتی ہے - مؤرخین کا بیان ہے کہ امام بخاریؒ نے ان احادیث کو تین لاکھ احادیث سے منتخب کیا تھا - کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف سولہ سترہ احادیث قابل اعتماد رہ گئی ہیں - اگر ان کا یہ قول صحیح تھا تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں احادیث میں کس حد تک تحریف ہو گئی تھی -

احادیث، مسلمان فقہاء کے درمیان شدید اختلاف کا باعث بنیں وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرتؐ کے وصال کے وقت عربوں کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی حتیٰ کہ امت مسلمہ کی

تاریخ بھی ایک طویل مدت کے بعد مدون ہوئی ۔ عرب، آنحضرت ؐ کی احادیث ایک دوسرے سے روایت کرتے رہے تھے، اسلئے اصل احادیث میں بہت کچھ تحریف اور تبدیلی پیدا ہو گئی تھی ، جس کی وجہ سے بہت سی احادیث کے معانی میں ابہام پیدا ہو گیا تھا ۔ اس کے علاوہ جن حالات اور زمان و مکان میں آنحضرت ؐ نے فرمایا یا عمل کیا تھا ، عموماً ان کا پتہ نہ چلتا تھا ۔ دوسری صدی ھجری میں عربوں نے احادیث کو مدون کرنا شروع کیا ، اس زمانہ میں محدثین کا ایک گروہ پیدا ہوا ، جس میں امام مالک رح اور امام محمد رح بن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) اور امام مسلم رح بن حجاج قشیری بہت مشہور ہیں ۔ امام مالک رح کی مؤطا ، امام بخاری رح کی صحیح بخاری اور امام مسلم رح کی صحیح مسلم مشہور ہیں اور بلاد اسلامی میں اس وقت تک رائج ہیں ۔ امام بخاری رح اور امام مسلم رح کے بعد ابو داؤد سجستانی رح (متوفی ۲۷۵ھ) صاحب سنن ابو داؤد ، ابو عیسیٰ رح محمد ؐ ترمزی (متوفی ۲۷۸ھ) (صاحب جامع الترمذی) اور امام نسائی (صاحب جامع نسائی) اور امام ابن ماجہ رح (صاحب سنن ابن ماجہ) پیدا ہوئے اور ان سب نے حدیث پر ایک ایک کتاب لکھی جو ان کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ سب احادیث کی مشہور کتابیں ہیں ، لیکن ان میں امام بخاری رح کی صحیح بخاری اور امام مسلم رح کی صحیح مسلم بہت شہرت رکھتی ہیں ۔ احادیث کی یہ چھ کتابیں شریعت اسلامی کے ماخذ کے اعتبار سے بہت بلند درجہ رکھتی ہیں [1] ۔

احادیث کے راویوں میں محمد بن اسحاق بہت مشہور ہیں، جنھوں

1. Nicholson Lit. History of the Arabis p. 337.

نے مسلمانوں کی جنگوں کی تاریخ لکھی ھے - ابن خلکان[1] کا بیان ھے کہ امام زھری کے شاگردوں کو جب امام زھری سے سنی ھوئی کسی حدیث میں شک پیدا ھوتا تھا تو اسے دور کرنے کے لئے محمد بن اسحاق کے پاس جاتے تھے کیونکہ وہ غیر معمولی یاد داشت میں مشہور تھے۔ کہا جاتا ھے کہ یحیٰی بن معین، یحیٰی بن سعید قطان اور امام احمد بن حنبل، محمد بن اسحاق کو ثقہ خیال کرتے تھے، اور ان کی بیان کی ھوئی حدیث قابل حجت سمجھتے تھے -

۴ - فقه :

قرآن و حدیث کے خاص معانی اور تلمیحات کی وجہ سے نحو اور لغت کے پڑھنے کی ضرورت پیدا ھوئی اور اس کے لئے دور جاھلیت کے شعراء کے کلام کی جستجو کی گئی، جسے خالص عربی زبان کا صحیح معیار خیال کیا جاتا تھا - اسی طرح عربی زبان سمجھنے کے لئے انساب اور قدیم عرب تاریخ سے واقفیت ناگزیر تھی - عربوں نے ان چیزوں کی طرف بھی توجہ کی اور رفتہ رفتہ انہیں مستقل علوم کی صورت میں تبدیل کر دیا - اس طرح قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن کی تفسیر کی طرف توجہ کی اور ان کے بعد بعض تابعین نے اس کام کو جاری رکھا - احادیث کی تدوین کی طرف پہلی صدی ھجری میں کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی - دوسری صدی ھجری کے آغاز سے مسلمانوں نے اس کی جمع و تدوین کی طرف دھیان دیا اور بڑی تیزی سے احادیث ان سب علمی تحریکوں کا محور بن گئی، جو اس وقت بلاد اسلامی میں پھیلی ھوئی تھیں -

اس دور کے مشہور ترین فقہاء میں امام ابوحنیفہؒ نعمان ھیں -

---

۱ - وفیات الاعیان : جلد ۱ صفحہ ۴۸۳ -

جو ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی - کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سولہ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا تھا اور عبداللہ بن حارث کو دیکھا تھا، جو ایک صحابی تھے اور آنحضرت ؐ کی احادیث روایت کرتے تھے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت مالکؓ بن انس سے بھی احادیث سنی ہیں -

امام ابو حنیفہ ؒ علمی انہاک کے ساتھ ساتھ ریشم کی تجارت کرتے تھے اور بازاروں میں بیٹھتے تھے - اس کی وجہ سے خرید و فروخت کے معاملات میں انہیں بڑی سوجھ بوجھ اور تجربہ حاصل ہو گیا تھا اور وہ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ بازاروں میں خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات کس طرح چلتے ہیں -

امام ابو حنیفہؒ نے مدرسۂ کوفہ میں فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی، ان کے اساتذہ میں عطاء بن ابی رباح، ہشام بن عروہ اور نافع (عبداللہ بن عمر ؓ کے آزاد کردہ غلام) شامل تھے، لیکن انہوں نے زیادہ تر علم اپنے استاد حماد بن ابو سلیمان اشعری سے حاصل کیا تھا -

امام ابو حنفیہؒ، حدیث قبول کرنے کے بارے میں بڑے متشدد تھے اور احادیت اور حدیث کے راویوں کے بارے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے اور اس وقت تک حدیث تسلیم نہ کرتے تھے جب تک اسے آنحضرتؐ سے روائت کرنے والوں کی تعداد معتدبہ اور متواتر نہ ہو یا اس پر عمل کرنے کے بارے میں اسلامی ممالک کے فقہاء کا اتفاق رائے نہ ہو گیا ہو -

فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کی کوئی کتاب ہم تک نہیں

پہنچی ہے مگر ابن الندیم[1] نے ان کی تصنیفات میں جن کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں ۔ کتاب الفقه الاکبر، یہ عقاید میں ہے، کتاب العالم والمتعلم ۔ کتاب الرد علی القدریه ۔

اس دور کے فقہاء میں ایک ممتاز فقیه امام مالکؒ بن انس بھی تھے ۔ وہ ۹۳ھ میں یا ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی ۔ ان کی پوری زندگی مدینۂ منورہ میں گزری تھی، کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ نے قرآن کی تعلیم نافع بن ابی نعیم سے حاصل کی تھی اور ربیعۃالری سے دوسرے علوم حاصل کئے۔ حدیث کی سماعت بہت سے شیوخ مدینه سے کی تھی جن میں ابن شہاب زہری اور نافع (عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام) خاص طور بر قابل ذکر ہیں امام مالکؒ سے اوزاعی جیسی شخصیت نے روایت کی ہے ۔

امام مالکؒ نے سب سے پہلے علوم دینیه پر کتاب لکھی تھی یہ دور عباسیه کا ذکر ہے ۔ المؤطا فقه اسلامی پر سب سے پہلی کتاب ہے ۔ امام مالکؒ کی کتابوں میں سے ایک المدونه بھی ہے جو فقه پر ان چند رسائل کا مجموعه ہے، جسے ان کے شاگرد اسد بن فرات نیشا پوری نے مدون کیا تھا، یہ کتاب ۳۶ ہزار مسائل پر مشتمل ہے ۔ امام مالکؒ حدیث پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، وجه یہ تھی کہ ان کی نشؤ و نما حجاز میں ہوئی تھی اور ساری عمر وہیں گذری تھی اور یہ بیان کرنے کی شاید حاجت نہیں کہ حجاز، علماء اور محدثین کا مرکز تھا جنھوں نے صحابه کو دیکھا تھا اور وہ ان سے احادیث روایت کرتے تھے ۔ اس دور میں یہی

---

۱ • کتاب الفہرست : صفحه ۲۸۵ ۔

علماء اور محدثین صحابہؓ کے وارث تھے کیونکہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو وہ مواقع نہیں ملے تھے جو انہیں حاصل ہوئے تھے۔

امام مالکؒ کے شاگردوں میں جو مشہور فقیہ گذرے ہیں ان میں حجاز میں محمد بن حسن تھے ۔ اندلس میں یحیٰی بن یحیٰی لئی تھے جو ایک بر بر قبیلہ مصامدہ سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے امام مالکؒ سے علم حاصل کیا تھا اور ان کی کتاب المؤطا ان سے پڑھی تھی ۔ یحیٰی بن یحیٰی لئی کی وجہ سے اندلس میں اور مغرب میں مالکی مذہب پھیلا تھا اور بلاد اندلس میں فقہ و حدیث میں وہ سب سے بڑے امام مانے جاتے تھے یحیٰی بن یحیٰی لئی نے مصر میں لیث بن سعد سے اور مکہ میں سفیان بن عیینہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بلاد اندلس میں قاضیوں کا تقرر ان کے مشورہ اور ان کے انتخاب پر کیا جاتا تھا [1] ۔ امام مالکؒ کے مشہور شاگردوں میں عبداللہ بن وھب، عبدالرحمان بن قاسم، عبداللہ بن الحکم (مصر میں) اور اسد بن فرات (قیروان میں) بھی گذرے ہیں ۔

اس دور کے ممتاز آئمہ میں ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ بھی تھے، وہ اولاد علیؓ سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے، ایک روز وہ ایسی مجلس میں حاضر ہوئے جہاں علیؓ ابن ابی طالب کے خاندان کے بعض افراد موجود تھے ، امام شافعیؒ نے فرمایا ، میں ایسی مجلس میں لب نہیں ہلا سکتا ، جس میں علویوں میں سے کوئی فرد موجود ہو ، لب کشائی

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحات ۳۳۲ - ۳۳۴ ۔

انہیں کو زیب دیتا ہے ، سیادت اور فضل و شرف انہیں کا حصہ ہے ، امام شافعیؒ کا معمول تھا کہ جب وہ حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو وضو کرتے تھے، صدر مجلس میں بیٹھتے تھے داڑھی کو کنگھی کرتے تھے اور بڑے وقار اور سنجیدگی سے احادیث بیان فرماتے تھے ۔ ان سے اس اہتمام کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا میرا مدعا یہ ہے کہ حدیث رسولؐ کی عظمت کو بلند کروں اور جب تک طہارت سے نہ ہوں اس وقت تک احادیث بیان نہ کروں ۔

۲۰۰ھ میں امام شافعیؒ نے بلاد عراق چھوڑ دیا تھا اور مصر چلے گئے تھے ، جہاں ۲۰۴ھ میں وفات پائی تھی، فقہ میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں ، ان میں سے کتاب المبسوط فی الفقہ اور کتاب الام بہت مشہور ہیں ، امام شافعیؒ نے کتاب الام مصر میں اپنے شاگردوں کو لکھوائی تھی ۔ امام شافعیؒ سے فقہاء کی بہت بڑی تعداد نے روایت کی ہے ، ان میں ابی ثور ، ابن جنید ، بویطی ، ابن سریج ، بہت مشہور ہیں[1] ۔

آئمہ فقہ میں امام احمدؒ بن حنبل بھی بہت مشہور ہیں امام شافعیؒ نے مصر جاتے وقت ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں بغداد سے جا رہا ہوں ، لیکن مجھے اطمینان ہے کہ یہاں احمد بن حنبلؒ موجود ہیں ۔ جن سے زیادہ فقیہ اور پرہیزگار اس وقت بغداد میں کوئی موجود نہیں ہے ۔ امام احمدؒ بن حنبل کے پیرو بہت کم ہیں ۔ ان کے پیرو زیادہ تر شام ، عراق ، بغداد ، نجد اور بحرین میں پائے جاتے ہیں ۔ ان کے معاصر آئمہ ان کے زہد و

---

۱ ۔ ابن الندیم : کتاب الفہرست صفحات ۲۹۴ - ۳۰۰ ۔

پرھیز گاری اور خدا ترسی کے معترف تھے ۔ خلق قرآن کے مسئلے میں امام احمدؒ بن حنبل نے جو موقف اختیار کیا تھا ۔ اس سے ان کی غیر معمولی اولوالعزمی اور مذھب میں پختگی کا اندازہ کیا جا سکتا ھے ۔

اس دور کے فقہاء میں امام ابو یوسفؒ بھی گذرے ھیں جو ۱۱۳ ھ میں پیدا ھوئے اور ۱۸۲ ھ میں وفات پائی تھی ۔ مؤرخین کا بیان ھے کہ امام یوسفؒ نے غربت کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اقتصادی بدحالی کی حالت میں اپنی تعلیم مکمل کی ان کی مالی امداد ان کے استاد امام ابو حنیفہؒ کرتے تھے ۔ امام ابو یوسفؒ خلیفہ مہدی، خلیفہ ھادی اور خلیفہ ھارون رشید کے دور میں منصب قضا پر فائز تھے ھارون الرشید کے عہد میں وہ قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس تھے ۔

امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد تھے، انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور بغداد کے منصب قضا پر فائز ھونے کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور نظریات کو پھیلایا تھا ۔ امام ابو یوسفؒ کی تصنیفات میں کتاب الخراج بہت مشہور ھے جو ان سے ھارون رشید نے لکھوائی تھی ۔

امام ابو یوسفؒ نے اس کتاب میں سلطنت کے اھم مالی معاملات پر بحث کی ھے ۔ ان مسائل پر وھی شخص اتنی خوبی سے لکھ سکتا تھا جو ان جیسے ممتاز عہدہ پر فائز ھو، خلفاء کا قرب اسے حاصل ھو اور فقہ اسلامی پر غیر معمولی نظر رکھتا ھو ۔

اس زمانے کے مشہور فقہاء میں لیث رح بن سعد بھی گذرے ہیں، وہ قلقشندہ میں پیدا ہوئے جو مصر میں واقع ہے اور سخاوت اور غیر معمولی ثروت میں مشہور تھے۔ ان کی آمدنی پانچہزار دینار سالانہ تھی، جسے وہ اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ علماء نے ان کے علم و فضل کی بہت تعریف کی ہے امام شافعی رح کا قول تھا کہ لیث امام مالک رح سے زیادہ فقیہ ہیں۔ مگر ان کے شاگردوں نے ان کے مذہب کو پھیلانے میں کوئی خاص جد و جہد نہیں کی، ابن وھب کا قول ہے کہ میں نے اپنی عمر میں لیث سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ امام شافعی رح کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ وہ لیث کو دیکھ نہیں سکے تھے کیونکہ وہ لیث کی وفات کے بعد مصر پہنچے تھے۔ ۱۷۵ھ[1] میں لیث نے وفات پائی تھی۔

۵۔ علم کلام:

جن علوم میں، عباسی دور کے مسلمان منہمک تھے ان میں ایک علم کلام بھی تھا۔ علم کلام کا یہ مفہوم تھا کہ اقوال کو منطقی اور مناظرانہ انداز میں ڈھالا جائے۔ خصوصاً معتقدات کو، اس علم سے انہماک رکھنے والوں کو متکلمین کہتے تھے، شروع میں یہ لوگ اپنے دائرہ بحث کو مذھبی عقائد تک محدود رکھتے تھے۔ لیکن اس کے بعد ان لوگوں کو متکلمین کہنے لگے۔ جو معتزلہ کی مخالفت کرتے تھے اور اھل سنت والجماعت مذھب کی پیروی کرتے تھے۔ امام غزالی رح [2] لکھتے ہیں۔ ''علم کلام کا

۱۔ ابن خلکان: جلد ۱ صفحہ ۴۳۸۔
۲۔ کتاب المنقذ من الضلال (مطبوعہ دمشق ۱۳۵۳ھ ۔ ۱۹۳۴ء) صفحہ ۷۱۔

مقصد اهل سنت کے عقیدہ کی حفاظت اور اہل بدعت کی تشویش انگیزی سے اس کی نگرانی اور تحفظ تھا ''۔

مشہور ترین متکلمین واصل بن عطاء، ابوالہذیل علاف، نظام ، ابوالحسن اشعری اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ گزرے ہیں دی بور کا بیان ہے[1] ''علم کلام کا ظہور اسلام میں سب سے بڑی بدعت خیال کی جاتی تھی ۔ محدثین نے اس علم کی شدید مذمت کی ۔ ان کا کہنا تھا کہ عملی فقہی احکام میں بحث کرنا بھی بدعت ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان ، اطاعت کا نام ہے اور اطاعت میں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اس کے برعکس مرجئہ اور معتزلہ کا نظریہ تھا ان کا زاویہ نگاہ تھا کہ ایمان علم ہے اور بحث و نظر علم کے لئے ناگزیر ہے اسی لئے یہ دونوں فرقے عقائد پر عقلی بحثیں اور غور و فکر مسلمانوں کے فرائض میں داخل سمجھتے تھے ۔ یہ نظریہ اس دور میں بہت مقبول ہوا ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا ۔ خدا نے سب سے پہلے علم کو پیدا کیا ۔ ایک دوسری حدیث میں علم کی جگہ عقل کا لفظ بھی آیا ہے ۔

بعض محدثین نے متکلمین پر ایک اور زاویۂ نظر سے نکتہ چینی کی ہے ۔ ان کا کہنا تھا کہ اہل بدعت کے نظریوں کی تردید کا رد عمل یہ ہوگا کہ ان کے معتقدات اور نظریوں کی غیر ارادی طور پر ترویج ہو گی ۔ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ معتزلہ کے مسلمہ اصولوں کو تسلیم کر کے متکلمین ان کے عقائد و نظریات کی تردید کرتے تھے ۔ لیکن بقول امام غزالیؒ [2] ۔

---

١ ۔ تاریخ الفلسفہ فی الاسلام : ترجمہ ابوریدہ صفحہ ٥١ ۔

٢ ۔ المنقذ فن الضلال : صفحات ٧٩ ۔ ٨٠ ۔

جو شخص معتزلہ کے اصول و نظریات ھی کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اس کے لئے علم کلام سے کیا فائدہ ؟

متکلمین نے اپنے حریفوں ، معتزلہ کے ھتھیاروں سے ھی ان پر وار کیا تھا یعنی انہیں کے اصول و نظریات سے ان کے اصول و نظریات کی تردید کی ۔ نیبرگ[1] کا بیان ھے کہ متکلمین مسلمانوں کی تاریخ میں ان مسیحی پیشواؤں کی حیثیت رکھتے ھیں جو مسیحیت کی تاریخ کے ابتدائی دور میں مسیحیت کے عقائد کے تحفظ کے لئے اٹھے تھے ۔ ان مسیحی مدافعین نے دھریوں کے ساتھ مناظرے کئے تھے اور الٰہیات کی بنیاد رکھی اور ان مناظروں میں اپنے مخالفین کے اصول اور نظریوں سے ان کے نظریوں اور معتقدات کی تردید کرتے تھے ۔ اسی طرح متکلمین اسلام نے علم کلام ایجاد کیا اور معتزلہ کے معتقدات اور عقائد کی تردید انہیں کے مسلمہ اصول اور نظریوں سے کی تھی ۔

معتزلی متکلمین کے مخالفوں نے ان کے بارے میں بڑی انتہا پسندی سے کام لیا ھے ۔ اور انہیں زناقہ سے تعبیر کیا ھے ۔ شہرستانی[2] کا کہنا ھے معتزلہ (متکلمین) نے توحید میں بڑے غلو سے کام لیا ھے حتیٰ کہ نفی صفات کے عقیدہ کی وجہ سے ، باالفاظ دیگر وہ خدا کے ارادہ کے تعطل کے قائل تھے ۔

عباسیوں کے دور اول میں ثقافت کے ارتقاء میں معتزلہ کی تعلیمات کا بہت بڑا دخل تھا ۔ خصوصاً مسئلۂ خلق قرآن اور اس کے رد عمل نے ثقافت کی ترقی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور ان مناظرات نے ثقافت

---

۱ ۔ مقدمہ کتاب الانتصار و الرد علی ابن الراوندی ۔ صفحات ۵۸ — ۵۹
۲ ۔ الملل و النحل : جلد ۱ صفحہ ۲۰ ۔

کو آگے بڑھایا جو مامون نے منعقد کئے تھے - جن کا مقصد علم کا پرچار اور علماء کے باھمی اختلافات کو دور کرنا تھا - مامون کے دور میں بڑے بڑے علماء اور متکلمین کا ایک ایسا گروہ پیدا ھوگیا تھا جس نے اصول دین اور عقاید پر غور خوض میں اپنی زندگیاں صرف کر دی تھیں - اس گروہ نے اپنی عقل و فہم کو حکم بنایا تھا - اس کا نتیجه یه ھوا تھا که ایسے خیالات و عقائد نے جنم لیا تھا جو عام مسلمانوں کے عقائد اور جمہور علماء یعنی محدثین کے عقائد و خیالات سے مختلف تھے - معتزله اپنی بحثوں میں نقل کو چھوڑ کر عقل پر اعتماد کرتے تھے - مامون نے معتزله کے خیالات قبول کر لئے تھے کیونکه ان میں آزادی اور عقل پر اعتماد زیادہ کیا گیا تھا - مامون نے معتزله کو تقرب بخشا تھا - اس لئے وہ بغداد کے قصر خلافت میں بڑے صاحب اثر و رسوخ ھوگئے تھے - مامون نے معتزله کے اس نظریه سے بھی اتفاق کیا تھا که قران مخلوق ھے اور اپنی حکومت کا پورا زور ، اس بات پر صرف کر دیا تھا که عام رعایا بھی خلق قرآن کے نظریه کو تسلیم کر لے- اس کا تفصیلی ذکر آچکا ھے -

مختصر یه ھے که رومی شہنشاھوں کی طرح عباسیون کے دور اول کے چند خلفاء نے مثلاً مامون ، معتصم اور واثق نے بعض فلسفیانه خیالات اور مذھبی مسائل میں عقلی بحثوں کی حوصله افزائی کی تھی - ان خلفاء نے بعض فلسفیانه نظریوں کو قبول کر لیا تھا اور جو لوگ ان نظریوں کے مخالف تھے - انہیں سخت سزائیں دی تھیں - اور ان معتزله کی پشت پناھی کی تھی - جنھوں نے نئے نظریوں خصوصاً خلق قرآن کے مسئله کو تسلیم کر لیا تھا - اس مسئله اور اس کے رد عمل نے خلفاء اور متکلمین کو تقریباً

پندرہ سال (۲۱۸ھ ۲۳۲ھ) تک الجھائے رکھا تھا ۔

معتزلہ میں ممتاز ترین ابوالھذیل علاف گذرے ھیں جو ۱۳۵ھ میں پیدا ھوئے اور ۲۳۵ھ میں وفات پائی ۔ یہ بصرہ اسکول کی سب سے زبردست شخصیت تھی اور اپنے زمانہ میں معتزلہ کے امام اور سر گروہ تھے ۔ مناظرہ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے ۔ خیاط معتزلی[1] نے ان الفاظ میں ان کا ذکر کیا ھے "وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا قادرالکلام شخص تھا" ابوالھذیل بڑی بڑی وسیع معلومات رکھتا تھا اور غیر معمولی فصیح و بلیغ انسان تھا ۔ اس دعوی کی دلیل احمد بن یحیی بن مرتضی متوفی ۸۴۰ھ احمد بن یحیی زیدیوں کے امام تھے، اور معتزلہ کے مذھب کی طرف ان کا رجحان تھا) کا یہ بیان ھے۔ "میں نے اپنی عمر میں ابوالھذیل اور جاحظ سے زیادہ فصیح و بلیغ انسان نہیں دیکھے ۔ ابوالھذیل کو مناظرہ میں ید طولی حاصل تھا میں ایک مجلس میں موجود تھا جس میں ابوالھذیل نے اپنے ایک لفظ کی تحقیق و ثبوت میں تین سو[2] شعر پیش کئے تھے" ابوالھذیل بے پناہ مناظر تھا اور اپنی بات دل میں اتاردینے پر اسے غیر معمولی قدرت حاصل تھی ، کہاجاتا ھے کہ اس کے ھاتھ پر تین ھزار اشخاص اسلام لائے تھے ۔ ان کی تمام عمر زندیقیوں ، مجوسیوں اور دھریوں سے مناظرہ میں گذری تھی ۔

ابوالھذیل نہ صرف معلومات کی وسعت ، فصاحت و بلاغت اور دلیل و حجت کی قوت میں ممتاز تھا، بلکہ یونانی فلسفہ پر بھی اس کا گہرا مطالعہ تھا نظام معتزلی نے ابوالھذیل سے فلسفہ میں بحث و

---

۱ ۔ الانتصار و الرد علی ابن الراوندی الملحد صفحہ ۶۷ ۔
۲ ۔ کتاب المنیة و الامل صفحہ ۲۶ ۔

مناظره کے بعد ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا ۔'

جب میں نے ابو الھذیل سے فلسفه میں مناظره کیا تو مجھے یه خیال ھونے لگا که ابوالھذیل نے ساری عمر محض فلسفه کے مطالعه میں صرف کی ھے [1] دی بور [2] کا بیان ھے ۔ ابوالھذیل مشھور متکلم تھا وہ پہلا مفکر گذرا ھے ، جس نے فلسفه کی جولانگاہ کو وسیع کیا تھا اور اپنے علم کلام میں اس سے اھم کام لیا تھا ۔

٦ - نحو :

علم نحو کی نشؤ و نما بصره اور کوفه میں ھوئی جو پہلی صدی ھجری میں ثقافت کے اھم مرکز تھے ۔ بصره اور کوفه ھی میں علم عقائد اور علم فقه کی تدوین و تشکیل ھوئی تھی اور یہیں نحویوں اور لغویوں کے مختلف اسکول پیدا ھوئے تھے ، وجه یه ھوئی تھی که ان دونوں شہروں میں مختلف قبائل کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی ، جن کا لب و لہجه ایک دوسرے سے مختلف تھا ھزاروں نو آباد کاریگر اور عجمی ، فارسی زبان بولتے تھے ، اس ماحول کی وجه سے صحیح عربی زبان میں بہت کچھ خرابی پیدا ھوگئی تھی اور اس کے تحفظ کی شدید ضرورت محسوس کی گئی تھی تاکه مستقبل میں قرآن میں کسی تحریف کا اندیشه نه رھے ابوالاسود دؤلی پہلا شخص تھا جو علم نحو کی طرف متوجه ھوا ۔ یه بنی امیه کے عہد میں گزرا ھے ۔ کہا جاتا ھے که اس نے علم نحو کے اصول حضرت علی رض سے [3] سیکھے تھے ۔

---

١ - کتاب المنیة و الامل : صفحه ٢٦ ۔
٢ - تاریخ الفلسفه فی الاسلام : صفحه ٥٧ ۔
٣ - ابن ندیم - کتاب الفہرست صفحات ٦٠ - ٦١ ۔

ابوالاسود نے بصرہ کے نحوی اسکول کی اساس رکھی تھی جو کوفہ اسکول سے مقدم مانا جاتا ہے اور اس سے زیادہ شہرت رکھتا ہے ۔ بصرہ اسکول منطق سے زیادہ متاثر تھا اسی لئے بصرہ کے نحویوں کو اہل منطق کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۔ کوفہ کے نحویوں سے کوفہ اسکول کے نحویوں کی مصطلحات بصرہ اسکول کے نحویوں کی مصطلحات سے مختلف ہیں ۔ اہل بصرہ کا منطق سے پہلے استفادہ کر لینا یہ محض اتفاق نہ تھا بلکہ قدرتی امر تھا کیونکہ بصرہ میں فلسفیانہ مذاہب کا رواج دوسرے شہروں سے بہت پہلے ہو گیا تھا ۔ بصرہ کے نحویوں میں شیعہ اور معتزلہ کی بہت بڑی تعداد تھی جنھوں نے غیر ملکی فلسفہ و حکمت کا گہرا مطالعہ کیا تھا تاکہ وہ اپنے مذاہب کلامیہ میں اس سے کام لیں [1] ۔

بصرہ کے ممتاز ترین علمائے نحو، میں ابو عمرو بن علاء (۱۵۳ھ — ۷۷۰ء) تھے جو تفسیر میں منہمک تھے ۔ خلیل بن احمد تھے جو علم عروض کے بانی تھے ۔ اور کتاب ''العین'' کے مصنف تھے جو عربی زبان کی پہلی ڈکشنری خیال کی جاتی ہے ۔ علمائے نحو میں ، سیبویہ فارسی کا درجہ بہت اونچا ہے ، جس کی کتاب، ''کتاب سیبویہ'' کے نام سے مشہور ہے اس کے بارے میں دی بور[2] لکھتا ہے ۔

''اگر ہم کتاب سیبویہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ وہ کتنی بلند پایہ کتاب ہے اور اس کے لئے سیبویہ کو کس قدر محنت کرنی پڑی ہوگی'' متأخرین کا بیان ہے علماء کے لئے بڑے

---

۱ ۔ دی بور : تاریخ الفلسفہ فی الاسلام صفحات ۳۸ - ۳۹ ۔

۲ ۔ تاریخ الفلسفہ فی الاسلام : صفحہ ۳۸ ۔

آونچے درجه کی کتاب ھے ، اس سے استفاده ناگزیر ھے ، اس کی حیثیت وھی ھے جو طب میں قانون شیخ کو حاصل ھے ۔ بصره کے کے مشهور علمائے نحو میں اصمعی اور ابو عبیده کا بھی شمار ھے ۔ جن کے عروج کا ستاره ھارون رشید کے دور میں طلوع ھوا تھا ۔ ان نحویوں میں مبرد کا درجه بھی بہت بلند ھے ۔ جس کی کتاب "الکامل المبرد" مشہور ھے ۔ مبرد نے اصمعی اور ابوعبیده سے کوئی ایک صدی کے بعد وفات پائی تھی ۔

کوفه کے مشہور ترین علمائے نحو میں کسائی گزرے ھیں جنہیں ھارون رشید نے اپنے بیٹوں امین اور مامون کا اتالیق مقرر کیا تھا ۔ کسائی کے شاگرد فراء (متوفی ۲۰۷ھ — ۸۲۲ء) بھی کوفه اسکول کے مشہور نحویوں میں گزرے ھیں مفصل الضبی کا شمار بھی کوفه اسکول کے مشہور نحویوں میں ھے جن کی کتاب مفضلیات بہت شہرت رکھتی ھے ، جسے انہوں نے خلیفه مہدی کی خدمت میں پیش کیا تھا [1]۔

۷ ۔ شعر و ادب :

(الف) شعر و شاعری :

بنی امیه دور جاھلیت کی ساده زندگی پسند کرتے تھے ۔ زندگی کی پیچیدگیوں اور فلسفه کی گتھیاں سلجھانے سے انہیں کوئی دلچسپی نه تھی ۔ وه فلسفیانه خیالات پر بلند پایه شعر اور بلیغ خطبه کو ترجیح دیتے تھے ، چنانچه بعض خلفائے بنی امیه بڑے بلند پایه شعر کہتے تھے ، مثلاً یزید بن معاویه ۔ مؤرخین کا قول ھے که ایک

---

1. Nicholson : Lit History of the Arabs p. 432 - 433.

بادشاہ سے شاعری شروع ہوئی ایک دوسرے بادشاہ پر شاعری ختم ہو گئی - ان کی مراد امرءالقیس اور یزید بن معاویہ سے ہے - عبدالملک بن مروان بھی بہت بلند پایہ شاعر تھا - اس کے عہد میں جریر، اخطل اور فرزدق بہت ممتاز شعراء گزرے ہیں -

عباسیوں کے دور میں شعراء کی بہت بڑی تعداد گزری ہے جس نے شاعری میں نئے نئے معانی نئے نئے موضوعات اور نئے نئے اسلوب پیدا کئے اور ان خصوصیات میں وہ تمام اسلامی ، مخضرمی اور جاہلی شعراء سے ممتاز تھے - ان شعراء میں مشہور ترین ابو نواس تھا - خمریات ، تغزل اور صید و شکار اس کے موضوع سخن تھے - دور عباسی میں جس تمدن اور عیش و عشرت کا دور دورہ تھا اس تمدن اور ماحول کو اس نے اپنا موضوع بنایا تھا اور بلند پایہ قصیدے لکھے تھے[1] -

ابن قتیبہ (۲۱۳ھ — ۲۷٦ھ) نے شاعری میں ابو نواس کی پیروی کی اور اپنی شاعری میں واقعات اور ماحول کی عکاسی کی - ما بعد کے انشا پردازوں نے انشاء پردازی میں ابن قتیبہ کی تقلید کی - ان میں ثعالبی اور ابن خلدون قابل ذکر ہیں - ابن خلدون کا کہنا تھا کہ شعراء کو چاہئے کہ وہ واقعات نگاری میں اپنی جولانی طبع دکھائیں اور زمین آسمان کے قلابے ملانا چھوڑ دیں اس کی بجائے اپنے ماحول کی تصویر اور حقیقت نگاری پر اپنا شاعرانہ زور صرف کریں -

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے :-
Diwan Des Abu Nowas : Dieweinteder (ED. by A.H.L. Wart N. 10 vv.) p. 1 - 5.

دور عباسی کے شعراء میں ابو تمام طائی اکبر بھی امتیازی مقام رکھتا ہے، ابو تمام اکبر اپنے کلام میں فلسفیانہ خیالات بڑی خوبی سے بیان کرتا تھا ، ابو تمام اکبر کا شاگرد ابو عبادہ بحتری تھا جو غیر معمولی کمالات کا حامل تھا - اس دور کے شعراء میں ابن روسی بھی بہت مشہور گزرا ہے ، لطافت بیان ، نکتہ آفرینی اور تخیل کی بلند پردازی اس کے کلام کی نمایاں خصوصیات تھیں - اس دور کے شعراء میں ابو العتاھیه کا مقام بھی بہت بلند ہے - جسے اس دور کا رئیس المتغزلین کہا جا سکتا ہے - ابو العتاھیه نے مہدی کی کنیز عتبه پر بڑے بلند پایه قصیدے لکھے تھے - ابو العتاھیه نے وعظ و پند میں بھی بہت بلند پایه اشعار لکھے تھے -

ثعالبی نے اپنی کتاب 'یتیمة الدھر' میں لکھا ہے که دور جدید کے شعراء دور جاھلیت کے شعراء سے الفاظ کی ندرت، بیان کی لطافت اور معنی کی شیرینی کے لحاظ سے ممتاز ھیں - دور عباسیه کی شاعری میں معانی ، اسلوب اور خیالات میں تنوع اور جدت کے اسباب و عوامل یه تھے -

۱ - دور عباسیه میں زندگی کی قدریں بدل گئی تھیں ، جو دور جاھلیت کی قدروں سے بہت مختلف تھیں حتیٰ که دور جاھلیت میں جو خوبیاں خیال کی جاتی تھیں ، عباسیوں کے دور اول میں انھیں کوئی اھمیت نہیں دی جاتی تھی -

۲ - دور جاھلیت میں زندگی میں سادگی تھی لیکن عباسیوں کے دور میں زندگی میں تنوع اور گوناگوں نیرنگیاں پیدا ھو گئی تھیں -

٣ - عربوں کی شان و شوکت کے انحطاط کے بعد قومی عصبیت ابھر گئی تھی اور ان کی شاعری بلکہ ان کی ہر چیز پر نکتہ چینی شروع ہو گئی تھی -

٤ - شعر و شاعری اور ادب میں بدیشی خصوصاً ایرانی ثقافت کا اثر — لیکن ان مخالف حالات کے باوجود قدیم عربی شاعری کی چند قیود باقی رکھی گئی تھیں مثلاً قوافی اور اوزان -

٥ - عباسیوں کے دور میں ایک طویل عرصے تک شعراء کا ذریعۂ معاش ، خلفاء و امراء اور ملک کے ممتاز اشخاص کی نگاہ لطف و کرم تھی - اس زمانہ میں کتابوں کی تجارت کا کوئی رواج نہ تھا ، نہ کتابوں کے ناشر تھے ، جو کتابوں کی نشر و اشاعت کرتے ، اس لئے شعراء کی معشیت کا دار و مدار خلفاءؑ اور خلفاءؑ کے مقربین کے تقرب پر رہ گیا تھا - وہ صلے کی توقع میں خلفاءؑ اور ان کے مقربین کی شان میں اچھے سے اچھے قصائد لکھتے تھے ، اسی لئے مدح و ستائش میں انہاک دور عباسی کے شعراؑ کا امتیازی وصف تھا - اس کے علاوہ شاعری کے میدان میں غیر عربوں ، خصوصاً ایرانیوں نے بھی قدم رکھا تھا - اس کی وجہ سے خیالات و موضوعات میں تنوع پیدا ہو گیا تھا - سلطنت عباسیہ ایک استبدادی یا شخصی حکومت تھی - اس لئے صرف قصائد مدحیہ خلفاءؑ اور ممتاز ارکان کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ تھے -

پہلی صدی ہجری میں جو مذہبی فرقے (مثلاً شیعہ اور معتزلہ) پیدا ہوئے تھے اور عباسیوں کے دور اول میں بہت پھلے پھولے

تھے ، ان میں ممتاز شعراءٔ گزرے تھے ، جو اپنے اپنے معتقدات و اصول کی مدافعت شاعرانہ زور بیان سے کرتے تھے - ان شعراءٔ میں ایک سید حمیری (متوفی ۱۷۳ھ) بھی تھا - یہ کیسانی تھا اور محمدؒ بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب کا معتقد تھا - اس نے محمد بن حنفیہ کی مدح میں بڑے بلند پایہ قصیدے لکھے تھے -

معتزلہ میں بھی بہت ممتاز شعراءٔ گزرے تھے - یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ معتزلہ کی دعوت و تبلیغ دور عباسیہ کے ابتدائی دور میں شروع ھوئی تھی اور مامون کے عہد میں بڑی تیزی سے پھیل گئی تھی - معتزلی شعراءٔ اپنے اصول و نظریات کا پرچار اشعار کے ذریعے سے بھی کرتے تھے -

خلفاءٔ عباسیہ نے رومیوں پر مسلسل اور پے در پے فتوحات حاصل کی تھیں - ان فتوحات پر بہت سے شعراء نے بڑے بلند پایہ اور طویل قصائد لکھے تھے ، جن میں خلفاءٔ کی فتح و نصرت اور مسلمانوں کے تحفظ اور دشمنوں کا خطرہ دور کرنے پر ان کی بہت تعریف کی گئی تھی چنانچہ ابو العتاھیہ نے ایک بلند پایہ اور طویل قصیدہ لکھا تھا ، جبَ ھارون رشید نے ھرقلہ کے محاربہ میں رومیوں پر فتح پائی تھی ، مروان بن حفصہ نے اپنے قصائد میں ان کامرانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا تھا جو عباسیوں نے رومیوں پر حاصل کی تھیں -

خلیفہ معتصم ، عموریہ میں رومیوں کو ذلت انگیز شکست دینے کے بعد جب واپس دارالخلافت لوٹا تھا ، اس وقت ابو تمام نے معتصم کی شان میں ایک بلند پایہ قصیدہ لکھا تھا جو عربی

شاعری میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے ۔

(ب) نثر :

عباسیوں کے دور اول کی ادبی تاریخ میں نثر نگاروں کا ایک ممتاز گروہ پایا جاتا ہے ۔ ان نثر نگاروں میں عبداللہ بن مقفع امتیازی درجہ رکھتا ہے ، جس نے پہلوی زبان کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا ۔ ان کتابوں میں ایک کلیلہ و دمنہ ہے جو سنسکرت زبان کی مشہور کتاب " قصص بید با " کا ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ ادب عربی میں مقدم ترین خیال کیا جاتا ہے اور اسلوب بیان کی سادگی اور عبارت کی سلاست میں اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے ۔ اس دور کے ادباء میں عبدالحمید کاتب بھی بہت ممتاز گزرا ہے ، جو شیخ صناعة الکتابة کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ مؤرخین کا قول ہے کہ اس نے خط و کتابت کا جو نیا انداز اور نیا اسلوب اختیار کیا تھا ، اس کی تعریف ممکن نہیں ۔ عبدالحمید نے خط و کتابت مین چند جدید اصول ایجاد کئے ، مثلاً خطوں کے شروع میں تعریفی القاب لکھنا اور ضمنی عنوان اور نئے پیرے قائم کرنا اور مکتوب الیہ کے لئے مناسب الفاظ پر خط کو ختم کرنا ۔ خطوط میں ملکی حالات اور سیاسی حالت پر تفصیل سے بحث کرنا ، خطوط میں ان چیزوں کا رواج اس سے پہلے نہیں تھا ۔ عبدالحمید نے کوئی کتاب اپنی یادگار نہیں چھوڑی ہے ۔ لیکن چند مشہور خطوط چھوڑے ہیں جو ادب اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں ۔ ان میں مشہور ترین ، ایک وہ خط ہے جو اس نے کتاب یا نثر نگاروں کو لکھا تھا ۔ دوسرا وہ خط ہے جو اس نے آخری اموی فرماں روا مروان بن

محمد کو ولی عہدی کے زمانہ میں لکھا تھا۔ اس خط کا انداز نگارش عربوں کے اسلوب بیان اور عجمیوں کے طرز بیان دونوں میں ایک لطیف امتزاج کا حامل ہے۔ یہ خط معانی کی لطافت، گہرائی، مافی الضمیر کی ادائیگی کی خوبی اور مناسب الفاظ کی ترتیب کے لحاظ سے بھی ایک اعلیٰ نمونہ تھا [1]۔ ان نثر نگاروں میں ابن قتیبہ بھی ہے جو خراسان کے دارالحکومت مرو کا باشندہ تھا اور شہر دینور میں منصب قضا پر فائز تھا۔ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں بغداد میں رہا۔ اس کی کتابوں میں ایک ''کتاب المعارف'' اور ''کتاب الشعر والشعراء'' ہے، جس میں شاعری کے جدید رجحانات کی بہت تعریف کی ہے اور قدیم شاعری پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ اس کی تصنیفات میں ''ادب الکاتب'' بھی ایک اہم کتاب ہے اور ایک ''کتاب عیون الاخبار'' ہے جو بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ اسے ابن قتیبہ نے دس مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے [2]۔

اس دور کے نثر نگاروں میں عمرو بن بحر جاحظ بصری بھی امتیازی مقام رکھتا ہے جو آزادیٔ فکر کا علمبردار اور معتزلی معتقدات کا پرستار تھا اور ان کا ایک ممتاز رہنما تھا، حتیٰ کہ معتزلہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا جو جاحظیہ کہلاتا تھا۔ یہ فرقہ اسی جاحظ کی طرف منسوب تھا۔ جاحظ کی تصنیفات ''کتاب الحیوان'' اور ''کتاب البیان والتبیین [3]'' بہت

---

۱ - کتاب الوزراء و الکتاب: (جسے پروفیسر مصطفیٰ السقا نے ۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء) میں شائع کیا۔ صفحات ۷۲ - ۸۳ -

۲ - مطبوعہ دارالکتب المصریہ چار جلدیں (۱۳۴۳ھ - ۱۳۴۸ھ) -

3. Nicholson : Lit History of the Arabs p. 346 - 347.

مشہور ہیں ۔

(ب) علوم عقلیه :

مسلمان اس دور میں علوم عقلیه کی طرف بھی متوجه ہوئے۔ نکلسن[1] کا بیان ہے " مسلمانوں نے اپنے نظریات اور علوم میں یونانی ثقافت سے مدد لی تھی ، جو سکندر کی فتوحات کے زمانے سے مصر ، شام ، اور مغربی ایشیا میں پھیلی ہوئی تھی ۔ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں مذہبی اختلافات کی بنا پر جب رہافی اسکول میں اضمحلال پیدا ہوگیا تھا، اس وقت جن علماء کو جلا وطن کیا گیا تھا، وہ بلاد فارس چلے گئے تھے ۔ کسریٰ نوشیرواں (۵۳۱—۵۷۸ء) نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد سے جدید افلاطونی فلسفے کے اسکول کو وسعت دی ۔ جسے شہنشاہ گستینان نے برباد کیا تھا، اس نے اس اسکول کے علماء پر یه الزام لگایا تھا که وہ دہریت کے خیالات کا پرچار کرتے ہیں ۔ نوشیرواں نے خوزستان کے شہر جندی ساپور میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی جس میں ان علماء کو طب اور فلسفه پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا ۔ اس دارالعلوم کے اثرات ان شہروں میں عباسیوں کی حکومت کے قیام تک باقی تھے ۔ بلاد عراق میں حران یونانی ثقافت کا آخری مرکز تھا ۔ اہل حران نے جو صائبی تھے اور عربی زبان بلا تکلف بولتے تھے ، مسلمانوں کو یونانی ثقافت سے روشناس کرانے میں بہت حصه لیا تھا ، انہوں نے بہت سی غیر ملکی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمه کیا تھا ۔

1, Nicholson : Lit History of the Arabs p. 258.

۱ - ترجمه :

بنی امیه کے عہد میں عربی زبان میں دوسری زبانوں کی کتابوں کے ترجمه کی طرف کوئی خاص توجه نہیں کی گئی تھی خالد بن یزید بن معاویه پہلا شخص تھا جس نے علوم طب اور کیمیا کی کتابوں کو عربی زبان میں ترجمه کرانے کی طرف توجه مبذول کی تھی۔ اس نے یونانیوں کے ایک گروہ کو بلایا تھا ، جو اس وقت مصر میں آباد تھے اور ان سے کہا تھا - که وہ ان یونانی اور قبطی زبان کی کتابوں کا عربی میں ترجمه کریں جن میں عملی کیمیا پر بحث کی گئی ہے - عبدالملک بن مروان نے دفاتر کی سرکاری زبان عربی قرار دی تھی ، اس سے پہلے فارسی اور یونانی زبانیں سرکاری زبانیں تھیں - مصر کی سرکاری زبان، ولید بن عبدالملک کے عہد میں عربی زبان قرار دی گئی تھی - اس سے پہلے یونان اور قبطی زبانیں سرکاری زبانیں تھیں[1] - اس کا اثر یه پڑا تھا که دوسری زبانوں کا ترجمه عربی میں کیا جانے لگا تھا -

جب ایرانیوں کی مدد سے سلطنت عباسیه قائم ہوئی اور عربوں اور ایرانیوں کے درمیان اختلاط پیدا ہوا اور عباسی خلفاء نے علوم فارس اور علوم یونان کی طرف خصوصی توجه مبذول کی، اس وقت غیر ملکی زبانوں سے ترجمه کے کام کی رفتار بہت تیز ہوگئی- ابو جعفر منصور نے سب سے پہلے کتابوں کے ترجمه کی طرف دھیان دیا اور اس کے حکم سے حنین بن اسحاق نے طب میں بقراط اور جالینوس کی چند کتابوں کا عربی میں ترجمه کیا - ابن مقفع[2] نے

---

۱ - کتاب اوراق البردی : صفحه ۲۸ -
۲ - فارسی سے عربی میں ترجمه کرنے والے بہت سے اشخاس مشہور گزرے ہیں مثلاً آل نوبخت ، حسن بن سہل (مامون کا وزیر)، احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری مصنف کتاب البلدان اور حمر بن فرحان (ابن ندیم صفحه ۳۴۲) -

کتاب کلیله و دمنه کا ترجمه پهلوی زبان سے عربی میں کیا ، اسی نے السندھند اور کتاب اقلیدس کا عربی میں ترجمه کیا تھا ۔

هارون رشید نے رومةالکبریٰ کے چند شهروں کی تسخیر کے بعد غیر ملکی کتابوں کے ترجمه کا حکم دیا تھا جو اسے ان فتوحات کے درمیان دستیاب هوئی تھیں ۔ برامکه نے مترجمین کی حوصله افزائی کی اور ان پر بے شمار مال و دولت کی ارزانی کی، اس کی وجه سے ترجمه کے کام سے غیر معمولی دلچسپی بڑھ گئی تھی ، مامون کے عهد میں غیر عربی زبانوں سے خصوصاً فارسی اور یونانی زبانوں سے عربی میں نقل و ترجمه کی تحریک بهت ترقی کر گئی تھی مامون نے قسطنطنیه اپنے وفود بھیجے تھے تا که وه فلسفه ، هندسه ، موسیقی اور طب کی بلند پایه کتابوں کو حاصل کریں ۔

ابن ندیم [1] کا بیان هے "مامون اور شهنشاه روم کے درمیان خط و کتابت هوئی تھی مامون نے اسے لکھا تھا که وه اس بات کی اجازت دے دے که قسطنطنیه میں علوم قدیمه کی جو بلند پایه کتابیں موجود هیں ان کی نقل لے لی جائے ۔ شهنشاه روم نے بڑی رد و قدح اور تامل کے بعد اس کی اجازت دے دی تھی ۔ مامون نے ان کتابوں کی نقلیں کرانے کے لئے ارباب علم کی ایک جماعت کو بھیجا تھا جس میں حجاج بن مطر، ابن بطریق اور بیت الحکمه کا افسر اعلیٰ سلما اور ووسرے ممتاز افراد شامل تھے ۔ اس گروه نے وهاں کی چوٹی کی کتابوں کا انتخاب کیا ان کی نقلیں لیں اورواپس آکر مامون کی خدمت میں پیش کیا ۔ مامون نے فوراً ان کے ترجمه کا حکم دے دیا ۔ قسطا

---

١ ۔ کتاب الفهرست : صفحه ٣٣٩ ۔

بن لوقا ان کتابوں کے ترجمہ نگران مقرر کیا گیا، جو یونانی ، سریانی اور کلدانی زبانوں میں تھیں - یحیٰی بن ہارون ان کتابوں کا نگران تھا جو قدیم فارسی زبان میں تھیں -

ترجمہ کی طرف صرف مامون نے خصوصی توجہ مبذول نہیں کی تھی، بلکہ اس دور کے متمول اور ارباب ثروت نے بھی بہت سی اہم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا اس میں شاکر منجم کے بیٹے احمد ، محمد اور حسن خاص طور پر قابل ذکر ھیں ، جنھوں نے حنین بن اسحاق کو بلاد روم بھیجا تھا جو بلند پایہ اور اہم کتابیں وہاں سے لایا تھا [1] -

مامون کے عہد میں غیر عربی زبانوں کی کتابوں کے ترجمہ اور نقل کے کام سے ہمہ گیر دلچسپی کا ایک اثر یہ ھوا کہ بہت سے علماء نے ان کتابوں کی تعلیم شروع کر دی ، جو عربی زبان میں منتقل کی گئی تھیں - ان علماء نے ان کی شرحیں اور حاشیے لکھے اور ان کی اغلاط کی تصحیح کی - ان علماء میں یعقوب بن اسحاق کندی خاص طور پر قابل ذکر ھے جو طب، فلسفہ، ریاضیات، منطق، ہندسہ اور علم نجوم کا بہت بڑا فاضل تھا - اس نے اپنی تالیفات میں ارسطو کا اسلوب بیان اختیار کیا اور بہت سی فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کے پیچیدہ مسائل کی شرح لکھی - مسلمانوں میں چار ممتاز اور مشہور مترجم گزرے ھیں ، حنین بن اسحاق - یعقوب بن اسحاق کندی، ثابت بن قرہ حرانی اور عمر بن فرخان طبری - عباسیوں نے ان تمام علمی کتابوں کا ترجمہ کرایا تھا ، جو یونان، فارس اور دوسرے ممالک سے دستیاب ھوئی تھیں ، مثلاً فلسفۂ

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۳۴۰ -

طب، نجوم، ریاضیات، موسیقی، منطق، فلکیات، جغرافیہ، تاریخ، سیاست، لٹریچر اور سوانح عمری کی کتابیں - ابن ندیم کا بیان[1] ھے منجم کے بیٹے مترجمین کے ایک گروہ کو باقاعدہ تنخواھیں دیتے تھے - ان میں حنین بن اسحاق ، حبیش بن حسن اور ثابت بن قرہ اور دوسرے ممتاز فاضل شامل تھے - ان مترجمین کو پانچ سو دینار ماھانہ تنخواہ ملتی تھی -

۲ - تعلیم اور ثقافت کے مرکز :

اس دور میں مسجدیں ثقافت کے بہت بڑے مرکز تھیں ، جہاں قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی ، عباسیوں کے دور میں مختلف قسم کے علوم کی تدریس کا رواج شروع ھوگیا تھا اور یہ مسجدیں علمی تحریکوں کا اھم مرکز بن گئی تھیں - ان میں سب سے بڑا علمی مرکز مسجد بصرہ تھی - جہاں ایک طرف مناظرین کا حلقہ قائم تھا ، جو مناظرہ اور بحث و مباحثہ کرتے رھتے تھے - دوسری طرف ارباب شعر و ادب کا حلقہ تھا جو شعر و سخن میں منہمک رھتے تھے - ان حلقوں میں مختلف خیالات اور مختلف فرقوں کے لوگ جمع ھوتے تھے ، اس علمی ماحول سے مختلف ثقافتوں کا اثر اسلام پر بہت گہرا پڑا تھا حتٰی کہ بعض ثقافتیں ایک دوسرے میں مدغم ھوگئی تھیں - غیر عرب جب مسلمان ھوتے تھے تو ان کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ عربی زبان اور مسلمانوں کے آداب و علوم سیکھیں، تاکہ ان کے لئے قرآن کا پڑھنا پڑھانا آسان ھوجائے اور اسلامی معاشرہ کا ایک جز بن سکیں - اس طرح یہ نو مسلم اپنی قومی ثقافت اور عربوں کی ثقافت دونوں کے جامع ھوتے تھے -

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۳۴۰ -

بنی امیه کے عہد میں کوئی خاص لائبریریاں نہیں تھیں ۔ لیکن عباسی دور میں جب ترجمه اور تالیف کا رواج عام ھوگیا اس وقت لائبریریوں کی اھمیت بہت بڑھ گئی تھی ، اس دور میں کاغذ سازی کی صنعت نے ترقی کی تھی جس کی وجه سے کاغذ سازی کے ماھرین کی بڑی تعداد پیدا ھوگئی تھی ۔ اس عہد میں علمی مذاکروں کے لئے علماء اور ادیبوں کے مرکز قائم تھے ، اس علمی ماحول کی وجه سے لائبریریاں کثرت سے قائم ھوگئی تھیں ۔ جہاں مذھبی، علمی اور ادبی کتابوں کے ذخیرے جمع تھے ۔ مستقبل میں یه لائبریریاں اسلامی ثقافت کے اھم مرکز بن گئی تھی ۔ مشہور تاریخی لائبریری بیت الحکمت کی بنیاد ھارون رشید نے رکھی تھی ۔ اس کے بعد مامون نے مختلف کتابوں اور تصنیفات کے ذخیرے اس لائبریری کو دئے تھے، عباسی دور میں یه سب سے بڑی لائبریری تھی، جو تاتاریوں کے حملے یعنی ٦٥٦ھ تک بغداد میں قائم رھی، یه لائبریری اس دور کی تمام مروجه علوم کی کتابوں پر مشتمل تھی اس لائبریری سے بے شمار علماؑ اور ادباؑ نے استفادہ کیا تھا ۔ ان علماء اور ادباء کا ، دور عباسیه میں علمی تحریک کو فروغ دینے میں بہت بڑا دخل تھا ۔ عام مسلمانوں اور دوسرے مذاھب کے لوگوں میں ثقافت پھیلانے میں اس لائبریری کا بہت اھم حصه تھا، علوم کی حوصله افزائی صرف خلفاؑ تک محدود نه تھی بلکه اس کا دائرہ وزیروں اور مملکت کے بڑے بڑے لوگوں تک وسیع تھا مسعودی[1] کا بیان ھے ۔ "یحیٰی بن خالد برمکی کو مباحثه اور مناظرہ سے بڑی دلچسپی تھی ۔ اس کے محل میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد ھوتی تھی، جس میں مسلمان اور دوسرے مذھبوں کے مناظرین اور متکلمین اکٹھا

---

١ ۔ مروج الذھب : جلد ٢ صفحه ٢٨٣ ۔

ہوتے تھے ۔ علمی ماحول کے فروغ میں اس کا بہت گہرا اثر پڑا تھا "۔

۳ ۔ تاریخ :

دی بور[1] کا بیان ہے "متقدمین عرب مؤرخین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں واقعات کی جزئیات سمجھنے کا غیر معمولی ملکہ حاصل تھا ، لیکن واقعات کو وہ مربوط طریقہ سے بیان کرنے پر قادر نہ تھے ۔ عربوں کی سلطنت کی وسعت کی وجہ سے تاریخ اور جغرافیہ کے لئے انہیں بڑا سواد مل گیا تھا ۔ آغاز اسلام میں عربوں کی اکثریت نوشت و خواند سے بے بہرہ تھی ، اس لئے مسلمانوں کی تاریخ مدون نہ ہوسکی ۔ اسلامی تاریخ کی تدوین ایک عرصے کے بعد ہوئی ۔ اس عبوری دور میں مشہور تاریخی واقعات اور احادیث نبوی کو عرب ایک دوسرے سے روائت کرتے رہے تھے۔ روایت میں تبدیلی اور تحریف ناگزیر تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعات میں ابہام پیدا ہوگیا اور اس ماحول اور زمان و مکان کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا، جس میں وہ واقعات پیش آئے تھے ۔ دوسری صدی هجری میں عربوں نے اپنی تاریخ کی طرف توجہ مبذول کی ۔ اس وقت یہ تاریخ دراصل مختلف منتشر اجزاء کی حیثیت رکھتی تھی ، جن کی ایک کڑی دوسری کڑی سے علحدہ تھی، اس دور میں جو تاریخیں مدون کی گئیں ، وہ مختلف مذھبی فرقوں کے رجحانات کا آئینہ تھیں، ہر فرقہ کوشش کرتا تھا کہ اپنے آپ کو بانس پر چڑھائے اور مخالف فرقہ کو تحت الثریٰ میں گرا دے "۔

---

۱ ۔ تاریخ الفلسفہ فی الاسلام : صفحہ ۸۰۔

تاریخ اسلامی کے ماخذ ، مختلف تھے - ان میں سب سے اھم ماخذ تاریخ نبوی کے ماخذ یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی تھے اور اسلامی شعرا کے اشعار کا وہ مجموعہ تھا جوآنحضرت ص کے دور سے زبان زد تھا - مثلاً حسان رح ''بن ثابت کے اشعار جنھوں نے آنحضرت ص کی شان اقدس میں بلند پایہ قصیدے لکھے تھے اور آنحضرت ص کے دشمنوں کی شدید ھجو کی تھی - اگرچہ بہت سے اشعار جو حضرت حسان رض بن ثابت کی طرف منسوب ھیں سچ پوچھئے تو وہ ان پر اتہام ھے -

مؤرخین کا بیان ھے کہ ابن مقفع نے ''کتاب خدائی نامہ'' یا ''کتاب الملوک'' پہلوی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کی تھی اور اس کا نام ''سیر ملوک عجم'' رکھا تھا - یہ کتاب عربوں کے نزدیک تاریخ کا ایک نمونہ خیال کی جاتی تھی - ھشام بن محمد کلبی (متوفی ۲۰۳ھ) اور ان کے والد محمد سب سے پہلے عرب مؤرخ تسلیم کئے جاتے ھیں، یہ دونوں مؤرخ روایات میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے -

سیرت ابن حشام (متوفی مصر ۲۱۸ھ) سیرۃالنبی کی سب سے مقدم کتاب خیال کی جاتی ھے ، اس کتاب کا اصل نام سیرت رسول اللہ ھے - اس تصنیف میں ابن ھشام نے تاریخی معلومات میں اپنے استاد ابن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ) سے مدد لی تھی[۱] - یہ کتاب آنحضرت ص کی حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ کا مکمل اور صحیح مرقع ھے اور آنحضرت ص نے اسلام پیلانے میں جو جد و جہد کی تھی ، اس کا پورا نقشہ پیش کرتی ھے - کہا جاتا ھے کہ

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۸۳ -

ابن اسحاق نے جن مقامات کو طول دیا تھا ابن ہشام نے انہیں مختصر کردیا تھا اور ابن اسحاق نے جن مقامات میں اختصار سے کام لیا تھا ، ابن ہشام نے انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے - ابن ہشام کی کتابوں میں "کتاب فی انساب حمیر و ملوکہا" اور ایک کتاب، ان غریب اور نادر اشعار کی تشریح میں ہے جو سیرت ابن ہشام میں جابجا آئے تھے[1] -

سیرت نبوی کے ماخذ میں "کتاب الطبقات الکبیر"[2] بھی امتیازی درجہ رکھتی تھی ہے ، جو محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ ۸۴۵ء) کی تصنیف ہے یہ ابن سعد، ابن سعد واقدی (متوفی ۲۱۸ھ) کے محرر تھے - یہ کتاب سیرۃ نبوی کے قابل وثوق ماخذوں میں شمار کی جاتی ہے - اگرچہ مشہور تھا کہ ابن سعد کا ، رجحان تشیع کی طرف ہے -

۴ - جغرافیہ :

عباسیوں کے دور اول میں تجارت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور دور دراز بحری اور بری علاقے تجارتی لحاظ سے عباسیوں کے دارالحکومت بغداد سے وابستہ ہوگئے تھے -

سفر کی تمام سہولتوں کا انتظام تھا، راستے پر امن تھے اس کی وجہ سے سیاح ، علوم کے طالب اور حقائق و معارف کے

---

۱ - ابن خلکان : جلد ۱ صفحہ ۲۹۰ -

۲ - یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے - یہ شہر لیڈن میں ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوئی - اسے مستشرق (Edward Sachau) سابق پرنسپل السنۂ شرقیہ برلن نے اپنے اہتمام میں چھپوایا تھا - ابن سعد نے دو جلدیں صرف سیرت نبوی پر لکھی ہیں -

پر ھاشمیہ رکھا تھا [1] ۔

(۱۳۶ھ — ۷۵۴ء) میں جب سفاح نے وفات پائی اور اس کا بھائی منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس وقت منصور نے ایک اور قصر کی تعمیر کی ، اس نے بھی اپنے قصر کا نام ھاشمیہ رکھا ۔ یہ ھاشمیة ثانیة یا ھاشمیة الکوفه کہلاتا تھا ۔ محل و قوع کے لحاظ سے یہ قصر کوفہ اور حیرہ کے درمیان واقع تھا ۔ حیرہ قدیم ایرانی شہر تھا جو دریائے فرات[1] پر آباد تھا ۔ کچھ عرصہ بعد منصور نے محسوس کیا کہ یہ مقام عباسیوں کے دارالحکومت کے لئے موزوں نہیں ھے کیونکہ وہ کوفہ سے قریب تھا جو اس زمانہ میں شیعوں کا مرکز اور ان کے داعیوں کا مستقر تھا ۔ دوسرے وھاں قبائل عربیہ کی فوجی چھاؤنی تھی جو ھمیشہ فتنہ و فساد اور شورشوں پر آمادہ رھتے تھے ۔ اس مقام پر منصور اپنی جان کی طرف سے بھی مطمئن نہ تھا ، کیونکہ شر پسند شہریوں سے اس کی فوج کا قرب اور اختلاط رھتا تھا جو فوج کو منصور کے خلاف بھڑکاتے رھتے تھے اور راوندیہ کے حادثہ کے بعد تو منصور کو اس مقام سے وحشت سی ھو گئی تھی ۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ اور اس کے قرب و جوار کے شہر صحراء عربیہ کی سرحد پر واقع تھے ، جہاں کے لٹیرے

---

۱ - یعقوبی : کتاب البلدان صفحہ ۲۷ - طبری جلد ۹ صفحہ ۱۷۴ -
۲ - ایک اور روایت کے مطابق ھاشمیة المنصور مدینہ ابن ھبیرہ کے قریب واقع تھا جو دریائے فرات پر کوفہ کے شمال میں واقع تھا۔ ایک قصر ابن ھبیرہ تھا اور ایک مدینہ ابن ھبیرہ تھا لیکن دراصل دونوں قصر ایک تھے - بات یہ تھی کہ قصر ابن ھبیرہ کے ارد گرد شہر آباد ھو گیا تھا حتیٰ کہ قصر ابن ھبیرہ مدینہ ابن ھبیرہ کہلانے لگا ۔

دریائے فرات کے مغربی ساحلی علاقوں پر غارت گری کرتے رہتے تھے -

۲ - مرکز سلطنت بنانے کے لئے بغداد کا انتخاب :

منصور نے اپنے لئے دارالحکومت بنانے کی ضرورت شدت سے محسوس کی - اس کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ جدید دارالحکومت ایسی جگہ بنایا جائے جو زرخیز ہو اور دجلہ کا پانی اور فرات کی نہریں اسے سیراب کرسکیں -

سلطنت کے مختلف علاقے رسل و رسائل کی سہولتوں کی وجہ سے دارالحکومت سے وابستہ ہوں اور معیشت کی ضروریات پوری طور پر مہیا ہوں - منصور نے اپنے نمائندوں اور گماشتوں کو اس غرض کے لئے روانہ کیا کہ وہ نئے دارالحکومت کے لئے کسی موزوں جگہ کا انتخاب کریں - ان نمائندوں نے ایک مقام کا انتخاب کیا جو موصل کے جنوب میں "پار ما" کے قریب واقع تھا - منصور اپنے امراء کے ساتھ موقع دیکھنے کے لئے روانہ ہوا اور اس مقام پر پہنچ کر وہاں رات بسر کی، جب صبح ہوئی تو اپنے امراء سے اس مقام کے بارے میں رائے لی، انہوں نے اس مقام کی آب و ہوا کی بہت تعریف کی، منصور نے جواب دیا یہ صحیح ہے کہ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار ہے لیکن اس جگہ رعایا کے لئے کوئی آسانی موجود نہیں ہے - منصور نے ان سے کہا کہ اس جگہ آتے وقت راستے میں ایک مقام پڑا تھا، جہاں سے بحری اور بری قافلے گزر رہے تھے، وہ مقام دارالخلافت بنانے کے لئے بہت موزوں ہے بشرطیکہ اس کی آب و ہوا بھی خوشگوار ہو، چنانچہ منصور اس جگہ واپس آیا

اور ایک دن اور ایک رات وھاں قیام کیا - یہ گرمیوں کا موسم تھا - منصور کو اس مقام کی آب و ھوا بہت پسند آئی اور محل وقوع کے لحاظ سے یہ جگہ اس کے معیار پر پوری اتری - اس کے بعد منصور نے اس نواح[1] کے باشندوں کو بلایا اور اس مقام کے بارے میں مختلف سوالات کئے ، مثلاً گرمی ، سردی اور برسات میں اس علاقہ کی کیا کیفیت رھتی ھے - ھر باشندے نے اپنے علم کے مطابق جواب دیا ، جس سے منصور مطمئن ھو گیا - اس کے بعد منصور نے کچھ آدمی بھیجے تا کہ وہ آس پاس علاقوں میں رات بسر کریں اور پھر اس کی مکمل رپورٹ دیں ، ان ساری معلومات کے بعد منصور نے بغداد کا مقام انتخاب کیا - خطیب بغدادی[۲] کے بقول اس علاقے میں ایک زراعتی فارم تھا ، منصور نے اس کے مالک کو بلایا جو ایک دیہاتی تھا اور اس سے اسی مقام کے بارے میں دریافت کیا ، اس نے اس مقام کی بے حد تعریف کی اور بتایا کہ یہ مقام چار علاقوں کے درمیان واقع ھے اور اس مقام سے وہ سب قافلے گزرتے ھیں جو شام ، الجزیرہ ، مصر ، ھند ، سندھ ، بصرہ ، واسطہ ، ارمینیہ اور آذربائیجان سے دجلہ ، فرات اور اس کی شاخوں کے راستے سے آتے جاتے ھیں -

ابن خلدون[۳] کا بیان ھے کہ بغداد کے دارالحکومت کے انتخاب میں منصور نے ان شرطوں کا خیال رکھا تھا جو دارالحکومتوں کے انتخاب کے لئے لازمی ھیں ، مثلاً جو شہر

1. Le Strange : Baghdad during the Abbasid Caliphate, p. 1 - 14.

۲ - کتاب تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۲۱ -

۳ - مقدمہ : صفحہ ۲۹۱ -

دارالحکومت بنایا جائے ، اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بلندی پر واقع ہو دریا اس کے ارد گرد بہتا ہو اور بغیر دریا عبور کئے شہر میں کوئی داخل نہ ہو سکتا ہو ، آب و ہوا معتدل اور خوشگوار ہو تاکہ امراض پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو ۔ زراعتی زمینیں قریب ہوں تاکہ لوگوں کے لئے غذائی انتظام کیا جا سکے ۔ ابن خلدون نے اپنی گفتگو کو ان الفاظ پر ختم کیا ”عربوں نے اپنے پچھلے دارالحکومتوں کے انتخاب کے وقت ان باتوں کا خیال نہیں رکھا تھا ، مثلاً انہوں نے کوفہ ، بصرہ اور قیروان کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا ۔ ان امور طبیعی کا لحاظ نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ بربادی کے اندیشۂ سے کبھی مطمئن نہ رہے تھے“ ۔

مؤرخین نے تعمیر بغداد کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ بغداد کے قریب ایک بستی دیر کے ایک راہب نے منصور کے ان گماشتوں سے پوچھا ، جو انتخاب مقام کے لئے گشت کر رہے تھے کہ کون شخص اس جگہ شہر بنوا رہا ہے ؟ اسے بتایا گیا کہ امیرالمومنین خلیفہ المنصور بنوا رہے ہیں ۔ راہب نے منصور کا نام پوچھا ، جواب دیا گیا عبداللہ ، راہب نے دریافت کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے ، اسے بتایا گیا کہ نام تو کوئی اور نہیں لیکن کنیت ابو جعفر اور لقب منصور ہے ۔ راہب نے ان گماشتوں سے کہا ، اسی شخص سے جا کر کہدو کہ اس شہر کی تعمیر کے لئے کیوں بے کار زحمت اٹھاتے ہو ۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اس جگہ شہر ایک شخص تعمیر کرے گا ، جس کا نام مقلاص ہو گا اور وہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا

انسان ہو گا ۔ اس کے سوا اور کوئی شخص اس جگہ شہر تعمیر نہ کر سکے گا ۔ منصور کے گماشتے منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے راہب کی گفتگو نقل کی ۔ منصور یہ گفتگو سن کر خوشی سے اچھل پڑا ۔ حاضرین نے وجۂ انبساط دریافت کی تو منصور نے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا ۔ ''بہ خدا میرا نام مقلاص تھا ایک زمانہ تک میرا یہ نام رہا تھا ۔ مقلاص دراصل ایک ڈاکو تھا جس کی ڈکیتی کے واقعات ضرب المثل تھے ۔ ہماری ایک انا تھی ایک دن مکتب کے لڑکے میرے پاس آئے اور انہوں نے بڑے اصرار کے ساتھ دعوت کا مطالبہ کیا ، میرے پاس اس وقت دعوت کے لئے کچھ نہ تھا اس لئے میں نے اپنی انا کی بکری بیچ دی اور اس کے داموں سے ان لڑکوں کی دعوت کی ۔ انا کو جب معلوم ہوا تو اس نے میرا نام مقلاص رکھ دیا ۔ ایک زمانہ تک میرا یہ لقب رہا تھا ۔ پھر رفتہ رفتہ لوگوں نے کہنا چھوڑ دیا تھا ۔ راہب کی اس گفتگو سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ شہر میں ہی تعمیر کروں گا [۱]'' ۔

۳ ۔ بغداد دارالخلافہ بننے سے قبل :

بغداد ، شہر بننے سے قبل ایک پرانا گاؤں تھا ، جسے بعض سلاطین فارس نے آباد کیا تھا اور دجلہ کے مغربی ساحل پر واقع تھا ، جہاں نہر صراۃ دجلہ میں گرتی ہے ۔ بغداد قدیم کے آثار طبری کے زمانہ تک باقی تھے ، جس نے ۳۱۰ھ میں[۲] وفات پائی

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۳۹ ۔ ۲۴۰ ۔ ابن الجوزی : مناقب بغداد صفحہ ۷ ۔ الفخری : صفحات ۱۱۷ ۔ ۱۱۸ ۔

۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۴۰ ۔

تھی - اسی طرح اس بازار کے نشانات بھی موجود تھے ، جہاں فارس اور چین کے تاجر تجارت کے لئے آتے تھے - مسلمانوں نے ۱۳ھ میں مثنی بن حارثہ شیبانی کی قیادت میں بغداد قدیم پر حملہ کیا تھا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا تھا [۱] -

موجودہ آثار قدیمہ کے محققین کی تحقیق بتاتی ہے کہ قدیم بغداد کا وجود تھا ، مثلاً لی سٹرینج Le Strange لکھتا [۲] ہے "آثار قدیمہ کا کھوج لگانے والے انگریز سر ھنری رولینسن کو، ۱۸۴۸ء میں ، جب دریائے دجلہ کا پانی خشک ھو گیا تھا ، پختہ اینٹوں کی ایک شہر پناہ کا سراغ ملا تھا - جو دجلہ کے مغربی کنارے پر نکلی تھی - اس شہر پناہ سے پتہ چلتا تھا کہ کسی زمانہ میں اس جگہ کوئی بڑا شہر آباد تھا - اینٹ کے ٹکڑے پر شہنشاہ بخت نصر کا نام و القاب اور اس کی جنگوں کا حال کندہ تھا - قدیم آشوری نقشے میں جو لفظ اس مقام کے لئے ملتا ھے وہ "بغداد" کا مترادف ھے"-

۴ - لفظ بغداد کا ماخذ :

بعض مؤرخین کا بیان ھے کہ بغداد کا کلمہ اصلاً فارسی ھے - یاقوت اور دوسرے لغویوں نے اس کے متعدد اشتقاق بتائے ھیں :

بغداد دو کلموں سے بنا ھے، باغ اور داد - باغ کے معنی سب جانتے ھیں، داد اس شخص کا نام تھا جس کا یہ باغ تھا -

(۲) بغ ایک بت کا نام تھا ، داد ماضی مطلق کا واحد غائب

---

۱ - خطیب بغدادی : تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۲۶ -

2. Le Strange : Baghdad during the Abbasid Caliphate. P. 9-10

ہے جس کے معنی ''اس نے دیا'' کہا جاتا ہے کہ کسریٰ نے مشرق کے ایک بت پرست کو یہ علاقہ جاگیر میں دیا تھا، اس بت پرست نے کہا بغ دادی یعنی دیوتا۔ ''بغ نے مجھے یہ دیا ہے'' نسائی کی روایت ہے کہ ایک شخص عبدالعزیز بن رواد کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا بغداد سے، عبدالعزیز نے کہا بغداد مت کہا کرو کیونکہ بغ ایک بت کا نام ہے، اسے مدینۃ السلام کہا کرو۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ بغداد ایک بازار تھا، جہاں چین کے تاجر آتے تھے۔ اور بہت نفع کماتے تھے۔ بغ چین کے بادشاہ کا نام تھا جب یہ تاجر اپنے شہروں کو لوٹتے تھے تو یہ خوش اعتقادی لے کر جاتے تھے کہ ''بغ‌داد'' یعنی بے شمار نفع بغ کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔

(۴) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل لفظ بغداذ تھا، جو فارسی سے معرب ہے اور باغ اور داذویہ سے مرکب ہے۔ داذویہ فارس کے ایک باشندہ کا نام تھا۔ تاریخ سے سراغ ملتا ہے کہ نواحی بغداد میں ایک باغ تھا جس کے مالک کا نام داذویہ تھا۔ لی سٹرینج Le Strange کی تحقیق ہے کہ یہ لفظ دراصل دو لفظوں سے مرکب ہے باغ Bagh بمعنی خدا اور داد Dadh بمعنی مؤسس یا اساس۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شہر جسے خدا نے تعمیر کیا۔

(۵) منصور نے اس کا نام مدینۃالسلام رکھا تھا، یہ نام بھی فارسی سے ماخوذ ہے۔ یاقوت کا بیان ہے۔ جدید بغداد کی تعمیر کے وقت قدیم بغداد کے آثار کچھ باقی تھے۔ قدیم بغداد

فارس کے سلاطین میں سے کسی نے تعمیر کیا تھا۔ لیکن تکمیل سے سے پہلے۔ یہ بادشاہ بیمار ہوگیا ۔ مصاحبوں نے نزع کے وقت اس سے پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا رکھا جائے ؟ اس نے بڑی حسرت سے جواب دیا تھا ”ھلیدوہوروز یعنی تمہیں سلامتی کے ساتھ اس شہر میں داخل ہونا نصیب ہو ۔ منصور کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے کہا اس کا نام مدینۃالسلام رکھتا ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بغداد کا نام مدینۃالسلام اس لئے رکھا گیا تھا کہ ’سلام‘ خدا کا نام ہے ، یعنی خدا کا شہر ۔ ایک وجۂ تسمیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک زمانہ میں نہر دجلہ کو وادی السلام کہا جاتا تھا ۔ اس لئے دجلہ کے قریب تعمیر ہونے کی وجہ سے اس کا نام بغداد رکھا گیا ، ابوالفرج کہتے تھے کہ اس کا نام مدینۃالسلام نہیں ہے بلکہ اصل نام مدینۃالاسلام ہے ۔

(٦) مسلمانوں کے دور میں بغداد کے مغربی حصہ کو زوراء (منحرف اور جھکا ہوا) بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اس جانب کی عمارتوں میں ایک جھکاؤ سا تھا۔ کہا گیا ہے کہ منصور نےجب بغداد کو آباد کیا تو بغداد کے داخلی دروازے بیرونی دروازوں سے کسی قدر جھکے ہوئے مختلف سمت میں بنوائے ۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد کو زوراء اس لئے کہتے تھے کہ جب دجلہ بغداد سے گزرتا تھا تو کسی قدر کترا کے گزرتا تھا ۔ مسعودی کا بیان ہے کہ بغداد کے باشندے منصور کے زمانہ میں بغداد کو زوراء و روحاء بھی کہتے تھے مشرقی جانب کو روحاء کہتے تھے کیونکہ وہاں دریائے دجلہ بہتا تھا جو وجہ سرور و انبساط تھا ۔

شروع زمانہ میں بغداد کو زوراء کہا جاتا تھا ۔ وجہ یہ تھی

کہ اس کی مساجد کی محرابیں جھکی ہوئی معلوم ہوتی تھیں ۔ اسے مدینہ مدور بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ایک دائرہ کی شکل میں آباد تھا ۔ دارالسلام کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا ، یعنی وہ جنت کا نمونہ تھا[1] ۔ بغداد کو مغداذ، مغداد ، اور مغدان[2] بھی کہا جاتا تھا ۔

۵ ۔ بغداد کو نقشہ کے مطابق آباد کرنا :

منصور نے اپنے نئے دارالحکومت کی تعمیر بغداد قدیم کے کھنڈروں پر شروع کی اور اس مقصد کے لئے شام ، موصل ، بصرہ ، کوفہ، واسط اور بلاد دیلم سے انجینئروں ، معماروں، مزدوروں، بڑھیوں ، لوھاروں اور کھدائی کا کام کرنے والوں کو بلوایا ، جن کی تعداد ایک لاکھ[3] کے قریب پہنچ گئی تھی اور ایک کمیٹی کا انتخاب کیا جس کے افراد کا علم و فضل اور دیانتداری مسلم تھی اور وہ ھندسہ اور حساب میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے ، مثلاً حجاج بن ارطاہ اور عمران بن وضاح ان اشخاص کو بڑی بڑی تنخواھوں پر مقرر کیا گیا اس کے بعد اینٹوں کے تھاپنے اور بھٹے لگانے کا حکم دیا گیا ۔ کہا جاتا ھے کہ منصور نے امام ابو حنیفہؒ کو منصب قضا پر مامور کرنے کا قصد کیا تھا لیکن امام ابو حنیفہؒ نے انکار کردیا تھا ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحات ۷۷ - ۷۸ ۔

۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۱۳۰ - ۱۳۲ ۔ خطیب بغدادی : تاریخ بغداد جلد ۱ صفحات ۵۸ - ۵۹ ۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے لفظ بغداد معجم البلدان اور لسان العرب میں ۔

۳ ۔ مؤرخین کی بیان کی ہوئی اس تعداد میں مبالغہ معلوم ھوتا ھے ۔(حسن ابراھیم)

منصور نے قسم کھائی تھی کہ امام ابو حنیفہ رح کو کسی نہ کسی منصب پر ضرور ماسور کروں گا ۔ امام ابو حنیفہ رح نے قسم کھائی تھی کہ میں کوئی عہدہ قبول نہیں کروں گا ۔ کہا جاتا ہے کہ منصور نے اپنی قسم پوری کرنے کے لئے امام ابو حنیفہ رح کو تعمیر بغداد کی نگرانی کے کام پر لگایا تھا ۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ جب سے منصور کو یہ معلوم ہوا تھا کہ امام ابو حنیفہ رح کا رجحان محمد بن عبداللہ علوی (نفس زکیہ) کی تحریک کی طرف ہے اس وقت سے وہ امام ابو حنیفہ رح کو کسی نہ کسی عہدے پر مقرر کرنا چاہتا تھا ۔ چنانچہ جب تعمیر بغداد کا کام شروع ہوا تو اس نے انہیں اینٹوں کے گننے اور تعمیر کے کام کی نگرانی پر ماسور کر دیا ۔ اس موقع پر امام ابو حنیفہ رح نے اینٹوں کو شمار کرنے کا آسان طریقہ ایجاد کیا یعنی اینٹوں کے تہ بہ تہ ڈھیروں کو طول و عرض و عمق میں ناپ کر تعداد کا صحیح اندازہ لگا لیتے تھے ۔

بغداد کا سنگ بنیاد منصور نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا ، اس وقت یہ الفاظ کہے تھے "بسم اللہ ! الحمد للہ زمین خدا کی ہے ۔ اپنے بندوں میں سے جسے وہ چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے" ۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اب تعمیر شروع کرو ، خدا برکت دے[1] ۔

یاقوت کا بیان ہے کہ منصور نے بغداد کی اساس اس ساعت میں رکھی تھی ، جسے نجومیوں نے سعد بنایا تھا ۔ ابو سہل بن نوبخت کا بیان ہے کہ منصور نے جب بغداد کی

---

۱ ۔ یعقوبی : کتاب البلدان صفحات ۲۳۸ - ۲۴۰ - طبری جلد ۹ صفحہ ۲۴۱ ۔

بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا تھا ، اس وقت مجھے حکم دیا کہ میں طالع معلوم کروں - میں نے حکم کی تعمیل کی اور جب طالع ، شمس میں اور شمس ، قوس میں تھا ، اس وقت میں نے منصور کو بتایا کہ ستاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ساعت میں جو بنیاد رکھی جائیگی وہ ایک طویل مدت تک قائم رہے گی ، آبادی سے معمور ہوگی اور مرجع خلائق بنے گی - اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین ! ایک بات اور بتاتا ہوں جس سے آپ کو بڑی خوشی ہو گی - منصور نے پوچھا وہ کیا بات ہے ؟ میں نے جواب دیا، ستاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر میں کبھی کسی خلیفہ کی موت واقع نہیں ہو گی - یہ سن کر منصور مسکرایا اور کہا الحمدللہ علیٰ ذالک اور یہ آیت پڑھی ، " یہ خدا کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور خدا بڑے فضل والا ہے " - (ترجمہ)

یہ پیشین گوئی ٹھیک نکلی اور کسی عباسی خلیفہ کی موت بغداد میں واقع نہیں ہوئی - منصور نے حج کے دوران میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا - اس کے بیٹے مہدی کا انتقال ماسبذان میں الرذ کے مقام پر ہوا - مہدی کے بیٹے ہادی کی وفات عیسباذ میں ہوئی تھی ، جو بغداد کے مشرق میں ایک آبادی تھی - ہارون رشید نے طوس میں دنیا کو خیر باد کہا - امین بغداد کے مشرق میں قتل کیا گیا تھا - مامون نے البذندون میں انتقال کیا تھا ، جو شام میں مصیصہ کے نواح میں واقع ہے - معتصم ، واثق ، متوکل ، منتصر اور باقی خلفاء نے سامرا میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا - مابعد کے خلفاء التاج میں منتقل ہو گئے تھے جو بغداد کے مشرق میں واقع تھا -

منصور نے بغداد کی تاسیس کے موقع پر بہت بڑا جشن منعقد کیا جس میں دولت عباسیہ کے امراء، وزراء، فوجی جرنل، علماء اور بڑے بڑے لوگ شامل ہوئے۔ طبری اور دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور نے بغداد کی تعمیر سے پہلے اس کا تفصیلی نقشہ بنوایا اور اس نقشہ کے مطابق خطوط کھینچے گئے تھے، پھر بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کیا گیا۔ یہ ۱۴۵ھ کا ذکر ہے[1]۔

منصور نے بغداد کو مدور شکل میں بنوایا تھا اور اپنے محل اور جامع مسجد کو شہر کے وسط میں تعمیر کرایا تھا تاکہ شہر میں ان دونوں چیزوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ شہروں کی تعمیر میں مسلمانوں کی یہ ایک جدت تھی، جسے غالباً انہوں نے ایرانیوں سے سیکھا تھا[2]۔

منصور نے اپنے قصر اور مسجد جامع کے ارد گرد کوئی اور عمارت نہیں بنوائی، صرف ایک عمارت باڈی گارڈز یا محافظ دستہ کے لئے باب شام کی جانب واقع تھی یہ ایک بہت وسیع سقیفہ (سائبان) تھا جس کے ستون پختہ اینٹوں اور چونے کے تھے۔ اس میں ایک مکان پولس کے سب سے بڑے افسر کے لئے خاص تھا اور دوسرا مکان چیف باڈی گارڈ کا تھا۔ اس سقیفہ کے آس پاس منصور نے اپنی کم عمر اولاد اور ان کے خدمتگاروں کے لئے مکانات بنوائے تھے۔ ان مکانات کے ارد گرد امراء، سلطنت کے ممتاز اشخاص کے مکانات، حکومت کے دفاتر اور عام لنگر خانہ تھا۔ دفاتر کے آس پاس، شہریوں کے مکانات کا سلسلہ تھا جن

۱۔ طبری: جلد ۹ صفحہ ۲۴۱۔

2. Lie Strange : p. 18.

کے درمیان میں بازار تھے - شہر بغداد کے لئے چار بڑی شاھراھیں بنوائی گئی تھیں جن سے بغداد کی دوسری شاھراھیں مل جاتی تھیں - ان شاھراھوں سے اور مختلف سڑکیں ملتی تھیں[1] -

منصور کو جب بغداد کی تعمیر کا تفصیلی نقشہ معلوم ہو گیا تو اس نے فصیل بنوانا شروع کر دی - لیکن ابھی قد آدم دیواریں بنی تھیں کہ اسی اثنا میں منصور کو اطلاع ملی کہ مدینۂ منورہ میں محمد نفس زکیہ نے بغاوت کر دی - منصور نے ان کی بغاوت فرو کرنے کی طرف توجہ مرکوز کر دی اور تعمیر کا کام رک گیا - یہ ۱۴۵ھ کا ذکر ھے -

۶ - تعمیر بغداد کی تکمیل :

منصور نے علویوں کی بغاوت کے استیصال کے بعد بغداد کی تکمیل کم سے کم[2] مدت میں کرنے کا عزم کیا اور پہلے شہر بغداد کی دو شہر پناھیں بنوانے کا حکم دیا - ایک داخلی شہر پناہ جس کا نچلا حصہ پچاس ھاتھ چوڑا اور بالائی حصہ بیس ھاتھ چوڑا رکھا گیا - خارجی شہر پناہ کا بالائی حصہ تیس ھاتھ چوڑا اور نچلا حصہ داخلی شہر پناہ کے برابر یعنی پچاس ھاتھ چوڑا رکھا گیا - لیکن داخلی شہر پناہ کی طرح اس میں کوئی برج یا دیدبان نہیں تھا[3] - خارجی شہر پناہ کے ارد گرد گہری خندق تھی - جس میں ان نہروں کا پانی جاری رہتا تھا ، جو نہر

---

۱ - تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۶ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۴۱ -
۳ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۴۰ -

کرخایا سے نکلتی تھیں - خارجی شہر پناہ کی بنیاد چونے اور پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی اور اس کے اوپر ۱۶۳ برج تھے - ہر برج پانچ فٹ[1] اونچا تھا -

خارجی شہر پناہ کے چار پھاٹک تھے - ہر پھاٹک کے اندر ایک اور پھاٹک تھا - ان پھاٹکوں میں سے ایک کا نام باب الکوفہ تھا جو جنوب مغرب میں تھا - دوسرے کا نام باب البصرہ تھا جو جنوب مشرق میں تھا - یہ دونوں پھاٹک صراۃ کی نہروں کے محافظ تھے - تیسرا پھاٹک باب الخراسان کے نام سے موسوم تھا اور وہ شمال مشرق میں تھا اور دریائے دجلہ پر واقع تھا - اس پھاٹک تک بڑی بڑی کشتیوں کے ذریعے پہنچا جا سکتا تھا - باب الخراسان کو باب الدولہ بھی کہتے تھے کیونکہ خراسان سلطنت عباسیہ کا قوت بازو تھا - چوتھے پھاٹک کا نام باب الشام تھا جو شمال مغرب میں واقع تھا - اس پھاٹک تک انبار کے راستہ سے پہنچا جا سکتا تھا[2] -

شہر بغداد کا قطر ، باب خراسان سے باب کوفہ تک ۲۲۰۰ ہاتھ تھا اور باب بصرہ سے باب شام تک بھی اتنا ہی تھا اس شہر پناہ کے اوپر برجیاں تھیں - ہر برجی پانچ ہاتھ اونچی تھی اور ہر برجی میں کلس لگے ہوئے تھے - خارجی اور داخلی شہر پناہوں کے درمیان ٦۰ ہاتھ کا فاصلہ تھا اس فاصلے کو فصیل کہتے تھے اور خارجی شہر پناہ کو سور الفصیل بھی کہتے تھے - اس کے ارد گرد خندق تھی - داخلی شہر پناہ کو سور المدینہ بھی کہتے تھے -

---

۱ - یعقوبی : کتاب البلدان : صفحہ ۲۳۹ -
۲ - خطیب بغدادی : تفریخ بغداد جلد ۱ صفحات ۷۰ - ۷۴ -
Le Strange p. 17 - 19.

جعفریہ اینٹ کا وزن ۱۱۷ رطل تھا - یعقوبی[1] کا بیان ہے کہ پوری مربعہ اینٹ جس کا طول ایک ہاتھ اور عرض ایک ہاتھ اور وزن میں دو سو رطل تھی اور نصف اینٹ (ادھا) کا طول ایک ہاتھ اور عرض نصف ہاتھ تھا - اس کا وزن ایک سو رطل تھا - کتاب مناقب بغداد کے مصنف کا بیان ہے کہ اس تعمیر میں جو اینٹیں استعمال کی گئیں وہ کچی اور پختہ دونوں قسم کی اینٹیں تھیں - خارجی اور داخلی شہر پناہوں کے پھاٹکوں کے درمیان دھلیزیں اور کھلی جگہ تھی - پہلے پھاٹک کو باب الفصیل اور دوسرے کو باب المدینہ کہا جاتا تھا ، مثلاً جب کوئی شخص باب الخراسان سے داخل ہوتا تو اپنی بائیں جانب دھلیز کی محراب کی طرف مڑتا جو پختہ اینٹوں اور چونے سے بنی تھی - جس کا طول تیس ہاتھ اور عرض بیس ہاتھ تھا ، اس طرح وہ دوسرے دروازے تک پہنچ جاتا تھا جس کا طول ساٹھ ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ تھا - داخل ہونے والے کے دائیں بائیں دو دروازے پڑتے تھے ایک ایمن جس سے باب شام کی فصیل تک پہنچتے تھے - دوسرا ایسر جس سے باب بصرہ کی فصیل تک پہنچتے تھے - باب بصرہ سے باب کوفہ کی طرف گھومتے تھے اور باب شام سے گزرتے ہوئے باب کوفہ تک پہنچتے تھے اور چاروں پھاٹک فصیلوں ، درمیانی وسعتوں اور طاقوں کے لحاظ سے ایک جیسے تھے - لیکن الباب الداخلی یا باب المدینہ سے جب داخل ہوتے تھے تو ایک دھلیز میں نکلتے تھے جس کی لمبائی بیس ہاتھ اور چوڑائی بارہ ہاتھ تھی -

طبری کا بیان ہے کہ منصور ان پھاٹکوں میں سے پانچ

---

۱ - یاقوت حموی : کتاب معجم البلدان لفظ بغداد -

پھاٹک شہر واسط سے لایا تھا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ شہر زند و رد[1] کے پھاٹک تھے ، جسے حضرت سلیمان علیہ‌السلام نے بنوایا تھا ۔ یہ پھاٹک حجاج بن یوسف ثقفی نے حاصل کئے تھے ۔ اس شہر کے کھنڈر طبری نے ۳۰۰ھ کے لگ بھگ دیکھے تھے ۔ منصور نے باب خراسان میں وہ پھاٹک لگوایا ، جسے وہ بلاد شام سے لایا تھا ۔ مشہور تھا کہ یہ فراعنہ نے بنوایا تھا ۔ باب کوفہ پر وہ پھاٹک لگوایا جسے وہ کوفہ سے لایا تھا اور جو خالد بن عبداللہ قسری کا بنوایا ہوا تھا ۔ باب شام کا پھاٹک بغداد میں بنوایا گیا تھا اور یہ سب سے کمزور پھاٹک تھا ۔ ان پھاٹکوں کے اوپر ایک ایک نشست گاہ تھی ، جس پر ایک اونچا گنبد تھا اس نشست گاہ میں تفریح کے لئے منصور جلوہ فرما ہوتا تھا اور خراسان ، شام ، بصرہ ، کوفہ سے آنے والے قافلوں کا منظر دیکھتا تھا ۔

منصور نے بغداد میں اپنا قصر تعمیر کرایا تھا جسے ''قصرالذھب'' کہا جاتا تھا ۔ قصر کے سامنے جامع مسجد بنوائی تھی، قصر کی وسعت ایک لاکھ ساٹھ ہزار مربع فٹ تھی اور جامع مسجد کی وسعت چالیس ہزار مربع فٹ تھی ۔ قصر اور جامع مسجد شہر کے عین وسط میں واقع تھے ۔ داخلی شہر پناہ سے چار بڑی شاہراھیں نکلتی تھیں جو خندق تک پہنچتی تھیں ان شاھراھوں کے دونوں طرف بڑی شاندار ایک جیسی عمارتیں تھیں ۔ شروع میں جنرلوں کے گھروں کے دروازے جامع مسجد کی چھت سے کچھ اونچے تھے، لوگوں نے منصور سے اس امر

---

۱ - نسطوریوں کے ایک بت خانے کا نام تھا جو شہر بغداد کے مشرق میں واقع تھا ۔

کی شکایت کی، منصور نے حکم دے دیا کہ یہ دروازے جامع مسجد کی چھت سے نیچے کر دے جائیں ۔ شہر کی ایک طرف چھوٹے چھوٹے مکان بنوائے گئے تھے ۔ جن کی تعداد ۳۰ تھی ۔ ان کی چوڑائی پچیس ھاتھ اور لمبائی دو سو ھاتھ تھی ۔ شہر کے ہر پھاٹک کی حفاظت کے لئے ایک فوجی افسر رھتا تھا ، جس کے ماتحت ایک ہزار سپاھی[1] ہوتے تھے ۔

شہر بغداد کی شاھراھوں کے آخری سرے سے قصر خلیفہ صاف نظر[2] آتا تھا ۔ بغداد میں بڑی تیزی سے علماء ، تاجروں اور صنعت گروں کی ریل پیل ھو گئی ۔ آبادی کی کثرت کی وجہ سے منصور نے بغداد کے باھر خوشگوار آب و ھوا میں ایک اور محل تعمیر کرایا ، جس کا نام قصر خلد رکھا تھا یہ قصر ۱۵۷ھ میں بنوایا گیا تھا [3] ۔

ان تعمیرات پر منصور کو بہت بڑی رقم خرچ کرنا پڑی تھی ۔ مصارف کی کثرت سے گھبرا کر وہ سوچنے لگا تھا کہ فارس کے قدیم دارالحکومت مدائن کا ملبہ اپنے جدید دارالحکومت کی تعمیر میں لگایا جائے ۔ اپنے وزیر خالد بن برمک سے مشورہ کے طور پر پوچھا تھا کہ کیوں نہ ایوان کسریٰ کو منہدم کرا کے اس کا ملبہ بغداد کی تعمیر میں صرف کیا جائے ۔ خالد بن برمک نے منصور کو اس اقدام سے روکا تھا ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷٦ ۔

۲ ۔ ابن رستہ : الاعلاق النفیسہ صفحہ ۱۰۸ ۔

۳ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۵ ۔ معجم البلدان لفظ بغداد ۔

۷ - جاگیریں اور بغداد کی مضافاتی بستیاں :

جب منصور بغداد کی تعمیر سے فارغ ہوا تو اپنے ارکان سلطنت کو جاگیریں دیں - اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ بغداد سے آبادی کا دباؤ کم ہو جائے اور دوسرا مقصد ان ارکان کی خدمات جلیلہ کا صلہ دینا تھا ، اسی طرح ابن طولون نے مصر میں کیا تھا اور مدینۃالقائع (یعنی جاگیروں کا شہر) کی اساس رکھی تھی - یہ اس وقت کیا تھا ، جب فسطاط اور عسکر کے شہروں میں اس کے غلاموں، خادموں اور فوجیوں کے لئے گنجائش نہیں رہی تھی - غرض منصور نے ایک ایک جاگیر ایک ایک گروہ کو دی ، یہ جاگیریں آبادی کی کثرت سے معمور ہو گئیں - ہر جاگیر ، جاگیردار کے نام سے یا اس گروہ کے نام سے موسوم ہو گئی ، جو اس میں آباد تھا - ان میں سے اہم جاگیریں یہ تھیں - ”جاگیر عباس بن محمد“ (بن عبداللہؓ بن عباس) یہ جاگیر صراۃ پر واقع تھی - ”جاگیر صحابہ“ جس میں تمام قبائل عرب مثلاً قریش ، انصار ربیعہ اور مضر کی آبادی تھی - یہ جاگیر بھی صراۃ پر واقع تھی - ”جاگیر ربیع بن یونس“ (منصور کا آزاد کردہ غلام) جس میں خراسان کے بزاز آباد تھے - اور ”جاگیر صالح بن منصور“ [۱] بغداد کی جاگیریں بڑی تیزی سے آبادی سے معمور ہو گئیں - حتیٰ کہ جب عباسیوں کا دارالحکومت معتصم کے دور میں بغداد سے سامرا منتقل ہو گیا تھا اس وقت بھی بغداد کی تجارتی ہماھمی اور علمی سرگرمیوں پر کوئی خاص اثر نہ پڑا تھا -

یعقوبی نے بغداد کے محلوں اور گلیوں کی تفصیل بیان کی

---

۱ - یعقوبی کتاب البلدان صفحات ۲۴۲-۲۵۲
امین زگی : عمران بغداد صفحات ۳۷—۳۸

ہے ۔ اس میں سکۃالشرطہ اور سکۃالمطبق بہت مشہور تھیں ۔ اسی میں مطبق کا جیلخانہ بھی واقع تھا ۔ سکۂ ابوحنیفہ، سکۂ ربیع اور سکۂ مؤذنین بھی مشہور تھے ان محلوں اور گلیوں (Streets) کی تعداد چھ ہزار تھی، بغداد میں حماموں کی تعداد دس ہزار تھی ۔ یعقوبی اور ابن رستہ دونوں نے بغداد کی مسجدوں کی تعداد تیس ہزار بیان کی ہے جو مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا ۔ ابن رستہ نے لکھا ہے کہ جنوبی بغداد یعنی کرخ، مشرقی بغداد یعنی رصافہ سے وسعت اور آبادی میں دوگنا تھا ۔

منصور نے بغداد کی نواحی بستیوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا ، ہر بستی کا ایک رئیس یا سردار مقرر کیا گیا تھا جس کا فرض تھا کہ وہ بازار کا انتظام اور اس کی نگرانی کرے، سڑکوں اور گلیوں کی مرمت اور صفائی کا انتظام کرے، نقشہ کے مطابق مکانات کی تعمیر کرانا بھی اس کے فرائض میں داخل تھا ۔ سڑکوں اور گلیوں کا نام اس محلہ کے سربراہ یا کسی مشہور شخصیت کے نام پر رکھا جاتا تھا ۔ جس طرح موجودہ زمانہ میں میونسپلٹی اور کارپوریشن سڑکوں اور گلیوں کا نام شہر اور محلہ کے ممتاز افراد کے نام پر رکھتی ہے ۔ یہ نئی آبادیاں بڑی تیزی سے آبادی سے معمور ہو گئیں اور ان میں کثرت سے مساجد اور حمام[1] قائم ہو گئے ۔

اب میں رصافہ کا ذکر کرونگا جو دجلہ کے مشرق میں واقع تھا اور کرخ کا تذکرہ کروں گا ، جسے منصور نے تعمیر کیا تھا اور بغداد کے جنوبی حصہ میں واقع تھا ۔

---

۱ ۔ یعقوبی کتاب البلدان صفحات ۲۴۰ ۔ ۲۴۹ ۔

۸ - رصافه :

بغداد کی تعمیر سے منصور کی غرض یه تھی که خارجی دشمن سے تحفظ اور دفاع کا انتظام کیا جائے - لیکن اگر اندرون بغداد فوج بغاوت کر دے یا عوام شورشیں برپا کر دیں اس وقت دفاع اور تحفظ کا کوئی انتظام نه تھا - منصور اپنے دور کے سیاسی حالات کی وجه سے اندرون بغداد قیام سے اپنی جان کے لئے خطره محسوس کرتا تھا - اسے اندیشه تھا که مبادا اندرون شہر کوئی شورش اٹھ کھڑی ہو اور قصرالذہب کے دروازه پر متعین فوج شورش پسندوں سے مل جائے ، اس وقت اس کی جان کے لئے سخت اندیشه پیدا ہو سکتا ہے ، اس سیاسی ماحول میں ایک رکن سلطنت نے منصور کو مشوره دیا که وه رصافه کی تعمیر کرے اور اپنے بیٹے مہدی کے لئے بغداد کے مشرقی جانب ایک قصر بنوائے اور اس علاقے میں ایک فوج رکھے اور لوگوں کو آباد کرے ، حتیٰ که وه ایک شہر کی صورت اختیار کر لے اگر کسی وقت شہر بغداد میں آپ کے خلاف کوئی شورش اٹھ کھڑی ہو تو اس شہر کے باشندوں کے ذریعه اسے فرو کر دیا جائے اور اگر اس شہر میں کوئی فتنه اٹھ کھڑا ہو تو اس شہر کے باشندوں کی مدد سے اسے دبا دیا جائے - مثلاً اگر قبیله مضر بغاوت کرے تو اس کا استیصال یمنیوں ، ربیعه اور خراسانیاں کے ذریعه کر دیا جائے اور اگر یمنی بغاوت کردیں تو مضریوں وغیره کے ذریعه اس کا قلع قمع کیا جائے - منصور نے یه مشوره قبول کیا اور رصافه کی تعمیر شروع کر دی -

رصافه کی تعمیر دراصل ایک فوجی چھاؤنی کی حیثیت سے کی

گئی تھی اور اس کا نام رصافۃ بغداد رکھا گیا تھا - بغداد شرقیہ کے نام سے بھی وہ موسوم تھا کیونکہ وہ بغداد کے مشرق میں واقع تھا - منصور نے رصافہ کے گرد خندق کھدوائی تھی- رصافہ میں ایک بہت وسیع میدان تھا، ایک مسجد تھی اور ایک باغ تھا اور وہاں نہریں جاری کی گئی تھیں - رصافہ کی تکمیل مہدی کے دور خلافت میں ۱۵۹ھ میں ہوئی تھی[1] -

رصافہ بڑی تیزی سے آباد ہوگیا حتیٰ کہ وسعت میں وہ قریب قریب بغداد کے برابر ہوگیا - اس میں باغ تھے ، پارک تھے ، وسیع میدان تھے ، بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور تفریح کے متعدد انتظامات تھے -

یعقوبی[2] کا بیان ہے کہ رصافہ میں چار ہزار چھوٹی بڑی سڑکیں ، پندرہ ہزار مسجدیں اور پانچہزار حمام تھے - لیکن میری رائے میں یہ اعداد و شمار مبالغہ سے خالی نہیں ہیں -

بغداد[3] کے باشندوں نے بغداد کے مشرقی جانب کثرت سے عمارتیں بنوائیں، جس کا نام رصافہ تھا - اس میں محلات اور عظیم الشان عمارتیں بنوائیں ، بازار قائم کئے گئے، بڑی مسجدیں اور حمام بنوائے ہارون رشید اور برامکہ کی توجہات سے بہت پر رونق ہو گیا تھا حتیٰ کہ زوراء (بغداد) اس کے مقابلہ میں پرانا شہر شمار ہونے لگا تھا اور ساری رونق اور چہل پہل رصافہ میں سمٹ آئی تھی -

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۲ - ابن اثیر : جلد ۵ صفحہ ۲۸۶ -
۲ - کتاب البلدان : صفحات ۲۵۳ - ۲۵۴ -
۳ - حضارۃالاسلام فی دارالسلام صفحات ۹۲—۹۳ -

بغداد اور رصافه بہت وسیع ہوگئے تھے ، رصافه[1] کی حیثیت ایک چھوٹے شہر کی تھی اور بغداد اس دور کے عظیم ترین شہروں میں شمار کیا جاتا تھا ۔ اس کے باشندوں کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی ۔ بغداد میں مختلف فنون نے بڑی ترقی کی تھی ۔ اس زمانه میں وہ سارے ممالک اسلامیه کا علمی اور ثقافتی مرکز تھا ۔

۹ - کرخ :

پہلے مختلف بازار بغداد کے اندر ھی تھے ۔ ایک بار روم کا ایک بطریق منصور کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ منصور نے اپنے حاجب ربیع بن یونس سے کہا کہ وہ اس بطریق کو بغداد کی سیر کرائے اور اسے شہر کی فصیل پر بھی چڑھائے تاکہ وہ دارالحکومت کی رونق اور آبادی کا پوری طرح اندازہ کر لے ۔ سیر

---

۱ ۔ معجم البلدان میں ہے کہ رصافه مختلف تھے ۔ در اصل وہ شہر سے ملحق نئی بستیاں ہوتی تھیں ۔ مثلاً رصافۂ بصرہ ، رصافۂ شام رصافۂ نیشا پور (جو سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو جاگیر میں دیا تھا) ۔ رصافۂ ھشام بن عبدالملک (جو رقه کے مغرب میں تھا اسے زوراء بھی کہتے تھے جہاں ھشام موسم گرما میں رھتا تھا) ۔ رصافۂ واسط ، رصافۂ ابوالعباس سفاح (جو انبار میں تھا)۔ رصافۂ قرطبه جسے عبدالرحمان الداخل بن معاویه بن ھشام بن عبدالملک نے بنوایا تھا اور رصافۂ بغداد ، رصف کے معنی ملحق کرنے کے ھیں اور اسی لئے ملحق یا مضافاتی آبادیوں کو رصافه کہنے لگے ۔

کرنے کے بعد بطریق جب منصور کی خدمت میں حاضر ہوا تو منصور نے اس سے پوچھا، میرا شہر کیسا ہے ؟ بطریق نے جواب دیا، امیرالمومنین آپ نے جو مہتمم بالشان تعمیر کی ہے ، اس سے پہلے ایسی تعمیر کسی نے نہیں کی، لیکن اس میں تین عیب ہیں -

پہلا یہ کہ دریا سے دور واقع ہے اور لوگوں کے لئے پانی کی افراط کی ضرورت ہے - دوسرا عیب یہ ہے کہ سبزہ نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور شہر میں سبزہ نظر نہیں آتا ہے - تیسرا عیب یہ ہے کہ آپ کی رعایا بھی آپ کے ساتھ اسی شہر میں آباد ہے اور جب رعایا سلطان کے ساتھ آباد ہو تو کوئی راز ، راز نہیں رهتا ، افشاء ضرور ہو جاتا ہے - اس گفتگو سے منصور اپنے شہر کے عیوب و نقائص سے واقف ہوگیا لیکن اس نے بطربق کے سامنے اعتراف کرنا کسر شان خیال کیا اور اسے یہ جواب دیا - جہاں تک پانی کا تعلق ہے وہ آبادی کے لئے بہت کافی ہے اگر سبزہ کی کمی ہے تو یہ کوئی عیب نہیں ہے ، کیونکہ میں نے یہ شہر لہو و لعب اور تفریح کے لئے نہیں بنوایا ہے ، رہے سلطنت کے راز تو میں کوئی راز اپنی رعایا سے راز نہیں رکھتا - لیکن جب بطریق قصر سے رخصت ہو گیا تو منصور نے فوراً شمیس اور خلاد کو بلوایا اور انہیں حکم دیا کہ دجلہ سے دو نہریں نکالی جائیں، عباسیہ میں باغات لگوائے جائیں اور لوگوں کو کرخ کی طرف منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے [1]-

١٥٧ھ میں ربیع بن یونس بغداد کی جنوبی جانب کرخ کی تعمیر پر مامور کیا گیا اور اس کی تعمیر منصور کی خاص آمدنی

---

١ - تاریخ بغداد : جلد ١ صفحات ٧٨ - ٧٩ - یاقوت معجم البلدان (لفظ بغداد) -

سے شروع کی گئی اور بغداد کے بازار وهاں [١] منتقل کر دئے گئے -

منصور نے بغداد کی شاهراهوں کو وسیع کیا اور هر شاهراه کی چوڑائی چالیس هاتھ کردی - کرخ میں هر قسم کے بازار قائم کئے هر بازار کے لئے مخصوص جگه مقرر کی گئی تھی - ایک جامع مسجد بنوائی گئی تا که اهل بازار وهاں نماز پڑھیں اور شہر میں نه آئیں - کرخ کی نگرانی اور انتظام کے لئے اپنے آزاد کرده غلام وضاح کو ماسور کیا ، جس نے هر حرفه کے لئے ایک مخصوص جگه مقرر کر دی تھی جیسا که موجوده زمانه میں بڑے شہروں میں دستور هے - کرخ کے بازار ، نہر صراة اور نہر عیسیٰ کے ما بین ، بغداد کی جنوبی سمت میں بنوائے [٢] گئے تھے تا که کرخ کیلئے زمین کی وسعت کی وجه سے صنعت و حرفت کا مرکز بننے میں کوئی رکاوٹ حائل نه هو - جب بغداد کی آبادی بہت پھیل گئی اس وقت کرخ بغداد کے وسط میں آگیا تھا [٣] -

منصور نے اپنے شہر کی تنظیم اور شاهراهوں اور سڑکوں کی صفائی اور نفاست کی طرف پوری توجه دی تھی، چنانچه مہتر روزانه سڑکوں پر جھاڑو دیتے تھے اور کوڑا کرکٹ شہر سے باهر ڈالتے تھے شہر کی سڑکوں پر باقاعده چھڑکاؤ کیا

---

١ - طبری (جلد ٩ صفحات ٢٦٢ - ٢٦٣) نے کرخ میں بازاروں کو منتقل کرنے کا ایک سبب یه بھی لکھا هے که بازاروں سے بے تحاشا دھواں اُٹھتا تھا جس سے بغداد کی دیواریں کالی پڑ گئی تھیں اور منصور کو یه نا گوار گزرا تھا -

٢ - امین زکی : عمران بغداد صفحه ١٠٨ -

٣ - یعقوبی : کتاب البلدان صفحه ٢٥٤ -

جاتا تھا ، چھڑکاؤ کے لئے خچروں کی پشت پر مشکیں لائی جاتی تھیں لیکن منصور نے یہ انتظام ناکافی خیال کیا اور بغداد میں نہریں جاری کرا دی تھیں جو اس کے قصر سے ٹکراتی تھیں -

۱۰ - تعمیر بغداد کے مصارف :

بغداد کی تعمیر پر کثیر دولت صرف ہوئی تھی - منصور نے بغداد کے استحکام اور مضبوطی کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، اس کا مقصد بڑے بڑے دارالحکومتوں اورخصوصاً روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ سے شان و شوکت اور جاہ و جلال میں مقابلہ تھا- بغداد کی تعمیر اور شہر پناہوں ، پھاٹکوں ، قصر ، جامع مسجد ، بازاروں ، گنبدوں، فصیلوں اور خندقوں وغیرہ کی تعمیر پر طبری کے بیان کے مطابق اڑتالیس لاکھ تینتیس ہزار درھم صرف ہوئے تھے جر تقریباً چار لاکھ دینار یا دو لاکھ گنی کے لگ بھگ تھے - طبری کی دوسری روائت [1] کے مطابق بغداد کی تعمیر کے اخراجات ایک کروڑ اسی لاکھ دینار تھے جو تقریباً نوے لاکھ گنی کے برابر ہوتے ھیں - خطیب بغدادی نے بھی طبری کی تحقیق کی بنیاد پر کم و بیش مصارف کی یہی مقدار بیان کی ھے - لی اسٹرینج (Le Strange) نے طبری کی دوسری روائت کو ترجیح دی ھے - اس کا کہنا ھے کہ جب ھم ان مصارف کا تصور کرتے ھیں جو شہر کی تعمیر پر ، باغات لگانے پر ، نہریں نکالنے پر، اس کے قلعوں کو مضبوط کرنے پر ، اور دوسری چیزوں پر صرف ہوئے ھونگے تو چار لاکھ دینار یا دو لاکھ گنی کی رقم بہت

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲٦۳ -

معمولی رقم معلوم ہوتی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اتنی رقم میں یہ سب کام پورے ہوگئے ہوں ۔

میری رائے میں طبری کی دوسری روائت میں کافی مبالغہ ہے کیونکہ یہ ہم جانتے ہیں کہ منصور بہت کنجوس آدمی تھا اور دولت بڑی کفائت شعاری سے خرچ کرتا تھا ۔ اس لئے اس بات کا یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ منصور نے اتنی بڑی رقم خرچ کی ہوگی ۔ اس کے علاوہ وہ زمانہ بہت سستا تھا ۔ اس کی تفصیل ہم چھٹے باب میں بیان کر چکے ہیں جس میں عباسیوں کے دور اول کی اقتصادی حالت کا ذکر کیا گیا ہے ۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ منصور عمارات پر خرچ کرنے میں بہت بڑا فیاض تھا ۔ اگرچہ عام اخراجات میں بڑا کفائت شعار تھا اور بخل میں ضرب المثل تھا ۔ اسی لئے لوگوں نے اس کا نام ''ابو الدوانیق[1]'' یا ''المنصور الدوانیقی'' رکھا تھا کیونکہ وہ کاریگروں اور مزدوروں کا حساب کتاب بڑی سختی سے کرتا تھا اور ایک ایک دمڑی کا حساب لگاتا تھا ۔

۱۱ ۔ بغداد کی مدح میں :

منصور کے عہد میں بغداد کی تاسیس و تعمیر ہوئی اور اس کی شان و شوکت ٦٥٦ھ تک باقی رہی ۔ ٦٥٥ھ میں ہلاکو خاں کی قیادت میں تاتاریوں نے اسے برباد کر دیا ۔ ساتویں صدی ہجری سے قبل بھی بغداد دو بار تباہ کیا گیا تھا ۔ ایک اس وقت جب امین اور مامون میں دوسری صدی ہجری کے

---

۱ ۔ دانق تقریباً ایک درہم کا $\frac{1}{6}$ ہوتا تھا ۔

آخر میں تصادم ہوا اور دوسری بار اس وقت جب بنو بویہ نے بلاد عراق پر غارت گری کی اور بغداد پر تسلط قائم کر لیا ۔ یہ ۳۳۴ھ کا واقعہ ہے ۔

عباسیوں کے دور اول میں بغداد ام المدائن اور تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا، علم و ادب کا کعبہ اور ثروت و خوشحالی کا گہوارہ تھا۔ بغداد کی سہتمم بالشان عمارتیں اور تفریح گاہیں کمال فن اور حسن ذوق کا نمونہ تھیں ۔ جاحظ نے بغداد کے بارے میں کہا تھا کہ میں نے شام اور عراق کے بڑے بڑے شہر دیکھے اور غیر ملکوں کی بھی سیاحت کی لیکن ہر لحاظ سے اتنا سہتمم بالشان شہر کوئی نہیں دیکھا ۔ معلوم ہوتا ہے پورا شہر سانچے میں ڈھال کر زمین پر رکھ دیا گیا ہے[۱] ۔

مؤرخین نے ان الفاظ میں بغداد کی تعریف کی ہے : بغداد بہشت ارضی ہے ، سلامتی کا شہرہ ہے ، اسلام کا قبہ ہے ، شہروں کی جبین کا چمکتا نشان ہے ، عراق کی آنکھ ہے ، مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے ، ساری خوبیوں کا جامع ہے ، عجائب و غرائب کا معدن ہے ، یہاں ہر فن کے ماہر موجود ہیں ۔ ابو اسحاق زجاج کا قول تھا ۔ بغداد دنیا کی راجدھانی ہے اور باقی دنیا اس کے مقابلے میں جنگل ہے[۲] ۔

(ب) سامرا

تیسرے باب میں اس پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے کہ معتصم کے دور میں ترکوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا ۔

---

۱ ۔ خطیب بغدادی : جلد ۱ صفحہ ۷۷ ۔
۲ ۔ معجم البلدان لفظ بغداد ۔

معتصم نے ان پر غیر معمولی بھروسہ کر لیا تھا ۔ باڈی گارڈ کے فرائض انہیں سونپ دئے تھے اور بڑے بڑے عہدوں پر انہیں مامور کر دیا تھا ، جس کی وجہ سے ان کا اثر و نفوذ بہت ترقی کر گیا تھا اور ترکوں نے اقتدار کی سرمستی میں اهل بغداد کو سخت اذیتیں پہنچائی تھیں ۔ جن شہریوں نے ان کے خلاف معتصم سے ان بد مستیوں کی شکائت کی تھی ان میں سے بہتوں کو انہوں نے قتل کر دیا تھا ۔ ترکوں کی اس فرعونیت کی وجہ سے بغداد میں بڑی بے چینی پھیل گئی تھی ۔ معتصم نے وقت کی نبض کو پہچان لیا اور بغداد سے روانگی کا ارادہ کر لیا اور کسی ایسی جگہ کی تلاش شروع کی جو نئے دارالحکومت کے لئے موزوں ہو اوراس کی فوج کے لئے کافی ہو تا کہ وہ اهل بغداد کے شر سے محفوظ رہ سکے ۔ اس کے ارکان دولت میں سے ایک شخص نے مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لئے وہ جگہ موزوں ھے جہاں ابو العباس سفاح نے ایک جدید شہر کی بنیاد رکھی تھی ۔ اس کے بعد ہارون نے وہاں ایک قصر بنوایا تھا اور اس کے ارد گرد ایک نہر کھدوائی تھی جس کا نام قاطول رکھا گیا تھا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس جگہ معتصم نے بھی ایک قصر تعمیر کرا یا تھا ، جسے اس نے اپنے مشہور ترکی جرنل اشناس کو ہبہ کر دیا تھا ۔

ترکوں کے جبر و استبداد کے خلاف شدید احتجاج پر معتصم نے اپنا جدید دارالحکومت بنانے پر غور و فکر کیا اور اس کا ذہن اس مقام کی طرف منتقل ہوا جہاں اس نے اپنا قصر بنوایا تھا چنانچہ اس کے قریب مدینہ سامرا میں اس نے اپنی مملکت کا جدید دارالحکومت بنوایا جو بغداد سے تین روز کی

مسافت پر دجلہ کے مشرق میں واقع تھا اور شمال کی جانب بغداد سے اس کا فاصلہ ساٹھ میل تھا ۔

یاقوت[1] نے دارالحکومت کے لئے سامرا کے انتخاب کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ھے ۔ معتصم نے ۲۱۹ھ میں اپنے وزیر احمد بن خالد کاتب کو پانچ ہزار دینار دئے اور اسے سامرا روانہ کیا ۔ احمد بن خالد نے وھاں عیسائیوں کا ایک گرجا اور گرجا کے قریب کا ایک باغ پانچ پانچ ہزار دینار میں خریدے ، اس کے علاوہ بعض دوسری زمینیں اور آس پاس کے کچھ مکانات بھی خریدے اور معتصم کو اس خرید و فروخت کی اطلاع دی ۔ معتصم آواخر ۲۲۰ھ میں اس مقام کو دیکھنے کے لئے روانہ ھوا اور نہر قاطول کے کنارے اپنے خیمے ڈال دئے ۔ اس کے بعد سامرا کے علاقہ کا دورہ کیا اور تین روز تک سیر و شکار میں مصروف رھا ۔ معتصم کو اس علاقہ کی آب و ھوا اور زمین بہت پسند آئی ۔ محل و قوع بھی اسے بہت پسند آیا کیونکہ وھاں سے بغداد بری اور بحری دونوں راستوں سے بہت قریب تھا اور بغداد میں بغاوت کی صورت میں جلد ھی بغداد پہنچنا ممکن تھا ۔

۲۲۱ھ میں معتصم نے اپنے جدید دارالحکومت کا نقشہ بنایا اور اپنے قصر کی اساس رکھی ۔ سامرا کی تعمیر کے لئے معتصم نے تمام بلاد اسلامی سے کاریگروں ، فن عمارت کے ماھروں اور مزدوروں کو بلوایا ۔ ترکوں کو جاگیریں دیں ۔ اپنے خراسانی غلاموں کو خاص جاگیریں عطا کیں ۔ ان غلاموں کو اشروسیه

---

۱ ۔ معجم البلدان لفظ سامرا ۔

کہا جاتا تھا ۔ مصر کے اہل حوف کے لئے الگ جاگیریں مخصوص کیں ان اہل حوف کو مغاریہ کہا جاتا تھا ۔ تاجروں اور ارباب حرفت و صنعت کے لئے مخصوص بازار بنائے ۔ شہر مین مختلف قسم کے پھلوں کے درخت لگوائے اور ایک مسجد جامع بنوائی ۔ اشناس اور دُوسرے ترکی جرنلوں نے کرخ سامرا میں سکونت اختیار کی ۔ سامرا کی تعمیر کے بعد ھی ھر جانب سے وھاں لوگوں کی ریل پیل ھو گئی ۔ مہتمم بالشان عمارتیں بن گئیں اور اس دور کے بہترین شہروں میں اس کا شمار ھونے لگا ۔

یاقوت[1] نے بیان کیا ھے کہ معتصم اور متوکل نے سامرا میں سترہ قصر بنوائے تھے ۔ ما بعد کے دور میں جو[2] قصر بخارا سے لے کر قرطبہ تک بنوائے گئے تھے وہ سب ان قصروں کے نمونہ پر بنے تھے ۔ یاقوت نے بیان کیا ھے کہ عروج و ترقی کے دور میں سامرا کو ”سرور من رأئی“ (دیکھنے والے کی خوشی) کہا جاتا تھا پھر اس کا نام مختصر ھو گیا اور ”سر من رأئی“ (یعنی جس نے دیکھا خوش ھو گیا) ۔ جب یہ شہر برباد اور ویران ھو گیا اس وقت اس کا نام ”ساء من رأئی“ (جس نے دیکھا اسے تکلیف ھوئی) پڑ گیا تھا ۔ اس کے بعد مختصر ھو گیا اور اسے سامرا کہا جانے لگا ۔

مسعودی[3] نے سامرا کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ھے کہ وہ سام بن نوح کا بسایا ھوا شہر تھا ۔ یاقوت کا بھی یہی بیان ھے

---

۱ ۔ دیکھئے لفظ سامرا معجم البلدان میں ۔
۲ ۔ تاریخ الحضارۃ الاسلامیہ (مترجمہ حمزہ طاھر) صفحہ ۵۳ ۔
۳ ۔ مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۳۵ ۔

کہ یہ شہر سام بن نوح نے بنوایا تھا اور اس کا نام ''سام راہ'' تھا - سامرا اپنی تعمیر ۲۲۱ھ سے لے کر معتضد کی خلافت کے آخر (۲۸۹ھ) تک اپنی شان و شوکت اور رونق کا حاسل رہا - اس کے بعد برباد ہونا شروع ہو گیا حتیٰ کہ اس میں، دسویں امام علی ہادی کی قبر اور وہ غار باقی رہ گیا جہاں فرقۂ امامیہ اثنا عشریہ کے بارھویں امام محمد منتظر روپوش ہو گئے تھے اور وہ قبرستان باقی رہ گیا تھا جس میں واثق، متوکل، منتصر، معتز، مہدی اور معتمد کی قبریں تھیں -

یاقوت نے سامرا کے کھنڈر دیکھے تھے - یہ ساتویں صدی ھجری کے شروع میں فوت ہوا تھا - اس کا بیان ہے ''وہ برباد پڑا ہے - دیکھنے والے کو وحشت ہوتی ہے حالانکہ کسی زمانہ میں ساری دنیا میں اس سے خوبصورت اور مہتمم باالشان کوئی شہر نہ تھا جہاں قدم قدم پر کرشمہ داسن دل کھینچتا تھا - سچ ہے صرف خدا کی ذات لافانی اور لازوال ہے'' -

قرطبہ کا شہر :

عبدالرحمان الداخل جب بلاد اندلس میں داخل ہوا اور وہاں دولت بنی امیہ کی بنیاد رکھی، اس وقت قرطبہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور اس میں اپنا قصر اور مسجد جامع بنوائی - ۱

دارالحکومت کے لئے قرطبہ کے انتخاب پر مقری[1] کی یہ

---

۱ - نفح الطیب : جلد ۱ صفحات ۲۱۷ - ۲۱۸ -

رائے ہے ”اندلس کے اموی خلفاء نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت بنانے میں بڑی بصیرت سے کام لیا تھا۔ انہوں نے اس امر کا خیال رکھا تھا کہ جس شہر کو دارالحکومت بنایا جائے وہاں مکانات اور عمارتیں بہ کثرت اور کشادہ ہوں، شاہراہیں چوڑی ہوں، عمارتیں عظیم الشان ہوں، نہریں جاری ہوں، آب و ہوا معتدل ہو، سبزہ زار کی کمی نہ ہو، پیداوار کی کثرت ہو، درخت بہ افراط ہوں، مشرقی اور مغربی اندلس کے وسط میں واقع ہو۔ یہ سب خوبیاں قرطبہ میں موجود تھیں۔ جب ہشام بن عبدالرحمان الداخل اندلس کا فرمانروا ہوا تو اس نے سہتمم با الشان عمارتوں سے قرطبہ کی رونق میں اضافہ کر دیا۔ خوبصورت باغات لگوائے اور نہر وادی الکبیر کا پل از سر نو بنوایا، یہ پل سمع بن مالک خولانی نے بنوایا تھا۔ جو عمرؒ بن عبدالعزیز کی طرف سے اندلس کا گورنر تھا۔ ہشام نے یہ پل اتنا مستحکم بنوایا کہ وہ اپنی مضبوطی میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ یہ پل آٹھ سو ہاتھ لمبا تھا اور بیس ہاتھ چوڑا تھا۔ اس کی بلندی ساٹھ ہاتھ تھی، اٹھارہ خمیدہ محرابیں اور انیس برجیاں تھیں۔

عبدالرحمان الداخل نے قرطبہ کے قدیم محل کو اپنی حکومت کا مستقر بنایا، اسے مزین کیا اور خوبصورت چمن لگوائے اور قریبی پہاڑی چشموں سے کاٹ کر مصفا پانی کی نہریں جاری کیں۔ یہ نہریں رصاص یعنی سیسے کی نالیوں سے گزرتی تھیں اور جا بجا سنہرے، روپہلے مجسمے نصب تھے اور سنگ مرمر کے منقش دھانے بنے ہوئے تھے۔

اس قصر کے ساتھ اور سہتمم با الشان قصر اور خوبصورت

باغات ملحق کر دئے گئے ۔ ان میں بعض کے نام یہ تھے کامل ، مجدد ، حائر ، روضہ ، زاھر ، المعشوق ، المبارک ، الرستق ، قصرالسرور ، قصر التاج اور قصر البدیع[1] ۔

عبدالرحمان نے اندلس میں بہت سے محلات بنوائے تھے ۔ مثلاً قصر رصافہ ۔ جہاں وہ سکون حاصل کرنے کے لئے جاتا تھا اس کے اندر خوبصورت اور وسیع باغ تھا جس میں مختلف ملکوں کے بہترین پودے اور پھلوں کے درخت منگوا کر لگوائے گئے تھے اسی باغ میں سب سے پہلے انار کا درخت لگوایا گیا تھا[2] کہا جاتا ھے کہ انار کے درخت عبدالرحمان کی بہن ام اصبغ نے بلاد شام سے اس کے پاس بھیجے تھے ۔

قرطبہ کے محلوں میں سے قصر الدمشق بھی ایک مہتمم بالشان محل تھا ۔ یہ محل بنی امیہ کے دارالحکومت دمشق کے نام سے موسوم تھا ۔ اس محل کے ستون سنگ رخام کے تھے ، اس محل میں اندلس کے اموی امراء اور خلفاء تفریح کے لئے جاتے تھے ۔ یہ قصر انہوں نے دمشق کے اپنے خاندانی قصر کی یاد تازہ رکھنے کے لئے بنوایا تھا ۔ شعراء نے اس کی تعریف میں بڑے بلند پایہ قصائد لکھے تھے[3]

جامع قرطبہ :

عبدالرحمان الداخل کی مشہور ترین یادگاروں میں قرطبہ کی مسجد جامع ھے ۔ جو اس نے ۱٦۸ ھ میں بنوائی تھی اور اس

---

۱ ۔ المقری : جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ ۔
۲ ۔ المقری : جلد ۱ صفحہ ۲۲۰ ۔
۳ ۔ المقری : جلد ۱ صفحہ ۲۲۱ ۔

تعمیر پر اسی ہزار دینار صرف کئے تھے جو قوط کے مال غنیمت سے پورے کئے گئے تھے - یہ جامع مسجد عبدالرحمان کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی تھی - اس کے بیٹے التقی ھشام نے ۱۷۷ھ میں اسے مکمل کیا تھا - ما بعد کے اموی فرمانروا برابر اس کی تزئین اور توسیع کرتے رہے تھے حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کی خوبصورت ترین مسجد شمار کی جاتی ھے - بعض خلفاء نے اس کے ستونوں اور دیواروں پر سونے کی پچیکاری کی تھی - بعض اموی خلفاء نے اذان دینے کی جگہ کا اضافہ کیا تھا - بعض نے اس کے رقبہ میں توسیع کی تھی تاکہ نمازیوں کی بڑی سے بڑی تعداد کے لئے کافی ہو -

اس جامع مسجد میں بڑے بڑے ستون مشرق سے سے مغرب تک انیس تھے اور شمال سے جنوب تک اکتیس تھے - اکیس دروازے تھے، جن پر زرد پیتل چڑھا تھا - ایک ہزار دو سو ترانوے چھوٹے ستون تھے ، جن کے محرابوں کی دیواروں پر چاندی سے پچی کاری کی گئی تھی - چھوٹے ستونوں پر خالص سونے اور لاجورد کی پچی کاری تھی - جامع مسجد کا منبر ھاتھی دانت اور نفیس لکڑی کا بنا ہوا تھا ، جس میں چھتیس ہزار جوڑ تھے اور چاندی سونے کی میخیں ٹھونکی گئی تھیں اور اس پر نفیس پتھر جڑے گئے تھے - جامع مسجد میں وضو کرنے کے چار حوض تھے جن میں پہاڑی چشموں سے پانی آتا تھا - جامع مسجد کی مغربی سمت نادار مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے حجرے بنے ہوئے تھے - جامع مسجد میں سینکڑوں فانوس تھے جو گرجاؤں کی گھنٹیوں سے بنائے گئے تھے اور رات کو روشن کئے جاتے تھے - جامع مسجد میں موٹی موٹی شمعیں تھیں ، جو ماہ رمضان میں واعظ کے دونوں

بعض اوقات اس نے دس لاکھ درھم انعام میں دے دئے تھے [1] ۔

(ب) موسیقی کی محفلیں ھارون رشید کے عہد میں :

عباسی خلفاء میں ھارون رشید موسیقی کا سب سے زیادہ شیفتہ تھا اور مغنیوں اور موسیقی کے ماھرین کو بڑے بڑے صلے دیتا تھا ، خلفائے بنی عباسیہ میں وہ پہلا خلیفہ تھا ، جس نے اردشیر بن بابک اور نوشیرواں کی طرح مغنیوں کے مراتب اور طبقات مقرر کئے تھے چنانچہ ابراھیم موصلی، اسماعیل ابوالقاسم ابن جامع اور زلزل منصور کا شمار پہلے طبقے میں تھا ۔ زلزل سنگت کرتا تھا اور یہ دونوں گایا [2] کرتے تھے ۔ ھارون رشید کے دور میں مغنیوں اور موسیقی کے ماھرین کی بہت بڑی تعداد جمع ھو گئی تھی، منصور زلزل عود بہت اچھا اور کمال فن سے بجاتا تھا ۔

منصور زلزل، مہدی ، ھادی اور ھارون رشید تینوں کے دور میں مشہور رھا ھے ۔ بغداد میں برکہ کے علاقہ میں اس کی نشوؤنما ھوئی یہ علاقہ اس کے آباء و اجداد کا تھا ۔ زلزل نے اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے کاموں کے لئے وقف کردیا تھا ، اس وجہ سے وہ برکۂ زلزل کے نام سے بھی مشہور ھے ۔

جب کوئی مغنی یا موسیقی کا ماھر مزید ترقی کرتا تھا تو خلیفہ اس کے مرتبے کو بڑھا دیتا تھا ۔ چنانچہ ایک بار ”بر صوما“ زامر نے ھارون رشید کو اپنے کمال فن کے مظاھرہ سے بہت خوش کیا ، اس وقت وہ دوسرے طبقے میں تھا ، ھارون رشید نے اس کے

---

١ ۔ طبری : جلد ۱۰ ، صفحہ ٤٦ ۔
٢ ۔ جاحظ : کتاب التاج : صفحات ٣٨ ۔ ٣٧ ۔

ساز کا نغمہ سن کر کہا اسحاق! اب ابن جامع کی طرح نغمہ بجاؤ اس نے انکار کیا ، ہارون رشید نے کہا، امیرالمومنین تجھ سے کہہ رہے ہیں اور تو تعمیل حکم نہیں کرتا ہے ؟ اس نے بڑے ادب سے جواب دیا اگر میں طبقۂ عالیہ کے فرد کی طرح نغمہ بجاؤں تو میرا مرتبہ بھی بلند کیا جائے۔ میں اس وقت طبقۂ ثانیہ میں ہوں طبقۂ اولیٰ کے فرد کی طرح نغمہ کیوں بجاؤں ؟ اس پر ہارون رشید نے صاحب ستارہ سے مخاطب ہوکر کہا اسے طبقۂ اولیٰ میں شامل کردو ، جب میں اٹھ جاؤں تو یہ قالین جو دربار میں بچھا ہوا ہے اسے دے دینا۔ اس کے بعد اسحاق کو طبقۂ عالیہ میں شامل کر دیا گیا اور ہارون کے اٹھنے کے بعد قالین اسے دے دیا گیا، جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی، جب اسحاق برصوم اسے لے کر اپنے گھر پہنچا تو اس کی ماں اور بہنیں بہت خوش ہوئیں، اس کی ماں ایک نبطی عورت تھی اور زبان میں لکنت تھی ، برصوم اپنے گھر سے کسی کام کے لئے باہر چلا گیا اس اثناء میں پڑوس کی عورتیں اس شرف پر اس کی ماں کو مبارکباد دینے آئیں، ان مبارک بادیوں سے اس کی ماں بہت خوش ہوئی اور اس قالین کو کاٹنا شروع کردیا اور جو بھی مبارک باد دینے آتا، اسے وہ ایک ٹکڑا دے دیتی تھی۔ یہاں تک کہ تقریباً پورا قالین ختم ہو گیا، جب برصوم لوٹ کر آیا تو اس نے قالین کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھے، برصوم نے اپنی ماں سے کہا یہ کیا کردیا ؟ ماں نے جواب دیا کہ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اسے کس طرح تقسیم کیا جائے۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق اس کے ٹکڑے کر دئے اور مبارک باد دینے والوں کو ان میں سے بانٹ دئے۔ برصوم نے ہارون رشید کو یہ واقعہ بتایا تو وہ ہنس دیا اور اسے اور قالین دے دیا۔

ہارون رشید کے دور میں ، مسکین مدنی ، موسیقی کے فن میں بہت صاحب کمال شخص گذرا ہے ۔ یہ ابو صدقہ کے نام سے مشہور ہے ، مسعودی نے اس کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں ۔ یہ ایک جولاہے کا بیٹا تھا اور بہت غریب آدمی تھا ۔ اس نے ایک باندی سے موسیقی کا فن سیکھا تھا اور اس فن میں کمال حاصل کیا تھا ۔ عباسیوں کے دور میں دوسرے فنون کی طرح موسیقی کے فن کو بھی کتنی اہمیت حاصل تھی ۔ مسعودی نے اس موضوع پر بھی مدلل بحث کی ہے[1] ۔

ہارون رشید ، ندیموں ، مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کی بہت قدر کرتا تھا ۔ بقول الفخری[2] کسی خلیفہ کے دروازہ پر علماء ، شعراء ، فقہاء ، قراء ، قضاۃ ، انشا پردازوں ، ندیموں اور مغنیوں کا اتنا جمگھٹا نہ ہوا تھا ، جتنا ہارون رشید کے دروازہ پر رہتا تھا ہارون رشید کی طرف سے ان میں سے ہر ایک طبقہ گراں بہا صلہ پاتا تھا اور ان کی صلاحیتوں کے ابھرنے کے ساتھ ان کا مرتبہ بھی بلند کر دیا جاتا تھا ۔

عباسیوں کے دور میں فن موسیقی نے بہت فروغ پایا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ خلفاء ، امراء اور سلطنت کے چوٹی کے افراد نے اس فن کی سرپرستی کی تھی اور اس کا درجہ بہت بڑھا دیا تھا ۔ بغداد میں امیر زادیوں اور اونچے طبقہ کی خواتین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی جو موسیقی کی خاص محفلوں میں شرکت کرتی تھی[3]۔ اس دور میں مشہور ترین مغنی ، جو خلفاء عباسیہ کی نگاہوں میں چڑھے ہوئے تھے ، ابراہیم موصلی اور اس کا بیٹا اسحاق تھے ۔

---

۱ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحات ۲۷۸ - ۲۸۰ -
۲ - صفحات ۱۷۷ - ۱۷۸ -
۳ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۲۹۱ - ۲۹۲ -

ابتداء میں یہ دونوں ممتاز ادیب تھے لیکن اس کے بعد موسیقی کے فن نے ان کی توجہات کو اپنی طرف مرکوز کرلیا تھا ۔ ان دونوں نے جو راگ راگنیاں ایجاد کی تھیں ، ان کے تاثر میں وہ ڈوبے رہتے تھے۔ ابراهیم موصلی نے جو نغمے بنائے تھے ، ان کے بے پناہ تاثر کی وجہ سے خود اسے یہ وہم ہوگیا تھا کہ یہ نغمے اسے روحیں سکھاتی ہیں ۔ ہارون رشید جب تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا تھا ، اور اس نے حکومت کا نظم و نسق یحیٰی بن خالد برمکی کے حوالہ کر دیا تھا ، حتیٰ کہ اپنی خاتم خلافت بھی اسے سونپ دی تھی ، اس وقت ابرھیم موصلی نے یہ شعر پڑھے تھے -

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سورج کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی - لیکن جب ہارون خلیفہ ہوا تو اس کی روشنی بہت تیز ہو گئی خدا کے امین ، صاحب الطاف و بخشش ہارون کی برکت سے - ہارون خلافت کا والی ہے اور یحیٰی اس کا وزیر ہے“ -

ہارون کی ولی عہدی کے موقع پر ابراہیم موصلی نے سب سے پہلے چند اشعار پڑھے تھے[1] ، جن کے تاثر سے حاضرین دربار پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا تھا ، ابراہیم موصلی نے فن موسیقی ایک ایسے شخص سے سیکھا تھا جو فن موسیقی میں اہل حجاز سے تلمذ رکھتا تھا ۔

ابراہیم موصلی فن موسیقی میں ید طولیٰ رکھتا تھا اس کا ایک امتیازی کارنامہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اس نے باندیوں کو موسیقی

---

۱ ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الاغانی جلد ۲ صفحات ۱۷۰ - ۱۷۱ -
۲ ۔ الاغانی : جلد ہ صفحہ ۲۰۳ اور مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ -

براسکه اور آل ربیع قدیم موسیقی اور اس کی پابندیوں پر مصر تھے ، لیکن عباسیوں کے دور کے ممتاز موسیقاروں کے ایک گروہ نے ان پابندیوں کو اٹھا دیا تھا ۔ ان ممتاز موسیقاروں میں ابراهیم بن مہدی اور اس کا بھائی یعقوب اور ان کی بہن علیه ، عبداللہ بن هادی اور عیسیٰ بن هارون رشید خاص طور پر قابل ذکر هیں ۔

خلفاۓ عباسیه کی مجالس طرب و غنأ مجسم انبساط هوتی تھیں ۔ خلیفه قصر کے صدر ایوان میں ایک مقام ، بزم طرب کے لئے خاص کر دیتا تھا ، جہاں اس کے گرد و پیش سو مخصوص باڈی گارڈ رنگین کپڑے پہنے کھڑے ہوۓ تھے اور دائیں بائیں سلطنت کے ممتاز اشخاص اور اعیان ملک کھڑے هوتے تھے[1] ۔

غنأ اور طرب کی یه مجلسیں صرف خلفاء کے محلوں میں منعقد نه هوتی تھیں ، بلکه امراء ، وزراء اور سلطنت کے بڑے بڑے ارکان کے محلوں میں بھی یه محفلیں قائم تھیں۔ فخری[2] کا بیان ہے که جعفر بن یحییٰ برمکی کے محل میں مجلس نشاط و طرب منعقد هوتی تو اس میں وہ ندیم جمع هوتے تھے ، جن سے جعفر بہت مانوس هوتا تھا ، یه ندیم رنگین کپڑے پہنتے تھے ، جو سرخ، زرد اور سبز رنگ کے هوتے تھے اس کے بعد شراب پیتے تھے اور ساغر په ساغر چلتے تھے اور ساز چھڑ جاتے تھے ۔

غناء و طرب کی ان مجلسوں میں بعض اوقات دلچسپ اور عجیب و غریب واقعات بھی پیش آتے تھے ، مثلاً ایک بار

---

۱ - کتاب مختصر العرب سید امیر علی : صفحه ۳۸۷ ۔
۲ - صفحه ۱۸۷ ۔

ھارون رشید نے جعفر بن یحیٰی سے کہا کہ ایک مشترکہ مجلس غناء و طرب منعقد کی جائے، جس میں دونوں کے ممتاز موسیقار مقابلہ کریں، اس مجلس کا انعقاد کیا گیا، جس میں مختلف ندیم بھی شریک تھے۔ ھارون رشید نے اپنی طرف سے ابن جامع کو گانے کا حکم دیا، اس نے اتنی اچھی دھن میں گایا کہ ھارون مسرور ھوگیا۔ اس کے بعد ھارون نے جعفر کے مغنی ابراھیم سے کہا اب تمہاری باری ھے، تم بھی اسی دھن میں گاؤ۔ ابراھیم نے جواب دیا، امیرالمومنین میں یہ دھن نہیں جانتا۔ ھارون رشید نے جعفر سے کہا یہ دھن ابن جامع کی ھے۔ اس میں اور کوئی نہیں گا سکتا پھر اسماعیل بن جامع سے کہا، اب کسی اور دھن میں گاؤ۔ ابن جامع نے ایک دوسری دھن میں گایا، جو پہلی دھن سے بھی اچھی تھی۔ اس کے بعد ھارون نے ابراھیم موصلی سے کہا، اب اس دھن میں تم گاؤ۔ ابراھیم نے جواب دیا میں یہ دھن بھی نہیں جانتا۔ ھارون نے کہا یہ دونوں دھنیں اسماعیل کے ساتھ خاص ھیں انہیں اور کوئی نہیں جانتا، اس کے بعد ابن جامع سے کہا کسی اور دھن میں گاؤ، اس نے ایک تیسری دھن میں گایا جو پہلی دونوں پر سبقت لے گئی، ھارون نے ابراھیم سے کہا اب اس دھن میں گاؤ۔ ابراھیم نے جواب دیا، میں یہ دھن بھی نہیں جانتا، اس وقت جعفر سخت شرمندہ ھوا اور اس نے ابراھیم کو مخاطب کرکے کہا خدا تجھے ذلیل کرے! تو نے مجھے کتنا نادم کیا ھے، ھارون نے ابن جامع کو اس کامیابی پر بہت بڑا صلہ دیا اور خلعت فاخرہ سے نوازا۔ ابراھیم بڑی دیر تک سر نگوں بیٹھا رھا اور پھر اٹھ کر چلا گیا۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ یہ دھنیں ابراھیم موصلی کی موزوں کی ھوئی تھیں، جن کا سرقہ ابن جامع نے ابراھیم کے

ایک دوست کے ذریعہ کیا تھا اور ان دھنوں کی بدولت هارون کے سامنے سرخرو هوگیا تھا ۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ھے کہ مختلف موسیقار اپنی دھنوں کی سخت حفاظت کرتے تھے اور اس امر کی پوری کوشش کرتے تھے کہ دوسرے موسیقاروں تک ان کی موزوں کی هوئی دھنیں نہ پہنچ جائیں[1] ۔

(ج) موسیقی کی مجلسیں امین کے عہد میں ۔

امین اپنے ندیموں کے ساتھ زیادہ وقت گذارتا تھا اور انہیں بے شمار عطیئے اور صلے دیتا تھا ۔ عباسی خلفاء میں ندیموں اور مغنیوں کو عطیئے اور بخشش دینے میں امین سب سے آگے تھا ۔ اسحاق بن ابراهیم موصلی کا بیان ھے کہ اگر امین اور اس کے ندیموں کے درمیان میں کبھی کوئی پردہ حائل هوتا تھا تو وہ اسے پارہ پارہ کردیتا تھا ۔ وہ ندیموں کے سامنے اپنے چہرے سے نقاب هٹا دیتا تھا حتیٰ کہ جہاں ندیم بیٹھتے تھے وهاں وہ بھی بیٹھ جاتا تھا ، وہ ان لوگوں میں سے تھا جو خلق کے دامن کو سونے چاندی سے بھر دیتے تھے ، جب وہ ترنگ میں آتا تھا تو بے شمار مال و دولت دیتا تھا ۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس نے اپنے خاندان کے بعض افراد کو سونے چاندی کا بہت بڑا ڈھیر دے دیا تھا ، ایک شب اس نے مجھے چالیس هزار دینار دینے کا حکم دیا تھا ، جن کا اسی وقت میرے سامنے ڈھیر لگا دیا گیا تھا ۔ امین بڑا صاحب ذوق تھا، ایک بار ابراهیم بن مہدی نے اسے گانا سنایا جو اسے پسند نہیں آیا اس سے اس کے ذوق کو ٹھیس پہنچی اور وہ اپنی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا ۔

---

۱ ۔ الاغانی : جلد ۱ صفحات ۲۰۶ - ۲۰۸ ۔

ایک روز میں نے دیکھا کہ اس کے پاس اس کا ایک غلام کھڑا ہے، امین نے اس کی طرف دیکھ کر کہا ، تیرے یہ کپڑے پہننے کے لائق نہیں ہیں یہ تیس تھیلیاں لے اور جا کر نئے کپڑے بنوا لے۔

ابراھیم بن مہدی نے امین کی مجلس کی بے حد تعریف کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اس میں عورتیں اور باندیاں بھی شریک ہوتی تھیں اس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب بغداد میں امین گھرا ہوا تھا اس وقت مجھے امین کے پاس بھیجا گیا ، میں اس کے پاس پہنچا تو وہ گوشۂ چمن میں ایک چھت گیری میں بیٹھا ہوا تھا ، جو عود اور صندل کی لکڑیوں سے تعمیر کیا گیا تھا ، جس کا رقبہ دس مربع فٹ تھا ، اس وقت سلیمان بن ابو جعفر منصور بھی اس کے ساتھ بیٹھا تھا ، میں نے دیکھا کہ امین کے سامنے ایک بلوری قدح شراب سے بھرا رکھا ہے ، جس میں بانچ رطل شراب ہوگی اسی طرح سلیمان کے سامنے شراب کا ایک قدح رکھا ہوا تھا میں نے امین کو طاھر بن حسین کے حملہ اور اس کی تباہ کاریوں سے مطلع کیا ۔ کچھ دیر کے لئے متاثر ہوا ، پھر شراب کا دور چلنے لگا اور اپنی خاص باندیوں سے ایک کو بلایا اس وقت جو باندی حاضر ہوئی اس کا نام ''ضعف'' تھا ، امین نے اس کے نام سے اچھا شگون نہیں لیا اور خاموش ہوگیا ، پھر اس سے کہا کچھ گانا سناؤ ، اس نے یہ شعر گایا ۔

کلیب لعمری کان اکثر ناصراً

و اکثر جرما منک ضرج بالدم

اپنی جان کی قسم کلیب کے تجھ سے زیادہ مدد گار تھے اور تجھ سے زیادہ اس کے وسائل بھی تھے ۔ لیکن اس کے باوجود اسے

خاک و خون میں لوٹنا پڑا ۔

امین یہ سن کر بہت اداس ہوگیا اور باندی کو خاموش کر دیا ۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کے چہرے پر مسکراہٹ پیدا کی ، اس کے بعد اس نے باندی سے پھر گانے کے لئے کہا باندی نے یہ شعر سنایا ۔

هم قتلوه کی یکونوا مکانه
کما غدرت یوماً بکسری مرازبه

انہوں نے اسے قتل کر دیا تاکہ اس کی جگہ لے لیں ، جس طرح کسریٰ کے ساتھ مجوسی پادریوں نے غداری کی تھی ۔

امین کا چہرہ پھر اتر گیا اور باندی کو خاموش کر دیا ، میں نے بڑی مشکل سے بد شگونی کا خیال اس کے دماغ سے نکالا ، وہ مسکرانے لگا اور تیسری بار باندی سے مخاطب ہو کر کہا ، کچھ اور سناؤ ۔ اس نے یہ شعر پڑھے ۔

کأن لم یکن بین الحجون الی الصفا
انیس لم یسمر بمکة سامر

حجون سے لے کر صفا تک مکہ میں کوئی غم خوار نہ تھا اور نہ کوئی داستان گو تھا جو داستان سنا سنا کر غم غلط کرتا ۔

بلی نحن کنا اهلها فا بادنا
صروف اللیالی والجدود العواثر

صرف ہم رہ گئے تھے ، ہمیں بھی راتوں کی گردش اور نئی نئی مصیبتوں نے برباد کردیا ۔

امین یہ شعر سن کر بے حد اداس ہوگیا اور باندی سے کہا میرے پاس سے دفع ہو جا ! خدا تجھے غارت کرے ! وہ اٹھی تو شراب کے قدح سے ٹھوکر لگی جو امین کے سامنے رکھا تھا ،

قدح ٹوٹ گیا اور شراب گر گئی ۔ یہ چاندنی رات تھی اور ہم دجلہ کے ساحل پر قصر خلد میں بیٹھے تھے ۔ اس وقت یہ آواز آئی " وہ بات پوری ہوگئی جس کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی " میں اٹھ کھڑا ہوا اچانک میں نے قصر کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی ۔ " تعجب مت کرو وہ بات پیش آنے والی ہے جو تعجب کو دور کر دے گی اور امر مقدر آچکا ہے جس میں تعجب کرنے والے کے لئے درحقیقت اچنبھے کی بات ہے"۔

امین کے ساتھ یہ میری آخری نشست تھی ، اس کے بعد وہ قتل کر دیا گیا اور قسمت نے ہمیں ساتھ بیٹھنے کا موقع نہ دیا ۔

(د) غناء و طرب کی مجلسیں مامون ، معتصم اور واثق کے عہد میں :

مامون سامرا سے بغداد آنے کے بعد سات سال تک غناء و طرب کی مجلسوں سے اجتناب کرتا رہا ، پھر پردہ کے پیچھے سے گانا سننا شروع کیا ، جس طرح اس کے باپ ھارون رشید کا شروع خلافت میں معمول تھا ۔ اس کے بعد مامون نے ندیموں اور مغنیوں کے درمیان بیٹھ کر گانا سننا شروع کر دیا تھا ۔ ابتدا میں مامون کے دربار کی محفل موسیقی میں اسحاق بن ابراھیم شریک نہ ھوا تھا ۔ مامون کے ایک خاص مقرب نے اسحاق کی شکائت کی اور اس کی عدم حاضری کو اس کے غرور و نخوت کا نتیجہ بیان کیا ، اس کے بعد اس نے دربار میں رسائی کی کوشش کی، لیکن مامون نے اسے اپنی محفل موسیقی میں آنے نہیں دیا تھا ۔ ایک روز اسحاق موصلی نے اپنے ایک شاگرد زر زر کے ذریعہ اپنے دو شعر لکھ کر بھیجے ، جسے اس کے شاگرد نے مامون کے حضور میں گایا ۔ مامون یہ شعر سن کر بہت محظوظ ھوا اور

جوش نشاط میں جھومنے لگا اور زرزر سے پوچھا یہ شعر کس کے ھیں ؟ زرزر نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین آپ کے غلام اسحاق کے ، جسے آپ نے مردود قرار دے رکھا ھے ۔ ماموں نے حکم دیا اسحاق کو اسی وقت حاضر کیا جائے ، ماموں کا قاصد اسحاق کے پاس پہنچا ، اسحاق پہلے ھی تیار بیٹھا تھا ، اسے یقین تھا کہ اگر ماموں نے یہ شعر سن لئے تو ضرور بلوائے گا ۔ غرض اسحاق قاصد کے ساتھ جب ماموں کے دربار میں حاضر ھوا تو ماموں نے اپنا ھاتھ بڑھاتے ھوئے کہا اور میرے قریب آؤ اور اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اس سے بڑی توجہ اور محبت سے پیش آیا [1] ۔

اسحاق بن ابراھیم موصلی نے راگ راگنیوں کی ایجاد میں کمال فن کا مظاھرہ کیا تھا ، اس نے موسیقی پر ایک طویل رسالہ بھی لکھا ھے ، جس میں اپنے نغموں اور اس کی لطافتوں پر بحث کی ھے ، قدیم موسیقی کی حمائت کی ھے اور اپنے باپ ابراھیم موصلی اور جو دوسرے موسیقار قدیم موسیقی کے نغموں اور اصولوں میں تبدیلی کے علمبردار تھے ، ان کی مخالفت کی ھے ۔ اغانی کا بیان ھے کہ اسحاق نے موسیقی کی اجناس اور اس کی لطافتوں میں اصلاحات کی ھیں اور فن موسیقی کو اتنا اجاگر کر دیا ھے کہ نہ اس سے قبل کوئی موسیقار یہ کام کرسکا ھے اور نہ اس کے بعد کسی نے اس میں اضافہ کیا ھے [2] ۔

اسحاق موصلی علم و ادب ، شعر و شاعری اور موسیقی میں

---

۱ ۔ الجاحظ : کتاب التاج صفحات ۴۴ ۔ ۵۴ ۔
۲ ۔ اغانی : جلد ۵ صفحات ۲۶۸ ۔ ۲۶۹ ۔

غیر معمولی کمال رکھتا تھا ۔ صاحب اغانی[1] کا بیان ھے کہ موسیقی میں اسحاق کی کوئی نظیر موجود نہیں ھے کیونکہ وہ قدیم موسیقی کے ایک ایک نکتہ سے واقف تھا اور جدید موسیقی کے فن میں سب سے سبقت لے گیا تھا ۔ اس نے تمام لوگوں کے لئے موسیقی کا راستہ سہل اور روشن بنا دیا تھا ۔ سچ پوچھئے تو وہ تمام موسیقاروں کا امام اور ان کا معلم ھے ۔

مامون کا قول تھا کہ اگر عوام میں اسحاق کی شہرت بہ حیثیت ایک موسیقار کے نہ ھو گئی ھوتی تو میں اسے منصب قضا پر مامور کرتا کیونکہ وہ اتنا اچھا ، پاکیزہ صفت اور سچا انسان ھے کہ موجودہ قضاۃ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے ۔ وہ اس زمانہ کے تمام قاضیوں سے زیادہ دیندار اور امین ھے ۔

اسحاق موصلی علم کی بہت قدر کرتا تھا اور علماء کی برابر حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا ۔ مؤرخین کا بیان ھے کہ وہ ابن اعرابی کو تین سو دینار سالانہ دیتا تھا ۔ ابن اعرابی نے ایک نادر کتاب بھی اسحاق کے نام معنون کی تھی ۔ ایک روز ابن اعرابی اسحاق موصلی کے گھر کے پاس سے گزرا تو کہنے لگا کہ یہ گھر اس شخص کا ھے جس سے ھم مال و دولت اور علم و ادب دونوں حاصل کرتے ھیں ۔ اسحاق کے علم و فضل اور جود و سخا کی تعریف مشہور مؤرخ مدائنی (کتاب المغازی کے مصنف) نے بھی کی ھے ۔ ایک بار اس سے پوچھا گیا ،

---

۱ ۔ اغانی : جلد ۵ صفحہ ۲۶۹ ۔
۲ ۔ اغانی : جلد ۵ صفحات ۱۶۸ ۔ ۲۶۹ ۔

ابو عبداللہ کہاں جا رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا ہم ایسے بادشاہ کے پاس جا رہے ہیں جس سے مال و دولت[1] اور علم و ادب دونوں حاصل ہوتے ہیں۔

ابن ندیم[2] کا بیان ہے کہ مدائنی کا انتقال اسحاق بن ابراہیم موصلی کے مکان میں ہوا تھا اور وہی اس کا کفیل تھا، یہ ۲۲۵ھ کا واقعہ ہے۔

اسحاق بن ابراہیم موصلی نے ہارون رشید کی محفل غناء میں شرکت کی تھی اور اس کے بعد امین، مامون اور معتصم کی غناء و طرب کی مجلسوں میں شریک ہوا تھا۔ معتصم جب تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا اس وقت اسحاق کی عمر ساٹھ سال تھی، اس موقع پر اس نے اپنا قصیدہ گا کر اسے سنایا تھا۔ معتصم نے قصیدہ سن کر حکم دیا تھا کہ اسحاق کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اس موقع پر جن شعراء نے قصیدے پڑھے تھے ان میں یہ اعزاز صرف اسحاق کو حاصل ہوا تھا کہ اس کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ اسحاق نے معتصم کی شان میں ایک اور بلند پایہ قصیدہ کہا تھا، جب وہ ایک جنگ سے کامران لوٹا تھا۔ اس قصیدہ میں معتصم کی خوبیوں اور اس کی فتح و نصرت کا بڑے مؤثر انداز میں ذکر کیا تھا[3]۔

خلیفہ واثق خود موسیقی کا بہت بڑا ماہر تھا اس سے پہلے کوئی خلیفہ یا ابن خلیفہ موسیقی کا اتنا بڑا ماہر نہیں گزرا تھا۔ واثق نے بہت سی راگنیاں اور نئی دھنیں بنائی تھیں۔

۱۔ الاغانی: جلد ۵ صفحہ ۲۷۴۔
۲۔ الفہرست: صفحہ ۱۴۷۔
۳۔ الاغانی: جلد ۵ صفحات ۲۰۔۲۰۳۔۲۰۴۔

سیوطی[1] کا بیان ہے کہ واثق ، خلفاء عباسیہ میں سے سب سے زیادہ موسیقی کے فن سے با خبر تھا اور اس فن کا بہت بڑا فاضل تھا ، جو راگ راگنیاں اور دھنیں اس نے موزوں کی تھیں ان کی تعداد سو ہے ۔ وہ عود بجانے میں بھی بہت کمال رکھتا تھا اور چوٹی کے اشعار اور تاریخی واقعات اسے از بر تھے ۔

واثق ، ابراہیم موصلی کی بہت قدر کرتا تھا ۔ اغانی کا بیان ہے کہ ایک روز دو شعروں کی طرز واثق نے بنائی اور اسحاق موصلی سے گانے کے لئے کہا ، اسحاق نے گایا تو واثق حیرت زدہ ہو گیا اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات نہیں تھی کہ تم ایسی دھن بنا نہیں سکتے تھے ۔ اس لئے میں نے خود بنا لی ہے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ اس دھن کو تمہارے سوا کوئی صحیح طور پر گا نہیں سکتا تھا ۔ اسحاق موصلی ، سفروں میں واثق کے ساتھ ہوتا تھا ۔ ایک بار واثق نجف اور صالحیہ گیا تھا ۔ اس سفر میں اسحاق کو بغداد اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچے بہت یاد آئے ، اس نے یہ سب کیفیت اپنے ایک قصیدہ میں بیان کی اور قصیدہ اس نے واثق کو سنایا ، اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر و شاعری اور موسیقی دونوں پر واثق کو کتنی قدرت حاصل تھی[2] ۔

(ہ) موسیقی اندلس میں : زریاب مغنی

اندلس کے اموی حکمران موسیقی کے شیفتہ تھے اور مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کو بڑے بڑے صلے دیتے تھے ۔ مؤرخین کا

---

۲ ۔ تاریخ الخلفاء : صفحات ۲۲۷ - ۲۲۸ ۔

۱ ۔ الاغانی : جلد ۵ صفحات ۳۵۶ - ۳۵۸ ۔

بیان ہے۔ ”علون“ اور ”زرقون“ سب سے پہلے مغنی تھے جو بلاد اندلس میں داخل ہوئے یہ الحکم بن ھشام (۱۸۰ھ — ۲۰۶ھ) کے عہد کا واقعہ ہے۔ اسی کے زمانے میں منصور یہودی فن موسیقی میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ عبدالرحمان الاوسط بن ھشام (۲۰۶ھ — ۲۳۸ھ) کے عہد میں ابوالحسن علی بن نافع اندلس پہنچا تھا۔ تاریخ میں یہ مغنی زریاب کے لقب سے مشہور ہے۔ مقری نے اس مغنی کی تفصیلی داستان بیان کی ہے، جس میں بتایا ہے کہ کس طرح زریاب نے اپنے استاد اسحاق بن ابراھیم موصلی پر برتری حاصل کی تھی اور کس طرح وہ قرطبہ روانہ ہوا اور عبدالرحمان نے اسے مقرب بنایا اور اسے گراں بہا عطیہ دیا اور اس کی وجہ سے فن موسیقی کو ان بلاد میں دوسرے علوم و فنون کے درمیان ایک خاص مقام حاصل ہوا۔

زریاب خلیفہ مہدی عباسی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ نسلاً ایرانی تھا اور فطری طور پر شاعر، ادیب اور علم نجوم کا ماہر تھا۔ قوموں کے اخلاق اور ان کی طبائع سے با خبر تھا۔ سلاطین کی سیرتوں سے واقف تھا، فلسفہ و حکمت اور کہاوتوں کی بہت بڑی تعداد اسے یاد تھی۔ فصاحت اور بلاغت میں کمال رکھتا تھا۔ خوش گلو اور شیریں زبان تھا۔ فن موسیقی اسحاق موصلی سے حاصل کیا تھا اور اس پر سبقت لے گیا تھا۔ لیکن اس کا اسے شعور تک نہ تھا۔ ھارون رشید نے ایک دن اسحاق سے کہا کہ میرے پاس کسی نئے مغنی کو لاؤ، جو فن موسیقی میں کمال رکھتا ہو، چاہے اس فن میں مشہور نہ ہو، اسحاق نے ھارون رشید سے اپنے شاگرد زریاب کا ذکر کیا، ھارون رشید نے کہا، اسے ابھی

بلاؤ، چنانچہ وہ اسی وقت حاضر کیا گیا ھارون رشید نے جب اس سے گفتگو کی تو اسے اندازہ ھوا کہ وہ کتنی اچھی گفتگو کرتا ھے اور کتنے کمال بلاغت سے خطاب کرتا ھے ۔ ھارون نے اس سے پوچھا کہ تم موسیقی سے واقف ھو؟ اس نے جواب دیا، جی ھاں! اگر آپ اجازت دیں تو میں ایسا نغمہ سناؤں جو کسی کے کانوں نے اس سے پہلے کبھی نہ سنا ھو ۔ ھارون رشید نے اجازت دے دی اور اس کے استاد اسحاق کا عود لانے کا حکم دیا ۔ جب اس کے پاس اسحاق کا عود لایا گیا تو اس نے بڑے ادب سے عرض کیا ۔ میرا عود بھی موجود ھے میرے ھاتھ اس پر چلتے ھیں اور اس کے سوا میں کسی اور عود کو پسند بھی نہیں کرتا ۔ میرا عود دروازے پر رکھا ھوا ھے ۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے لے آؤں ، ھارون رشید نے اسے لانے کی اجازت دے دی ۔ جب وہ اٹھا کر لایا تو ھارون رشید نے اس عود کو غور سے دیکھا تو وہ عود بالکل اسحاق کے عود کی طرح تھا جو پہلے زریاب کو دیا گیا تھا ۔ اس پر ھارون نے پوچھا ۔ تو نے اپنے استاد کے عود کو کیوں نہیں لیا ، زریاب نے جواب دیا ۔ اگر میرے آقا میرے استاد کا گانا سننا چاھتے ھیں تو میں اس کے عود سے گائے دیتا ھوں ۔ اگر میرا گانا سننا چاھتے ھیں تو اس کے لئے میرا عود ناگزیر ھے ۔ ھارون نے کہا ، مجھے تو دونوں ایک سے نظر آتے ھیں ۔ زریاب نے جواب دیا، آپ نے سچ فرمایا بظاھر دونوں ایک ھی سے معلوم ھوتے ھیں لیکن میرا عود اگرچہ جسامت میں اتنا ھی ھے، جتنا میرے استاد کا ھے اور اسی لکڑی کا ھے جس لکڑی کا میرے استاد کا عود ھے لیکن میرے عود کے تار ریشم کے ھیں ، جنھیں بنتے وقت گرم پانی نہیں لگا جس سے نرمی پیدا ھو جاتی ھے ۔ یہ عود میں نے شیر کے بچہ کی جھلی سے بنایا ھے ،

اوز وہ اتنا مضبوط ہے کہ متواتر ضرب پڑنے سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہارون اس کے عود کی یہ صفات سن کر حیران ہوا اور اس سے گانا سنانے کے لئے کہا، اس نے پورے کمال فن کے ساتھ گانا سنایا، ہارون رشید سرور سے جھومنے لگا اور اس کے کمال فن سے ششدر رہ گیا، اور اسحاق موصلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، خدا کی قسم اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ تو مجھ سے ہمیشہ سچ بولتا ہے تو تیرے اس عذر کو کبھی نہ سنتا کہ تو اس کی صلاحیتوں سے نا واقف تھا۔ بلکہ تجھے لرزہ خیز سزا دیتا۔ اسے اپنے ساتھ لے جا اور اس کی طرف خاص توجہ سے کام لے کیونکہ اس پر مابدولت کی خاص نظر ہے۔ اس وقت میں ایک ضروری کام میں مصروف ہوں۔ کام سے فراغت کے بعد پھر اسے بلاؤں گا۔ یہ باتیں سن کر اسحاق کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور حسد سے اس کا خون کھولنے لگا۔ وہ زریاب کو تنہائی میں لے گیا اور اس سے کہا کہ حسد میرے دل و دماغ پر مسلط ہو گیا ہے، تو نے میرے ساتھ مکر کیا ہے اور اپنے کمال کو میرے اوپر کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ عرصہ میں تو میرے مرتبہ کو گرا دے گا اور مجھ سے زیادہ اونچے مرتبہ پر پہنچ جائے گا اور یہ میں برداشت نہیں کر سکوں گا، اگرچہ تو میرے بیٹے کی طرح ہے، اگر تجھے میری تربیت اور تعلیم کا کچھ بھی لحاظ ہے، تو دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کر، یا تو کسی دور دراز ملک میں چلا جا جہاں سے مجھے تیری کوئی خبر معلوم نہ ہو اور اس بات کا حلف اٹھا، اس کے بدلہ میں جو کچھ تو مانگے گا، میں تجھے دوں گا، اگر تو میری بات نہیں مانے گا اور یہیں ٹھہرے گا تو یاد رکھ

میں تجھے کسی دن جوش حسد میں جان سے مار دوں گا یا کسی اور سے موت کے گھاٹ اتروا دوں گا ۔ یہ گفتگو سن کر زریاب گھبرا گیا اور بغداد چھوڑ دینے پر رضا مند ھو گیا اور اسی وقت نکل کھڑا ھوا ۔ اسحاق نے اس سلسلے میں اس کی پوری مدد کی۔ زریاب نے بغداد سے مغرب (بلاد اندلس) کی راہ لی ۔ اس کے روانہ ھونے کے بعد اسحاق کو اطمینان ھوا ۔ هارون رشید نے کام سے فارغ ھونے کے بعد زریاب کو یاد کیا اور اسحاق کو ، حاضر کرنے کا حکم دیا ۔ اسحاق نے جواب دیا ، امیرالمومنین وہ ایک مجنون غلام تھا ، جسے گمان تھا کہ جن اس سے باتیں کرتے ھیں اور موسیقی کی دھنیں اس کے دل میں ڈال دیتے ھیں ، اس وجہ سے اس کے ذھن میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ دنیا میں کوئی شخص اس سے انصاف نہیں کرتا ھے اور نہ اس کی صلاحیتوں کی قدر کرتا ھے ۔ بات صرف اتنی سی ھوئی کہ امیرالمومنین نے اسے انعام دینے میں کچھ تاخیر کی ، اسے اس نے امیرالمومنین کی ناقدری سے تعبیر کیا اور اپنے فن کی توھین سمجھا، اسی لئے طیش میں، مجھ سے بھی چھپ کر ، نکل کھڑا ھوا ، امیرالمومنین کے لئے یہ بہتر ھی ھوا کیونکہ اس پر کسی آسیب کا اثر ھے جو ھر وقت اس پر سوار رھتا ھے ، اسی لئے اس کی صورت دیکھ کر دحشت سی ھوتی تھی ۔ اسحاق کے جواب سے ھارون رشید مطمئن ھوگیا اور یہ کہہ کر چپ ھو گیا کہ اس کے چلے جانے سے بہت بڑی خوشی چھن گئی ھے ۔

زریاب مغرب کی سمت چل دیا ۔ وہ بلاد اندلس جانا چاھتا تھا، راستہ میں اس نے اندلس کے اموی خلیفہ الحکم کو ایک خط لکھا جس میں یہ خواھش ظاھر کی کہ وہ اس کے ارکان میں داخل ھونا چاھتا ھے ۔ الحکم اس کا خط پڑھ کر بہت خوش ھوا اور اپنے

مغنی منصور یہودی کو اس کے استقبال کے لئے روانہ کیا - زریاب اور اس کی اولاد چلتے چلتے جب حدود اندلس میں داخل ہوئے اس وقت اسے معلوم ہوا کہ الحکم کا انتقال ہو گیا ہے - یہ خبر سن کر اس نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن منصور مغنی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ عبدالرحمان الاوسط کے پاس چلے جو اپنے باپ الحکم کے بعد اندلس کا فرمانروا ہوا ہے - منصور مغنی نے نئے فرمانروا کو ایک خط لکھا جس میں زریاب کی آمد کی اطلاع دی - عبدالرحمان الاوسط نے اس خط کے جواب میں زریاب کے ورود پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اپنے مقامی امراء کو لکھ دیا کہ زریاب کا شاندار استقبال کیا جائے اور اس کے لئے قرطبہ تک راستے کی پوری سہولتیں مہیا کی جائیں - قرطبہ پہنچنے کے بعد عبدالرحمان الاوسط نے ایک عالی شان محل میں زریاب کو اتارا ، سفر کی تکان دور ہو جانے کے بعد زریاب دربار میں حاضر ہوا ، عبدالرحمان الاوسط نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی - دو سو دینار ماہانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اور اس کے چاروں بچوں کا بیس بیس دینار وظیفہ مقرر کیا اور اس پر نوازشوں کی بارش کر دی - ماہانہ وظیفہ کے علاوہ تین ہزار دینار سالانہ مقرر کئے گئے ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو ایک ایک ہزار دینار دئے جاتے تھے - نو روز اور مہر جان کے جشنوں کے موقع پر پانچ پانچ سو دینار ملتے تھے ، گندم اور جو کی مخصوص مقدار ، زمینیں ، مکانات اور باغات ، جن کی قیمت چالیس ہزار دینار تھی ، یہ چیزیں اس کے علاوہ تھیں - عبدالرحمان نے جب زریاب کا گانا سنا تو اسے اس کے قدرتی کمالات نے حیرت میں ڈال دیا اور اس کے بعد اس نے زریاب کے سوا اور سب کا گانا سننا چھوڑ دیا اور اس سے بڑی محبت کرنے لگا

اور تمام مغنیوں سے اس کا مرتبہ بلند کر دیا ، عبدالرحمان ، زریاب کی اتنی قدر کرنے لگا کہ اسے اپنے قریب مسند پر بٹھاتا تھا اور وہ اور اس کے بڑے بیٹے زریاب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے ، عبدالرحمان اس سے گانا سنتا تھا اور سلاطین کے حالات ، خلفاء کی سیرتیں اور علماء کی نوادر باتیں بھی سنتا رہتا تھا ۔ تھوڑے عرصہ ھی میں زریاب عبدالرحمان کے قلب و دماغ پر چھا گیا حتیٰ کہ اس نے حکم دے دیا تھا کہ محل کا ایک خاص دروازہ ھر وقت کھلا رہے تاکہ زریاب دن رات میں جس وقت چاھے بلا روک ٹوک آ سکے[1] ۔

زریاب نے نئی دھنیں اختراع کیں جو اتنی اثر انگیز تھیں کہ خود اسے یہ وھم ھو گیا تھا کہ جن اسے نئی نئی دھنیں اور نغمے سکھاتے ھیں زریاب موسیقی کے صحیح ذوق میں اپنے استاد اسحاق موصلی کا وارث تھا جسے یہ ذوق اپنے والد ابراھیم موصلی سے وراثت میں ملا تھا ، زریاب کا معمول تھا کہ وہ رات کو ایکدم سوتے سے اٹھ بیٹھتا تھا اور اپنی دو باندیوں غزلاں اور ھنیدہ کو بلاتا تھا وہ دونوں اپنا اپنا عود سنبھال لیتی تھیں اور زریاب اپنا عود سنبھال لیتا تھا اور رات بھر ان دونوں کو دھنیں بتاتا تھا ، پھر شعر لکھتا تھا اس کے بعد تیزی سے جا کر اپنے بستر پر دراز ھو جاتا تھا[2] ۔

زریاب نے عود میں پانچویں تار کا اضافہ کیا تھا اور اپنے عود کا مضراب لکڑی کی بجائے گدھ کے موٹے پر سے تیار کیا تھا[3] ۔

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۷۵۱ ۔
۲ ۔ نفح الطیب : جلد ۲ صفحہ ۷۵۱ ۔
۳ ۔ المقری : جلد ۲ صفحہ ۷۵۰ ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ زریاب کو دس ہزار گانے اور اس کی دھنیں یاد تھیں اور موسیقی مین وہ بطلیموس کا پیرو تھا جو موسیقی کا بانی مانا جاتا ہے ۔ عبدالرحمان الاوسط کے دور میں اندلس میں فن موسیقی نے بڑی ترقی کی تھی ، جو بقول مقری[۳] گانے کا بہت دلدادہ تھا اور گانے کے مقابلہ میں دوسری تمام لذتوں کو ھیچ خیال کرتا تھا ۔

ادب اور موسیقی میں زریاب کی اولاد اس کی وارث تھی جو آٹھ لڑکوں اور دو لڑکیوں پر مشتمل تھی ۔ لڑکیوں کے نام علیه اور حمدونه تھے۔ ان لڑکوں اور لڑکیوں نے موسیقی کی تعلیم اپنے باپ سے حاصل کی تھی اور اس فن میں مہارت بہم پہنچائی تھی۔ لڑکوں میں عبید اللہ فن موسیقی میں زیادہ کمال رکھتا تھا اس کے بعد عبدالرحمان کا درجه تھا ، لیکن عبیداللہ بڑا مغرور تھا اور فن موسیقی کے کمال پر اسے بڑا ناز تھا ، اپنے سے بڑوں پر استہزاء کرتا تھا ، اس کی وجه سے لوگ اس سے نفرت کرتے تھے ، اسی طرح فن موسیقی کے کمال میں حمدونه اپنی بہن علیه پر فوقیت رکھتی تھی حمدونه نے وزیرھشام بن عبدالعزیز سے شادی کر لی تھی اور اس نے اپنے سب بھائی بہنوں سے زیادہ عمر پائی تھی اس کی زندگی میں سب کا انتقال ھوگیا تھا ، صرف حمدونه زریاب کے فن کی وارث رہ گئی تھی ۔ زریاب کے خاندان میں اسی سے یه فن آگے چلا تھا ۔

زریاب کا امتیازی وصف یه تھا که اس نے اپنے زمانه میں باندیوں ۔ کو فن موسیقی کی تعلیم دی تھی اور انہیں عود بجانا

---

۳ ۔ المقری ؛ نفح الطیب : جلد ۱ صفحه ۱۶۵ ۔

سکھایا تھا، ان باندیوں میں غزلاں، هینده اور منفعة امتیازی درجه رکھتی تھیں۔ منفعة اپنے حسن و جمال میں مشهور تھی۔ عبدالرحمان الاوسط منفعة پر ریجھ گیا تھا زریاب نے اسے هدیه کے طور پر عبدالرحمان الاوسط کو دے دیا تھا ۔ عبدالرحمان نے اس کے معاوضه میں اسے بڑی رقم دی تھی[1] ۔

زریاب صرف فن موسیقی کا ماهر اور امام نہیں تھا بلکه وه ایک فطری شاعر ، ادیب اور بذله سنج بھی تھا اور علوم نجوم میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا ۔ لباس میں اس نے نئے نئے فیشن ایجاد کئے تھے ، جنہیں بلاد اندلس کے لوگوں نے اپنا لیا تھا ، کھانے میں اس نے جدید اقسام داخل کیں ، اندلس میں وه عزت اور ثروت میں اوج کمال پر پہنچ گیا تھا ، عبدالرحمان نے اس کی پوری قدر و منزلت کی تھی ، لوگ اس کی مہذب عادات اور اس کی بذله سنجیوں کو مثال میں پیش کرتے تھے ۔ زریاب کا شمار اندلس کی مشہور ترین شخصیتوں میں کیا جاتا هے ، لباس کے فیشن اور آداب معاشرت میں اسی کا سکه چلتا تھا جسطرح یورپی ممالک میں Potronius اور بروسیل و سیم Bean Brommel نئے نئے فیشن اور آداب معاشرت میں مقتداء خیال کئے جاتے هیں[3] مختصر یه هے که زریاب شہرت کے سب سے بلند رتبه پر پہنچ گیا تھا ، جب وه سوار هوکر

---

۱ ۔ المقری : جلد ۲ صفحات ۷۵۳ - ۷۵۴ ۔

۲ ۔ پٹرونس عشقیه داستان لکھنے میں کمال رکھتا تھا ۔

۳ ۔ یه جارج پرومل تھا جو لباس کے نئے نئے فیشن نکالنے میں بہت مشہور تھا ۔ ۱۷۷۸ء میں پیدا هوا اور ۱۸۴۰ء میں فوت هوا ۔

4. The Moors in Spain p. 82.

گزرتا تھا تو اعزاز کے طور پر سو غلام اس کے ساتھ چلتے تھے ۔

۳ ۔ خلفاء ، امراء اور وزراء کے محلات :

گھر اور اس کا ساز و سامان ، خورد و نوش کے طریقے ، شادی غمی کی محفلیں ، گھر والوں کا لباس ، یہ سب باتیں معاشرتی زندگی کے اہم مظاہر خیال کئے جاتے ہیں ۔ عباسی دور میں عوام خواص اپنے مکانات کی تعمیر میں ایرانی اسلوب سے خصوصی طور پر متاثر تھے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ عباسی فرمانروا ایرانیوں کی طرف مائل تھے ، انہیں سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کر دیا تھا اور ان کے نظام حکومت میں اپنا نظام حکومت ڈھال لیا تھا ۔ عباسیوں نے اپنے قصر کے مظاہر میں ، لباس میں ، عید کی تقریبات اور موسمی جشنوں اور دوسرے موقعوں پر ایرانیوں کی تقلید کی تھی ۔ بغداد کے مکانات کی تعمیر ایرانی طرز تعمیر اور بلاد شام کی روسی عمارتوں کی وضع پر کی گئی تھی ۔ یہ پختہ اینٹوں کے ہوتے تھے اور ان کے اوپر چونے کا پلستر ہوتا تھا ۔ امیروں کے گھر تین حصوں میں منقسم ہوتے تھے زنانخانہ ، غلام گردش اور مجلس خاصہ جو دعوت وغیرہ کے لئے مخصوص تھی ۔ مجلس خاصہ کے صحن میں موسیقی کے 'کنج چمن' ہوتے تھے جس میں پھلوں کے درخت اور پھولوں کے پودے ہوتے تھے ۔ دیواروں اور چھتوں پر سنہری پچہ کاری اور طرح طرح کے نقش و نگار ہوتے تھے ۔ ہر مکان کی ایک چہار دیواری ہوتی تھی لیکن عوام کے مکانات میں چہار دیواری نہیں ہوتی تھی ، اور ان کے روشن دان سڑکوں کی طرف کھلتے تھے حتیٰ کہ راستہ چلنے والے

گھروں کی اندر کی چیزیں دیکھ سکتے تھے [1] -

عباسیوں کے دور میں عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، کیونکہ ان کے زمانے میں خوشحالی عام تھی - بغداد اور سلطنت کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں کئی کئی منزلوں کی عمارتیں تھیں - ان کے بالاخانے قیمتی مسندوں اور ٹھیکری کے کاموں سے مزین تھے، یہ مکانات مرصع ہوتے تھے اور سنہری پچہ کاری میں کمال فن کے مظہر تھے اھل بغداد [2] اپنی مجلسوں کو قیمتی قالین اور اعلیٰ ساز و سامان سے آراستہ کرتے تھے - ان کی دیواروں پر منقش اور ریشمی پردے ڈالتے تھے - اپنے باغوں میں پھولوں کے پودے لگانے کے اتنے شوقین تھے کہ پھولوں کے مختلف پودے بلاد ھند سے منگوا کر لگاتے تھے - ان باتوں کی وجہ سے ان کے باغات بڑے قیمتی بن گئے تھے حتیٰ کہ ایک ایک باغ کی قیمت دس دس ھزار دینار تک پہنچ گئی تھی-

لوگ اپنے غلاموں کو بڑی اچھی تربیت دیتے تھے، بڑا ھنس مکھ اور چاق چوبند بناتے تھے، لہو و لعب اور باندیوں سے دلچسپی لینے کے دلدادہ تھے، طعام میں جدت اور تنوع کے شیفتہ تھے، حتیٰ کہ بے موسم کے شکار کو بڑی سے بڑی رقم میں حاصل کرتے تھے، اور بے موسم کے پھلوں کو چاندی کے مول خریدتے تھے- گرمی کا موسم گزارنے کے لئے اپنی نشست گاھیں آبشاروں اور فواروں کے درمیان بناتے تھے، جہاں درندوں، چڑیوں اور سیب وغیرہ کی شکلوں کے فواروں سے پانی اچھلتا تھا، جانوروں اور چڑیوں وغیرہ کی

---

۱ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحات ۲۵ - ۲۶ -
۲ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحه ۹۹ -

یہ شکلیں سنگ مرمر سے بناتے تھے - ان آبشاروں کی ٹھنڈک ، جسم اور روح کو تازگی بخشتی تھی ، اس دور کے لوگوں نے چھتوں میں پنکھے لگوائے تھے ، جو ایک رسی سے کھینچے جاتے تھے اور ان سے ٹھنڈی ھوا نکلتی تھی ، لباس میں اور زیب و زینت کی چیزوں میں نئے نئے اختراعات کئے تھے ، جن گھوڑوں پر سوار ہوتے ان پر ریشمی جھول پڑی ہوتی تھی اور وہ چاندی کے بھاری زیور پہنے ہوتے - غرض انہوں نے معاشرتی اور ثقافتی زندگی میں اتنی ترقی کی تھی کہ ان سے پہلے ترقی یافتہ قومیں ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکی تھیں ، خلفاء کے محل بہت کشادہ ہوتے تھے ، ان میں گنبد ، سائبان ، باغات اور وسیع چھتیں ہوتی تھیں ، جن پر پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوتی تھیں ، سائبانوں میں رہنے والے غلاموں کی تعداد کے مطابق انہیں اربعینی یاستینی (چالیس غلاموں کی تعداد کے لائق یا ساٹھ غلاموں کے رہنے کے لائق) کہتے تھے- ان محلوں میں ایک قصرالذھب بہت مشہور تھا جسے منصور نے وسط بغداد میں بنوایا تھا ، اور دوسرا قصر خلد بہت امتیازی حیثیت رکھتا تھا ، جسے منصور نے دجلہ کے مغربی کنارہ باب خراسان کی سمت تعمیر کرایا تھا - اس کی غیر معمولی خوبصورتی کی وجہ سے اسے قصر خلد کے نام سے موسوم کیا گیا تھا - اس قصر کے ارد گرد مختلف مکانات بنوائے گئے تھے اور قصر اور اس کے آس پاس کے سارے علاقہ کو خلد کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا[1] - اس قصر میں بے نظیر گنبد تھے - اس کے دروازوں میں سونے چاندی کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور سوٹے موٹے ستونوں کا ایک سلسلہ چلا گیا تھا

---

۱ - تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۵ -

ساج کی لکڑی کا ستون کھڑا تھا ، جس پر لاجورد اور سونے کی پچہ کاری کی گئی تھی ۔ اس گنبد کا نام قبۃالمنطقہ تھا اور سائبان کی اس سمت کو رواق قبۃالمنطقہ کہا جاتا تھا "۔

امراء اور سلطنت کے ممتاز لوگوں کے محلات میں موسیقی کے لئے کنج چمن ہوتے تھے اور یہ محل وسعت اور عظمت و شان میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے ۔ اس کی سب سے بڑی مثال قصر عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے ، جو دجلہ سے نکلنے والی نہر رفیل کے دھانہ کے قریب تعمیر کیا گیا تھا ایکبار[1] منصور نے اپنے چچا عیسیٰ بن علی سے ملنے کے لئے گیا ، منصور کے ساتھ چار ہزار آدمی تھے ۔ اس قصر کی وسعت کی وجہ سے اس قدر آدمیوں کے ٹھہرنے کا انتظام آسانی سے ہوگیا ۔ جب منصور رخصت ہونے لگا تو اپنے چچا سے کہا ابوالعباس : میری ایک درخواست ہے ، عیسیٰ بن علی نے پوچھا وہ کیا ؟ امیرالمومنین! آپ کے ہر حکم کی دل وجان سے اطاعت کرونگا ۔ منصور نے کہا یہ محل مجھے دے دیجئے ۔ عیسیٰ نے جواب دیا ، مجھے دے دینے میں کوئی تامل نہیں ہے ، لیکن لوگ یہ کہیں گے کہ امیر المومنین اپنے چچا سے ملنے گئے اور اس کے اھل و عیال کو محل سے نکال باھر کیا اور اس پر قبضہ کر لیا ، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ اس قصر میں امیرالمومنین ھی کی حرم اور غلام رھتے ھیں، جن کی تعداد چار ہزار ہے، مجھے ان کے رھنے کا بندوبست کرنا پڑے گا ، امیر المومنین سے درخواست ہے کہ وہ مجھے کوئی کشادہ میدان عطا کردیں تاکہ میں وھاں خیمے لگا لوں اور ان

---

۱ - معجم البلدان : جلد ۷ صفحہ ۱۰۷ -

سب کو لے جاؤں، جب ان کے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ بنالوں گا اس وقت وہاں منتقل ہو جاؤں گا - منصور نے جواب دیا - محترم چچا آپ کا محل آپ کو مبارک رہے اس کے بعد رخصت کی اجازت لی -

برامکہ نے بڑے عظیم‌الشان محل بنوائے تھے اور ان کی زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی اور مرور زمانہ کے بعد بھی یہ محلات زبان حال سے ان کی عظمت و شان کی گواہی دیتے تھے - جہشیاری کا بیان ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے اپنے بیٹوں جعفر اور فضل سے کہا ، تعمیر سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے جو یاد گار ثابت ہو اور لوگوں میں بنانے والے کی یاد تازہ کرتی رہے - اس لئے تم عمارات بناؤ تاکہ تمہارا ذکر باقی رہے - باپ کی نصیحت کے مطابق جعفر اور فضل دونوں نے اپنے اپنے لئے قصر بنوائے تھے - جعفر نے ابوالفضل عمرو بن سعد سے اپنے قصر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا - اگر میرے مرنے کے بعد میری کوئی یادگار باقی رہے گی تو یہ قصر جعفر ہوگا اور اگر کسی وقت سلطان کی حریصانہ نگاہ میری کسی چیز پر پڑی تو وہ قصر جعفر ہوگا - ایک مدت تک زمانہ کے حوادث کا جس پر کوئی اثر نہ ہوگا وہ یہ قصر جعفر ہوگا - اس کا نام اور شہرت برابر باقی رہے گی اور شاید کوئی ایسا شخص اس قصر کے پاس سے گزرے جس پر ہمارا کوئی احسان ہو ، اس وقت وہ کم سے کم رحم کی نگاہ ڈالتا ہوا گزرے گا -

برامکہ ، زندگی بڑی عیش و عشرت سے گزارتے تھے اور شعراء اور علماء پر بے دریغ مال و دولت صرف کرتے تھے - ان کے

دروازے سے کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا - مؤرخین کا بیان ہے کہ جعفر برمکی نے اپنے قصر کی تعمیر پر بیس ملین درہم خرچ کئے تھے ، جو ایک ملین تین لاکھ دینار کے لگ بھگ ہوتے تھے اس میں زیب و زینت خدم و حشم اور دوسری ضروریات کے اخراجات شامل نہں تھے -

محمد بن سلیمان نے بصرہ میں ایک مہتمم بالشان قصر بنوایا تھا - ایک سیاح نے اس پر اظہار رائے کرتے ہوئے محمد بن سلیمان سے کہا تھا "آپ نے بڑا عالیشان اور وسیع قصر بنوایا ہے - اس جگہ کی آب و ہوا بڑی لطیف ہے - محل وقوع نہایت عمدہ ہے کیونکہ یہ محل صواری حسان اور ظبأ کے مابین واقع ہے محمد نے انکساری کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا کہ تمہارے تعریفی کلمات ہمارے محل سے کہیں اچھے ہیں[1]-

محمد بن سلیمان نے اپنے مرنے کے بعد نفیس قالینوں ، گھوڑوں اور اونٹوں کی بہت بڑی تعداد چھوڑی تھی - اس کے محل سے عطریات اور جواہرات کی بھی بہت بڑی مقدار نکلی تھی - محمد بن سلیمان نے ساٹھ ملین درہم نقد چھوڑے تھے اور بہت کچھ زمینیں چھوڑی تھیں، اس کے خزانہ سے ان نوادرات اور تحائف کی بھی بہت بڑی مقدار نکلی تھی جو اس کے پاس ہدیہ کے طور پر سندھ ، مکران ، کرمان ، فارس ، اھواز ، یمامہ ، ری اور عمان[2] سے آتے تھے -

ایرانیوں کی طرح عباسیوں کا بھی معمول تھا کہ وہ سورج کی تپش کو کم کرنے کے لئے اپنے مکانوں کی چھتیں

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۵۱ - ۵۲ -
۲ - مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۲۶۴ -

اندلس کے اموی فرمانرواؤں کے محلات بھی بغداد کے عباسی خلفاء کے محلوں سے خوبصورتی اور زیب و زینت میں کسی طرح کم نہ تھے - قرطبہ اور اندلس کے دوسرے اہم شہر اپنے عالیشان اور خوبصورت محلوں کے لحاظ سے بہت مشہور تھے - یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اندلس کے اموی فرمانرواؤں نے عبدالرحمان الداخل اور عبدالرحمان الاوسط کے بعد بڑے عالیشان محل بنوائے تھے - مثلاً مجلس الزاهر البہو الکامل ، قصر منیف اور قصر دمشق -

۴ - طعام :

عباسیوں نے طعام کے تنوع کی طرف خاص دھیان دیا تھا - منصور کھانے پینے کی چیزوں میں بہت انتہا پسند تھا اور اطباء کی ہدایات کی کوئی پروا نہ کرتا تھا ، یہی عادت اس کی صحت کی خرابی اور موت کا باعث ہوئی - ہارون رشید کے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے ہوتے تھے - مؤرخین کا بیان ہے کہ باورچی اس کے لئے روزانہ تیس قسم کے کھانے تیار کرتے تھے - ہارون رشید کے مطبخ کا یومیہ خرچ دس ہزار درہم تھا - ہارون رشید نے زبیدہ بنت منصور سے شادی کے موقع پر پچپن ملین درہم اپنے ولیمہ پر خرچ کئے تھے -

ہارون رشید [۱] ایک بار اپنے چچا عیسیٰ بن علی سے ملنے کے لئے گیا تھا ، اس وقت چار ہزار آدمی اس کے ساتھ تھے - عیسیٰ بن علی نے ان سب کے لئے طرح طرح کے کھانوں کا

---

۱ - معجم البلدان قصر عیسیٰ بن علی — مسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحات ۲۷۹ - ۲۸۰ -

انتظام کیا تھا۔ ان کھانوں میں روٹی تھی، بکری کے بچہ کا گوشت تھا، مرغی کا گوشت تھا، انڈے تھے اور پرندوں کا گوشت تھا، جس طرح موجودہ زمانہ میں ولیموں کی دعوتوں کے موقعوں پر ان کھانوں کا انتظام ہوتا ہے۔

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے دور میں طعام پر صرف خلفاء ہی بے دریغ صرف نہیں کرتے تھے بلکہ امراء اور قلمرو کے ممتاز افراد بھی اس پر دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ انتہا یہ تھی کہ بعض امراء کے لئے مچھلیوں کی بہت بڑی مقدار خریدی جاتی تھی اور صرف ان کی زبانیں تل کر ان کے دستر خوان پر لائی جاتی تھیں۔ یہ محض ایک مثال ہے، اس قسم کی اور بہت سی لذیذ اور گراں قیمت چیزوں سے ان کے دستر خوان آراستہ ہوتے تھے۔ ابراہیم بن مہدی[1] کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے رقہ میں ہارون رشید کو دعوت دی، جسے اس نے منظور کر لیا۔ ہارون رشید کا معمول تھا کہ وہ گرم کھائے جانے والے کھانے پہلے کھاتا تھا اور ٹھنڈے اس کے بعد کھاتا تھا۔ جب اس کے سامنے مختلف ٹھنڈے کھانے رکھے گئے تو ان میں ایک پیالہ بھی تھا، جس میں مچھلی کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے۔ ہارون رشید کو یہ ٹکڑے بہت چھوٹے معلوم ہوئے اور اس نے مجھ سے پوچھا، تمہارے باورچی نے مچھلی کے اتنے چھوٹے ٹکڑے کیوں بنائے؟ میں نے جواب دیا، امیرالمومنین! یہ مچھلی کی زبانیں ہیں۔ ہارون رشید نے کہا اس پیالہ میں کوئی سو زبانیں ہونگی؟ مطبخ کے افسر نے جواب دیا۔ امیرالمومنین! اس میں ڈیڑھ سو زبانیں ہیں۔ ہارون رشید

---

۱ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحات ۲۷۹ - ۲۸۰ -

نے کہا ، حلفیہ بیان کرو کہ اس ایک پیالہ پر کتنا خرچ ہوا ہے ؟ مطبخ کے افسر نے جواب دیا ، ایک ہزار درہم سے اوپر ، اس پر ہارون رشید نے کھانے سے اپنا ہاتھ روک لیا اور کہا جب تک تم ایک ہزار درہم لے کر نہیں آؤ گے اس وقت تک میں کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا ۔ جب افسر مطبخ ایک ہزار درہم لے کر حاضر ہوا تو ہارون نے انہیں خیرات کر دینے کا حکم دیا اور کہا تو نے مچھلی کے ایک پیالہ پر جو فضول خرچی کی ہے شاید اب اس کا کفارہ ادا ہو جائے ۔

مامون کا یومیہ خرچ چھ ہزار دینار تھا اس مقدار میں سے زیادہ تر مطبخ پر صرف ہوتا تھا [1] ۔

اہل بغداد طعام کی مختلف قسموں پر بڑی دریا دلی سے خرچ کرتے تھے ، وہ بے موسم کی چیزیں کھانے کے بڑے دلدادہ تھے ۔ مثلاً بے موسم کا شکار ، بے موسم کا میوہ اور سبزیاں ، بعض اوقات ان بے موسمی چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے ہم وزن چاندی تک دینا پڑتی تھی[2] ۔ وہ کھانے کی مختلف چیزیں مثلاً مچھلی ، غلہ اور پنیر وغیرہ فارس ، عمان اور ہند سے درآمد کرتے تھے[3] ۔ اگرچہ خلفاء عباسیہ نبیذ پیتے تھے لیکن ان میں سے اکثر خلفاء اسے دستر خوان پر پینے کی اجازت نہیں دیتے تھے ۔ طبری کا بیان ہے کہ بختیشوع طبیب سوس سے بغداد آیا تو منصور نے اپنے قصر میں اسے ٹھہرایا ۔ جب بختیشوع کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا تو اس نے شراب لانے کے لئے

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۷ ۔
۲ ۔ حضارۃ الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ۸۹ ۔
۳ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۵۲ ۔

کہا ، منصور کو اس بات کی خبر دی گئی مگر اس نے اس کی اجازت نہیں دی - جب رات کا کھانا دیا گیا تو پھر اس نے شراب کا مطالبہ کیا - اس وقت اسے واضح لفظوں میں بتایا گیا کہ امیرالمومنین کے دستر خوان پر شراب نہیں پی جا سکتی - بختیشوع نے کھانا کھایا اور دجلہ کا پانی پیا - دوسرے روز جب بختیشوع کے لئے دوپہر کا کھانا چنا گیا اور دستر خوان پر اس نے دجلہ کا پانی دیکھا تو کہنے لگا "مجھے گمان بھی نہ تھا کہ شراب کا بدل کوئی چیز ھو سکتی ھے - خیر اب دجلہ کا پانی ھی شراب سمجھ کر پی لوں گا - مقریزی نے بیان کیا ھے کہ ۲۱۷ھ میں مامون ، شاھی خاندان کے متعدد افراد اور ممتاز ارکان خلافت کے ساتھ مصر کے دورہ پر گیا تھا اور قبط کی ایک عورت کے علاقہ میں ٹھہرا تھا - اس عورت نے پورے لاؤ لشکر کے لئے کھانے پینے اور آسائش کا جو وسیع پیمانہ پر اہتمام کیا تھا - اس سے مصر کی دولت و ثروت اور خوشحالی کا اندازہ کیا جا سکتا ھے -

اس واقعہ کی تفصیل یہ ھے کہ مامون ایک بار مصر کے دورہ پر گیا تھا - اس دورہ میں اس کا معمول تھا کہ وہ ہر گاؤں میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شبانہ روز قیام کرتا تھا - اس اثناء میں اس کا گزر ایک گاؤں سے ھوا جس کا نام طاء النمل تھا - نام کی حقارت کی وجہ سے وہ اس گاؤں میں نہ ٹھہرا - جب وہ گاؤں سے آگے بڑھ گیا تو ایک بڑھیا چیختی ھوئی نکلی جس کا نام ماریہ قبطیہ تھا اور جو اس گاؤں کی زمیندار تھی - مامون نے خیال کیا کہ شائد کوئی دکھیا داد خواہ ھے اس خیال سے ٹھہر گیا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ھوگا کہ مامون

کے ساتھ ہمیشہ ہر زبان کے ترجمان ہوا کرتے تھے۔ ترجمانوں نے اسے بتایا کہ بڑھیا یہ کہہ رہی ہے "امیرالمومنین! آپ نے ہر گاؤں میں قیام فرمایا اور میرے گاؤں کو چھوڑ کر آپ آگے بڑھ گئے۔ قبطی قوم مجھے اس بات پر طعنے دے گی۔ میری التجا ہے کہ امیرالمومنین میرے گاؤں میں بھی قیام فرمائیں تاکہ میری عزت افزائی ہو اور میرے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ ملے۔ یہ التجا کر کے بڑھیا زور زور سے رونے لگی۔ مامون کو ترس آگیا اور گھوڑے کی باگ اس کے گاؤں کی طرف موڑ دی اور اس کے گاؤں میں پہونچ کر خیمے ڈال دئے۔ بڑھیا کا لڑکا مامون کے مطبخ کے نگران کے پاس حاضر ہوا اور اس سے دریافت کیا کہ کتنی بکریاں، مرغیاں، چوزے، مچھلی، مصالحہ، شکر، شہد، کیوڑہ، گلاب، موم، میوے اور چارہ دانہ حاضر کیا جائے؟ نگران مطبخ نے جتنا بتایا اس نے اس سے کچھ زیادہ لا دیا۔ مامون کے ساتھ مامون کا بھائی معتصم، بیٹا عباس اور بھتیجے واثق اور متوکل کے علاوہ یحییٰ بن اکثم اور قاضی احمد بن ابی داؤد بھی تھے۔ ان سب کے لئے بڑھیا نے ان چیزوں کا انتظام کیا جو انہیں انفرادی طور پر مرغوب تھیں۔ تمام فوجی جرنلوں اور دوسروں کے لئے بھی وہی چیزیں مہیا کی گئیں جو انہیں پسند تھیں اور مامون کے سامنے اچھے سے اچھے کھانے اور لذیذ سے لذیذ چیزوں کی بہت بڑی مقدار پیش کی، ان چیزوں کو دیکھ کر مامون کو بڑی حیرت ہوئی۔ جب صبح ہوئی اور مامون نے روانگی کا ارادہ کیا تو بڑھیا حاضر ہوئی، اس کے ساتھ دس باندیاں تھیں، ہر باندی ایک طبق اٹھائے ہوئے تھی۔ مامون نے اسے دیکھ کر حاضرین

سے کہا تمہارے لئے قبطی عورت گاؤں کا تحفہ ساگ پات ، نمکین مچھلی اور ایلوا لائی ہے ۔ لیکن جب ماموں کے سامنے طبق رکھے گئے اور اس نے خوان پوش اٹھا کر دیکھا تو ہر طبق میں دیناروں کی ایک ایک تھیلی رکھی ہوئی تھی ۔ ماموں کو تعجب ہوا اور شکریہ کے ساتھ واپس کر دینے کا حکم دیا ۔ بڑھیا نے کہا خدا کی قسم یہ میں واپس نہیں لے جاؤں گی ۔ ماموں نے جب دیناروں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سب اسی سنہ کے دینار تھے ۔ اس پر ماموں کہنے لگا ، خدا کی قسم ہمارے بیعت المال میں بھی اس سال کے اتنے دینار نہیں ہوں گے ۔ بڑھیا نے کہا ، امیرالمومنین ! ہمارا دل نہ توڑئے اور انکار کر کے ہماری توہین نہ کیجئے ۔ ماموں نے جواب دیا تیری دل شکنی کے خیال سے اس میں چند دینار لئے لیتے ہیں ، ہم یہ نہیں چاہتے کہ تجھے زیر بار کیا جائے ۔ باقی دینار لے جا ! خدا تجھے مبارک کرے ۔ بڑھیا نے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور دینار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے لئے یہ مٹی دینار ہے ۔ یہ سونا اگلتی ہے ۔ دوسرے آپ کے عدل و انصاف کی وجہ سے سلطنت میں خوشحالی عام ہے اور میرے پاس دیناروں کی کوئی کمی نہیں ہے ۔ بڑھیا کے اصرار پر ماموں نے حکم دیا کہ قبول کر لئے جائیں ۔ اس کے بعد بڑھیا کو چند جاگیریں دیں اور اس کے گاؤں طاء النمل کی زمینوں میں سے دو سو فدان زمین کا خراج معاف کر دیا اور بڑھیا کی مروت اور خوشحالی پر تعجب کرتا ہوا گاؤں سے روانہ ہوا[1] ۔

بلاد اندلس میں زریاب نے کھانے کی متعدد اقسام

---

۱ ۔ مقریزی : خطط جلد ۱ صفحہ ۸۱ ۔

اختراع کی تھیں ، مثلاً اس نے سوئے کے ساگ کو کھانے کی قسموں میں داخل کیا تھا جسے اندلس کے لوگ اسفرج (Aspirago) کہتے تھے۔ کھانے کی قسموں میں زریاب نے ایک اور قسم داخل کی ۔ جسے ”نقایا“ کہا جاتا تھا ۔ اس میں ھرے دھنئے کو سبزیوں اور کبابوں میں بھرا جاتا تھا ۔ ایک اور قسم بھی ایجاد کی جسے ”تقلیۂ زریاب“ کہا جاتا تھا اور وہ شوربه دار مرغی یا خرگوش ھوتا تھا جس میں بہت سا میوہ اور قسم قسم کا مصالحه ڈالا جاتا تھا ۔ زریاب نے سب سے پہلے کانچ کے پیالوں میں کھانے کا رواج ڈالا تھا ۔ اس سے پہلے امراء سونے اور چاندی کے پیالوں میں کھاتے تھے ۔ چمڑے کے دستر خوان کا رواج بھی زریاب نے ڈالا تھا اندلس کے خلفاء ، امراء اور بڑے بڑے لوگوں نے دستر خوان کے آداب میں زریاب کو اپنا امام تسلیم کیا ھے[1] ۔

٥ ۔ لباس :

خلافت عباسیه پر ایرانیوں کے اقتدار کا اثر قصر خلافت اور ارکان سلطنت کے لباس اور ان کے فیشنوں پر بھی کچھ کم نه پڑا تھا ۔ ”عباسیوں کے قصر خلافت پر ایرانیوں کا اثر“ اس موضوع پر فان کریمر[2] بحث کرتے ھوئے لکھتا ھے که ھادی، ھارون اور مامون کے دور میں یه اثر و نفوذ انتہا کو پہنچ گیا تھا ۔ مامون کے اکثر وزراء ایرانی یا نسلاً ایرانی تھے اور بغداد میں ایرانی لباسوں اور فیشنوں سے دلچسپی بہت بڑھ گئی تھی اور ان کا رواج عام ھو گیا تھا ۔

---

۱ ۔ مقری : نفح الطیب جلد ۲ صفحات ۷۵۱ ۔ ۷۵۲ ۔

2. Striefzuge : p. 32 - 33.

ایرانی لباس دربار خلافت کا سرکاری لباس تھا منصور نے مخروطی شکل کی لمبی سیاہ ٹوپی کو سرکاری یونیفارم قرار دیا تھا ۔ اسی طرح منصور نے زربفت کا لباس سرکاری لباس قرار دیا تھا اور خلیفہ کی طرف سے یہ لباس خلعت کے طور پر دیا جاتا تھا ۔ ایرانی لباس سرکاری لباس تھا، یہ بات ان سکوں سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو محکمۂ آثار قدیمہ کو خلیفہ متوکل کے دور کے ڈھلے ہوئے ملے ہیں جن میں متوکل خالص ایرانی لباس پہنے ہوئے نظر آتا ہے ۔

عباسیوں کے دور میں اونچے طبقہ کا لباس ، لمبی چوڑی شلوار، قمیص، جیکٹ، چادر ، جبہ ، قباء اور ٹوپی پر مشتمل تھا ۔ عام لوگوں کا لباس، پائجامہ ، قمیص ، جیکٹ ، بڑی سی چادر ، اور پٹکے پر مشتمل تھا ۔ اس زمانہ میں لوگ جوتے اور چپلیں بھی پہنتے تھے ۔

سفید لباس پسندیدہ خیال کیا جاتا تھا ۔ آنحضرتؐ کی حدیث ہے ”خدا نے تمہارے لئے سفید لباس پسند کیا ہے ، جسے اپنی زندگی میں بھی پہنو اور اس کا کفن اپنے مردوں کو پہناؤ“۔

چوتھی صدی ہجری میں مردوں کے لئے رنگین لباس پہن کر نکلنا معیوب خیال کیا جاتا تھا ۔ اسے صرف گھروں میں پہنا جا سکتا تھا ، لیکن رنگین لباس عورتوں کے لئے روا سمجھا جاتا تھا [1]۔

جلوس کے وقت خلیفہ کا لباس سیاہ یا بنفشئی رنگ کی قباء ہوتی تھی جو گھٹنوں تک ہوتی تھی، جواہر سے مرصع پٹکا بندھا ہوتا تھا ، اس پر سیاہ عباء پہنے ہوتا تھا ۔ لمبی ٹوپی ہوتی تھی

---

۱ ۔ متز : الحضارۃ الاسلامیہ جلد ۲ صفحات ۱۸۷ ۱۸۹ ۔

جس میں گراں بہا جواھرات ٹکے ھوتے تھے [1] - امراء اور شرفاء لباس میں خلفاء کے نقش قدم پر چلتے تھے - خلفاء اور قضاۃ عمامہ اور عباء پہنتے تھے - اس میں وہ آنحضرت کی اقتداء کرتے تھے - خلفاء اور قاضی لمبی ٹوپی پہنتے تھے جس کے ارد گرد سیاہ رنگ کا عمامہ باندھتے تھے جو عباسیوں کا قومی شعار تھا -

ابن خلدون[2] (متوفی ۶۸۱ھ) کا بیان ھے کہ ھارون رشید کے قاضی امام ابو یوسف رح نے سب سے پہلے علماء کا امتیازی لباس قرار دیا تھا ، جو اس زمانہ تک رائج ھے - اس سے پہلے علماء اور غیر علماء کے لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا- کاتب (سیکریٹری) صدریاں پہنتے تھے اور جرنل چھوٹی ایرانی قباء پہنتے تھے[3] - غیر علماء اپنے گھروں میں صرف ٹوپی پہنتے تھے - ٹوپی کے نیچے ایک سفید ریشمی رومال سا باندھ لیتے تھے - اس کے بعد بنفشئی رنگ کا ایک باریک رومال باندھنے لگے تھے - دورِ عباسیہ میں اعلیٰ طبقہ کا لباس لمبی چوڑی شلوار ، قمیص ، صدری ، چادر ، گاؤن ، قباء ، ٹوپی ، عباء یا جبہ پر مشتمل تھا - متمول مرد اور عورتیں موزے بھی پہنتی تھیں ، جو ریشم ، اون یا چمڑے کے ھوتے تھے- اور انہیں ''موزاج'' کہا جاتا تھا - مزدوروں اور دوسرے محنت پیشہ طبقہ کا لباس بہت مختلف ھوتا تھا - عام لوگوں کا لباس پائجامہ ، قمیص ، صدری ، لمبی سی چادر ، اور پٹکے پر مشتمل تھا - وہ جوتے اور چپلیں بھی پہنتے تھے- فوج کے لوگ صرف جوتے پہنتے تھے- بعض بڑے بڑے لوگ جوتے اور چرمی موزے ایک ساتھ پہنتے تھے - لیکن جب

---

۱ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحہ ۳۸۷ -
۲ - وفیات الاعیان : جلد ۲ صفحہ ۳۳ -
۳ - متز : الحضارۃ الاسلامیہ صفحہ ۱۷۹ -

مسجدوں یا محلوں میں داخل ہوتے تھے ، اس وقت جوتے اتار دیتے تھے اور سوزے پہنے رہتے تھے[۱] - عورتوں کا لباس لمبی چوڑی چادر اور قمیص تھا جو گردن کے پاس سے شق ہوتی تھی سردیوں میں ایک چھوٹی چادر یا شال اوڑھتی تھیں - عرب عورتیں جب گھر سے باھر نکلتی تھیں تو ایک لمبی چوڑی چادر سے اپنا سارا جسم ڈھانپ لیتی تھیں تاکہ ان کا لباس گرد و غبار سے محفوظ رہے، اپنے سر پر ایک رومال لپیٹ لیتی تھیں جسے گردن کے نیچے باندھ لیتی تھیں -

دور بنی امیہ کی طرح دور عباسیہ میں بھی عورتوں کے لباس میں بڑا تنوع پیدا ھو گیا تھا ، آونچے طبقہ کی خواتین سر پر ایک رومال سا باندھتی تھیں ، جس میں جواھرات ٹکے ہوتے تھے ، اس کے ساتھ سونے کی ایک زنجیر باندھتی تھیں ، جس میں قیمتی موتی لگے ہوتے تھے - اس رومال کی ایجاد کا سہرا ھارون رشید کی بہن علیہ کے سر ہے، اس طبقہ کی خواتین خوبصورتی کے لئے رومال کے سرے سے اس زنجیر کو باندھ لیتی تھیں، متوسط طبقہ کی خواتین سروں پر سونے کے زیورات پہنتی تھیں اور سر کے ارد گرد ایک پٹی سی لپیٹ لیتی تھیں ، جس میں موتی اور زمرد ٹکے ہوتے تھے - پیروں میں پائل اور ھاتھوں اور پہنچوں میں کڑے اور پھونچیاں پہنتی تھیں - یہ عورتیں زیب و زینت کی ان باتوں سے واقف تھیں جو ایرانی عورتیں اختیار کرتی تھیں اور مصنوعی زیب و زینت کی ان چیزوں سے بھی با خبر تھیں جو دھقانی عرب عورتیں استعمال کرتی تھیں[۲] -

---

۱ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۳۸۸ - ۳۸۹ -

۲ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۳۸۹ - ۳۹۰ -

زبیدہ خاتون نے لباس میں بہت تنوع پیدا کیا تھا ۔ انہوں نے لباس میں جو نئے نئے ڈیزائن اختراع کئے تھے وہ اس دور کے اونچے طبقے کی خواتین میں بہت مقبول ہوئے تھے۔ جواہرات سے مرصع پٹکے اور جوتے بھی انہیں کی طرف منسوب ہیں ، انس کے علاوہ زبیدہ‌خاتون لباس اور زیب و زینت کا سامان خریدنے میں بڑے اسراف سے کام لیتی تھیں ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ انہوں نے اعلیٰ نقش و نگار کا ایک کپڑا پچاس ہزار دینار سے زیادہ قیمت میں خریدا تھا[1]۔ سلطنت کے ارکان کے لباس سے ان کے مرتبوں کا پتہ چل جاتا تھا ۔ منصور نے ایک دبیز سوتی کپڑا تیار کرایا تھا جو گرمی کی تپش سے بچنے کے لئے سونے کے کمرے کے ارد گرد لگایا تھا ۔

اندلس میں زریاب ، لباس کے اختراع میں اہل اندلس کا مقتدا تھا اس نے مختلف موسموں کے لحاظ سے مختلف مناسب لباس پہننے کا رواج ڈالا تھا ۔ اس نے یہ رائے دی تھی کہ یوم مہرجان سے لوگ سفید لباس پہننے کی ابتداء کریں اور رنگین لباس اتار دیں ۔ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ یوم مہرجان رومی کیلنڈر کے حساب سے بؤنہ مہینے کی چوبیس تاریخ کو پڑتا تھا ، زریاب کی رائے تھی کہ یوم مہرجان سے پہلی اکتوبر تک سفید لباس پہنا جائے اور باقی سال رنگین کپڑے پہنے جائیں جس موسم میں نہ سردی زیادہ ہو نہ گرمی، اس میں ریشمی جبے، آدھے سوت آدھے ریشم کے کپڑے اور صدریاں پہنی جائیں اور گرمی کے آخر اور خریف کے شروع میں

---

۱ ۔ حضارۃ الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ٥۹ ۔
۲ ۔ الفخری : صفحہ ۱۴۳ ۔
۳ ۔ نفح الطیب : جلد ۲ صفحہ ۷٥۲ ۔

یعنی جس موسم میں دن میں گرمی پڑے اور رات کو خنکی ہو جائے اس موسم میں دن میں رنگین ہلکے کپڑے پہنیں اور صبح کو دبیز کپڑے پہنیں - جب سردی پڑنے لگے تو موٹے کپڑے پہنیں اور ضرورت کے مطابق فر وغیرہ پہنیں، زریاب کے زمانہ میں لوگ سر کے بالوں کو منتشر رکھتے تھے اور بالوں کی لٹوں کو بھنوؤں اور کن پٹیوں کے اوپر ڈالتے تھے - زریاب نے لوگوں کی اس عادت کو بھی چھڑا دیا تھا [١] -

عورت کا درجہ :

عباسیوں کے دور اول میں عورت کو بہت کچھ آزادی حاصل تھی، بعض عورتیں حکومت کے معاملات تک میں دخیل تھیں، مثلاً خلیفہ ہادی کی ماں خیزران بسا اوقات اپنے بیٹے ہادی سے ان لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے اصرار کرتی تھی، جو اس کے دروازے پر آتے تھے مگر ہادی بڑا غیرتمند تھا اور اپنی ماں کے دروازے پر نا محرموں کے اجتماع کو پسند نہیں کرتا تھا اس لئے اس نے اپنی ماں کو مجبور کیا تھا کہ وہ حکومت کے معاملات میں دخل دینے سے باز رہے اور ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھے -

اسی طرح ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا حکومت کے معاملات میں بہت اثر و نفوذ تھا - جب اس نے ١٨٦ھ میں بیت اللہ کا حج کیا تھا اور اہلِ مکہ کی ان تکلیفوں کو محسوس کیا جو انہیں پینے کا پانی حاصل کرنے کے لئے اٹھانا پڑتی تھیں تو اس نے حکم دیا کہ مختلف شہروں سے انجینئروں اور کاریگروں کو

---

١ - نفح الطیب : جلد ٢ صفحات ۷٥١ - ۷٥٢ -

جمع کیا جائے اور ایک نہر نکالی جائے چنانچہ بڑے بڑے انجینیر اور مزدور اور کاریگر مکہ میں جمع کئے گئے اور انہوں نے پہاڑوں کے پانی کے چشموں کا جائزہ لیا اور حنین کے چشمے سے پانی نیچے بہایا گیا پھر حرم تک پانی کی ریل پیل ہوگئی اس وقت سے یہ نہر برابر مکہ تک جاری ہے ۔

اس زمانے میں عورتوں کو جنگوں میں بھی شرکت کی اجازت تھی ، چنانچہ خلیفہ منصور کے چچا علی بن عبداللہ بن عباس کی دو بیٹیاں ام عیسیٰ اور لبابہ نے جنگوں میں شرکت کی تھی ۔ ہارون رشید کے زمانے میں عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں اور میدان جنگ میں فوجی قیادت بھی کرتی تھیں [1] رومیوں نے معتصم کے عہد میں ایک غارت گری میں مسلمان عورتوں کو قید کرلیا اور ان کے ناک کان کاٹ دئے تھے ، بربریت کے اس مظاہرہ کے وقت ایک ہاشمی خاتون نے دہائی دی تھی ، معتصم مجھے بچا ! معتصم کو جس وقت پرچہ نویسوں نے اس واقعہ کی اطلاع دی ، وہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھاتا ہوا ایک جرار لشکر لے کر پہنچا اور رومیوں کے دارالحکومت عموریہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ، عموریہ میں رومیوں کی یہ شکست تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ اس دور میں ثقافت کی ترقی میں بھی عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے چنانچہ عورتیں شعر کہتی تھیں ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر مردوں سے مناظرے کرتی تھیں اور مختلف سیاسی اور مذہبی نظریوں پر مردوں سے مساویانہ درجہ سے بحث کرتی تھیں ۔ یہ ہارون رشید اور مامون کے عہد کا ذکر ہے ۔ زبیدہ خاتون شاعرہ تھیں اور ثقافت کے مسائل پر انہیں پورا عبور تھا ۔ ان

---

۱ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحہ ۲۹۰ ۔

کے بہت سے خطوط عربی ادب کی کتابوں میں پائے جاتے ھیں ، جو انہوں نے اپنے شوھر ھارون رشید کو لکھے تھے، ان میں بڑے پائے کے اشعار ملتے ھیں - زبیدہ کا وہ قصیدہ جو انہوں نے خلیفہ مامون کو اس وقت بھیجا تھا ، جب ان کا بیٹا امین قتل کیا گیا تھا ، عربی ادب میں نمایاں حیثیت رکھتا ھے یہ قصیدہ ان کے ادبی کمال ، اور سیاسی سوجھ بوجھ دونوں پر گہری روشنی ڈالتا ھے [1] -

سیدہ زبیدہ کی بنائی ھوئی چیزیں غیر معمولی فنی کمالات کا مظہر تھیں ، ان چیزوں نے ان کی عظمت کو بڑھا دیا تھا - مؤرخین کا بیان ھے کہ سیدہ زبیدہ نے ایک ریشمی قالین بنایا تھا جس میں ھر قسم کے جانوروں کی شکلیں بنائی تھیں ، ھر پرندے کی شکل سنہری تاروں سے بنائی تھی اور اس کی آنکھیں یاقوت اور جواھرات سے بنائی تھیں - کہا جاتا ھے کہ اس قالین پر دس لاکھ دینار خرچ ھوئے تھے سیدہ زبیدہ نے جواھرات سے مرصع ایک آلہ بھی بنایا تھا اور ایک خاص کپڑا بھی تیار کیا تھا ، جس پر ایک اعلیٰ نقش و نگار بنائے تھے اس کپڑے کی قیمت پچاس ھزار دینار سے زیادہ تھی - انہوں نے چاندی آبنوس اور صندل کے گنبد بھی بنائے تھے ، جن پر سونے کے کتے استادہ تھے ، جو مختلف ریشمی اور سمور کے کپڑے پہنے تھے ، ان کپڑوں پر اعلیٰ نقش و نگار بنائے گئے تھے - سیدہ زبیدہ نے عنبریں شمع بھی بنائی تھی انہوں نے اعلیٰ درجے کے سوزے بھی بنائے تھے ، جن پر جواھرات جڑے تھے [2] -

---

۱ - دیکھئے مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ -
۲ - حضارۃ الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ۹۵ -

اس زمانے میں لوگ خصوصاً خلفاء غیر عرب باندیوں سے نکاح بہت پسند کرتے تھے ، کیونکہ عام طور پر وہ بہت خوبصورت ہوتی تھیں، اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آزاد عورتوں کو شادی سے پہلے پوری طرح سے دیکھنا ممکن نہ تھا ، انہیں صرف اس حد تک دیکھا جا سکتا تھا جس حد تک شرع اسلامی نے اجازت دی ہے ۔ لیکن باندیوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا انہیں پوری طرح دیکھا جاسکتا تھا ، ان کے مزاج اور ان کے اخلاق و عادات کو پرکھا جا سکتا تھا کیونکہ ان سے آزادی سے ملنا جلنا ممکن تھا ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عام طور پر باندیوں کے بیٹے اپنے باپوں سے آزاد عورتوں کے بیٹوں سے زیادہ محبت کرتے تھے ۔ یہ بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ وراثت کے معاملے میں باندیوں کے بیٹوں اور آزاد عورتوں کے بیٹوں میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا جاتا تھا ۔

اکثر عباسی خلفاء باندیوں کے بیٹے تھے ۔ مامون کی ماں ایک ایرانی کنیز تھی ۔ معتصم کی ماں ایک ترکی باندی تھی ۔ متوکل کی ماں شجاع خوارزمی کنیز تھی، مقتدر کی ماںؒ سیدہ ایک رومی کنیز تھی [۱] ۔

باندیاں تمام ممالک کے نخاسوں سے بغداد لائی جاتی تھیں ان میں حبشی ، رومی ، جرجیہ ، شرکشی اور عرب باندیاں ہوتی تھیں ۔ عرب باندیاں مدینہ ، طائف یمامہ اور مصر سے لائی جاتی تھیں اور اپنے حسن و جمال اور شیریں بیانی اور آواز میں مشہور تھیں باندیوں کی فروخت ، مشہور معنی میں غلامی کی مظہر نہ

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحات ۳۷۰ - ۳۷۱ -

تھی، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ بہت سی باندیوں کو بغداد کے نخاس میں ان کی خوشی سے لایا جاتا تھا ۔ باندیوں کی یہ آرزو ہوتی تھی کہ وہ خلفاء اور امراء کے محلوں میں پہنچ سکیں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں [1] ۔

حاجظ نے باندیوں سے شادی کے موضوع پر اپنی کتاب میں بحث کی ہے وہ[2] لکھتا ہے '' مشہور تھ. کہ جو شخص اخراجات کی کمی، خدمت کی زیادتی اور شان و شوکت میں اضانہ کا خواھشمند ہو اسے چاھئے کہ وہ باندیوں سے شادی کرے ، آزاد عورتوں سے نہ کرے ۔ مسلمہ بن مسلمہ کہتا تھا مجھے حیرت ہے کہ جو شخص باندیوں سے لطف اندوز ہو جائے وہ آزاد عورتوں سے کیسے شادی کر سکتا ہے ۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ اصلی سرور باندیوں سے شادی کرنے میں حاصل ہوتا ہے۔ اہل مدینہ ایک زمانہ تک باندیوں سے نکاح ناپسند کرتے تھے ۔ سب سے پہلے علیؓ بن حسین بن علیؓ نے اہل مدینہ کو باندیوں سے نکاح کی ترغیب دی تھی ، جنہیں اہل مدینہ فقہ ، علم و فضل ، اور زہد و پرہیز گاری میں اپنا مقتدا خیال کرتے تھے ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ عباسی خلفاء سفاح ، منصور (؟) اور امین کو چھوڑ کر ، سب باندی زادے تھے ۔ باندیوں سے شیفتگی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ عربوں کی عزت اور عجمیوں کی عظمت کی جامع تھیں ۔

یہ ضرب المثل بھی مشہور تھی کہ باندیاں بازار کی روٹی اور آزاد عورتیں اپنے گھر کی روٹی ہوتی ہیں ۔ ایک کہاوت یہ بھی مشہور تھی کہ اگر گھٹنوں میں سر ڈال کر رونا نہیں

---

۱ ۔ حضارة الاسلام : صفحہ ۹۸ ۔

۲ ۔ المحا .ن و الاضداد : مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ صفحات ۲۵۳ - ۲۵۴ ۔

چاھتے تو باندیوں سے مذاق مت کرو ۔

اس دور میں عام طبقه کی عورتوں میں کوئی ایسی خواتین نہیں گذری ھیں جن کا سیاسی زندگی اور معاشرہ کی ترقی میں کوئی خاص حصه ھو ۔ سیاسی اور ثقافتی سرگرمیاں خلفاء ، امراء اور حکمران طبقه کی خواتین میں محدود تھیں ۔

بلاد اندلس میں عورتوں کو امتیازی درجه حاصل تھا خلفاء ، امراء اور ملک کے ممتاز اشخاص کے محلوں میں باندیوں کو بہت اھمیت حاصل تھی اس دعویٰ کی سب سے بڑی دلیل ''طروب'' کا واقعه ھے ، جو عبدالرحمان الاوسط کی ایک کنیز تھی ۔ واقعه یه ھے که ایک بار طروب پر عبدالرحمان کا عتاب نازل ھوا ۔ اس پر طروب نے بھی عبدالرحمان سے قطع تعلق کر لیا اور ایک کمرہ میں گوشه نشینی اختیار کرلی ۔ چند دنوں میں عبدالرحمان کے لئے اس کی جدائی بڑی شاق ھو گئی اور اس کا دل اس کے لئے بہت بے چین ھوگیا ۔ اس نے طروب کو ھر طرح راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ راضی نه ھوئی، عبدالرحمان نے اس کے پاس خاص باندیوں کو بھیجا که وہ اسے باھر آنے پر مجبور کریں لیکن طروب نے اپنے کمرہ کا دروازہ بند کر لیا اور کہا که میں خوشی سے سلطان کے پاس نہیں جاؤں گی میری لاش لے جاسکتی ھو ، عبدالرحمان کو اس گفتگو کی اطلاع دی گئی اور دروازہ توڑ کر باھر نکالنے کی اجازت مانگی گئی ۔ عبدالرحمان نے انہیں اس بات سے منع کر دیا اور حکم دیا که باھر سے اشرفیوں کی تھیلیوں سے دروازہ بند کر دیا جائے ، اس پر عمل کیا گیا ، اس کے بعد عبدالرحمان خود دروازہ کے پاس گیا اور اسے رضامند کرنے کی کوشش کرنے

---

۱ ۔ نفح الطیب : جلد ۱ صفحات ۱٦۴ ۔ ۱٦۵ ۔

لگا ، آخرکار اس شرط پراسے دروازہ کھولنے پر آمادہ کر لیا کہ جن تھیلیوں سے دروازہ بند ہے وہ سب اس کی ہیں طروب نے اس شرط پر دروازہ کھول دیا - جونہی دروازہ کھولا اشرفیوں کی تھلیاں اندر گر پڑیں، طروب نے پہلے عبدالرحمان کے قدموں پر گر کر انہیں بوسہ دیا اور پھر تھیلیاں سمیٹنے لگی - مقری کا بیان ہے کہ یہ باندی اور نصر خصی (غلام) اسور سلطنت میں بہت دخیل تھے ، خصوصاً طروب جن باتوں کا فیصلہ کردیتی تھی انہیں عبدالرحمان کبھی رد نہ کرتا تھا ، عبدالرحمان ایک اور باندی کا بھی شیفتہ تھا جس کا نام مدثرہ تھا ، عبدالرحمان نے اس باندی کو آزاد کرنے کے بعد اس سے نکاح کرلیا تھا - وہ ایک اور باندی شفاء کا بھی دلدادہ تھا ، عبدالرحمان کو ایک اور باندی سے سے غیر معمولی محبت تھی جس کا نام 'قلم' تھا یہ باندی ادیبہ تھی ، بلند پایہ شاعرہ تھی ، قدیم واقعات و حالات کی حافظہ تھی اور نہایت خوش نویس تھی[1] -

٧ - عیدین ، موسمی جشن اور مختلف محفلیں :

عباسیوں کے دور میں ایرانی اثرات بہت پھیل گئے تھے ، اس پر ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں ، یہ اثرات عباسی دور میں زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھے اور ہادی اور ہارون رشید کے دور میں انتہاء کو پہنچ گئے تھے - بغداد میں ایرانی جشنوں سے دلچسپی بہت بڑھ گئی تھی - ایران کے قدیم جشنوں کے موقعوں پر عظم الشان اجتماع منعقد کئے جاتے تھے خصوصاً نو روز ، مہر جان اور رام کے جشنوں کے موقعوں پر

---

١ - نفح الطیب : جلد ۱ صفحات ١٦٤ - ١٦٥ -

بہت مہتمم باالشان اجتماع ہوتے تھے۔ اس دور میں قصر خلافت کے امرأ نے اپنی عادات کو قدیم ایرانی اطوار کے سانچے میں ڈھال لیا تھا ۔

(الف) عیدین کے موقعوں پر اجتماعات :

عیدین کے موقعوں پر خلفاء مذھبی حیثیت سے اجتماع کرتے تھے، وہ نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور ان کے سامنے خطبہ دیتے تھے ، جس میں عید کے فضائل بیان کرتے تھے اور ان فرائض کو یاد دلاتے تھے جو مسلمانوں پر شعائر اسلام کے تحفظ کے لئے عائد ہوتے ھیں ۔ عیدین کے جشنوں کے موقعوں پر بلاد اسلامی میں اسلام کے مظاھر پوری طرح اجاگر ہوتے تھے، خصوصاً بغداد ، بیت المقدس اور دمشق میں یہ مظاھر زیادہ نمایاں ہوتے تھے دنیا کے چپہ چپہ سے جو مسلمان مکہ میں حج کے لئے جمع ہوتے تھے ان کے سامنے مسجد حرام میں ۷ ذی الحجه ظہر کی نماز کے بعد خطیب ایک بلیغ خطبہ دیتا تھا، جس میں مناسک حج کی وضاحت کی جاتی تھی اس کے بعد شعائر حج ادا کرتے تھے اور منیٰ میں رمی جمار کے بعد قربانیاں پیش کرتے تھے، جن شہروں میں اسلامی چرچا اور مذہبی شعور بہت تھا ان میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے اجتماعات اپنی چہل پہل اور رونق کے لحاظ سے انتہاء درجہ کو پہنچ جاتے تھے مثلاً طرسوس میں ، جہاں مسلمان غازی اسلامی ممالک کے چپہ چپہ سے جمع ہوتے تھے ، ان غازیوں کے لئے مخیر مسلمان جو خود جہاد کی قدرت نہیں رکھتے تھے، بے شمار تحفے اور عطئے بھیجتے تھے، ابن حوقل کا بیان ھے کہ سجستان اور کرمان کی حد سے لے کر مصر اور مغرب تک صرف طرسوس کے باشندوں کو یہ امتیاز حاصل ھے

کہ انہوں نے ایک بہت بڑا مکان مختلف بلاد اسلامی سے آنے والے غازیوں کے لئے تعمیر کیا ہے اور وہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں ۔ ان غازیوں کے لئے تحفے تحائف ، اور صدقات کی صورت میں مختلف ملکوں سے بے شمار سال دولت جمع ہو جاتا ہے جو غازیوں پر صرف کیا جاتا ہے ۔ عید کے موقعوں پر طرسوس میں اسلامی چہل پہل میں ان باتوں کا بہت گہرا اثر تھا اور عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے موقعوں پر اس شہر میں پوری طرح اسلام کے محاسن آجاگر ہوتے تھے ۔ بڑے بڑے اسلامی شہر خصوصاً بغداد عید کی شب روشنی سے جگمگا اٹھتے تھے اور مسلمانوں کی تکبیر و تہلیل سے گونجتے تھے ۔ نہروں میں زرق برق کشتیاں تیرتی تھیں ، ان پر قندیلیں روشن ہوتی تھیں ۔ خلفاء کے محل روشنی سے بقعۂ نور بن جاتے تھے ۔ عام لوگ سیاہ رنگ کی عبا پہنتے تھے جو عباسیوں کا قومی شعار تھا ۔ بعض لوگ عمامہ کی بجائے نرکل اور کاغذ کی بنی ہوئی سیاہ لمبی ٹوپیاں اور صدریاں پہنتے تھے جن پر یہ آئت لکھی ہوتی تھی [۱] ۔

فسیکفیکم اللہ و ھوالسمیع العلیم ۔

(خدا تمہارے لئے ان کے مقابلے میں کافی ہوگا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے) ۔

(ب) <u>نوروز</u> ، <u>مہر جان اور رام کے موقعوں پر اجتماعات</u> :

نوروز ، ایرانیوں کا قدیم تہوار تھا جو نئے سال کے موقع پر منایا جاتا تھا ۔ یہ ان کے سال کا پہلا دن ہوتا تھا اور موسم ربیع کے شروع میں پڑتا تھا ، جب سورج برج حمل میں داخل ہوتا تھا

۱ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ۲۲ -

خراسان کے سلاطین نے نو روز سے ایک نیا رواج ڈالا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس دن سے ان کی فوج موسم گرما کا لباس پہنتی تھی اور اسی لباس میں نوروز کے جشن میں شوکت کرتی تھی -

بیرونی[۱] کے بقول سب سے پہلے اس دن کو موسمی دن جمشید نے قرار دیا تھا اور جمشید براؤن[۲] کی تحقیق کے مطابق[۳] حضرت سلیمان بن داؤد تھے - مسلمانوں نے بلاد فارس کی تسخیر کے بعد نوروز کے جشن کو بلاد فارس میں بند کردیا تھا عباسیوں کے دور اول میں یہ جشن پھر منایا جانے لگا تھا -

قدیم نوروز کی روایات نے کاشتکاروں کو بڑی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا تھا کیونکہ نوروز سے نیا مالی سال شروع کیا جاتا تھا اور اس وقت کھیتیاں کھڑی ہوتی تھیں اور کٹائی شروع نہ ہوتی تھی لیکن کاشتکاروں کے لئے اس تاریخ پر مالگذاری ادا کرنا ضروری تھا -

البیرونی کا بیان ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے دور ۱۰۵ھ - ۱۲۶ھ میں کاشتکار ایک ڈیپوٹیشن کی شکل میں خالد بن عبداللہ قسری کے پاس گئے تھے اور اس سے اپنی مشکلات کو بیان کیا جو نو روز کے موقع پر مالگزاری ادا کرنے میں ہوتی تھیں - اس ڈیپوٹیشن نے خالد سے درخواست کی تھی کہ نوروز کو ایک مہینہ آگے بڑھا دیا جائے لیکن اس نے یہ مطالبہ منظور نہیں کیا تھا - ہارون رشید کے عہد تک حالات بدستور رہے اور مالگزاری نوروز

---

۱ - کتاب الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ (مطبوعہ سخاؤ) (Sachau) صفحات ۲۱۶ - ۲۱۷ -

2. Broune: Lit. History of Persia vol. 1 p. 114 - 259.

۳ - البیرونی : صفحہ ۲۱۵ -

ھی کے موقع پر وصول کی جاتی رھی - ھارون رشید کے دور میں کاشتکار پھر ایک وفد کی صورت میں یحیٰی بن خالد برمکی کی خدمت میں حاضر ھوئے تھے اور اس سے اپنی مشکلات بیان کی تھیں اور درخواست کی تھی کہ نوروز کو تقریباً دو مہینہ آگے بڑھا دیا جائے - یحیٰی بن خالد نے ان کا یہ مطالبہ منظور کر لینے کا ارادہ کیا تھا ، لیکن اس کے دشمنوں کے کانوں میں اس کی بھنک پڑ گئی اور انہوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یحیٰی متعصب مجسوسی ھے اسلئے قدیم دستور بدلنا چاھتا ھے - اس پروپیگنڈے کی وجہ سے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور پرانا دستور قائم رکھا -

بیرونی[1] نے نوروز کی تاریخ یہ بیان کی ھے کہ سلیمانؑ بن داؤد کی انگوٹھی گم گئی تھی اس کے گم ھوتے ھی سلطنت ان کے ھاتھ سے نکل گئی تھی - چالیس روز کے بعد انگوٹھی مل گئی اور اس کے ملتے ھی سلطنت بھی واپس مل گئی - اس موقع پر سلاطین انہیں مبارکباد دینے آئے تھے اور چڑیوں نے اپنے پروں سے سایہ کیا تھا - اس موقع پر ایرانیوں نے کہا تھا کہ ”نوروز آمد“ یعنی نیا دن آیا - اس دن سے اس کا نام نوروز پڑ گیا، اس دن حضرت سلیمانؑ نے ھوا کو حکم دیا تھا کہ وہ انہیں اپنے دوش پر اٹھا کر چلے ، ھوا نے تعمیل حکم کی ، راستے میں ایک ابابیل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سواری دیکھ کر درخواست کی کہ اے بادشاہ ذرا بچکر نکل جائیے، میرے گھونسلے میں میرے انڈے ھیں ، یہ کہیں ٹوٹ نہ جائیں - اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام گھونسلے سے بچکر نکل گئے - جب وہ زمین پر اترے تو وھی ابابیل اپنی چونچ

---

۱ - الآثار الباقیۃ : صفحات ۲۱۶ - ۲۱۷ -

میں پانی بھر کر لائی اور حضرت سلیمانؑ کے سامنے چھڑک دیا اور ٹڈی کی ایک ٹانگ ھدیہ کے طور پر پیش کی - اسی وجہ سے نوروز کے موقع پر پانی چھڑکا جاتا ھے اور ایک دوسرے کو تحفے دیتے ھیں -

عید نوروز میں ایرانی ایک دوسرے کو بہت سے تحفے دیتے تھے - ان تحفوں میں شکر اور پہننے کے جوڑے بھی شامل ھوتے تھے - البیرونی[1] کا بیان ھے کہ گنے کا انکشاف سب سے پہلے جمشید کی مملکت میں ھوا تھا ، یہ نوروز کا موقع تھا ، اس سے پہلے لوگ گنے سے واقف نہ تھے - واقعہ یوں بیان کیا جاتا ھے کہ جمشید نے ایک پودا دیکھا ، اس میں سے اس نے تھوڑا سا رس نکال کر اسے چکھا جو بہت لذیذ معلوم ھوا - جمشید نے اس کا رس نکالنے کا حکم دیا اور اس سے شکر بنوائی - اسی لئے نوروز کے پانچویں دن شکر تبرک کے طور پر ایک دوسرے کو ھدیہ دیتے ھیں - خراسان کے بادشاہ ، نوروز کے موقع پر اپنے امراء کو موسم گرما کے خلعت دیتے تھے اور ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے ڈالتے تھے اور اس عمل کو بڑا متبرک اور دافع امراض خیال کرتے تھے -

ایران کے کسریٰ خاندان کے شہنشاھوں نے نوورز کو بڑی اھمیت دے رکھی تھی اور اسے بڑے تزک و احتشام سے مناتے تھے - البیرونی کا بیان ھے کسریٰ خاندان کے شہنشاھوں کا دستور تھا کہ وہ نوروز کے پانچ دنوں میں پہلے دن دربار عام کرتے تھے، جس میں رعایا کو انعام و اکرام دیتے تھے - دوسرے

---

۱ - الآثار الباقیہ : صفحات ۲۱۸ - ۲۱۹ -

دن بلند مرتبہ اشخاص کو باریابی کا موقع دیتے تھے جو اس زمانے میں دھقانی زمیندار سمجھے جاتے تھے ۔ تیسرے دن ملک کے سورماؤں اور بڑے بڑے مجوسی پیشواؤں کو شرف باریابی عطا کرتے تھے ۔ چوتھے دن اپنے گھر والوں ، رشتہ داروں اور خاص لوگوں کو شرف حضوری بخشتے تھے اور پانچواں دن اپنے اھل و عیال اور باندی غلاموں کے ساتھ گزارتے تھے اور ان میں ھر ایک کو مرتبہ کے مطابق انعام و اکرام دیتے تھے ۔ چھٹے دن وہ تمام فرائض سے اپنے آپ کو فارغ رکھتے تھے اور یہ دن اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے ۔ اس دن ان کے پاس صرف ان لوگوں کی رسائی ھو سکتی تھی ، جن سے وہ غیر معمولی طور پر مانوس ھوتے تھے اور تخلیہ کے لئے انہیں پسند کرتے تھے ۔ اسی دن وہ ان تحفے تحائف کو پیش کرنے کا حکم دیتے تھے جو اس تقریب پر مختلف امراء نذر کرتے تھے ۔ انہیں وہ ملاحظہ کرنے کے بعد ان میں سے کچھ تحفے تقسیم کر دیتے تھے اور کچھ تحفے خزانے میں بھیج دیتے تھے ۔

کسریٰ خاندان کے شہنشاہ اور عباسی خلفاء سال کے شروع میں جس شان و شوکت سے نوروز کا جشن منعقد کرتے تھے ، اسی شان و شوکت سے سال کے اخیر میں مھرجان کا جشن منعقد کرتے تھے ۔ مھرجان کو "روز مھر" بھی کہتے تھے جس کے معنی ھیں روح کی محبت ۔ ایرانی اس دن کو اپنی سب سے بڑی عید خیال کرتے تھے ۔ سلمان فارسی کا بیان ھے کہ ایرانیوں کے عھد میں ھمارا اعتقاد تھا کہ خدا نے اپنے بندوں کو یاقوت کا سراغ نو روز کے دن اور زبرجد کا سراغ مھرجان کے دن دیا تھا ۔ اسی لئے ان دونوں دنوں کو سال کے باقی دنوں پر

فضیلت دی ہے، جیسے یاقوت اور زبرجد کو تمام[1] جواھرات پر فوقیت حاصل ہے، ایرانیوں کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ مہر جان ، کائنات کے خاتمہ کی دلیل ھے اور نوروز دنیا کی ابتدا کی نشانی ھے - یہ بیان کرنا شائد بے محل نہ ہو کہ عید مہرجان سردی کے شروع میں پڑتی تھی -

ان جشنوں کے موقعوں پر ایران کے شہنشاہ جواھرات سے مرصع تاج پہنتے تھے جس کے اوپر سورج کی تصویر بنی ھوتی تھی اور ایک بہت بڑا بازار لگاتے تھے - کہا جاتا ھے کہ ایرانی مہرجان کے دن کی تعظیم اس لئے کرتے تھے کہ اس دن فریدوں نے ضحاک پر فتح پائی تھی - اس فتح کی خبر سن کر ایرانیوں نے بہت خوشی منائی تھی - ان کا اعتقاد تھا کہ اس دن فرشتوں نے اتر کر فریدوں کی مدد کی تھی ، اس اعتقاد کی وجہ سے ایرانی شہنشاھوں کے دور میں یہ رسم پڑ گئی تھی کہ صبح صادق کے وقت ایک ممتاز بہادر گھر کے صحن میں کھڑا ھوتا تھا اور بلند آواز سے کہتا تھا - اے فرشتو ! دنیا میں اترو اور شیطانوں اور شریروں کا خاتمہ کر دو اور دنیا سے ان کو دفع[2] کر دو -

ایرانی مہرجان کے موقع پر نوروز کی طرح بیشمار تحفے ایک دوسرے کو بھیجتے تھے ، ان میں شکر بھی شامل ھوتی تھی - ایرانی شہنشاہ اس دن اپنے سورماؤں کو خلعت ھائے سرما دیتے تھے[3] - ایرانی شہنشاھوں کا معمول تھا کہ ایک روز مہرجان

---

۱ - الآثار الباقیہ : صفحہ ۲۲۲ -
۲ - الآثار الباقیہ : صفحہ ۲۲۲ -
۳ - الآثار الباقیہ : صفحہ ۲۲۳ -

کے موقع پر اور ایک روز نو روز کے موقع پر دربار عام کرتے تھے -

جاحظ[1] کا بیان ہے کہ ایرانی شہنشاہ دربار عام کے ان دو موقعوں پر میں چھوٹے ، بڑے ، جاھل ، عالم ، شریف اور رذیل ہر شخص کو باریابی کا موقع دیتے تھے -

مہرجان کا پانچواں روز ایرانیوں میں سب سے مقدس خیال کیا جاتا تھا - اسے وہ ''رام روز'' کہتے تھے اور وہ مہرجان عظیم سمجھا جاتا تھا - اس دن فریدوں نے ضحاک پر فتح پائی تھی اور ایرانیوں نے اس دن بڑے اہتمام سے عید مہرجان منائی تھی - یہ دن سولھویں تاریخ کو پڑتا تھا اور عید رام اکیسویں تاریخ کو پڑتی تھی ، زردشت نے حکم دیا تھا کہ مہرجان اور رام روز دونوں کی برابر تعظیم کی جائے اور دونوں دن عید منائی جائے - اس کے بعد مشہور سورما ھرمز بن شاپور نے سولہ تاریخ اور اکیس تاریخ کے درمیانی دن بھی عید کے دن قرار دئے تھے - پھر دوسرے سلاطین فارس نے اکیس سے لے کر تیس تاریخ تک تمام کے تمام دن مختلف طبقوں کے لئے عید کے دن قرار دے دئے تھے[2] -

ایرانیوں کی طرف عباسیوں کے رجحان اور عربوں پر انہیں ترجیح دینے کا قدرتی نتیجہ تھا کہ عباسیوں نے اپنے نظام حکومت کو ایرانیوں کے نظم حکومت میں ڈھال لیا تھا ، لباس میں ، کھانے پینے کے آداب میں ان کی نقل کی تھی اور ان کی عیدوں کے

---

۱ - کتاب التاج فی اخلاق الملوک : صفحہ ۱۵۹-

۲ - البیرونی : کتاب الآثار الباقیہ : صفحات ۲۲۲ - ۲۲۳ -

موقعوں پر وہ بڑے تزک و احتشام سے جشن منعقد کرتے تھے - خصوصاً نوروز ، مہر جان اور رام کے موقعوں پر عظیم الشان جشن مناتے تھے عباسیوں کے دور اول میں یہ جشن اہم سرکاری تقریبات میں شامل تھے[1]-

(ج) خلفاء کا جلوس :

خلفائے عباسیہ کے شاہی جلوس ، جاہ و جلال اور شان و شوکت کے لحاظ سے اموی خلفاء کے جلوسوں پر بہت سبقت لے گئے تھے - عام جلوسوں میں خلفاء کے آگے آگے مختلف باڈی گارڈ جھنڈے اٹھائے چلتے تھے ان کے پیچھے عباسی خاندان کے امراء گھوڑوں پر سوار چلتے تھے اس کے بعد خلیفہ ھوتا تھا جو سفید براق گھوڑے پر سوار ھوتا تھا اور اس کے جلو میں سلطنت کے ممتاز ارکان چلتے تھے- ان جلوسوں کے وقت خلیفہ سیاہ قباء زیب تن کرتا تھا اور جراھرات سے مرصع پٹکا باندھتا تھا ، سر پر ایک لمبی ٹوپی پہنے ھوتا تھا جس میں بیش قیمت جواھرات لگے ھوتے تھے، ھاتھ میں آنحضرت‌ؐ کی چھڑی اور انگوٹھی ھوتی اور سینہ پر ایک سونے کی زنجیر پڑی ھوتی تھی جس میں گراں بہا جواھرات ٹکے ھوتے تھے[2] - نماز کے اوقات میں بغداد میں قصر خلافت کے دروازہ پر نقارے اور شہنائیاں بجتی تھیں -

---

۱ - الفاطمیون : فی مصر صفحہ ۳۸۵ -

Browne : Lit. History of Persia p. 114 - 259 - 275 -

۲ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۳۸۶ - ۳۸۷ - سب سے پہلے خلیفہ ھادی نے اس نظام اور ترتیب کا رواج قائم کیا تھا -

خلفاء عباسیہ کے جلوسوں میں سب سے بڑا جلوس حج کا جلوس ہوتا تھا ۔ حج کے موسم میں بغداد میں مختلف مشرقی بلاد اسلامی سے حاجی اکٹھا ہو جاتے تھے ، خصوصاً عراق ، فارس اور خراسان وغیرہ سے حاجیوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو جاتی تھی اور بغداد میں حج کے لئے سامان تیار کرتے تھے ۔ مثلاً اونٹ ، پہننے کے کپڑے ، کھانے کا سامان ، جسمیں دودھ اور شکر میں بنی ہوئی ٹکیاں ، کیک اور خشک میوہ وغیرہ شامل تھا ۔ حاجیوں کے قافلے کے ساتھ حفاظت کے لئے ایک فوجی دستہ ہوتا تھا ، جلوس کے آگے آگے ہودج ہوتے تھے ان پر قبے ہوتے تھے ، جن پر منقش ریشمی پردے پڑے ہوتے تھے ۔ ان میں سے ایک ہودج میں امیرالحجاج [۱] ہوتا تھا ۔ جب سورج [۲] ایک نیزہ چڑھ جاتا تھا تو شہنائیاں بجتی تھیں ۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ خلیفہ سوار ہو گیا ہے ۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد خلیفہ ایک سفید ہاتھی پر سوار نمودار ہوتا تھا ۔ یہ ہاتھی چاندی کے زیورات سے لدا ہوتا تھا ۔ خلیفہ ایک ہودج میں جلوہ فرما ہوتا تھا جو موتیوں سے سجا ہوتا تھا اور ہودج کے قبے پر ریشمی پردے پڑے ہوتے تھے جن پر سنہری نقش و نگار بنے ہوتے تھے ۔ اس وقت خلیفہ کے ایک ہاتھ میں عصائے خلافت ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں وہ خاتم خلافت پہنے ہوتا تھا ، وہ ایک جبہ پہنے ہوتا تھا جس پر نقش و نگار بنے ہوتے تھے ۔ خلیفہ اس جبہ پر آنحضرتؐ کی سبز چادر ڈالے ہوتا تھا ۔ یہ ردائے اقدس وہ نہیں تھی جو خلفائے بنی امیہ کے پاس تھی اور جسے وہ اپنے جلوسوں کے موقعوں پر اپنے

---

۱ ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماوردی : الاحکام السلطانیہ صفحات ۱۰۳ - ۱۰۵ -
۲ ۔ حضارۃ الاسلام فی دارالسلام : صفحات ۵۴ - ۵۵ -

شانوں پر ڈالتے تھے - دراصل وہ چادر اموی خلافت کے خاتمہ کے وقت گم ہو گئی تھی ، جسے امیر معاویہ رض نے آل زبیر بن ابی سلمیٰ سے ۴۰ ہزار درہم میں خریدا تھا - خلفائے عباسیہ کے پاس جو چادر تھی وہ انہوں نے اہل ایلہ سے خریدی تھی جنہیں آنحضرت ص نے مرحمت فرمائی تھی اور وہ اس خاندان میں تبرک کے طور پر چلی آتی تھی - اہل ایلہ سے منصور نے یہ چادر تین سو دینار میں خریدی تھی - بنی امیہ کی طرح عباسیوں نے بھی آنحضرت ص کی چادر مبارک کو اپنا شعار خلافت بنایا تھا - ھاتھیوں کو سب سے پہلے منصور نے اپنے جلوس میں شامل کیا تھا - اس سے پہلے کسی عرب بادشاہ نے اپنے جلوسوں میں انہیں شامل نہیں کیا تھا - منصور کو معلوم تھا کہ قدیم سلاطین ھاتھیوں کو شان و شوکت کی علامت خیال کرتے تھے اور جنگوں اور جشنوں کے موقعوں پر انہیں استعمال کرتے تھے کیونکہ ھاتھی بادشاھوں کی سب سے سیدھی اور نازک خرام سواری سمجھی جاتی تھی -

منصور کے ساتھ حج کے جلوسوں میں امراٗ اور خاندان خلافت کے ممتاز افراد کا ایک بہت بڑا گروہ شامل ھوتا تھا، اس کے پیچھے اونٹوں پر حرم (عورتیں) اور اہل بیت ھوتے تھے - ان کے ساتھ موسیٰ بن مہدی ھوتا اور حفاظت کے لئے خاص باڈی گارڈز ساتھ ساتھ چلتے تھے جو سیاہ جھنڈے لئے ھوتے تھے -

خلیفہ مہدی نے غلاف کعبہ کو ہر سال بدلنے کی رسم ڈالی تھی - ایک بار جب وہ مکہ گیا تھا تو اس نے غلاف کعبہ اتارا اور اس کی دیواروں پر مشک اور عنبر سے لپائی کی تھی اور اس پر ایک نیا ریشمی خلاف چڑھایا تھا ، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ ان غلافوں کے بوجھ سے جو

ہشام بن عبدالملک نے کعبہ پر چڑھائے تھے اور اس کے بعد برابر غلاف پر غلاف چڑھتے رہے تھے، کہیں کعبہ منہدم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد ہر سال نیا غلاف چڑھانے کا رواج پڑ گیا اور مہدی کے بعد جتنے خلفاء گزرے ہیں ان سب نے ہر سال ایک نیا غلاف کعبہ پر چڑھایا تھا جو مصر میں تیار کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ سے اب تک یہ غلاف مصر ہی میں تیار کیا جاتا ہے۔

عباسیوں کے دور اول میں بعض وزراء بڑی عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں یحیٰی بن خالد برمکی بھی تھا، جو جود و کرم میں بہت مشہور تھا۔ جب وہ سوار ہو کر نکلتا تو بہت سی تھیلیاں اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ ہر تھیلی میں دو سو درہم ہوتے تھے۔ جو لوگ اس کی سواری کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس سے سوال کرتے تھے، ان تھیلیوں میں سے انہیں تقسیم کرتا تھا۔ خالد بن برمک کے دروازے پر کثرت سے لوگ آتے تھے۔ اس وقت ان لوگوں کو ''مانگنے والا'' کہا جاتا تھا۔ خالد نے ان لوگوں کا نام ''ملنے والے'' رکھ دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آنے والوں میں شریف اور ممتاز لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے میں ان کا یہ نام پسند نہیں کرتا، اس پر ان لوگوں میں سے ایک نے خالد سے کہا تھا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ ہم پر تیرے احسانوں میں سے کونسا احسان بڑا ہے؟ تیرے صلے یا تیرا یہ باعزت[1] نام رکھنا۔

(د) شادی کی محفلیں :

عباسیوں نے شادی کی محفلوں کی طرف غیر معمولی اہتمام سے کام لیا تھا۔ دور اول کے عباسی خلفاء نے شادی بیاہ کے

۱۔ الفخری : صفحہ ۱۴۰۔

موقعوں پر بے حد فضول خرچی سے کام لیا تھا - خلیفہ مہدی نے زبیدہ سے اپنے بیٹے ہارون رشید کی شادی کے موقع پر جو وسیع پیمانہ پر ولیمہ کیا تھا اس کی مثال اس سے پہلے مسلمانوں میں موجود نہ تھی - اس موقع پر اس نے حسب مراتب لوگوں کو سونے کے برتن دئے تھے جو درھموں سے بھرے ہوئے تھے اور چاندی کے برتن دئے تھے جو دیناروں ، مشک اور عنبر سے بھرے ہوئے تھے اور زبیدہ کو اتنے زیورات اور جواھرات چڑھائے تھے کہ وہ ان جواھرات کے بوجھ کی وجہ سے قدم نہ اٹھا[1] سکتی تھیں - مامون نے جب بوران سے شادی کی تھی تو مہر میں ایک لاکھ دینار اور پچاس لاکھ درھم یعنی پانچ لاکھ دینار دئے تھے اور شب زفاف میں عنبر کی تین شمعیں روشن کی تھیں - جب بوران کو دلہن بنا کر محل میں لایا گیا تھا ، اس وقت اس پر موتی نچھاور کئے گئے تھے اور جس فرش پر اسے بٹھایا گیا تھا وہ سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا[2] -

شابشتی کا بیان ہے کہ ہارون کی شادی پر خلیفہ مہدی نے تیرہ لاکھ اٹھاسی ہزار دینار خرچ کئے تھے - اس کے علاوہ دیناروں کی ایک بڑی مقدار ہارون رشید نے اپنے پاس سے صرف کی تھی - سیدہ زبیدہ نے مامون کو بتایا تھا کہ اس شادی پر پینتیس ملین سے سینتیس ملین درھم کے لگ بھگ خرچ ہوئے تھے -

جود و کرم اور فضول خرچی میں مامون اپنے باپ ہارون رشید سے بھی بازی لے گیا تھا - اس پر وہ اخراجات شاھد ھیں جو اس نے

---

۱ - حضارۃ الاسلام : صفحات ۹۴ - ۹۵ -
۲ - شابشتی : الدیارات قلمی نسخہ نمبرشمار ۱۱۰ برلن لائبریری اور دارالکتب مصریہ : نمبر شمار ۶۷ (۱) -

بوران بنت حسن بن سہل کے شادی کے موقع پر کئے تھے - طبری[1] کا بیان ھے کہ ماسون نے حسن بن سہل کو حکم دیا تھا کہ بوران کو دس ملین درھم دئے جائیں اور اقلیم ''فم صلع'' کا خراج حسن بن سہل کو دے دیا تھا - ابن خلکان[2] کا بیان ھے کہ ماسون نے حسن بن سہل کو اقلیم فارس اور اھواز کا ایک سال کا خراج دے دیا تھا [3] -

مسعودی[4] کا بیان ھے کہ حسن بن سہل نے اس شادی پر جتنا مال و دولت لٹایا تھا اتنا نہ کبھی زمانۂ اسلام میں اور نہ زمانہ جاھلیت میں کسی بادشاہ نے شادی پر خرچ کیا تھا - اس کی تفصیل یہ ھے کہ اس نے ھاشمیوں ، فوجی جرنلوں اور سیکرٹریوں کو مشک کی گولیاں تقسیم کی تھیں ، جن میں جاگیروں کے نام ، کنیزوں کے نام اور جانوروں کے ناموں کی تفصیل اور اوصاف درج تھے - ان گولیوں کو کھولنے کے بعد جو کچھ ان میں نکلتا تھا وہ وکیل سے جا کر لے لیتا تھا جو اسی کام کے لئے ماسور کیا گیا تھا - اس کے بعد لوگوں پر دینار ، درھم ، مشک ، نافے اور عنبر کی گولیاں نچھاور کیں - ماسون اور اس کے جرنلوں پر بے حد خرچ کیا تمام فوج اور ماسون کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا انتظام کیا ، چاھے وہ افسر ھو یا ماتحت - اس موقع پر ماسون کے لشکر میں کوئی شخص نہ تھا جسے اپنے لئے کوئی چیز خریدنا پڑی ھو ، ان کے لئے ھر چیز کا انتظام حسن بن سہل

---

۱ - طبری : مطبوعہ دی غویہ جلد ۲ صفحات ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ -

۲ - وفیات الاعیان : جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ -

۳ - تفصیل کے لئے دیکھئے الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۵۵ حاشیہ ۲ -

۴ - مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ -

نے کیا تھا حتیٰ کہ جانوروں کے گھاس چارے کا بندوبست بھی حسن بن سہل کی طرف سے کیا گیا تھا ۔ مامون جب دجلہ کے راستہ مدینۃ السلام کے لئے روانہ ہوا اس وقت حسن سے کہا : ابو محمد ! تمہاری اور کوئی حاجت باقی تو نہیں رہی ؟ حسن نے جواب دیا ۔ امیرالمؤمنین ! اب میری صرف یہ التجا ہے کہ آپ کے دل میں جو میرا مقام ہے وہ باقی رہے ، اس کی بقا آپ کے کرم پر منحصر ہے ۔ شعراء نے شادی کے اس واقعہ پر بہت طبع آزمائی کی تھی ۔ لیکن اس موضوع پر محمد بن حسن باهلی کے یہ اشعار سب سے زیادہ مقبول ہوئے تھے ۔

بارک اللہ للحسن و لبوران للختن

حسن اور بوران کو شادی مبارک ہو ۔

یا بن ھارون قد ظفر ت ولکن ببنت من ؟

ھارون کے بیٹے تو کامیاب ہوگیا ، مگر کسی کی بیٹی کے ساتھ ؟

جب یہ اشعار مامون تک پہنچے تو کہنے لگا ، خدا جانے ان اشعار میں مدح کی گئی ہے یا ھجو[1] ؟

۸ ۔ تفریحی مشاغل :

عباسیوں کے دور اول کے لوگ خالی اوقات میں مختصر کہانیاں اور لطائف و ظرائف سننے میں گذارتے تھے اور طویل داستانیں سننے سے گریز کرتے تھے کیونکہ اس چیز کے لئے ان کے خیال میں قصہ گویوں کی محفل زیادہ مناسب تھی ۔ گھروں کے اندر شطرنج کھیلتے جسے ھارون رشید نے رواج دیا تھا ۔ پھر عربوں کے درمیان اس کا رواج عام ہو گیا تھا ۔ شطرنج چمڑے کے ایک مربع

---

۱ ۔ شذرات الذهب : جلد ۲ صفحه ۲۳ ۔

ٹکڑے (بساط) پر کھیلی جاتی تھی - تیسری صدی ھجری کے اواخر میں خلیفہ معتضد کے قصر میں ایک نئی قسم کے شطرنج کا رواج شروع ھوا تھا ، جسے ''جوارحیه کہا جاتا تھا - اس میں تمام حواس انسانی سے کام لیا جاتا تھا اور دونوں پارٹیاں اپنے تمام حواس کا پورا زور دکھاتی تھیں [1] -

خراسان سے بغداد آنے کے بعد مامون کو شطرنج کھیلنے کا شوق پیدا ھوا اور اس نے شطرنج کے بڑے بڑے کھلاڑیوں کو کھیلنے کیلئے بلایا - لیکن شطرنج کھیلتے وقت یه کھلاڑی مامون کے رعب و دبدبه کا خیال رکھتے تھے - مامون اس سے تنگ آگیا اور کہنے لگا ، شطرنج کھیلنے میں ھیبت و دبدبه کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا آزادی سے بولو جس طرح گھروں میں آزادی سے بولتے ھو[2] -

ایک کھیل نرد عباسیوں کے دور اول میں بہت مقبول تھا اس کھیل میں کپڑے کے ایک ٹکڑے پر تیس پتھر کے ٹکڑے اور دو نگ رکھے جاتے تھے - اس کپڑے کے ٹکڑے پر بارہ گھر یا چوبیس گھر بنے ھوتے تھے - بعض حکماء نے نرد کھیلنے کے کپڑے کو زمین سے ، اس کے گھروں کو دن رات کے ساتھیوں سے ، گھروں کے رنگ کے اختلاف کو دن کی سفیدی اور رات کی سیاھی سے تشبیه دی تھی اور نگ پھینکنے کے بعد جو نتیجه برآمد ھوتا ، اسے قضائے مقدر سے تعبیر کیا جاتا تھا -

اس زمانه کی تفریحات میں تیر اندازی ، بندوق سے شکار ، چوگان بازی ، گلی ڈنڈا بھی شامل تھے -

---

۱ - متز : الحضارة الاسلامیه جلد ۲ صفحات ۲۱۳ - ۲۱۴ -
۲ - مسعودی : مروج الذهب جلد ۱ صفحه ۵۲۲ -

عباسیوں کے دور اول میں ریس یا گھوڑ دوڑ ، خلفاء ، امراء اور سلطنت کے ممتاز افراد کا ایک اہم تفریحی مشغلہ تھا ۔ فقہاء نے گھوڑ دوڑ کو ایک جسمانی ورزش کی حیثیت دی تھی اور اسے جائز قرار دیا تھا ۔ لیکن یہ شرط لگائی تھی کہ اسے مال و دولت کے حصول کا ذریعۂ نہ بنایا جائے ۔ ریس کے گھوڑوں کی تربیت میں غیر معمولی دلچسپی لی جاتی تھی ، بعض اوقات اول آنے والے گھوڑے کا مالک پیچھے رہ جانے والے گھوڑے پر قبضہ کر لیتا تھا [۱] ۔ خلفاء اور وزراء ریس کے گھوڑوں کی تربیت میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے [۲] ۔

عباسیوں کے دور اول میں کرکٹ اور ٹینس کے کھیل بھی تفریحات میں شامل تھے ۔ اس زمانہ میں کثرت سے عورتیں تیر اندازی میں مشاق تھیں اور رقص محض پیشہ ور عورتوں کے طبقہ میں محدود نہ تھا بلکہ اونچے طبقہ کی جوان لڑکیاں بھی رقص کرتی تھیں ۔

بعض خلفاء عباسی شکار کے بے حد شوقین تھے ۔ مہدی شکار کے لئے با قاعدہ سفر کرتا تھا ۔ اس کے ساتھ سوار چلتے تھے ، جن کے پاس تلواریں ہوتی تھیں ، پیچھے پیچھے فوج اور غلام ہوتے تھے اور مہدی دجلہ کے کنارے کنارے چلتا تھا کیونکہ وہاں سبزہ کی کثرت کی وجہ سے پرندے جمع ہو جاتے تھے اور ہرن چرتے رہتے تھے ۔

عباسی خلفاء شکار کے بے حد شیفتہ تھے اور اس کے لئے

---

۱ ۔ متز : الحضارۃ الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ ۔ سید امیر علی مختصر تاریخ العرب صفحہ ۳۹۳ ۔

۲ ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب الوزراء و الکتاب : صفحہ ۲۰۷ ۔

بہترین سامان کا انتظام کرتے تھے - امراء بھی خلفاء کے نقش قدم پر چلتے تھے - اعلیٰ سامان شکار سے دلچسپی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنے تیروں کی انی سونے کی بناتے تھے - شکار کے لئے باز اور شکرے پالتے تھے - تازی کتوں کی تربیت میں بڑے اہتمام سے کام لیتے تھے اور ایک ایک کتا ایک ایک شخص کے سپرد کیا جاتا تھا تاکہ وہ اسے پوری توجہ سے شکار کی تربیت دے سکے -

———: o :———

ماخذ

ذیل میں اس کتاب کے اہم ماخذ کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے - مؤلفین کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے رکھی گئی ہے اور بعض مؤلفین کا سنہ وفات بھی دے دیا گیا ہے -

---

ابن الاثیر : (۶۳۰/۱۲۳۸) : علی بن احمد ابی الکرم

۱ - الکامل فی التاریخ ، ۱۲ جلدیں (بولاق ۱۲۷۳ھ)

آرنلڈ تامس - ڈبلیو Arnold : Thomas W.

۲ - (The Preaching of Islam) 3rd. ed by Reynold A. Nicholson (Lond 1935).

عربی ترجمہ : حسن ابراهیم حسن ، عبدالمجید عابدین ، و اسماعیل النحراوی (القاهره ۱۹۳۷) -

۳ - (The caliphate) (Oxford 1924)

الاصفہانی (۳۵۶/۹۶۷) ابوالفرج -

۴ - کتاب الاغانی ۲۱ جلدیں (القاهره ۱۲۸۵ھ)، (القاهره ۱۹۲۷—۱۹۳۶ء)

اماری : میچل Amary : Michel

۵ - (مکتبۂ صقلیۃ العربیہ) (Biblioteca Arabo Sicula'), 2 vols

امیر علی : سید Amir Ali : Sayed -

۶ - (A short History of the Saracens) (Lond 1921)

۷ - مختصر تاریخ العرب والتمدن الاسلامی (القاهره ۱۹۳۸ء) عربی ترجمہ از ریاض رافت -

سعید بن البطریق (۳۱۱/۹۲۹) -

٨ - التاریخ المجموع علی‌التحقیق والتصدیق (بیروت ۱۹۰۹ء)
اولیری : ڈی لیسی O'leary : De Lacy .

٩ - (A short History of the Fatimid Khalifate (Lond. 1923)
بار ٹولد : ایف Bartold : F

١٠ - تاریخ الحضارة‌الاسلامیة عربی ترجمه حمزه طاهر (القاهره ۱۹۳۲ء)
پامر : Palmer -

١١ - (Haroon-el-Rashid) Lond. 1881)
براؤن ایڈورڈ جی .Browne Edward G

١٢ - (A Literary History of Persia) from the earliest time untilFirdawsi) vol. 1. (Lond 1909)
بروکلمان : کارل Brockelmann carl

١٣ - (Geschichte der Arabischer Litteratur) 2 vols (Weimer 1898-1902)
البغدادی : (۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء) ابو منصور عبدالقادر بن طاهر -

١٤ - الفرق بین الفرق (القاهره ۱۳۲۸ھ = ۱۹۱۰ء)
البکری : (۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء) ابو عبید اللہ بن عبدالعزیز -

١٥ - کتاب‌المغرب فی ذکر بلاد افریقة و المغرب : (مطبوعه دی سلان De slane پیرس ۱۹۱۱ء) -
البلاذری (۲۷۹ھ/۸۹۲ء) احمد بن یحییٰ بن جابر -

١٦ - فتوح البلدان (القاهره ۱۳۱۸ھ)
البلخی (۳۲۲ھ/۹۳۳ء—۹۳۴) ابو زید بن سهل -

١٧ - کتاب البدع و التاریخ، یه تالیف مطهر بن طاهر المقدسی کی بیان کی جاتی ہے ٦ جلدیں (پیرس ۱۸۹۹—۱۹۰۷ء) -
ڈی بور : ٹی - جی - .De Boer T. G -

١٨ - تاریخ‌الفلسفة فی الاسلام : عربی ترجمه محمد عبدالهادی ابو ریدة ،

دو جلدیں (القاهره ۱۳۵۷ھ = ۱۹۳۸ء)
البیرونی (۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) : ابوالریحان محمد بن احمد -
۱۹ - الآثارالباقیة عن‌القرون‌الخالیة (مطبوعۂ اڈورڈ سخاؤ
لیبرگ ۱۸۷۸ء ، ۱۸۷۹ء)
بیمونٹ و مونڈ Bemont-el-Mond -
۲۰ - Histoire de l' European moyen age (Paris 1921
تیمور : احمد پاشا -
۲۱ - التصویر عندالعرب معه حاشیه ڈاکٹر زکی محمد حسن (القاهره ۱۹۴۲ء) -
۲۲ - نظرة تاریخیة فی حدوث المذاهب الاربعة و انتشارها (القاهره ۱۳۵۱ھ)
حاجی خلیفه (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء) : مصطفی کاتب شبلی -
۲۳ - کشف‌الظنون عن اسامی‌الکتب و الفنون (لیسبک و لنڈن ۱۸۳۵ء—
۱۸۵۰ء) -
الجاحظ : ڈاکٹر (۲۵۵ھ/۸۶۹ء) عثمان عمرو بن بحر -
۲۴ - کتاب‌التاج فی اخلاق الملوک
مدونه احمد زکی پاشا (القاهره ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء) -
۲۵ - کتاب‌البیان والتبیین ۳ جلدیں (القاهره ۱۹۲۸ء) -
۲۶ - کتاب التبصر بالتجارة (طبع ثانی القاهره ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۵ء) حاشیه
اور تصحیح حسن حسنی عبدالوهاب التونسی -
۲۷ - ثلاث رسائل (القاهره ۱۳۴۴ھ)
گبن ایڈورڈ : Gibbon Edward -
۲۸ - The History of the Decline and fall of the Roman Empire 7 vols. ed. By G. B. Burg.
گروهمان : اڈولف - Grohmann Addfe -
۲۹ - اوراق‌البردی‌العربیة بدارالکتب المصریة (القاهره ۱۹۳۵ء) جلد اول -
ترجمه ڈاکٹر حسن ابراهیم حسن -
الجهشیاری (۳۳۱ھ) ابو عبدالله محمد بن عبدوس -

۳۰ - کتاب الوزراء و الکتاب (القاہرہ ۱۹۳۸ء) تدوین و تصحیح مصطفیٰ السقا و ابراہیم الانباری و عبدالحفیظ شبلی -

ڈی گوبینیو - De Gobineau

۳۱ - Religion et Philosophie dens L' Asie Centrale (Paris, 1865)

گولڈزیہر : اگنیز Goldziher : Agnaz

۳۲ - المذاہب الاسلامیة فی تفسیر القرآن ، ترجمہ ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر (القاہرہ ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) -

۳۳ - (Vorlesungen uber den Islams) (2nd ed, Heidelbeg 1919) Trans. into French by Felix Arin under the Title (Le Dogme et La Loide-l-'Islam) (Paris 1920)

عربی ترجمہ العقیدہ و الشریعة الاسلامیہ ، محمد یوسف موسیٰ و عبدالعزیز ، عبدالحق ، علی حسن عبدالقادر (القاہرہ ۱۹۴۶ء)

ابن ابی الحدید (۴۰۴ھ/۱۳/۱۰۱۳ء) الشریف الرضی محمد بن ابی احمد الحسین -

۳۴ - کتاب نہج البلاغت چار جلدیں (القاہرہ ۱۳۲۹ھ)

حٹی : فلپ کے - Hitti Philip K -

۳۵ - (History of the Arabs) (London 1940)

حسن ابراہیم حسن -

۳۶ - الفاطمیون فی مصر و اعمالہم السیاسیة والدینیة بوجہ خاص - (المطبعة الامیریہ بولاق ۱۹۳۲ء) -

۳۷ - السیارة العربیة و الشیعة والاسرائیلیات فی عہد بنی امیہ تالیف فان فلوٹن Van Vloten تحشیہ و ترجمہ محمد زکی ابراہیم کی مدد سے (القاہرہ ۱۹۳۳ء) -

۳۸ - اوراق البردی العربیة بدارالمکتب المصریة : تالیف اڈولف گروھان عربی ترجمہ و حاشیہ - جلد اول (القاہرہ ۱۹۳۴ء) -

۳۹ - تاریخ الاسلام السیاسی جلد اول (القاہرہ ۱۹۳۵ء ، ۱۹۴۸ء)
(الجزاء الثالث ۱۹۴۶ء)

۴۰ - النظم الاسلامیة ڈاکٹر علی ابراھیم حسن کی مدذ سے (القاہرہ ۱۹۳۹ء) -

۴۱ - مصر الاسلامیة من الفتح العربی الی الفتح العثمانی - کتاب المجمل فی التاریخ المصری سے تلخیص (القاہرہ ۱۹۳۲ء صفحات ۱۲۷—۲۲۹) -
ابن حزم (۴۵۶ھ/۱۰۶۳ء) ابو محمد علی بن احمد -

۴۲ - الفصل فی الملل والاھواء والنحل : ۳ جلدیں (القاہرہ ۱۳۱۷ھ)
ابن خرداذبه : ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ -

۴۳ - کتاب المسالک والممالک (مطبوعه ڈی غویه—لیڈن ۱۸۸۹ء)
الخضری : محمد -

۴۴ - تاریخ الدولة العباسیه (القاہرہ ۱۹۱۶ء)
الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ) : الحافظ ابوبکر احمد بن علی -

۴۵ - تاریخ بغداد او مدینة السلام، ۱۴ جلدیں (القاہرہ ۱۳۴۹ھ=۱۹۳۱ء)
ابن خلدون : (۸۰۸ھ/۱۳۹۵ء) : عبدالرحمان بن محمد -

۴۶ - مقدمه ابن خلدون (بیروت ۱۸۸۶ء) و نسخه مخطوط بالمکتبه الزکیه بدارالکتب المصریه رقم ۱۵ -

۴۷ - العبر و دیوان المبتدأ الخبر ۷ جلدیں (القاہرہ ۱۲۸۴ھ)
ابن خلکان (۶۸۱ھ/۱۲۷۱ء) : شمس الدین ابوالعباس احمد بن ابراھیم بن ابی بکر الشافعی -

۴۸ - وفیات الاعیان ، دو جلدیں (بولاق ۱۲۸۳ھ) ، (المطبعة المیمنیة مصر ۱۳۱۰ھ) - انگریزی ترجمه ڈی سلان De Slane (پیرس ۱۸۴۲—۱۸۴۸ء) -
الخیاط : ابوالحسن عبدالرحیم بن محمد عثمان المعتزلی -

۴۹ - کتاب الانتصار والرد علی ابن الراوندی الملحد ، مع مقدمه ، تصحیح

اور حواشی ڈاکٹر نیبرگ (القاہرہ ، ۱۳۴۴ھ=۱۹۲۵ء)
حاجی خلیفہ (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء) مصطفیٰ کاتب شبلی -
۵۰ - کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ، طبع النسخۃ العربیہ مترجمہ جی فلوگل G. Flugel بزبان جرمن (لسبک و لنڈن ۱۸۳۵—۱۸۵۸ء)
۵۱ - ابن دقماق (۸۰۹ھ/۱۳۰۶—۱۳۰۷ء) ابراهیم بن محمد المصری الانتصار لواسطۃ عقد الامصار جلد چہارم، پنجم (القاہرہ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۳ء)
ڈوزی : آر - پی - اے - Dozy : R. P. A
۵۲ - (Histoire des Musulmans d' Espagne)(Leyden 1861) Trans. into English by F. G. Stokes (The Moslems in Spain) (London 1913).
۵۳ - Ensai sur l'Histoire de l' Lslamisme trans, Per Victor Chavin (Leyden Paris 1879)
۵۴ - (Dictionnaire des Noms des Victements chezles Arabes) (Amsterdam 1845)
۵۵ - (Supplement au dictionnaires Arabes) 2 vols (Leyden 1801)
ابن ابی دینار (۱۱۱۰ھ/۱۶۹۸ء) : محمد بن ابی القاسم بن عمر القیروانی -
۵۶ - کتاب التونس فی اخبار افریقیہ و تونس (تونس ۱۲۸۶ھ)
الدینوری (۲۸۲ھ/۸۹۵ء) : احمد بن داؤد ابو حنیفہ -
۵۷ - الاخبار الطوال ، دو جلدیں (لیڈن ۱۸۸۸ء) -
زکی محمد حسن -
۵۸ - الفن الاسلامی فی مصر جلد اول (القاہرہ ۱۹۳۵ء)
۵۹ - کنوز الفاطمیین (القاہرہ ۱۹۳۷ء) -
۶۰ - الفنون الایرانیۃ فی العصر الاسلامی (القاہرہ ۱۹۴۰ء) -
زیدان : جرجی -

٦١ - تاریخ التمدن الاسلامی - پانچ جلدیں (القاهره ١٩٠٢—١٩٠٦ء) -
لی اسٹرینج : گائی Le strange : Guy
٦٢ - (Baghdad during the Abbasid Caliphate) (Oxford 1924).
ابن سعید (٦٧٣ھ/١٢٧٥ء) علی بن موسی المغربی -
٦٣ - کتاب المغرب فی حلی المغرب والمشرق فی حلی المشرق (لیڈن ١٩٨٨—١٨٩٩ء)
السنہوری: ڈاکٹر عبدالرزاق احمد پاشا Sanhoury: Dr.A.A.Pasha
٦٤ - (Le Califat) (Paris 1926)
السیوطی (٩١١ھ/١٦٠٥ء) عبدالرحمان بن ابی بکر جمال الدین -
٦٥ - تاریخ الخلفاء امراء المومنین القائمین بامرالامة (القاهره ١٣٥١ھ) -
٦٦ - حسن المحاضرة فی اخبار مصروالقاهره - دو جلدیں (القاهره ١٣٢٧ھ)
الشابشتی (٣٨٨ھ/٩٩٦ء) ابوالحسن علی بن محمد -
٦٧ - (کتاب الديارات) قلمی (Berlin we 1100)
الشہرستانی (٥٤٨ھ/١١٥٣ء) ابوالفتح محمد بن عبدالکریم -
٦٨ - الملل والنحل ٥ جلدیں (القاهره ١٣١٧ھ)
ابن طبا طبا : محمد بن علی بن طبا طبا المعروف با بن الطقطقی -
٦٩ - الفخری فی الآداب السلطانیه والدول الاسلامیه (القاهره ١٩٢٣)
الطبری (٣١٠/٩٢٢) ابو جعفر بن جریر -
٧٠ - تاریخ الامم والملوک (مطبوعه ڈی غویه - لیڈن ١٨٨١ ء) (القاهره ١٣٢٦ ھ) -
٧١ : تفسیر محمد بن جریر الطبری - تیس جلدیں -
٧٢ - اختلاف الفقہاء : یوسف شخت نے اس کتاب کے چند ابواب (الجهاد و کتاب الجزیه و احکام المحاربین) کی تلخیص شائع کی ھے -

(لیڈن ۱۹۳۳ء)
طه حسین بک -

۷۳ - حدیث الاربعاء (القاهره ۱۹۲۵ء)
الطوسی (۴۶۰/۱۰۶۷—۱۰۶۸ء) محمد بن الحسن

۷۴ - فهرست کتب الشیعه (کلکته ۱۸۸۵ء)
طیفور (۲۸۰ھ/۸۹۳ء) ابوالفضل احمد بن ابی طاهر -

۷۵ - تاریخ بغداد چھٹی جلد مطبوعه کلر H. Keller (لایسبک ۱۹۰۸ء)
ابن عبدربه (۳۴۹ھ/۹۴۰ء) شهاب الدین احمد -

۷۶ - العقد الفرید تین جلدین (القاهره ۱۳۴۶ھ — ۱۹۲۸ء)
ابن عذاری (متوفی اواخر هفتم صدی) ابو محمد عبدالله المراکشی -

۷۷ - البیان المغرب فی اخبار المغرب تین جلدیں شائع کرده (لیڈن ۱۸۴۸— ۱۸۵۱ء) -
علی ابراهیم حسن ڈاکٹر -

۷۸ - تاریخ مصر فی العصورالوسطیٰ (القاهره ۱۹۴۷) النظم الاسلامیه باملاد ڈاکٹر حسن ابراهیم حسن (القاهره ۱۹۳۹ء)
الغزالی : (۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) امام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد -

۷۹ - المنقذمن الضلال (دمشق ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) -

۸۰ - فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة (القاهره (۱۳۱۹ھ—۱۹۰۱ء)
فان فلوٹن : جے .Van Vloten J -

۸۱ - (Recherches SurLa Domination Arabe Lechitisme et Les Croyanees Messianiques Sous Le Khilafat desOmayades (Amsterdam 1894)
عربی ترجمه و حواشی از ڈاکٹر حسن ابراهیم حسن و محمد زکی ابراهیم (القاهره ۱۹۳۴)
ابوالفداء: (۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) اسماعیل بن علی عمادالدین صاحب حماه -

۸۲ - المختصر فی اخبارالبشر ۴ جلدیں (قسطنطنیه ۱۲۸۶ھ) (القاهره ۱۳۱۵ھ)

فنلے جارج Finlay : George

۸۳ - History of the Bygantine Empire (716—1507 A.D. London 4856)
ابن قتیبة (۲۷٦ھ/۸۸۹ء) ابو محمد عبداللہ بن مسلم

۸۴ - کتاب المعارف (۱۳۵۳ھ—۱۹۳۴ء)

۸۵ - عیون الاخبار - چار جلدیں (القاہرہ ۱۳۴۳—۱۳۴۸ھ)
قدامہ (۳۳۷ھ) ابوالفرج بن جعفر الکاتب البغدادی -

۸٦ - نبذ من کتاب الخراج و صنعة الکتابة (مطبوعہ دی غویہ-لیڈن ۱۸۸۹)
القفطی (٦۴٦/۱۲۴۸) جمال الدین علی بن یوسف بن ابراھیم بن عبدالواھاب -

۸۷ - اخبار العلماء باخبارالحکماء (لیسبک ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء)
القلقشندی (۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء) ابوالعباس احمد -

۸۸ صبح الاعشی فی صناعت الانشاء ۱۴ جلدیں (القاہرہ ۱۹۱۳-۱۹۱۷ء)
کاشف : سیدة اسماعیل -

۸۹ - مصر فی فجرالاسلام (القاہرہ ۱۹۴۸)-
الکتبی : (۷٦۴ھ/۱۳٦۴-۱۳٦۳ء) محمد بن شاکر بن احمد حلبی -

۹۰ - فوات الوخیات - دو جلدیں (القاہرہ ۱۲۹۹ھ) -
کریزول : کے - اے - سی - Creswell : K. A. C

۹۱ - Early Muslim Architectue 2 vols. (Oxford 1930 and 1938).
کریمر : الفرڈفون Kremer Alfred Von

۹۲ - (Culturgeschichte des Qrients unter den Chalifen) 2 vols. (Vienna 1875) Trans. by S. KhudaBaksh (The Orient under The Caliphs (Calcutta 1920)
الکندی (۳۵۰ھ/۹٦۱ء) ابو عمر محمد بن یوسف

۹۳ - کتاب الولاة و کتاب القضاة مطبوعہ رو Rhuvon Guest
E. G. W. Gibb Memorial Serios (London 1917)

لینپول سٹانلی Lane poole Stanley

۹۴ - The Muhammadan Dynasties Paris 1925

۹۵ - (The moors in Spain)(London 1887) عربی ترجمہ از علی جارم بک القاهره ۱۹۴۴ء)

۹۶ - (A History of Egypt in the Middle Ages) Lond 192

الماوردی (۴۵۰ھ/۱۰۵۷ء) ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی البصری -

۹۷ - الاحکام السلطانیه (القاهره ۱۲۹۸ھ) -

متز : آدم Mez : Adam

۹۸ - The Renaissance of Islam, trans. into English by S. Khuda Bakhsh and D. S. Margoliouth (London 1930).
عربی ترجمہ بعنوان الحضارة العربیه فی القرن الرابع الهجری دو جلدیں (القاهره ۱۹۴۰ - ۱۹۴۱) -

ابوالمحاسن (۸۷۴ھ/۱۴۶۹ء) جمال الدین بن یوسف بن تغری بردی -

۹۹ - النجوم الزاهرة فی ملوک مصر والقاهره جلد ۱ و ۲ (القاهره ۱۹۲۹ - ۱۹۳۰)

المدور : جمیل نخله -

۱۰۰ - حضارة الاسلام فی دارالسلام (القاهره ۱۳۵۱ھ—۱۶۳۲ء)

المراکشی (۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء—۱۲۷۱ء) محی الدین ابو محمد عبد الواحد بن علی تمیمی-

۱۰۱ - المعجب فی تلخیص اخبار المغرب (مطبوعه ڈوزی لیڈن ۱۸۸۳ ع
ترجمه و شرح E. Fagnan (الجزائر ۱۸۹۳ء)

ابن المرتضی (۳۲۵ھ/۹۳۶-۹۳۷ء) المہدی لدین الله احمد بن یحییٰ

۱۰۲ - باب ذکر المعتزلة کتاب المنیة والامل کا ایک باب (مطبوعه هند) -

۱۰۳ - کتاب مروج الذهب و معادن الجوهر ، دو جلدیں (القاهره

۱۲۳۶ھ) و فرانسیسی ترجمہ - Barbier de Meynerd بہ عنوان (Prairios d'er) (پیرس ۱۸٦۱—۱۸۷۷ء) -

۱۰۴ - کتاب التنبیہ و الاشراف (مطبوعہ ڈی غویہ - لیڈن ۱۸۹۳ء) (القاہرہ ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء) -

المقدسی (۳۸۸ھ/۹۹۷ء) شمس الدین ابو عبداللہ محمد -

۱۰۵ - احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم مطبوعہ ڈی غویہ (لیڈن ۱۹۰٦ء)

المقری (۱۰۴۱ھ/۱٦۳۳ء) احمد بن محمد -

۱۰٦ - نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب ، چار جلدیں (بولاق ۱۲۷۹ھ ۱۸٦۲ء) -

۱۰۷ - ازہار الریاض فی اخبار عیاض ۳ جلدیں ، تصحیح و حواشی از مصطفیٰ السقا و ابراھیم الابیاری و عبدالحفیظ شبلی (القاہرہ ۱۹۳۹—۱۹۴۱ء) -

المقریزی : (۸۴۵ھ/۱۴۴۱ء) تقی الدین احمد بن علی -

۱۰۸ - المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار دو جلدیں (القاہرہ ۱۲۷۰ھ) -

میور : ولیم ٹمپل Muir : William Tample

۱۰۹ - The caliphate its Rise, Decline and Fall (Edinburgh 1924)

نظام الملک (۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) -

۱۱۰ - کتاب السیاست نامہ - Siasset Nameh, Traite de Gouvernment compose pour Le Sultan Malik-chah Par Le Nizam-ul-Maulk (Taxte Person) (ed. by Charles Schefer) 3 vols (Pasis 1891—1897)

ابن الندیم (۳۸۳ھ/۹۹۳ء) محمد بن اسحاق -

۱۱۱ - کتاب الفہرست دو جلدیں (لایپسک ۱۸۷۱ء) القاہرہ ۱۳۴۸ھ)

النسبی -
۱۱۲ - کتاب مطالب السول فی غزوات الرسول (مکتبة الجامعة لیڈن قلمی نسخه نمبر شمار ۱۹۷۹ء) -
ابن النعمان : محمد -
۱۱۳ - کتاب الارشاد - مکتبة آلجامعة لیڈن ، قلمی نسخه ۱۶۳۸ -
النوبختی : (۲۰۲ھ/۸۱۷ء) ابو محمد الحسن بن موسیٰ -
۱۱۴ - کتاب فرق الشیعة (استنبول ۱۹۳۱ء) -
نکلسن : اے - رینالڈ Nicholson-A. Reynold -
۱۱۵ - (Literary History of the Arabs) (Cambridge 1930)
ھیڈ : ڈبلیو Heyd : W. -
۱۱۶ - Histoire du Commerce du Levant au Mayean-age) 2 vols (Leipzig 1925).
ھل : یوسف Hell : Joseph
۱۱۷ - The Arab Civilisation Trans. from German By. S. Khuda Bakhsh (Cambridge 1926).
وسٹنفیڈ ایف - فون Wustenfeld : Von
۱۱۸ - (Die Geschichtschreiber der Araber undihre werke Gottingen 1882)
یاقوت (۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء) شہاب الدین ابو عبداللہ الحموی الرومی -
۱۱۹ - معجم البلدان ، دس جلدیں (القاھرہ ۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) -
الیعقوبی (۲۸۲ھ/۸۹۵ء) احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب بن واضح -
۱۲۰ - تاریخ الیعقوبی دو جلدیں (مطبوعۂ M. Th. Houtsma لیڈن ۱۸۸۳ء) -
۱۲۱ - کتاب البلدان (مطبوعه ڈی غویه لیڈن ۱۸۹۲ء) -
ابو یوسف (۱۹۲ھ/۸۰۷-۸۰۸ء) یعقوب بن ابراھیم -
۱۲۲ - کتاب الخراج (بولاق ۱۳۰۲ھ) (المطبعة السلفیة بمصر ۱۳۴۶ھ) -

النسبی -

۱۱۲ - کتاب مطالب السول فی غزوات الرسول (مکتبة الجامعة لیڈن قلمی نسخه نمبر شمار ۱۹۷۹ء) -

ابن النعمان : محمد -

۱۱۳ - کتاب الارشاد - مکتبة آلجامعة لیڈن ، قلمی نسخه ۱۶۴۸ -

النوبختی : (۲۰۲ھ/۸۱۷ء) ابو محمد الحسن بن موسیٰ -

۱۱۴ - کتاب فرق الشیعة (استنبول ۱۹۳۱ء) -

نکلسن : اے - رینالڈ Nicholson-A. Reynold -

۱۱۵ - (Literary History of the Arabs) (Cambridge 1930)

ہیڈ : ڈبلیو Heyd : W. -

۱۱۶ - Histoire du Commerce du Levant au Mayean-age) 2 vols (Leipzig 1925).

ہل : یوسف Hell : Joseph

۱۱۷ - The Arab Civilisation Trans. from German By. S. Khuda Bakhsh (Cambridge 1926).

وسٹنفیڈ ایف - فون Wustenfeld : Von

۱۱۸ - (Die Geschichtschreiber der Araber undihre werke Gottingen 1882)

یاقوت (۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء) شہاب الدین ابو عبداللہ الحموی الرومی -

۱۱۹ - معجم البلدان ، دس جلدیں (القاہرہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) -

الیعقوبی (۲۸۲ھ/۸۹۵ء) احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح -

۱۲۰ - تاریخ الیعقوبی دو جلدیں (مطبوعۂ M. Th. Houtsma لیڈن ۱۸۸۳ء) -

۱۲۱ - کتاب البلدان (مطبوعه ڈی غویه لیڈن ۱۸۹۲ء) -

ابو یوسف (۱۹۲ھ/۸۰۷-۸۰۸ء) یعقوب بن ابراہیم -

۱۲۲ - کتاب الخراج (بولاق ۱۳۰۲ھ) (المطبعة السلفیة بمصر ۱۳۴۶ھ) -